تاریخِ ایران
(جلد اوّل)
www.KitaboSunnat.com
تالیف
پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخِ ایران

(جلدِ اوّل)

از قومِ ماد تا آلِ ساسان

تالیف:

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

نظرِ ثانی:

ڈاکٹر آفتاب اصغر

مجلسِ ترقیٔ ادب، 2۔ کلب روڈ، لاہور

فون : 042-35044871,042-36368218,36370990
فیکس : 042-36368217
ای۔میل : majlis_ta@yahoo.com

تاریخِ ایران (جلد اوّل) تالیف: پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

طباعت دوم: جولائی 2010ء/ شعبان 1431ھ۔ تعداد: 600

سلسلۂ مطبوعات : 133

ناشر : شہزاد احمد
: ناظم مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور
مطبع : سپوتنک پرنٹرز 13-سی فین روڈ، لاہور
قیمت : 500 روپے

یہ کتاب محکمۂ اطلاعات وثقافت وامورِ نوجواناں، حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی

فہرست

تمہید

خوشا وہ نفاستِ ذوق اور زہے وہ استقامتِ کار جس کے سہارے انسان پوری زندگی اپنی پسند کے کسی پاکیزہ مشغلے میں بسر کر سکے! مرزا مقبول بیگ بدخشانی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اوائل عمر میں فارسی زبان و ادب کی شمع سے لو لگائی اور پھر ماہ و سال کا کوئی انقلاب انھیں اس صراطِ مستقیم سے منحرف نہ کر سکا۔

مرزا صاحب نے فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے جو خدمات سرانجام دیں، میں یہاں ان کا ذکر نہ کروں گا لیکن فارسی ادب کے تیزی سے کم ہوتے ہوئے جاں نثاروں میں انھوں نے قوم کی ایک عظیم الشان روایت کو زندہ رکھنے کے لیے جس طرح ہمارے تہذیبی ماضی کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے لیے ہم ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

میں نے مرزا مقبول بیگ بدخشانی کی اکثر تصانیف و تالیفات کو دیکھا ہے اور ان سے مستفید ہوا ہوں۔ اب ان کی مطول تاریخِ ایران طباعت کی منزلوں سے گزر رہی ہے اور میں خوش ہوں کہ انھوں نے فارسی زبان و ادب کے مطالعے کے سلسلے میں اس بنیادی کام کو نظر انداز نہیں کیا۔ ایران کے متعلق تاریخی مواد انگریزی اور بعض دوسری یورپی زبانوں میں بڑی کثرت سے موجود ہے۔ اردو زبان و ادب کو جو تعلق فارسی سے ہے اور ایرانی تاریخ کے پس منظر سے ہے، اُس کا لحاظ کیجیے تو ہمارے لیے بمقابلہ اہلِ یورپ کے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ ان تفصیلات سے بوجہ احسن آگاہ ہوں جو اھلِ ایران کی ہزارہا سالہ تاریخ کا تار و پود بناتی ہیں۔ بدخشانی صاحب نے ایران کی مفصل تاریخ دو جلدوں میں لکھ کر ایک مفید علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے۔ میں انھیں اس کارنامے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ذوقِ ادب رکھنے والے اصحاب اور تاریخ کے طالب علم یہ کتاب دل چسپی سے پڑھیں گے۔

لاہور
۲۴ اکتوبر ۱۹۶۷ء

حمید احمد خاں
وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی

حرفِ آغاز

تاریخ کے طالب علم کے لیے قدیمی تہذیبوں کا مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے- قدیم ایرانی تہذیب کا زمانہ قبل از تاریخ سے متعلق ہے- تاریخی زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے' جب ایران کے ملحقہ علاقوں' بابل ونینوا اور مصر میں رسم الخط وضع ہوا- رسم الخط اختیار کرنے سے ایران قدیم کے بادشاہوں نے اپنے کارناموں کو جاودانی حیثیت دینے کے لیے ملک کی بلند و بالا چٹانوں کو منتخب کیا اور تاریخ کے کچھ اوراق اہلِ فن کے تیشوں نے چٹانوں پر کندہ کر دیے- اس طرح تاریخ وتہذیب کا ابتدائی ورثہ اہلِ ایران کو ملا-

تہذیب اصل میں کسی قوم کی ثقافت کے عروج کا نام ہے- اس سے مراد زندگی گزارنے کا وہ مخصوص انداز ہے جو اسے اقوامِ عالم سے ممتاز کرتا ہے- یہ انفرادیت قوم کے آدابِ حیات، فنونِ لطیفہ' زبان وادبیات' مذہب اور قومی اعتقادات ونظریات سے ظاہر ہوتی ہے- اس مختصر سے تعارف کا تقاضا یہ ہے کہ ایرانی تاریخ وتہذیبؒ کے بعض اہم پہلوؤں کی نشان دہی کی جائے-

ایران کی قدیم ترین قوم' آل ماد' آریہ نسل سے تھی- اجتماعی زندگی کی ضرورتوں کے پیشِ نظر انھوں نے کچھ آدابِ حیات اختیار کیے' جو اہلِ ایران کے لیے مخصوص ہو گئے- آل ماد کی تہذیب کی کچھ نشان دہی اس زمانے کے فنِ حجاری سے ہوتی ہے- لیکن جو آثار اہلِ ماد سے متعلق سمجھے جاتے ہیں' ان کے متعلق بعض محققین کی یہ رائے بھی ہے کہ یہ بعد کے زمانے کے ہیں' انھیں میں ایک شیر کا مجسمہ بھی ہے' جو ہمدان کے قریب اب بھی موجود ہے لیکن بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے- تاریخ شاہد ہے کہ یہ مجسمہ ۹۳ء میں اپنی اصلی صورت میں قائم تھا- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوت اور شوکت کا جو تصور ان لوگوں کے ذہن میں موجود تھا' اسے فن کار کے تیشے نے شیر کی شکل میں مجسم کر لیا- آلِ ماد کے متعلق یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ مغوں کے قدیمی مذہب کے پیرو تھے-

اس مذہب کے متعلق واضح طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی' البتہ زرتشت نے' جو آل ماد کے وطن میڈیا میں پیدا ہوا تھا' اوستا کے حصہ ''گاتھا'' میں لکھا ہے کہ ''نئے مذہب کی میں نے اس لیے دعوت دی ہے کہ مغوں کے قدیمی مذہب میں جو توہمات داخل ہو گئے ہیں' ان سے مذہب کو پاک کر دیا جائے''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرتشت کا مذہب بنیادی طور پر مغوں کے قدیمی مذہب سے مختلف نہ تھا اور مغ بھی زرتشت کے پیروؤں کی طرح آھورا مزدا (یزداں اہرمن) کی پرستش ضرور کرتے ہوں گے' اگرچہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں سحر' اور توہمات شامل ہوتے گئے۔ اس زمانے کی زبان کے آثار تو دستیاب نہیں لیکن نولدیکی لکھتا ہے: ''اگرچہ آل ماد کے بادشاہوں کا کوئی کتبہ نہیں ملتا' لیکن میرا خیال ہے' اگر کوئی کتبہ مل سکتا تو یہ رسم الخط اور زبان کے اعتبار سے شاہانِ فارس (ہخامنشیوں) ہی کے کتبوں کی طرح ہوتا''۔

ہخامنشیوں کا دور ایران کا پہلا باعظمت دور ہے جو ۵۵۰ ق م سے ۳۲۳ ق م تک جاری رہا۔ اس خاندان کا اولین بادشاہ کوروش اعظم اور آخری بادشاہ داریوش سوم ہے۔ ہخامنشیوں کی تاریخ تابناک اور تہذیب درخشاں ہے۔ انھیں کشور کشائی کی آرزو تو تھی لیکن تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مفتوح اقوام کے مذہب کی حرمت برقرار رکھی جائے اور ان کی تہذیب داغدار نہ ہو۔ صوبوں کے جو حکمران شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے' انھیں شاہ کا لقب اختیار کرنے کا حق حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہخامنشی بادشاہوں نے اپنے لیے شاہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس زمانے کی تاریخ طاقت ور مرکزی حکومت کی نشان دہی کرتی ہے۔ مرکزی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے ملکوں کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان صوبوں اور مقبوضہ علاقوں میں جو حاکم مقرر کیے جاتے تھے' براہِ راست شاہنشاہ کو جواب دہ ہوتے تھے۔ داریوش اعظم نے ہر صوبے میں والی کے علاوہ میر لشکر اور دبیر خصوص (چیف سیکرٹری) بھی مقرر کیے تھے۔ یہ سرکاری عہدے دار ایک دوسرے سے آزاد ہوتے تھے اور براہِ راست صوبے کے حالات سے مرکزی حکومت کو باخبر رکھتے تھے۔ اس طرح یہ تینوں حکام اعلیٰ عموماً ایک دوسرے کے ہم نوا نہیں ہونے پاتے تھے۔

شاہنشاہ کو قومی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی' وہ ایک دفعہ جو قانون بنا لیتا' اس سے کبھی روگردانی نہ کرتا۔ ملک کی خوش حالی اور بدحالی کا انحصار بادشاہ کی ذات پر ہوتا تھا' قومی اور ملکی روایات کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ اسے امور سلطنت میں امرا سے مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ شاہی دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا' ایک دن میں کم و بیش پندرہ ہزار آدمی شاہنشاہ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ شاہی فرامین پر شاہنشاہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اس زمانے کے کتبوں سے شاہنشاہوں

کے مخصوص قبا دار لباس کا پتا چلتا ہے' نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کانوں میں بالیاں' گلے میں ہار اور زنجیریں پہنتے تھے- ان کی داڑھیاں لمبی اور بال عموماً گھنگھریالے ہوتے تھے- امن و صلح کے وقت بادشاہوں کا شغل شکار ہوتا تھا- چناں چہ اس زمانے کی دیواروں کو درندوں' ہرنوں' گورخروں' خرگوشوں اور پرندوں وغیرہ کی تصاویر سے زینت دی جاتی تھی- ملکہ حرم سرا میں مختار کل ہوتی تھی' اسے تاج پہننے کا اختیار حاصل تھا- تمام بیگمات پر اس کی حکومت ہوتی تھی- محل میں خواجہ سرا کام کرتے تھے-

کتبے شاہد ہیں کہ ہخامنشی عہد کے ایرانی' خدا کی وحدانیت پر اعتقاد رکھتے تھے- آہورامزدا ان کے نزدیک خالق کائنات تھا- داریوش اعظم نے اپنی فتوحات کی یاد میں جو کتبے کندہ کرائے' ان میں جگہ جگہ آہورامزدا کا احسان مانا ہے- آگ کو وہ مظہرِ خداوندی سمجھتے تھے- اس غرض کے لیے آتش کدے تعمیر کرائے جاتے تھے جن کے ساتھ جاگیریں مختص کی گئی تھیں- اسی دور کا ایک آتش کدہ اب بھی موجود ہے-

ہخامنشی عہد میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا- امرا کی عورتیں پردہ کرتی تھیں' کہیں باہر نکلتیں تو عماریوں میں' جن پر پردے چھوڑ دیے جاتے تھے- پردے کا اہتمام یہاں تک تھا کہ اس زمانے کے مجسموں یا ابھرواں تصویروں میں کسی عورت کی شبیہ نظر نہیں آتی

اس عہد میں راستوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی- طویل سڑکوں کے ذریعے ملک کو ایشیائے کوچک کے دور دراز علاقوں سے ملا دیا گیا تھا جن کی وجہ سے اتنی وسیع سلطنت میں نظم و نسق برقرار رکھنے میں مدد ملتی تھی- بحری راستوں پر بھی بڑی توجہ دی جاتی تھی- بحری راستے سے ایرانی جہاز بحرالجزائر سے گزر کر بحیرہ احمر تک چلے جاتے تھے- قدیم کتبوں سے پتا چلتا ہے کہ نہر سویز داریوش اعظم کے حکم سے کھودی گئی تھی-

ہخامنشی کتبے' جو بلند و بالا چٹانوں پر کندہ کرائے گئے' ان سے قدیمی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے اور فنکاروں کی صلاحیت کا بھی پتا چلتا ہے- کتبوں کے مضامین قریب قریب ایک سے ہیں' ان میں آہورامزدا کی تعریف و توصیف کے بعد فتوحات کا ذکر آتا ہے- بعض کتبے محلات کی تعمیر کے طریق کار کا پتا دیتے ہیں- کتبوں کا رسم الخط میخی (Cuniform Script) تھا جو بابل اور نینوا میں رائج تھا-

ہخامنشی بادشاہوں نے مشرق قدیم پر تسلط قائم کرنے کے بعد ایران' بالخصوص صوبہ فارس میں عظیم الشان محل تعمیر کرائے جو ان کی عظمت' ثروت اور قومی روایات کے مظہر تھے-

ستونوں کو ہخامنشی عہد کی عمارتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے؛ جن میں سے بعض ڈھائی ہزار سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اب بھی جوں کے توں کھڑے ہیں؛ معلوم ہوتا ہے کہ عظمتِ آثار کی پاسبانی کر رہے ہیں۔

ہخامنشیوں کے نزدیک راست بازی بہترین صفت تھی۔ ان کے نزدیک جس بات کا کرنا ممنوع تھا، اُسے زبان پر لانا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جھوٹ اُن کے نزدیک بدترین گناہ تھا۔ زیادہ اولاد پیدا کرنا قابلِ قدر سمجھا جاتا تھا۔ زمین کو وہ لوگ مقدس سمجھتے تھے اور اس تقدس کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ زمین پر تھوکنا بھی اُن کے نزدیک عیب تھا۔ اسی طرح پانی بھی اُن کے نزدیک مقدس تھا۔

سکندر اعظم کی فتح ایران (۳۳۰ ق م) کے بعد سیلوکیوں کا دور آتا ہے۔ اس دور میں یونانی زبان کو تو کچھ رواج ہوا لیکن ایرانی تمدن کو وہ متاثر نہ کر سکے۔ سیلوکیوں کے بعد اشکانیوں کا دور دورہ ہوا۔ ان کی کوئی نمایاں یادگار باقی نہ رہ سکی اس لیے ایرانی مورخ اشکانی عہد کو 'دورِ تاریک' سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساسانی عہد (۲۲۶ تا ۶۵۲ء) کے بانی اردشیر (۲۲۶ تا ۲۴۰ء) نے پہلی بار ملک میں قومی یک جہتی قائم کرنے کے لیے آتش پرستی کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا اور اشاعتِ مذہب کے لیے ملوک و امرا کے نام فرمان بھی جاری کیے، موبدوں کا منصب بلند کیا، انھیں جاگیریں عطا کیں، آتش کدے تعمیر کرائے اور ان کے اخراجات پورے کرنے کے لیے زمینیں وقف کیں۔ زرتشت کی مذہبی کتاب اوستا کو از سرِ نو مرتب کرانے کے لیے تنسر نامی ہیربد کی خدمات حاصل کیں۔

اردشیر نے سرکاری ملازموں کی درجہ بندی کی اور ملک میں امنِ عامہ کے ادارے قائم کیے اور کھیتی باڑی کی طرف توجہ دی۔

ساسانی بادشاہ علم سے شغف رکھتے تھے۔ انھوں نے علما کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ نوشیروان عادل (۵۳۱ تا ۵۷۹ء) کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ ایک سریانی عالم یورینیوس، جو فلسفی اور طبیب تھا، وہ فلسفہ پڑھانے پر مامور تھا۔ ایک عیسائی مسمّی پالوس پرسا نے نوشیرواں کے لیے ارسطو کی منطق کی کتاب کا پہلوی میں ترجمہ کیا جس میں خدا اور کائنات کے متعلق عقیدے بیان کیے گئے ہیں۔ نوشیروان ان نوفلاطونی فلسفیوں سے بحث مباحثے کیا کرتا تھا جو یونان سے ترکِ وطن کر کے نوشیروان کے دربار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فلسفیانہ خیالات سے بہت دلچسپی تھی۔ نوشیرواں نے علوم کی ترویج و

اشاعت کے لیے جندی شاپور میں ایک بہت بڑی درس گاہ قائم کی جسے یونیورسٹی کہنا چاہیے۔ یہاں فلسفہ، ادبیات، طب اور فلکیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نے اردشیر کے اقوال کا پہلوی میں ترجمہ کرایا اور انھیں قانون کا درجہ دیا۔ قدیم فارسی کی مشہور کتاب 'خدائی نامہ' یا 'خوتائی نامک' اسی زمانے میں لکھی گئی جو شاہنامۂ فردوسی کا ماخذ ہے۔ برزویہ کی شہرۂ آفاق کتاب 'کلیلک دمنک' نوشیروان ہی کے زمانے میں ھند سے منگوائی گئی اور پہلوی میں ترجمہ ہوئی۔ عدل وانصاف کے لیے ساسانی بادشاہ بہت مشہور تھے۔ نوشیرواں کا عدل تو آج بھی زبان زد عوام ہے۔ زراعت کو اس زمانے میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ چناں چہ زرعی اصلاحات کا منصوبہ جو قباد (۴۸۷ تا ۵۳۱ء) نے بنایا تھا نوشیرواں نے اُسے عملی جامہ پہنایا۔ خسرو پرویز کو فنونِ لطیفہ سے بڑی دل چسپی تھی۔ عجائباتِ خسرو اور اس کے خزانے اب بھی اردو اور فارسی ادب کا سرمایۂ افتخار ہیں۔

اہلِ ایران کا عقیدہ تھا کہ ہخامنشیوں کو خالق کائنات نے فرایزدی یا فرکیانی عطا کی تھی اس لیے وہ سرزمین ایران کے بادشاہ بنے۔ یہی فرکیانی دست بدست ہخامنشی بادشاہوں کو ورثے میں ملتی رہی۔ ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو ہخامنشی بادشاہوں کی نسل سے ظاہر کرتے تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو فرایزدی کا وارث سمجھتے تھے۔ ساسانی بادشاہ جس عظمت و جلال سے زندگی گزارتے تھے، تاریخ اس کی مثال مشکل ہی سے پیش کر سکتی ہے۔ شاہی دربار میں انعام واکرام اور خلعتیں بھی عطا کی جاتی تھیں۔ اس دور میں حکم رانوں کے درجے مقرر تھے۔ امرا واشراف کو سیاسیات میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ پورے معاشرے کی طبقہ بندی کی گئی تھی۔ ہر طبقے کی تہذیب و ترقی کے لیے حکومت کوشاں رہتی تھی۔ سرکاری خزانے کا روپیہ ملکی بہبود پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس سے زمینداروں کو قرضے دیے جاتے تھے۔ تعمیرات ملکی خزانے سے ہوتی تھیں۔ رفاہ عامہ کے کاموں پر جو روپیہ خرچ ہوتا' اس کے لیے چندے بھی وصول کیے جاتے تھے۔ غربا اور مساکین کو خیرات دینے کے لیے خاص رقوم مقرر کی جاتی تھیں۔ آب پاشی کے لیے قناتیں (زیر زمینی نالے) کھدوائی جاتی تھیں تاکہ گرمی کی وجہ سے اور سطح مرتفع ہونے کے سبب پانی خشک نہ ہو جائے۔ آب پاشی کے اس نظام کو ساسانی دور میں بہت وسعت ہوئی۔ شاپور اول نے اس غرض سے ایک بہت بڑا بند ''بندِ قیصر'' تعمیر کرایا جس میں روم کے قیدی انجینئروں سے کام لیا گیا تھا۔ وسائل آمد و رفت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ سونے چاندی اور تانبے کے برتن، بلور کی بنی ہوئی چیزیں ساسانی دور کی خاص صنعتیں تھیں۔ ایران کے صناع مخمل، اُونی کپڑے اور قالین تیار کرنے

میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے- ڈاک کے انتظام کی لیے گھوڑ سوار مقرر تھے- جگہ جگہ ڈاک چوکیاں قائم کی گئی تھیں- قومی جشن بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے-

ساسانی عہد کے سکوں سے اس عظیم عہد کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے- ان کی پشت پر آتش کدے کی تصویر ہے اور سامنے بادشاہ کی' جس کے عہد میں یہ سکہ رائج تھا- بادشاہوں کے نام اور القاب سکوں پر درج ہوتے تھے- اس عہد کے سنگیں (پتھروں کے) کتبوں سے اس زمانے کے سیاسی اور تہذیبی افکار کا پتا چلتا ہے-

ساسانی دور کی زبان پہلوی تھی جسے 'فارسی میانہ' بھی کہتے ہیں- پہلوی ادب میں جو کتابیں ملتی ہیں' زیادہ تر تاریخی اور مذہبی ہیں- اس دور کی عمارات ساسانی آرٹ اور فن کا بہترین مظہر ہیں اور آج بھی ساسانیوں کی عظمتِ رفتہ کی شاہد ہیں-

ایرانی تہذیب میں اتنی گہرائی اور گیرائی ہے کہ جس اجنبی حکمران نے سرزمین ایران پر قدم رکھا' ایرانی بن کر رہ گیا- یونانی فاتح اسکندر نے ادھر کا رُخ کیا تو ایران کو یونانی بنانے کے بجائے خود ایرانی بن گیا- ظہور اسلام کے بعد عرب یہاں آئے تو وہ بھی اپنی انفرادیت کے باوجود ایرانی تہذیب وتمدن کے سانچوں میں ڈھل کر ایرانی ہو گئے-

خلافت عباسیہ کے آدابِ حیات تو ہمیں ساسانی عہد کی یاد دلاتے ہیں- ایرانیوں اور عربوں میں کچھ فرق رہا تو صرف زبان کا: رفتہ رفتہ وہ فرق بھی مٹ گیا اور بادیہ نشینان عرب ایرانیوں کی طرح فارسی میں اظہار خیالات کرنے لگے اور انھی کے سے طور طریقے اختیار کر لیے- تاتاریوں نے یہاں آ کر ہلاکت کے طوفان بپا کیے لیکن وہ ایرانی تہذیب کی روح کو گزند نہ پہنچا سکے' آخر وہ ایران ہی میں جذب ہو گئے-

اہلِ ایران نے نہ صرف اپنی تہذیب کی حفاظت کی بلکہ اس سے ہمسایہ اقوام بھی متاثر ہوئیں- محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو متعدد ایرانی' جو عرب لشکر کے ساتھ تھے' یہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے اور ان کی وجہ سے مکران اور سندھ کے علاقوں میں ایرانی تہذیب پھیلی اور فارسی زبان کا چرچا ہوا-

سلطان محمود غزنوی نے جہاں بعض ہندوستانی علاقے مسخر کیے' وہاں ایران کے مشرقی صوبہ خراسان کو اپنے تسلط میں لے لیا- اس سے ایران وہند کے سیاسی' تہذیبی اور علمی روابط قائم ہوئے اور علمائے ایران کے لیے برعظیم پاک وہند آنے کا راستہ ہموار ہو گیا-

غوری، خاندان غلامان کے افراد، خلجی، تغلق، سادات اور لودھی سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ان کے عہد میں علمانے ملکی تاریخیں فارسی زبان ہی میں لکھیں۔

ظہیر الدین محمد بابر مملکت ایران میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی اس لیے اس کا مزاج ایرانی تھا۔ ہند میں اس نے مغلیہ حکومت کی تاسیس کی تو فارسی ہی درباری اور سرکاری زبان بنی اور ایرانی تمدن نے رواج پایا۔

ہمایوں بادشاہ شاہنشاہ طہماسپ کے دربار میں چند ماہ گزارنے کے بعد جب ھند کا تاج وتخت دوبارہ حاصل کرنے میں کام یاب ہوا تو ایرانی علما وشعرا نے دربار مغلیہ کی اور بھی زیادہ کشش محسوس کی۔ بقول آقائے سعید نفیسی "ہر سال ایرانی دانش ور قافلہ در قافلہ پاک و ہند آتے تھے جہاں ان پر انعام واکرام کی بارشیں ہوتی تھیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پاک و ہند میں فارسی زبان وادبیات نے صفوی دربار کی بہ نسبت کہیں زیادہ فروغ پایا۔ ایران کے بزرگ ترین شعرا دو سو سال کے عرصے میں، یعنی پندرھویں صدی عیسوی کے آخر سے سترھویں صدی عیسوی کے آخر تک ہندوستان ہی میں مقیم رہے۔ اس دور میں مسلمانوں کا جو لٹریچر پیدا ہوا، سب کا سب فارسی میں تھا"۔

فارسی زبان کا یہ احسان بھی ہے کہ اس کا اختلاط جب سنسکرت زبان سے ہوا تو رفتہ رفتہ اردو زبان وجود میں آئی جس میں کم وبیش ساٹھ فی صد الفاظ فارسی کے ہیں اور عربی کے جو الفاظ اُردو کا جزو بنے، وہ بھی فارسی کے ذریعے آئے۔

ایران اور پاک وہند کے روابط ہزاروں سال پرانے ہیں۔ ایک زمانہ تو ایسا بھی آیا تھا کہ موجودہ پاکستان کا خاصا حصہ ایرانی قلم رو میں شامل تھا اور آج کا پاکستان ایران ہی کہلاتا تھا۔ اب اگرچہ جغرافیائی حدود کے لحاظ سے ایران اور پاکستان جداگانہ ملک ہیں لیکن سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور نسلی رشتوں کی وجہ سے اتنے قریب ہیں کہ اہلِ ایران پاکستان کو اور پاکستان ایران کو وطن ثانی سمجھتے ہیں۔ محمد رضا شاہ پہلوی کے دور میں ان دونوں میں اخوت کا جذبہ بہت مستحکم ہوا ہے۔ معاہدۂ استنبول اور آر۔سی۔ڈی (ادارہ علاقائی تعاون برائے ترقی) کے تحت ایران، پاکستان اور ترکیہ کا اتحاد جو عمل میں آیا، وہ ایک اعتبار سے جمال الدین افغانی کے نظریہ بین اسلامیت کی تمہید تھی۔ اس لیے اس خطہ کی تاریخ وتہذیب کے مطالعے کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔

تاریخ ایران لکھنے کا خیال مجھے آج سے کوئی پندرہ سال پہلے آیا تھا لیکن چند در چند مصروفیات کی وجہ سے یہ کام معرض التوا میں پڑا رہا- یہ خیال اس لیے بھی تھا کہ اردو زبان میں کوئی مفصل تاریخ ایران نہیں لکھی گئی تھی اور طلبہ کو متعدد انگریزی کی کتابوں کا سہارا لینا پڑتا تھا- آخر جب طلبہ کا مطالبہ بڑھا اور کچھ فراغت ہو گئی تو اس کام کی طرف توجہ ہوئی اور آج اسے کتابی صورت میں دو جلدوں میں پیش کرنے کے قابل ہو گیا-

کسی ملک کی تاریخ حقیقت میں وہاں کی قوم کی سوانح عمری ہوتی ہے- ایرانی قوم کی سوانح عمری لکھنا گویا کم و بیش تین ہزار سال کے عرصے کی قومی زندگی کا جائزہ لینا ہے اور ان پردوں کو اٹھانا ہے جن کے پیچھے ایران کی اہم قومی افکار اور کارناموں کے نقوش پنہاں ہیں- قوم کی سوانح عمری تو ایک طرف، کسی فرد واحد کے حالات زندگی مرتب کرنے میں جس مواد کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا فراہم کرنا میرے جیسے کم استطاعت شخص کے لیے دشوار ہے- بہر حال اس مشکل کام کے لیے میں نے فارسی، عربی، انگریزی اور فرانسیسی ماخذوں کی طرف رجوع کیا- انگریزی اور فارسی کے توسط سے یونانی تاریخوں تک رسائی پائی- ایران کے علمائے تاریخ سے براہ راست ربط پیدا کیا- سیاحتِ ایران کے دوران میں ایرانِ قدیم کی زبان سمجھنے کے لیے آثارِ قدیمہ کے علماء سے راہنمائی حاصل کی اور جدید دور کی بعض نادر یادداشتوں سے بھی استفادہ کیا-

اس تاریخ میں امکان بھر صحتِ واقعات کا خیال رکھا گیا ہے لیکن مؤلف کو یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ یہ تاریخ مکمل اور خامیوں سے مبرّا ہے بلکہ اس کے برعکس یہ احساس ہے کہ اس میں مجھ سے فروگذاشتیں ضرور ہوئی ہیں- امید ہے قارئین ان کی طرف توجہ دلا کر مجھے شکریے کا موقع دیں گے-

مقبول بیگ بدخشانی

بابِ تشکّر

احسان مندی کے اس باب میں مجھے حکومت ایران کو ہدیۂ تشکر پیش کرنا ہے اُس نے میری ناچیز علمی خدمات کو توجہ کے قابل سمجھا اور 'نشانِ سپاس' کے گران قدر علمی اعزاز سے سرفراز فرمایا جو میرے لیے ہمیشہ سرمایۂ افتخار رہے گا۔

رئیس دانش گاہ تہران کا میں تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے سیاحتِ ایران کے دوران میں مجھے دانش گاہ کی مطبوعہ ایک سو پچاس کتابیں مرحمت فرمائیں جو اس تاریخ کی تالیف میں ممد ثابت ہوئی۔

آقاے پروفیسر سعید نفیسی مرحوم، آقاے صادق سرمد مرحوم، شاعر ملی ایران اور آقاے محمد حجازی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے جہاں اور سہولتیں بہم پہنچائیں وہاں تاریخی مواد فراہم کرنے میں بھی میری مدد کی۔

آقاے ڈاکٹر صادق کیا معاون وزارت فرہنگ و ہنر دولت شاہنشاہی ایران کا شکریہ مجھ پر واجب ہے کہ انھوں نے میری درخواست پر ۲۷ تصاویر تہران سے ارسال فرمائیں جو یقیناً اس تاریخ کی افادیت میں اضافہ کرنے کا موجب ہیں۔ بعض تصاویر مجھے ڈاکٹر محمد اکرم پروفیسر اوری اینٹل کالج لاہور نے بہم پہنچائیں؛ مجھے ان کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔

شکریے کا یہ باب نا تمام رہے گا اگر میں مجلس ترقیِ ادب لاہور کے دانش وروں کے بورڈ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ ان کی توجہ نہ ہوتی تو یہ تاریخ ابھی تک اشاعت پذیر نہ ہوسکتی۔ بعض اور ارباب دانش نے بھی کسی نہ کسی شکل میں میری رہنمائی کی جن کا ذکر طول کلام کا موجب ہوگا۔ بہرحال:

ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

مقبول بیگ بدخشانی

بابِ اوّل

سرزمینِ ایران کے طبعی حالات

کسی ملک کے باشندوں کی طرزِ معاشرت اور ان کی سیرت و کردار پر جغرافیائی حالات کا بہت اثر پڑتا ہے اس لیے ایران کی تاریخ کے مطالعے سے پیش تر وہاں کے طبعی حالات کا جاننا ضروری ہے' چناں چہ یہ مختصر سا باب انھی حالات پر مشتمل ہے۔

حدودِ اربعہ

قدیم زمانے میں مملکتِ ایران بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی لیکن موجودہ دور میں اس کی حدود بہت کچھ سمٹ گئی ہیں اب اس کے حدودِ اربعہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے شمال میں قفقاز اور روسی ترکستان' جنوب میں عرب اور بحیرۂ عرب' مشرق میں افغانستان و پاکستان اور مغرب میں عراق اور ترکیہ ہیں۔

سطح

سرزمینِ ایران ایک سطح مرتفع ہے جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ اس کی شمالی جانب کوہِ البرز ہے جو زنجیر کی طرح شرقاً غرباً پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ سلسلۂ کوہ مغرب میں آرمینیا سے شروع ہو کر بحیرۂ خزر سے ہوتا ہوا کوہِ ہندوکش سے جا ملتا ہے۔ شمال میں کچھ ایسے پہاڑ بھی ہیں جن میں کبھی آتش فشانی مادہ پایا جاتا تھا لیکن مرورِ ایام سے یہ مادہ اب خاموش ہو چکا ہے۔ ان پہاڑوں میں دماوند اور سبلان ہیں۔ کوہِ دماوند تہران کے قریب ہے اور کوہِ سبلان آذربائیجان میں ہے۔ جنوب مشرق میں بھی پہاڑ ہیں جن میں چونا پایا جاتا ہے۔ مغربی سمت زاگروس یا کردستان کے پہاڑ ہیں جو شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔

سطح مرتفع کی سب سے زیادہ بلندی جنوبی علاقوں میں ہے مثلاً کرمان میں اس کی بلندی ۱۶۰۰ میٹر (۵۲۴۷ فٹ) مشہد میں ۱۲۵۰ میٹر (۴۱۰۰ فٹ) اور تبریز میں ۱۲۰۰ میٹر (۳۹۴۰ فٹ) ہے۔ ایران کا کل رقبہ ۶۲۸۰۰۰ مربع میل ہے۔

آب و ہوا

اسکندر اعظم کے معاصرین[1] لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایران میں پانی کی بہتات تھی اور جنگل بکثرت تھے لیکن اب ان کا کہیں نام ونشان نہیں- اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعد کے زمانوں میں ایران کی داخلی بدامنیوں کی وجہ سے سب جنگل صاف کر دیے گئے- جنگل نہ ہونے کی وجہ سے بارش بھی کم ہوتی ہے- بارش جو ہوتی بھی ہے وہ عموماً سردیوں میں ہوتی ہے- ایران کے جنوبی علاقے خشک ہیں- شمالی علاقوں' یعنی گیلان اور ماژندران میں البتہ بارش کافی ہوتی ہے-

پہاڑی وادیوں میں برف پڑتی ہے آب و ہوا خشک ہے- خلیج فارس کے آس پاس کے علاقوں کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے-

صحرا

ایران کی سطح مرتفع کے وسط میں صحرائے کویر ہے' جسے صحرائے لُوت بھی کہتے ہیں- یہ صحرا تہران اور قم کے قریب سے شروع ہو کر مشرقی جانب تقریباً ۸۰۰ میل تک پھیلتا چلا گیا ہے- اس طویل صحرا میں سڑکیں بھی ہیں جن پر اب بسیں چلنے لگی ہیں- تاجر لوگ عموماً اونٹوں پر تجارت کا مال لے کر جاتے ہیں- سفر نہایت دشوار گزار ہے- کہیں سو میل کا فاصلہ طے کریں تو سڑک کے کنارے کوئی بستی نظر آ جاتی ہے-

دریا

ایران میں بڑا دریا ایک ہے جسے دریائے کارون کہتے ہیں- یہ بختیاری پہاڑوں سے نکلتا ہے اور خوزستان کے علاقے میں بہتا ہے- خلیج فارس میں گرنے سے پہلے اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں' جن کے مابین جزیرۂ آبادان واقع ہے- اہواز تک اس دریا میں جہاز رانی ہوتی ہے- دریائے کارون کے قریب ہی ایک اور دریا بہتا ہے جو کرخہ کے نام سے موسوم ہے- جب یہ دریا شوش کے قریب پہنچتا ہے تو اس کے بھی دو حصے ہو جاتے ہیں- آخر یہ دونوں مٹی میں جذب ہو کر دلدل بناتے ہیں- کچھ فاضل پانی دجلہ میں بھی جا گرتا ہے- ان کے علاوہ بعض اور دریا بھی ہیں مثلاً شمال میں دریائے اُرس' سرخ رُود' اترک اور گرگان ہیں' جو بحیرۂ خزر میں گرتے ہیں-

---

(۱) حسن پیرنیا' ایران باستان' جلد اول: ۱۴۶

اصفہان میں زاینده رُود ہے- یہ حقیقت میں ایک قدرتی ندی ہے جو اصفہان کے بیچوں بیچ بہتی ہوئی گزرتی ہے' بالآخر دلدل بن کر رہ جاتی ہے- فارس میں دریائے کور ہے جو جھیل نیریز میں جا گرتا ہے- دریائے قرہ آغ ن بھی بہتا ہوا زمین ہی میں ختم ہو جاتا ہے- مشرقی ایران میں مُرغاب' ہری رُود بہتے ہوئے صحرائے ترکمان میں ختم ہو جاتے ہیں- سیستان میں دریائے ہیرمند یا ہلمند ہے- سطح مرتفع کے شمال مشرقی علاقے ہیں، جو ماوراالنہر کہلاتا ہے' دریائے آمو یہ (جیحوں) بہتا ہے جو کبھی ایران کی سرحد ہوتی تھی- یہ دریا پامیر سے شروع ہو کر بحیرۂ ارال میں جا گرتا ہے- یونانی مؤرخین اسے اوکسس (Oxus) لکھتے ہیں-

جھلیں

سطح مرتفع ایران میں جھیلیں بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں: جھیل اُرومیہ' جسے اب رضا شاہ پہلوی کے نام کی مناسبت سے 'رضائیہ' کا نام دیا گیا ہے-[1] یہ جھیل ایران کی سب جھیلوں سے بڑی ہے- ایک جیل فارس میں ہے جو مہارلو کے نام سے موسوم ہے- سیستان کی جھیل کا نام ہاموں ہے اور بختگان کی جھیل کا نام نیریز ہے- تہران اور قم کے مابین جھیل قم ہے: اسے حوض سلطان بھی کہتے ہیں-

ایران کے شمال میں بحیرۂ خذر ہے- اس کے اردگرد قبائلِ خزر رہتے تھے: انھی سے اس بحیرے نے 'بحیرۂ خزر' کا نام پایا- اسے 'بحیرۂ کیسپین' بھی کہتے ہیں-

خلیج

ایران کے جنوب میں خلیجِ فارس ہے جو عرب اور ایران کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے- دریائے دجلہ اور فرات جو مل کر شط العرب کا نام پاتے ہیں، اسی خلیج میں گرتے ہیں- دریائے کارون بھی اسی خلیج میں گرتا ہے-

پیداوار

سطح مرتفع ایران کی وادیوں یا میدانوں میں گیہوں، جو' دالیں' چاول' کپاس' تمباکو وغیرہ پیدا ہوتا ہے- ایران پھلوں کا گھر ہے- انگور' زرد آلو' سیب' ناشپاتی' گلابی' انار' آلو بخارا یہاں کے مشہور پھل ہیں- سردا اور گرما یہاں بکثرت ہوتے ہیں- خربوزے اور تربوز یہاں کے نہایت شریں ہوتے ہیں- ماژندران کے علاقے میں نارنگی' لیمو' سنگترہ بہت ہوتا ہے-

---

(۱) ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد اس کا پرانا نام 'اُرومیہ' بحال کر دیا گیا ہے-

پھول یہاں ہر قسم کے بہ کثرت ہوتے ہیں۔ شیراز اور بعض دوسرے شہر پھولوں کا گھر سمجھے جاتے ہیں۔

معدنیات

سطح مرتفع ایران میں کانیں بہت پائی جاتی ہیں جن میں سے لوہا' سیسہ' پتھر کا کوئلہ' سنگ مرمر' فیروزہ' عقیق' سونا' چاندی' سکہ اور گندھک نکالی جاتی ہے۔ اہم ترین معدنی پیداوار پٹرول ہے جو غیر ملکی دولت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے ذخائر جنوبی ایران یعنی مسجدِ سلیمان' میدانِ نفتون اور میدانِ ہفت گل میں واقع ہیں۔ جزیرۂ آبادان میں تیل صاف کرنے کا بہت بڑا کارخانہ ہے۔

صنعت و حرفت

قالین بافی کی صنعت ایران میں قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے اس میں ہمیشہ ایران ہی کا اجارہ رہا ہے۔ پیتل' تانبے اور سونے چاندی کے برتنوں پر نقاشی کرنے میں بھی یہاں کے کاری گروں کو کمال حاصل ہے۔ ان دست کاریوں کے علاوہ اب کئی نئی قسم کی فیکٹریاں قائم ہو چکی ہیں۔ تمباکو کا یہاں بہت بڑا کارخانہ ہے جہاں سیگار اور سگریٹ بنتے ہیں۔ وزارتِ جنگ نے ایک اسلحہ کا کارخانہ قائم کیا ہوا ہے جہاں فوج کے لیے چھوٹی قسم کے ہتھیار وغیرہ بنتے ہیں۔ غیر سرکاری صنعتوں کے علاوہ بعض اور صنعتیں بھی فروغ پر ہیں مثلاً کپڑے کی صنعت۔ اس کا مرکز اصفہان ہے۔ چالوس میں اعلا قسم کا ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے۔ چقندر سے کھانڈ بنانے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ کان کنی کو اب فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ سیمنٹ کے کارخانے بن رہے ہیں۔

مشہور شہر

ایران کا مشہور ترین شہر تہران ہے جو مملکت کا دارالسلطنت ہے لیکن اور شہروں کی طرح یہ قدیمی نہیں۔ سب سے پہلے آغا محمد خان قاچار نے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ یہ اب متعدد صنعتوں کا مرکز ہے۔ قدیمی شہر تبریز' مشہد اور اصفہان بھی بہت مشہور ہیں۔ یہ کاروباری مرکز ہیں۔ مشہد میں حضرت امام رضاؒ کا مقبرہ ہے۔ اصفہان صفویہ عہد میں دارالسلطنت تھا۔ دوسرے مشہور شہر شیراز' ہمدان' قزوین' کاشان' کرمان اور خرم شہر ہیں۔

☆ ☆ ☆

باب دوم

ہمسایہ اقوام

پیش تر اس کے کہ تاریخ ایران کا آغاز کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایرانِ قدیم کے ہمسایہ ممالک اور اقوام کا مختصر سا ذکر کر دیا جائے جن سے اہلِ ایران کو اکثر سابقہ رہا۔

آشوری اور بابلی

آشوری اور بابلی بہت قدیم زمانے سے دجلہ اور فرات کے بالائی اور زیریں علاقوں میں رہتے تھے۔ان کی حدود کو قطعی طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا البتہ قدیم تاریخوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ آشوریوں کے مشہور شہر اُور' اُوروک یا ارخ اور نیپ پور تھے اور بابلیوں کے نامی شہر سپار' کیش' بابل اور اکد تھے۔آخری شہر اکد کی مناسبت سے یہ لوگ بابلی کہلائے پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ آشوری اور بابلی ایک ہی قوم بن گئے۔

آشوری

یہ لوگ اپنے حکمران کو پاتسی کہتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ پاتسی اُمورِ شہر کو خدا کی مرضی کے مطابق انجام دیتے ہیں۔اس لحاظ سے پاتسی ایک قسم کے مطلق العنان بادشاہ تھے جو امور مملکت اور رسوم مذہبی کو اپنی مرضی کے مطابق تنظیم و تربیت دیتے تھے۔

ایک آشوری پاتسی نے تین ہزار قبل مسیح میں ایلام پر چڑھائی کی اور اسے فتح کر لیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد ایلام پھر آزاد ہو گیا۔

اکدی اور سلسلۂ سامی

۲۸۰۰ ق م کے لگ بھگ اکد میں ایک سامی نژاد شخص مانیستو پاتسی بن گیا۔اس نے ایلام پر چڑھائی کی اور ایلام کے بادشاہ کو شکست دے کر اسیر کر لیا۔اس سے ایلام اکدیوں کا باج گزار بن گیا۔اکد کو روز بروز ترقی حاصل ہوتی گئی۔سامی سلسلے کے سارگن نامی بادشاہ نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور اپنی سلطنت کو مغرب میں شام تک اور شمال میں کوہ زاگروس تک

یعنی موجودہ کرمانشاہان تک وسعت دی۔ اس کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس کے حکم سے تمام ادب' جو سحر' مذہب اور قوانین سلطنت سے متعلق تھا' سامی زبان میں منتقل کر دیا گیا۔ سارگن کے بعد بھی اکدیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا' چناں چہ ایک کتبے سے جو ڈی مورگان نے دریافت کیا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ اکدی بادشاہ نرام سین نے بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں۔

۲۵۰۰ ق م میں سومیر کو از سر نو عروج ہوا۔ اس زمانے میں سامی زبان کی بجائے سومیری زبان نے رواج پایا۔ اس سلسلے کے دوسرے بادشاہ دونگی نے سامیوں سے تیر اندازی کا فن سیکھا اور اپنے لشکر کو سکھایا: اس سے سمیری لشکر زیادہ تربیت یافتہ ہو گیا۔ دونگی نے آس پاس کے علاقے فتح کیے اور ایلام اور رلولوبی (یعنی بغداد اور کرمانشاہان کے درمیانی علاقے) پر قبضہ کر لیا۔

اس سلسلے کے جو آثار دست یاب ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایلام اس زمانے میں کاملاً سومیری سلطنت کا جزو بن گیا تھا۔

سمیری سلطنت کا خاتمہ

۲۲۸۰ ق م کے لگ بھگ ایلامی بادشاہ 'کودورنان خوندی' کو اقتدار حاصل ہوا اور اس نے سمیریوں کی شہر اُور کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد کچھ اور شہروں کو بھی مسخر کیا اور سمیری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ یلدمی بادشاہ ارخ کے رب النوع کے مجسمے کو' جسے 'نانا' یا 'ننہ' کہتے تھے' ایلام اٹھا لے گیا۔ اس کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک سمیری ایلام کی سلطنت کا حصہ بنا رہا' یہاں تک کہ ۲۲۳۹ ق م میں سمیری میں ایک نیا سلسلۂ شاہی قائم ہوا' جو سامی الاصل تھا۔

۲۱۱۵ ق م میں ریم سین بادشاہ ایلام نے اس سلسلے کو بھی ختم کر دیا۔ اس کے بعد سمیریوں کی سلسلے کی حکومت پنپ نہ سکی۔ بالآخر سمیری اور اکد دونوں قومیں بعض دوسری قوموں میں خلط ملط ہو گئیں اور ان کا انفرادی وجود باقی نہ رہا۔

سمیریوں کا تمدن

مذہب

سمیری تین خداؤں کو مانتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک خدا زمین کا تھا' دوسرا آسمان کا اور تیسرا درۂ عمیق کا۔ یہ لوگ جنوں اور بھوتوں کے بھی قائل تھے۔ کاہنوں کو معاشرے میں بہت عمل دخل تھا۔ خداؤں کے ناموں پر انھوں نے معبد بھی بنائے تھے جہاں خزانے بھی رکھے

جاتے تھے۔

رسم الخط

سمیریوں کا بہت بڑا تاریخی کارنامہ 'خطِ میخی' کی ایجاد ہے۔

دوسرا کارنامہ سمیریوں کا یہ ہے کہ پہلے پہل انھوں نے ہی سلطنت کے قوانین مرتب کیے جو آگے چل کر حمورابی بادشاہ کے قوانین کا سنگ بنیاد بنے۔

ان کا تیسرا کارنامہ مختلف صنائع اور علوم وفنون کی ابتدا ہے۔ یہی علوم وفنون ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتے گئے اور کمال کو پہنچے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قدیم یونانیوں نے طب، علم ہیئت اور صنائع میں جو ترقی کی، اس کی بنیاد سمیریوں کے علوم وفنون پر ہے۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق ہو رہی ہے اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سمیری تمدن دور دور تک' یہاں تک کہ بلوچستان تک آ پہنچا تھا۔

سمیریوں اور اکدیوں کی حکومتوں کا زمانہ ۳۱۰۰ سے ۱۹۷۵ ق م تک ہے۔ اس طویل زمانے میں اکد کے چار سلسلے' اُوروک کے پانچ اور اُور کے تین سلسلے مشہور ہوئے۔

عروج بابل

محققین کے بیان کے مطابق سامی نژاد لوگ غالباً جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اطراف میں پھیلتے رہے۔ یہ لوگ بہت توانا تھے جو موسم کی سختیوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر سمیری' اکد اور آس پاس کے علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا۔ یہاں ان لوگوں کے کئی شاہی سلسلے قائم ہوئے۔ ان کے بعد بابل میں اس قوم نے حکومت قائم کی جس نے بابل کو دنیا کی ایک عظیم مملکت بنا دیا اور اس کے اثر ونفوذ سے بابل کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔

سلسلۂ اول

حکومتِ بابل کے پہلے سلسلے میں پندرہ بادشاہ ہوئے۔ ان بادشاہوں میں حمورابی کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی' جو اس سلسلے کا چھٹا بادشاہ تھا۔ اس نے اُوروک اور ایسین کو ۱۹۹۸ ق م میں فتح کیا اور ۱۹۷۲ ق م میں ریم سین بادشاہ ایلام کو لارسا کے شہر سے نکال باہر کیا۔ ۱۹۶۲ ق م تک اس نے تمام ہمسایہ اقوام کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔

شہر شوش کی کھدائی سے ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے جو آج کل پیرس میں لوور کے عجائب

خانے میں موجود ہے۔ اس کتبے پر حمورابی بادشاہ نے ۲۸۲ فرامین کندہ کرائے تھے۔ یہ فرامین قانون، مذہب، تجارت، کشتی سازی، عورتوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق اور دیگر معاشرتی مسائل سے متعلق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قوانین انسانی اصلاح کے قدیم ترین قوانین ہیں۔

یہ کتبہ ابتدا میں شہرِ سپار میں تھا؛ ایلام کے فاتحین میں سے ایک اسے مالِ غنیمت کے طور پر شوش لے گیا تھا۔

حمورابی کے عہد سلطنت میں بین النہرین میں امن و امان قائم رہا لیکن اس کے جانشینوں میں حمورابی کا سا تدبر نہ تھا جس سے حکومت میں استحکام نہ رہ سکا۔

کوہ زاگروس کے گردونواح سے ایک قوم کاسویا کاسی اٹھی جس نے بابل کی زمینوں کو تہ و بالا کیا۔ لارسا میں، جسے حمورابی نے فتح کیا تھا، آشوریوں نے بغاوت کی۔ خلیج فارس کے سواحل سے ایک شخص ایلیما ایلوم نے یلغار کر کے سمیری کا سارا علاقہ اپنے تسلط میں لے لیا۔ ابلِ آشور نے بھی حکومتِ بابل سے روگردانی کی۔ بالآخر ہتیوں نے حملہ کر کے ۱۸۰۶ ق م میں حکومت بابل کے اس سلسلے کو ختم کر دیا۔

سلسلۂ دوم

ہتیوں نے جو بابل میں حکومت قائم کی تھی اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ البتہ یہ پتا چلتا ہے کہ کاسی قوم، جو ایران کے مغربی علاقوں میں گزر بسر کرتی تھی، بابل پر حملہ آور ہوئی اور وہاں سے ہتیوں کو نکال باہر کیا۔

سلسلۂ سوم

کاسی یا کاسو وہ لوگ تھے جو کرمان شاہان کے نزدیک کردستان کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ انھوں نے بابل فتح کر کے کاسیہ سلسلے کی بنیاد رکھی جو ۱۷۴۷ سے ۱۱۷۳ ق م تک قائم رہی۔

اس زمانے میں بابل کی حریف سلطنت آشور برابر ترقی کر رہی تھی؛ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آشوریوں نے بابل پر قبضہ کر لیا لیکن یہ قبضہ وقتی تھا۔ بابلی پھر سنبھلے اور آشوریوں کو شکست دے کر بابل سے آشوریوں کا تسلط ختم کر دیا۔ اس زمانے میں بابل اور مصر کی حکومتوں کے تعلقات بڑھے۔

ایلام، بابل کی ایک اور حریف سلطنت تھی۔ ایلام کے نامور بادشاہ 'شوترو ک ناخون تا' نے بابل پر حملہ کر کے اسے مسخر کر لیا اور اس کے ہاتھوں کاسیوں کا تیسرا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس فتح

کے بعد 'شوتروک ناخون تا' شہر بابل کی تمام تر لطیف و نادر اشیا اٹھوا کر شہر شوش میں لے گیا' جو ایلام کا پایۂ تخت تھا۔ ان سب چیزوں میں نرم سین کا کتبہ بہت اہم تھا جو اب شوش کی کھدائی سے دست یاب ہوا ہے۔ اہلِ بابل کے خدائے بزرگ مردوک کا ایک مجسمہ بھی فاتح بادشاہ اپنے ساتھ لے گیا تھا جو تیس سال تک شوش میں رہا لیکن آخر یہ اہل بابل کو لوٹا دیا گیا۔

سلسلۂ چہارم

۱۱۷۰ ق م میں ایک اور سلسلے کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلے کے بادشاہوں نے خدائے بزرگ کے مجسمے مردوک کو حاصل کرنے کے لیے ایلامیوں سے جنگ کی جسے وہ مال غنیمت کے طور پر نرم سین کے کتبے کے ساتھ لے گئے تھے۔ آخر ایلامیوں کو یہ مجسمہ واپس کرنا پڑا۔

اس سلسلے کا معروف ترین بادشاہ بخت النصر اول تھا جس نے ۱۱۴۶ سے ۱۱۲۳ ق م تک حکومت کی۔ اس نے آرامیوں کو شکست دی اور حکومت آشور کے ایک قلعے پر بھی قبضہ کیا۔ اس کے بعد وہ مغربی ایران کی طرف بڑھا اور کوہستانی علاقہ لولوبی' جو کرمانشاہاں تک پھیلا ہوا تھا' فتح کر لیا۔ لیکن اس کے جانشین کم زور تھے اس لیے ان کے عہد میں حملہ آور لوٹ مار کرتے رہے اور کئی معبد اور شہر ان کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔

سلسلۂ پنجم

بابل میں حکومت کا پانچواں سلسلہ ایک شخص شیماش شی پاک نے قائم کیا۔ اس سلسلے کے صرف تین حکم ران ہوئے جن کی مدت حکومت ۱۰۳۸ تا ۱۰۱۶ ق م قائم رہی۔ اس سلسلے کی کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں سوائے اس کے کہ آخری حکمران کے زمانے میں اس علاقے کو شدید قحط کا سامنا کرنا پڑا اور طرح طرح کی بدامنیاں رونما ہوئیں۔

حکومت بابل کے پانچ اور سلسلے

حکومت بابل کے چھٹے سلسلے کے بھی تین بادشاہ ہوئے' ان کی مدت حکومت ۱۰۱۵ تا ۹۹۶ ق م تھی۔ ساتواں سلسلہ ایک ایلامی بادشاہ نے بابل کو فتح کر کے قائم کیا۔ اس کی مدت حکومت ۹۹۶ تا ۹۹۱ ق م تھی۔ اس بادشاہ پر یہ ساتواں سلسلہ ختم ہو گیا۔ آٹھواں سلسلہ ۹۹۰ تا ۷۴۸ ق م تک قائم رہا۔ نویں سلسلے کے تین بادشاہ تھے' ان کی حکومت ۷۴۸ تا ۷۳۴ ق م قائم رہی پھر حکومت بابل دست بہ دست منتقل ہوتی رہی۔ ۶۸۰ ق م میں آشور کے حکم ران سناخریب نے

بابل پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کیا۔

دسواں سلسلہ بابل کے ایک سردار نیبو پولا سار نے قائم کیا۔ اس نے ملک کو پھر سے آباد کر کے سناخریب کی تباہی کے اثرات دور کیے۔ اس سلسلے کا ایک نام ور بادشاہ بنوکد نصر (بخت نصر) تھا جس کی مدت حکومت ۶۰۵ تا ۵۶۲ ق م تھی۔ یہ بہت مدبر اور عظیم فاتح تھا۔ اس کی وجہ سے بابل کی تہذیب و تمدن کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے کا آخری حکم ران نبونید تھا۔ یہ حکومت کے استحکام کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کے عہد میں ایران کے ہخامنشی بادشاہ کوروش کبیر نے ۵۳۹ ق م میں بابل کو فتح کیا جس سے بابل ہخامنشی سلطنت کا جزو بن گیا۔

سلطنت آشور

آشوری لوگ سامی نسل سے تھے اور دوسرے سامی نژاد لوگوں کے ساتھ بابل میں گزر بسر کرتے تھے۔ آخر یہ ترک بابل کر کے دریائے دجلہ کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ یہاں انھوں نے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی جو سلطنت آشور کے نام سے موسوم ہوئی۔ ان کا پایۂ تخت شروع میں شہر آشور تھا پھر شہر کالاہ پایۂ تخت بنا اور آخر میں مشہور شہر نینوا آشوریوں کا دارالسلطنت مقرر ہوا۔

آشوری زراعت پیشہ تھے، لیکن اس نئی مملکت میں قابل کاشت زمین بہت کم تھی اور جو تھی، وہ سرزمین بابل کی طرح زرخیز و شاداب نہ تھی اس لیے انھوں نے لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنایا۔ ہر سال موسم بہار میں ہمسایہ ممالک میں تاخت و تاراج اور قتل و غارت کرتے، جو لوگ ان کے ہاتھوں اسیر ہوتے، انھیں غلام بنا لیتے اور ان سے محنت و مشقت کے کام لیتے۔ آشوری انتہائی بے رحم اور شقی القلب تھے۔ قتل و غارت کو خداؤں کی منشا کے مطابق سمجھتے تھے۔ آشوریوں کی سنگ دلی کی ایک وجہ مؤرخین نے یہ بتائی ہے کہ ان کی تعداد کم تھی اور ان کے تابع فرمان علاقے بہت وسیع تھے اس لیے وہ مفتوح اقوام کو مرعوب اور مطیع رکھنے کے لیے ان کے ساتھ بہیمیت کا سلوک روا رکھتے تھے۔

آشوریوں نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ مغرب اور جنوب مغرب کی جانب ہِتّی قوم کو مغلوب کیا پھر فلسطین کو مطیع کرتے ہوئے مصر تک جا پہنچے۔ مشرق اور جنوب مشرق کی طرف ایران میں کوہ دماوند تک کا علاقہ زیرنگیں کیا۔ ایلام ان کے ہاتھوں کچھ اس طرح تباہ و برباد ہوا کہ صدیوں تک بحال نہ ہو سکا۔ سلطنت آشور آخر ماد قوم کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

سلطنت آشور کو ذیل کے تین عہدوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

عہدِ قدیم

یہ عہد ۱۵۰۰ ق م سے ۹۰۰ ق م تک قائم رہا۔ اس عہد کا نامور بادشاہ تگلات فالازار تھا۔ اس نے بابل اور آس پاس کے علاقوں کو فتح کیا۔ اس کے عہد میں عربستان سے آرامی نام قوم نے آشور پر حملہ کر کے اسے تہ و بالا کیا۔

عہدِ متوسط

یہ عہد ۹۰۰ سے ۷۴۵ ق م تک قائم رہا۔ اس عہد میں آشوری پھر سنبھلے اور آشور سے آرامیوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کی۔ اس عہد کا مشہور بادشاہ نازیر پال دوم تھا جس نے ۸۸۴ سے ۸۶۰ ق م تک حکومت کی۔ اس نے اپنی فتوحات سے آشور کو قدیمی حدوں تک پہنچا دیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ آرمینیا سے ایک قوم اٹھی اور آشور کو فتح کر کے وہاں آرارت کے نام سے نئی حکومت قائم کی۔

آشور جدید

آشور جدید کا عہدِ حکومت ۶۰۷ ق م تک قائم رہا۔ اس عہد میں پانچ بادشاہ ہوئے جن میں سناخریب اور آشور بانی پال خاص طور سے بہت مشہور ہوئے۔ آشور بانی پال کے زمانے میں آشور اپنے پورے عروج پر تھا۔ اس کے جانشین حکومت کا استحکام برقرار نہ رکھ سکے۔ آخر بابل کے بادشاہ نیبو پولا سار نے آشور کو فتح کر کے یہ عہد بھی ختم کر دیا۔

آشور کی زبان بابلی اور رسم الخط میخی تھا۔ سلطنت آشور کے بادشاہوں کے بہت سے کتبے اور دیگر آثار کھدائی سے دستیاب ہوئے ہیں۔

آشوریوں کو تاریخ نویسی سے بہت شغف تھا۔ یہ لوگ مٹی کی ختیاں (تختیاں) یا لوحیں بناتے' ان پر خط میخی میں حالات و واقعات ضبط تحریر میں لاتے اور آگ میں ان لوحوں کو پکا لیتے۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف کتابیں بلکہ کتب خانے مرتب کیے۔ یہ لوحیں نینوا کی تباہی میں مٹی کے نیچے دب گئیں جو کھدائی سے نکالی گئیں۔ یہ قدیم زمانوں کی تاریخ کا بہت بڑا ماخذ ہیں۔ اس قسم کی کئی ہزار لوحیں پیرس میں لوور کے عجائب خانے میں موجود ہیں۔ مشہور ترین کتاب خانہ آشور بانی پال ہے جو 'کوہ یونجیک' سے دستیاب ہوا ہے۔ آشوریوں نے مختلف صنائع اور فنون

لطیفہ کی بہت سرپرستی کی - ان کی سلطنت میں صنعت حجاری' معماری' کتبہ نگاری' اور نقاشی وغیرہ نے بہت ترقی کی - حجاری اور نقاشی میں جو مناظر پیش کیے گئے ہیں' وہ نہ صرف دل کش ہیں بلکہ حیرت آور بھی - مثال کے طور پر ایک جگہ بادشاہ کی شکار گاہ کا منظر نظر آتا ہے اس میں گھوڑوں اور ہرنوں کی حرکات و سکنات اس قدر قدرتی ہیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں - اس زمانے میں زرگری اور خاتم کاری کا فن بھی ترقی پر تھا -

سلطنتِ ایلام

سلطنت ایلام کے متعلق شہر شوش کی کھدائی سے پہلے ہمیں کچھ علم نہ تھا - شوش کی کھدائی سے جو معلومات حاصل ہوئیں' انھیں محققین کے حوالے سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

حدود ایلام

عہد قدیم میں ایلام' خوزستان' لرستان' پشتکوہ اور کوہ پایہ بختیاری پر مشتمل تھا - ان کی سلطنت مغرب کی طرف دریائے دجلہ تک' مشرق کی طرف پارس کے تھوڑے سے حصے تک' شمال کی سمت اس راستے تک جو بابل سے ہمدان کو جاتا تھا اور جنوب کی سمت بوشہر اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی - ایلام کے مشہور شہر مندرجہ ذیل تھے :

(۱) شوش (۲) مادا کتوروی (۳) اہواز (۴) خایدالو (گمان ہے کہ یہ شہر موجودہ خرم آباد کی جگہ آباد تھا) -

نژادِ اہلِ ایلام

ڈی مورگان اور دوسرے محققین کی رائے ہے کہ اس مملکت کے اولین باشندے سامی نژاد تھے -

عہدِ اول

یہ عہد سمیریوں اور اکدیوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے - اس کی مدتِ حکومت ۲۲۲۵ ق م تک قائم رہی - بڑی بڑی جابر حکومتوں نے انھیں مغلوب کرنا چاہا لیکن انھوں نے اپنے آزادی کو برقرار رکھا - سمیریوں نے انھیں مغلوب تو کر لیا لیکن یہ غلبہ زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا - آخر انھوں نے سمیریوں کو شکست فاش دے کر پھر اپنی حکومت قائم کر لی -

عہدِ دوم

یہ عہد تاریخ بابل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے- ایلامیوں کا عہدِ حکومت ۲۲۲۵ سے ۷۴۵ ق م تک برقرار رہا- اس عہد کا مشہور بادشاہ اون تاش گال تھا- اس نے متعدد کتبے ایلامی زبان میں کندہ کرائے تھے جو اب کھدائی میں دست یاب ہوئے ہیں- اس کی ملکہ ناپیراسو کا دھات کا مجسمہ پیرس کے عجائب خانے میں محفوظ ہے جو دھات کی صنعت کا نادر نمونہ ہے- اس بادشاہ نے بابل پر حملہ کر کے کاسیوں کی حکومت کا خاتمہ کیا- یہاں سے اسے کثیر مقدار میں مال غنیمت ملا- اس کے علاوہ وہ بابلیوں کے خدائے بزرگ مردوک کا مجسمہ اور حمورابی کا کتبہ بھی اٹھوا لایا جس میں قوانینِ سلطنت اور رسومِ مذہبی کا ذکر تھا-

عہدِ سوم

اس عہد میں ایلامیوں کی حکومت ۷۴۵ سے ۶۴۵ ق م تک برقرار رہی- اس سو سال کے عرصے میں آشوری ان پر لگاتار حملے کرتے رہے- ۷۴۲ اور ۷۰۵ ق م کے مابین دوری لو کے مقام پر ایلامیوں اور آشوریوں میں نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں آشوریوں کو حملہ کرنے کی عبرت ناک سزا ملی- اس وقت آشور کا بادشاہ سارگن تھا- سارگن کے بعد سناخریب نے حکومت سنبھالی تو اس نے آشوریوں کی شکست کا یوں انتقام لیا کہ شوش میں گھس کر قلعوں اور شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی- کچھ عرصے بعد ایلامی پھر سنبھلے تو آشور بانی پال نے پھر ۶۶۹ ق م میں ایلام پر چڑھائی کی- ایلام کے بادشاہ اوم مان نے اس کا مقابلہ کیا لیکن لڑتا لڑتا مارا گیا- اس کے بعد ایلام کے آخری بادشاہ خون بان کالداش نے حکومت سنبھالی تو ۶۴۵ ق م میں آشور بانی پال نے حملہ کر کے ایلام کو اس بری طرح تباہ و برباد کیا کہ ایلام کی حکومت ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ گئی- ایلام کے معابد گرا کر زیر کر دیے گئے- اہلِ ایلام کا قتل عام ہوا- وہاں کے خزانے جو ایلامیوں کی گذشتہ فتوحات کے مال غنیمت سے بھرپور تھے' آشور بانی پال کی ہاتھ لگے- خداؤں کے مجسمے اور نادر چیزیں نینوا میں منتقل ہوئیں؛ یہاں تک کہ ایلام کے بادشاہوں کی ہڈیاں نکلوا کر نینوا بھیج دی گئیں- خربال نے اس واقعے کو بڑے دردناک انداز میں پیش کیا ہے- وہ لکھتا ہے کہ آشور بانی پال نے ایلام کے بادشاہ اور ایک دوسرے معزول شدہ بادشاہ کو اپنی گاڑی میں جوتا اور حکم دیا کہ اسے کھینچ کر آشور لے جائیں-

اس وحشت ناک فتح کی یاد میں آشور بانی پال نے ایک کتبہ کندہ کرایا جس کا مضمون یہ تھا:

''ایک ماہ اور ایک دن کی قلیل مدت میں میں نے تمام کشور ایلام کا صفایا کر دیا۔ میں نے اس عظیم سلطنت کو جاہ وحشمت اور نغماتِ موسیقی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا اور درندوں، سانپوں اور بہایم کو اس پر مسلط کر دیا''۔

اس تباہی کے بعد ایلامیوں کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں آیا۔ البتہ کھدائی میں جوان کے قدیمی آثار دستیاب ہوئے ہیں ان سے ایلامی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

ایلامیوں کی زبان

ایلامیوں کی قدیمی زبان انزانی تھی جو ڈی مورگن کے خیال کے مطابق تین ہزار ق م میں متروک ہوگئی اور اس کی جگہ سمیری اور سامی زبانوں نے رواج پایا۔ اسی عہد کے کتبے انھی زبانوں میں کندہ کیے جاتے تھے۔

رسم الخط

اہلِ ایلام کا رسم الخط وہی خط میخی تھا جو انھوں نے سمیریوں سے حاصل کیا تھا۔

مذہب

ایلامیوں کے عقیدے کے مطابق خدائے بزرگ شوشناک تھا۔ اس کے ماتحت چھ اور خدا تھے۔ پھر بعض روحیں بھی مقدس سمجھی جاتی تھیں۔ ان میں سے ہر روح کو خدا سمجھا جاتا تھا۔ ایلامی بھی بابلیوں کی طرح خداؤں کے مجسمے بناتے تھے اور جس وقت ایک مجسمے کو دوسرے شہر میں لے جاتے تو یہ خیال کیا جاتا کہ اس شہر کے خدا کا تبادلہ کر لیا گیا ہے۔ ان کا مذہب شرک و بت پرستی تھا اور بابلیوں کے مذہب سے مشابہ تھا۔ ان کے مذہبی آداب و رسوم بھی اہلِ بابل سے ملتے جلتے تھے۔

☆ ☆ ☆

بابِ سوم

ایران کا دورۂ قبل از تاریخ

اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے' اس کا ماٰخذ یونانی تاریخیں ہیں' جو انگریزی' فارسی اور عربی ترجموں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ اب ان معلومات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے' جو قدیم ایرانی روایات و تواریخ سے حاصل ہوئی ہیں۔ اس لیے یہ باب 'ایران کا Pre-Historic Period' کے نام سے موسوم ہے۔

نام ور مورّخ طبری نے اپنی تاریخ میں قدیم ایران کی تاریخ کو پیش دادی، کیانی' اشکانی اور ساسانی گویا چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ فردوسی نے بھی 'شاہ نامہ' میں انھی چار ادوار کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان قدیم روایات کو طبری' ثعالبی اور فردوسی کے حوالے سے مختصراً ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

کیومرث

پیش دادی عہد

اس عہد کا سب سے پہلا بادشاہ کیومرث ہے۔ اسے زردشتی مذہب کا آدم بھی کہتے ہیں۔ اس نے کوہِ دماوند کو دیوؤں سے خالی کرایا اور اپنے بیٹوں کے ساتھ پہاڑوں میں بسیرا کیا۔ کیومرث کا ایک بیٹا سیامک بہت خلوت پسند تھا اور زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتا تھا۔ ایک دن وہ عبادت میں مصروف تھا کہ دیوؤں نے' جنھیں اپنے ٹھکانے سے محروم ہونے کا غم تھا' اس کا انتقام اس طرح لیا کہ ایک بڑی چٹان توڑ کر نیچے لڑھکا دی جس کے نیچے سیامک دب کر مر گیا۔

ہوشنگ

کیومرث سات سو سال کی عمر پا کر فوت ہوا تو سیامک کا بیٹا ہوشنگ اپنی قوم کا حکم ران بنا۔ یہ وہ[1] پہلا بادشاہ ہے جس نے درخت کاٹ کر مکان بنوائے اور لوگ پہاڑوں کی غاروں کی

(۱) محمد جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ طبری' ترجمہ فارسی بلعمی' ص ۲۰

بجائے مکانوں میں رہنے لگے- کانوں سے سونا' چاندی اور لوہا نکلوایا- آب پاشی کے لیے کاریزیں بنوائیں- جانوروں کی پرورش کی' کتوں کو سدھایا' جن سے جانوروں کو شکار کرنے کا کام لیا گیا- لومڑیاں اور دوسرے جانور' جو شکار کیے جاتے تھے' ان کی کھالیں تن ڈھانپنے کے کام آئیں- بھیڑ' بکریوں' گایوں کا گوشت انسانی خوراک کے طور پر استعمال ہوا- ہتھیار بنا کے اُن سے کھیتی باڑی کا کام لیا' بستیاں بسائیں' شہر آباد کیے' ملکی قوانین وضع کیے اور عدالتیں قائم کیں- اس وجہ سے قوم نے اُسے 'پیش داد' کا لقب دیا- اُسی مناسبت سے یہ عہد' عہد پیش دادی' کہلایا- ہوشنگ کے عہد میں پہلی مرتبہ آگ دریافت ہوئی جو اتفاقاً پتھروں کے ٹکرانے سے پہلی بار نظر آئی- آگ کی دریافت پر جشن عظیم منایا گیا' جو 'جشن سدہ' کے نام سے موسوم ہے- فردوسی لکھتے ہیں:

نگہ کرد ہوشنگ با ہوش و سنگ — گرفتش یکی سنگ و شد پیش جنگ
برآمد بسنگ گران سنگ خرد — ہم این و ہم آن سنگ بشکست خرد
فروغی پدید آمد از ہر دو سنگ — دل سنگ گشت از فروغ آذرنگ
نشد مار کشتہ و لیکن ز راز — پدید آمد آتش از آں سنگ باز
جہان دیدہ پیش جہان آفرین — نیایش ہمی کرد خواند آفرین
کہ اورا فروغی چنین ہدیہ داد — ہمیں آتش آنگاہ قبلہ نہاد

یکی جشن کرد آنشب و بادہ خورد
سدہ نام آن جشن فرخندہ کرد

طہمورث

ہوشنگ نے تین سو سال حکومت کی- اس کے بعد طہمورث بادشاہ بنا- اس کے عہد میں زراعت کو اور ترقی ہوئی- آب پاشی کی سہولتوں میں مزید اضافہ ہوا- کھیتی باڑی کے جانوروں کی پرورش پر زیادہ توجہ ہوئی- سواری کی لیے گھوڑے سدھائے گئے- طہمورث نے سب سے پہلے شاہی تخت بنوایا- اس نے دیوؤں پر حملہ کر کے اُنھیں قید کیا- اس لیے یہ بادشاہ 'دیو بند' کے لقب سے مشہور ہوا- دیوؤں کو اُس نے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ اسے لکھنے پڑھنے کا فن سکھائیں- جس سے وہ ایک نہیں بلکہ تین زبانیں لکھ پڑھ سکے- اس کی مدت حکومت میں قدیم مؤرخین کی آرا میں

اختلاف پایا جاتا ہے- ثعالبی[1] لکھتے ہیں کہ اس نے چالیس سال حکومت کی-

جمشید

طہمورث کے بعد جمشید تخت نشین ہوا- اس بادشاہ نے اپنے پیش رووں کی طرح نام پیدا کیا- فارسی اور اُردو ادب میں آج بھی اُس کا نام زندہ ہے- ان زبانوں کے جاننے والے جمشید اور جام جمشید سے بخوبی واقف ہیں-

جمشید[2] نے پہاڑ کے ٹکڑے کٹوا کر چونا بنوایا اور رفیع الشان عمارتیں چونے سے تیار کروائیں- ہخامنشی عہد کے جو کھنڈرات اور کتبے دریافت ہوئے ہیں اُن کے متعلق یہی خیال کیا جاتا ہے کہ پیش دادی بادشاہوں ہی کی یادگار ہیں- جن وسیع اور رفیع عمارات کے یہ کھنڈر ہیں' انھیں پہاڑ تراش تراش کر بنایا گیا تھا- ظاہر ہے کہ یہ کام انسانوں کے بس کا نہ تھا' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان عمارتوں کے بنوانے میں دیووں سے کام لیا گیا-

عام طور سے مشہور ہے کہ جن دو بادشاہوں نے دیووں کو مسخر کیا وہ حضرت سلیمان اور جمشید ہیں- اس لیے یہ فرض کر لیا گیا کہ حضرت سلیمان اور جمشید ایک ہی شخصیت کے نام ہیں- اسی وجہ سے اہلِ ایران نے پرسی پولس کو تختِ جمشید کا نام دیا اور کوروشِ اعظم کے مقبرے کو مرقد مادر سلیمان سمجھتے رہے- مُرغاب کے کھنڈرات کے پاس پہاڑی کے اوپر ایک مسطح تعمیر اب تک باقی ہے' یہ تختِ سلیمان کے نام سے مشہور ہے لیکن ابن المقفع کا خیال ہے کہ سلیمان اور جمشید ایک فرد نہیں کیوں کہ ان دونوں کے زمانے میں تین ہزار سال کا فاصلہ ہے-

فردوسی شاہ نامے میں لکھتے ہیں: جمشید ایک عظیم بادشاہ تھا' جس نے سات سو سال حکومت کی- اس کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہ تھی بلکہ دیو' پریاں اور چرند و پرند بھی اس کے مطیع و منقاد تھے- ثعالبی[3] شاہ نامے میں لکھتے ہیں کہ جمشید نے اسلحہ بھی بنوایا اور دوسرے ہر قسم کے ہتھیاروں کا استعمال لوگوں کو سکھایا- سواری کے لیے گھوڑوں کو سدھایا' اس کے حکم سے پن چکیاں چلائی گئیں' لکڑی کے پل بنائے گئے' بلند عمارتیں اور عظیم الشان محل تعمیر ہوئے- کانوں سے

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ ثعالبی' ص ۴

(۲) ایضاً' ص ۶

(۳) ایضاً' ص ۶

سونا' چاندی' تانبا اور سیسا نکلوایا گیا' شکاریوں کے ذریعے ہرنوں سے مُشکِ نافہ حاصل کرنے کا کام لیا گیا' عنبر تیار کرایا گیا' طرح طرح کے عطریات تیار ہوئے اور جڑی بوٹیوں سے انسانی علاج کے لیے دوائیں تیار ہوئیں۔

جمشید نے پانی پر تیرانے کے لیے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنوائیں۔ غواصوں کو حکم دیا کہ غوطہ لگا کر مروارید نکالیں۔ لکڑی اور ہاتھی دانت کے رتھ تیار کرائے۔ دیوؤں کی مدد سے ان رتھوں کو فضا میں اڑایا۔ اس کے رتھ نے پہلی مرتبہ کوہِ دماوند سے بابل تک کا سفر ایک دن میں طے کیا۔ یہ پرواز آغازِ بہار پر ماہِ فروردین کی پہلی تاریخ کو ہوئی۔ اس موقع پر نوروز کی شاندار تقریب منائی گئی۔ اس تقریب میں آلاتِ مے کشی سے شراب کشید کر کے استعمال کی گئی۔ موسیقی کے سازوں سے کام لیا گیا۔

جمشید کے حکم سے ریشم کاتا گیا اور کپڑا بننے اور سینے کا فن ایجاد ہوا۔ ان دریافتوں کے علاوہ جمشید[1] نے منظم طور پر کام لینے کے لیے رعایا کو چار طبقوں میں تقسیم کیا۔ پہلا طبقہ دانش وروں کا تھا جس میں علما اور دبیر وغیرہ شامل تھے۔ دوسرا طبقہ محافظینِ ملک کا تھا' جن کے ذمے ملکی دفاع کا کام تھا۔ تیسرا طبقہ زراعت پیشہ لوگوں کا تھا اور چوتھا صناعوں کا۔ کوئی شخص اپنا طبقہ چھوڑ کر کسی دوسرے طبقے کا کام اختیار نہ کر سکتا تھا۔

جمشید[2] کا زر و مال اور جاہ و جلال اوجِ کمال تک پہنچا ہوا تھا' جس کی وجہ سے وہ بہت سنگ دل اور خود پسند ہو گیا۔ غرور اور خودستائی کے باعث اسے اپنے جیسا کوئی اور نظر نہ آتا تھا' چناں چہ اسی زعم میں اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اس طرح خالقِ کائنات سے روگردانی کی۔ پس اس سے فرّ ایزدی کے چھن جانے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اس کے سنگ دلانہ سلوک کی وجہ سے رعایا ناخوش ہو گئی اور جگہ جگہ اس کے خلاف آوازیں اٹھیں اور اسے اپنی تباہی کے آثار نظر آنے لگے۔

طبری[3] لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت کو سات سو سال ہوئے تھے کہ مشرق کی طرف سے 'بیوراسپ' نام بادشاہ حملہ آور ہوا۔ لوگوں نے جمشید کا ساتھ نہ دیا اس لیے اسے شکست ہوئی اور

---

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر) تاریخ بلعمی' ص ۲۱

(۲) محمود ہدایت' شاہ نامہ ثعالبی' ص ۸

(۳) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۲۳

جمشید دشمن کے ہاتھوں اسیر ہو گیا- بیوراسپ نے اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کر دیے اور اس کے وسیع ملک پر مسلط ہو گیا-

ضحاک

اہلِ ایران' حملہ آور حکم ران کو بیوراسپ کہتے ہیں جو اندرماسپ کا بیٹا اور سیامک بن کیومرث کی اولاد سے تھا- بیوراسپ اسے اس لیے کہتے تھے کہ اس کے پاس دس ہزار گھوڑے تھے- اس کا باپ یمن کا بادشاہ تھا- عرب اسے ضحاک کہتے تھے جو اژدہاک کی بدلی ہوئی صورت ہے- فردوسی نے اسے عرب ظاہر کیا ہے لیکن پروفیسر براؤن[1] کا خیال ہے کہ عربوں نے ایران پر حملہ کیا تھا اس لیے فردوسی کو عربوں سے نفرت تھی' یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ضحاک کو عرب ظاہر کیا ہے- ضحاک حقیقت میں انسان کش' ظالم اور ابلیس کے آلۂ کار کی صورت میں ظاہر ہوا تھا-

ایرانی مؤرخ ثعالبی[2] کے نزدیک بھی ضحاک عرب ہی تھا- ان کا بیان ہے کہ اہالی عرب ضحاک کو عرب نژاد کہتے ہیں- ابونواس اپنے ایک قصیدے میں اس کے متعلق فخریہ کہتا ہے:

وَكَانَ مِنَّا الضَّحاكُ يَعْبُدُهُ الْخَابِلُ وَالْجِنّ فِي مَسَارِبِها

ترجمہ: [ہم میں سے ایک ضحاک ہے کہ شیطان اور جن چمن زاروں میں اسی کی عبادت کرتے ہیں]-

ضحاک کے متعلق کئی داستانیں مشہور ہیں- ان میں سے ایک کا ذکر بحوالہ ثعالبی[3] مندرجہ ذیل ہے:

ضحاک کا باپ یمن کا بادشاہ تھا- شیطان نے اسے بہکایا کہ اگر تم اپنے باپ کو قتل کر دو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم جمشید پر فتح پا سکو گے اور ہفت اقلیم کے بادشاہ بن جاؤ گے- ضحاک شیطان کے بہکانے میں آ گیا اور باپ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے اور جمشید کی ملک پر لشکر کشی کرنے کی تیاری کرنے لگا- ایک دن پھر شیطان باورچی کی صورت میں ظاہر ہوا اور

---

(۱) Literary History of Persia, Vol , p. 114.

(۲) محمود ہدایت' شاہ نامۂ ثعالبی' ص ۹

(۳) ایضاً' ص ۹

ضحاک سے کہا: ''میں کھانا پکانے میں بہت ماہر ہوں- مجھے اپنے پاس رکھ لیں- میرے کھانوں سے آپ بہت خوش ہوں گے'' -ضحاک نے کھانا پکوا کر امتحان لیا اور اسے ملازم رکھ لیا- باروچینے اس خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیے کہ ایک دن ضحاک نے خوش ہو کر کہا: ''بولو! تمھاری خدمات کا کیا صلہ دیا جائے؟'' ابلیس نے کہا'' میں یہی صلہ کافی سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ کے دونوں کندھوں پر بوسہ دینے کی سعادت بخش دی جائے تاکہ میں ہمیشہ فخر کو سکوں کہ بادشاہ سلامت کے کندھوں پر میں نے بوسہ دیا تھا'' -ضحاک نے اس کی آرزو پوری کر دی- ابلیس نے کندھوں کو چوما اور اپنا جادو پھونک دیا جس سے اس کے دونوں کندھوں پر دو مار سیاہ (کالے سانپ) اُگ آتے- ہر چند کہ ان سانپوں کو کاٹا جاتا وہ پھر اُگ آتے-

طبری[1] لکھتے ہیں کہ اس کے کندھوں پر گوشت کے لوتھڑے ابھر آئے تھے جن میں زخم تھے- ان کی وجہ سے وہ سخت تکلیف میں مبتلا تھا- دن رات ان کے عذاب سے بے چین رہتا اور چیختا چلاتا تھا-

ضحاک کو حامی النسل بھی بتایا جاتا ہے- مشہور تھا کہ وہ جادو کا عمل جانتا ہے اور جادو ہی کے زور سے اس نے دنیا پر حکومت کی-

عرب اسے ضحاک لکھتے ہیں اور اہلِ فارس اژدہاک- اس لیے کہ اس کے دونوں کندھوں پر گوشت کے لوتھڑے ابھر آئے تھے- ان کے سر سانپوں کے سر جیسے تھے- انھیں وہ اپنی قبا سے ڈھانک کر رکھتا تھا- کبھی وہ کندھوں سے کپڑا اتارتا تو سانپ لہراتے ہوئے نظر آتے-

طبری لکھتے ہیں: ضحاک[2] نہایت ظالم شخص تھا- اس نے کئی بادشاہوں کو قتل کیا- تازیانے مارنا اور دار پر لٹکانا اس کا خاص مشغلہ تھا- اس کی مدت حکومت ایک ہزار سال ہے- اس طویل عرصے میں اس نے ظلم وستم جاری رکھا- لوگ اس سے سخت ہراساں تھے- آٹھ سو برس گزرنے پر اس کے کندھوں کے ابھرے ہوئے گوشت میں زخم آ گئے جس کی وجہ سے وہ سخت بے قرار رہنے لگا- طرح طرح علاج کرائے گئے لیکن زخم اچھے نہ ہوئے- آخر ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ ان زخموں کا علاج انسانوں کے مغزوں سے کرو- دوسرے دن ایک انسان کا مغز نکال کر زخموں پر لگایا گیا تو درد میں افاقہ ہو گیا- اس روز سے یہ

---

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۲۴

(۲) ایضاً

معمول ہو گیا کہ گلی کوچوں سے دو آدمیوں کو پکڑ کر لاتے اور انھیں مار کر ان کی مغز زخموں پر رکھے جاتے۔ یہ سلسلہ دو سو برس تک جاری رہا۔

ضحاک کی سفاکانہ حکومت کو ایک ہزار سال گزرے تھے کہ اصفہان کے ایک لوہار کاوہ کے دو بیٹوں کو حاکم اصفہان نے پکڑ کر ضحاک کے پاس بھیج دیا۔ بیٹوں کے قتل کی خبر ملی تو اسے سخت رنج ہوا۔ وہ شہر میں آیا اور ضحاک کے ظلم و ستم کے خلاف عوام کو ابھارا۔ وہ اپنی دھونکنی کو ایک لکڑی سے باندھ کر فضا میں بلند کرتا اور کہتا: ''یہ آزادی کا علم ہے' جو لوگ ضحاک کے خونین پنجوں سے رہائی پانا چاہتے ہیں وہ اس جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔'' اس کے جھنڈے کو بعد ازاں موتیوں سے آراستہ کیا گیا اس سے اس کا نام درفش کاویانی (کاوہ کا ترجمہ) ہوا۔ کاوا کے اس علم کی یاد منانے کے لیے ساسانی بادشاہوں نے اپنے علم کا نام 'درفش کاویانی' رکھا گیا۔

ضحاک[1] کا ایک خوان سالار تھا۔ دو انسانوں کے مغز حاصل کرنے کا فرض اس کے ذمے تھا۔ وہ اپنا فرض تو ادا کرتا رہا لیکن انسانوں کے خونِ ناحق سے اس کا دل جلتا تھا۔ اس لیے وہ ایک آدمی کو مار کر اس کا مغز نکال لیتا لیکن دوسرے کو رات کی تاریکی میں آزاد کر دیتا اور کہیں پہاڑوں میں نکل جانے کو کہتا تاکہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ جو لوگ بچ کر نکلتے اور پہاڑوں اور بیابانوں میں جا گزیں ہوتے رہے 'کرد' کہلائے۔

کاوہ لوگوں کو ابھارتا تھا کہ انسان کشی کے اس دور کو کب تک برداشت کرو گے۔ میرا ساتھ دو کہ ہم سب مل کر اس ظلم و ستم سے نجات حاصل کریں۔ لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہوتے گئے۔ آخر کاوہ نے بپھرے ہوئے ہجوم کو ساتھ لے کر اصفہان پر حملہ کیا اور حاکم اصفہان کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ شہر پر آزادی خواہوں کا قبضہ ہو گیا۔ کاوہ نے سرکاری خزانہ حاصل کر کے سارا زر و مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد کاوہ نے اہواز کا رخ کیا۔ یہاں بھی ضحاک کے جور و ستم کے خلاف لوگوں کو ابھارا۔ اہلِ اہواز نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یہاں کا حاکم بھی تہ تیغ ہوا اور شہر پر کاوہ کا قبضہ ہو گیا۔ کاوہ جہاں جہاں جاتا' لوگ اسے نجات دہندہ سمجھ کر اس کا خیر مقدم کرتے اور ضحاک کے حکام کو اپنے انتقام کا نشانہ بناتے۔ ضحاک اس وقت طبرستان میں تھا۔ عوام کی بغاوت سے آگاہ ہوا تو باغی کاوہ سے جنگ کرنے کے لیے اپنا لشکر بھیجا۔ لیکن ضحاک

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۲۶

کا بددل لشکر اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا- کاوہ فتوحات حاصل کرتا ہوا رے پہنچا- اہلِ رے کو کاوہ نے کہا: ''اب ہم ضحاک کے نزدیک پہنچ گئے ہیں- اگر اس نے ہمیں شکست دے دی تو لوگ اس کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے رہیں گے اور اگر ہم اسے ہلاک کرنے میں کام یاب ہو گئے تو ملک ہمارا ہو گا اور ظلم وستم کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہر شخص امن و چین سے زندگی بسر کر سکے گا- میں خود بادشاہت کا خواہاں نہیں ہوں- میں نہ شاہی نسل سے تعلق رکھتا ہوں نہ بادشاہت میرے بس کی بات ہے-تم جسے چاہو بادشاہ بنا لینا لیکن ملک کو ضحاک سے بچانے میں میری مدد کرو''-

فریدوں

ضحاک کو بتایا گیا تھا کہ جمشید کی نسل سے ایک شخص باقی ہے جس کا نام فریدوں ہے- ممکن ہے کبھی ملک کی حکومت اس کے ہاتھوں میں چلی جائے- اسی لیے ضحاک کو اب فریدوں کی تلاش تھی-فریدوں جان بچانے کے لیے مارا مارا پھرتا تھا- وہ طبرستان گیا تو ضحاک اس کے پیچھے طبرستان پہنچا- فریدوں یہاں سے نکل کر رے پہنچا- کاوہ نے سنا کہ شاہی خاندان کا ایک فرد فریدوں رے میں ہے تو اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی- اس نے فریدوں کو تلاش کر کے علم آزادی اس کے سپرد کر دیا اور ضحاک سے جنگ کرنے کو کہا- فریدوں نے علم آزادی اس کے سپرد کر دیا اور ضحاک سے جنگ کرنے کو کہا- فریدوں نے آزادی خواہ لشکر کو منظم کیا اور کاوہ کو سالارِ لشکر بنایا- ایک نہایت ہی خوفناک جنگ کے بعد ضحاک کو شکست ہوگئی اور اسے اسیر کر کے کوہِ البرز کی غار میں ڈال دیا گیا- کاوہ کے لشکر نے جشنِ مسرت منایا اور تاجِ سروری فریدوں کے سر پر رکھا-

فریدوں نے ایران کی حکومت سنبھالی تو سپہ سالار کا منصب بدستور کاوہ کے پاس رہا- کاوہ جہاں جہاں لشکر کشی کرتا درفشِ کاویانی اس کے ساتھ ہوتا اور اسے فتح حاصل ہوتی- بیس سال کے عرصے میں کاوہ نے ملک کو دشمنوں سے پاک کر دیا- اس صلے میں فریدوں نے اسے اصفہان کی حکومت دے دی-

کاوہ نے دس سال تک اصفہان میں حکومت کرنے کے بعد وفات پائی- اس کی وفات کے بعد حکومت اصفہان کاوہ کے خاندان کے افراد کے ہاتھوں میں رہی- وہ تمام جاگیر جو کاوہ کو فریدوں نے انعام میں دی تھی' بدستور اس کے خاندان کے افراد کے پاس رہی البتہ کاویانی جھنڈا منگوا کر شاہی خزانے میں رکھ لیا-

فریدوں جب بھی کسی مہم پر روانہ ہوتا' یہ کاویانی جھنڈا اس کے ساتھ ساتھ ہوتا- یہ علم تمام ایرانی تاج داروں کے خزانوں کی زینت بنتا رہا- اس پر بیش بہا جواہرات ٹانکے گئے یہاں تک کہ اس کا چمڑا نظر نہ آتا تھا- یہ جھنڈا جب کھولا جاتا تو جواہرات کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہو جاتیں-

ایک عرب شاعر بحتری نے اپنے ایک مشہور قصیدے میں درفش کاویانی کی تعریف کی ہے' اس کا ایک شعر یہ ہے:

وَالمَنَایا مَوَاثِلُ وَانوشَر وَان یُزجی الصَّفُوفَ تَحت الدُّرُفسِ

ترجمہ: [نوشیرواں درفش کاویانی کے نیچے سپاہیوں کی صفیں لے کر چل رہا ہے اور موتیں کھڑی دیکھ رہی ہیں]-

کاوہ کی وفات کے بعد فریدوں دو سو سال جیا اور نہایت عدل و انصاف سے حکومت کرتا رہا-

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز مشک و ز عنبر سرشتہ نبود
بداد و دہش یافت آن نیکوئی تو داد و دہش کن فریدون توئی

فریدوں[1] وہ پہلا بادشاہ تھا' جس نے علم ہیئت میں دست رس حاصل کی- علم طب میں بھی وہ بڑی مہارت رکھتا تھا- تریاق اسی نے تیار کرایا تھا- ہاتھی پر سب سے پہلے اسی بادشاہ نے سواری کی اور بالآخر دشمنوں سے جنگ کرنے میں ہاتھیوں سے کام لیا-

فریدوں کے تین بیٹے

فریدوں[2] کے تین بیٹے تور' سلم اور ایرج تھے- تینوں کی تربیت میں فریدوں نے نہایت گہری دل چسپی لی- آخر جب وہ سن رشد کو پہنچے تو اس نے ہفت اقلیم کو ان تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا- ملک روم (ایشائے کوچک) اور دوسرے مغربی ممالک سلم کو دیے اور اسے قیصر کے لقب سے نوازا- مشرقی ممالک' جو ترکستان' خزران اور چین پر مشتمل تھے' تور کو ملے اور اسے فغفور کا لقب عطا ہوا- مملکت کا مرکزی حصہ' جس میں خراسان' عراق' حجاز' یمن اور شام تھا' ایرج کے

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۳۰

(۲) ایضاً

حصے میں آئے۔ زر و مال اس نے سب کو برابر برابر دیا۔ ایک کو اس نے مغرب کی طرف بھیج دیا دوسرے کو مشرق کی طرف۔ ایرج سب میں چھوٹا تھا اس کے ساتھ باپ کو محبت بھی زیادہ تھی' اس لیے اسے اپنے پاس رکھا۔ رسمی طور پر تو خود ہی بادشاہ رہا لیکن خزانہ' لشکر اور حکومت کا اختیار ایرج کو دے دیا۔ سلم اور تور اس تقسیم سے سخت غیر مطمئن تھے۔ ایک تو وہ پہاڑی علاقے سے محروم ہوئے' دوسرے ملکی خزانوں سے بے تعلق ہو بیٹھے۔ اس لیے ایرج کے خلاف ان کے دل میں کینہ بیٹھ گیا۔ ثعالبی [1] لکھتے ہیں کہ وہ دونوں ایک لشکرِ جرار لیے ہوئے آذربائیجان آ گئے اور ایلچی بھیج کر باپ سے اس غیر منصفانہ تقسیم کی شکایت کرنی چاہی۔ ایلچی فریدوں کے دربار میں پہنچے اور شہزادوں کا پیغام کہہ سنایا جس سے وہ سخت برافروختہ ہوا انھیں ملک اور قوم کا باغی قرار دیا اور ایرج کو کہلا بھیجا کہ تور اور سلم نے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ تم بھی ان کی سرکوبی کے لیے لشکر کشی کرو۔ ایرج نے آداب بجالا کر کہا' مجھے حکم کی تعمیل میں تو عذر نہیں لیکن بھائیوں کے مابین جنگ ہونے سے ملک میں انقلاب آ جائے گا' خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور ملک کو بدبختی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بڑے بھائیوں کو مجھ پر فوقیت حاصل ہے اس لیے اگر اجازت ہو تو آذربائیجان جا کر ان سے ملوں۔ ان کی دل جوئی کروں اور بدگمانی' جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے' اسے صاف کروں اور ان سے تجدیدِ عہد کر لوں۔ فریدوں اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے ایرج کو جانے کی اجازت دے دی۔ آخر وہ آذربائیجان گیا۔ بھائیوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس کا خیر مقدم کیا اور اسے خیمے میں ساتھ لے گئے۔ ایرج بھائیوں کے لیے جو جواہرات' بطورِ تحفہ لایا تھا' پیش کش کیے لیکن انھوں نے جب دیکھا کہ اب ایرج پر ان کا پورا پورا قابو ہے تو اس کا سر کاٹ کر فریدوں کے پاس بھیج دیا کہ یہ ہے وہ سر' جس کو ایران کا تاج پہنانے کے لیے آپ نے ہم پر ترجیح دی تھی۔

فریدوں کو ایرج کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہوا اور اس عظیم بدبختی پر گریہ وزاری کرتا رہا۔ پہلے تو وہ چاہتا تھا' کہ ایرج کے حق میں دست بردار ہو جائے لیکن اب وہ اپنی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگتا تھا کہ ایرج کا بیٹا جوان ہو اور اس کی آنکھوں کے سامنے انتقام لے۔ ادھر ایرج کے قتل کی خبر ملک کے طول و عرض میں پہنچی تو اس کی ملکہ ماہ آفرید نے جو حاملہ تھی' بیٹے کو جنم دیا' جس کا نام منوچہر رکھا گیا۔ فردوسی لکھتا ہے:

---

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ ثعالبی' ص ۳۲

می روشن آورد و پر مایہ جام   مر او را نہادش منوچہر نام

چنان پروریدش کہ باد و ہوا   بر او گزشتن ندیدی روا

فریدوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی- اس نے اس کی تربیت کے لیے لائق ترین اتالیق مقرر کیے تا کہ وہ ہر طرح مؤدب اور مہذب ہو اور فرِ ایزدی حاصل کرنے کے لائق ہو سکے- فریدوں نے اسے اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کر دیا- فریدوں نے جس طرح ایرج کو بھائیوں کے مقابلے میں بھیجنا چاہا تھا اسی طرح اب منوچہر کو چچاؤں سے انتقام لینے کے لیے تیار کیا- منوچہر نے بہت بڑا لشکر تیار کیا اور کاوہ کے بیٹے قارن کو سالار لشکر بنا کر لشکر کشی کی- تور اور سلم نے سنا تو وہ سخت مضطرب ہوئے اور پھر اپنا اپنا لشکر لیے ہوئے آذربائیجان پہنچ گئے-

بھتیجے اور چچاؤں کے لشکر آمنے سامنے ہوئے- دونوں اطراف سے تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی- ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا تیروں کی وجہ سے تاریک ہو گئی ہے' پھر نیزے چلنے لگے' پھر تن بہ تن کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر گرز برسانے لگے- آخر تور اور سلم دونوں نے شکست کھائی اور ان کے لشکر منتشر ہونے لگے- منوچہر نے چچاؤں کو اسیر کر کے ان کے سر قلم کیے اور فریدوں کے پاس بھیج دیے اور اس طرح اپنے باپ کا انتقام لے لیا-

منوچہر نے بڑے عدل و انصاف سے حکومت کی- زمینوں کو آباد کرایا' نئی نئی بستیاں بسائیں- یہ وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے شہروں کے اردگرد حفاظت کی غرض سے خندقیں کھدوائیں تا کہ دشمن کے حملوں کا سدِ باب ہو سکے-

طویل[1] مدت گزرنے کے بعد تور کے خاندان سے ایک شخص افراسیاب بن پشنگ بادشاہ بنا تو اس نے تور کے خون کا بدلہ لینا چاہا- اس کی مملکت چین و ماچین تک پھیلی ہوئی تھی- اس نے ملک کے طول و عرض سے مور و ملخ کی مانند لشکر فراہم کیا اور منوچہر کی مملکت پر لشکر کشی کی- منوچہر کو ان سے جنگ کرتے ہوئے کئی مقامات پر پسپا ہونا پڑا- آخر[2] منوچہر طبرستان کے قلعے میں محصور ہو گیا اور اس شرط پر جانبین رضا مند ہو گئے کہ توران (ترکستان) اور ایران (عجم) کے مابین سرحد قائم کر لی جائے جسے کوئی عبور نہ کرے- افراسیاب[3] نے سرحد مقرر کرنے کے لیے یہ

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۳۴

(۲) محمود ہدایت' شاہ نامۂ ثعالبی' ص ۴۹

(۳) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۳۴

تجویز پیش کی کہ منوچہر کے لشکر کا کوئی تیر انداز کسی پہاڑی کی چوٹی سے تیر پھینکے' وہ تیر جہاں گرے اس مقام پر سرحد قائم کر لی جائے- منوچہر کے لشکر کا ایک نامی جرنیل آرش (Arshiatir) تھا- تیر اندازی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا- اسے منوچہر نے حکم دیا کہ کوہِ دماوند کی چوٹی پر سے تیر پھینکے- آرش نے اس زور سے تیر پھینکا کہ طبرستان' گورگان' نیشاپور سرخس اور مرو کے بیابانوں سے پرواز کرتا ہوا جیحوں کے کنارے جا کر گرا- آرش کی شہ زوری پر سب عش عش کر اٹھے- افراسیاب کو یہ ہرگز گمان نہ تھا کہ ایک تیر انداز کا پھینکا ہوا تیر جیحوں تک بھی پہنچ سکتا ہے- بہر حال وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور دریائے جیحوں کے کنارے تک منوچہر کی مملکت کی سرحد تسلیم کر لی گئی اور جیحوں پار کا علاقہ افراسیاب کی سلطنت میں شامل رہا- اسی وجہ سے وہ علاقہ ماوراالنہر (یعنی دریا پار) کے نام سے موسوم ہوا-

طبری لکھتے ہیں کہ منوچہر کے بعد اس کا بیٹا ابرہ تخت نشین ہوا اس کے بعد حکومت ابرہ کے بیٹے عبد کو ملی اس کی وفات پر عبد کا پوتا زو بن طہماسپ بادشاہ بنا لیکن ثعالبی[1] خود بقول ان کے' صحیح ترین ماخذ پر بھروسا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ منوچہر ایک سو بائیس سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا تو اس کا بیٹا نوذر تخت نشیں ہوا- نوذر کے عہد میں ترکستان کے بادشاہ افراسیاب نے تور اور سلم کے خون کا بدلہ لینے کے لیے طبرستان پر حملہ کیا جہاں نوذر ٹھہرا ہوا تھا- ایران کے کئی دلاور انفرادی لڑائی کرتے ہوئے ترکوں کے ہاتھوں مارے گئے- آخر نوذر نے پسپائی اختیار کرنے کے لیے پارس کی طرف بڑھنا چاہا لیکن افراسیاب نے بڑھ کر اسے روک لیا- جانبین کے لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے' نوذر کے لشکر کو شکست ہوئی- ترکوں نے ان کا تعاقب کیا جس میں ایران کا بادشاہ نوذر اور اس کے لشکر کا کچھ حصہ اسیر ہو گیا- نوذر کو بالآخر افراسیاب نے مروا دیا-

نوذر کی وفات کے بعد افراسیاب کا ایران پر قبضہ ہو گیا- اسے یہ معلوم تھا کہ ایران پر وہ ہمیشہ اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکے گا اس لیے اس نے ایران کا بیشتر زر و مال توران منتقل کر دیا اور ایرانیوں پر طرح طرح سے ظلم و ستم کرنے لگا- اس کے زمانے میں ایران میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے چشمے خشک ہو گئے- فصلیں تباہ ہو گئیں- ملک میں قحط پڑ گیا- رعایا بدحال ہو گئی- افراسیاب ایرانیوں کی تباہ حالی دیکھ کر خوش ہوا- اس کے ہاں شراب کا دور چلتا اور چنگ و رباب کی

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ ثعالبی' ص ۴۹

صدائیں بلند ہوتیں جس سے اہلِ ایران کے دل مجروح ہوتے- بارہ سال تک بدستور اہلِ ایران ظلم وستم کا نشانہ بنتے رہے-

ایرانیوں کے دلوں میں افراسیاب کے خلاف غصہ اور نفرت کے جذبات مشتعل ہوئے تو بعض امرائے ایران سیستان کے مشہور پہلوان زال کے پاس گئے اور رے پر چڑھائی کرنے کو کہا' جہاں افراسیاب مقیم تھا- زال آمادہ ہوگیا اور لشکر فراہم کر کے رے پر لشکر کشی کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا' آخر زال نے یہ تجویز پیش کی کہ شاہی خاندان کے کسی فرد کو نوذر کا جانشین بنا کر اس کی تاج پوشی کی جائے- ایران کا کوئی بادشاہ ہوگا تو ہم میں جانفشانی پیدا ہو سکے گی- آخر سب نے متفقہ طور پر زو بن طہماسپ کو اپنا بادشاہ بنا کر اس کی رسم تاج پوشی ادا کی اور اس کی اطاعت کا حلف اٹھایا- نئے تاج دار کی خبر ایران کے طول وعرض میں پھیل گئی اور اور ملک کے کونے کونے سے لوگ دیوانہ وار آ آ کر جمع ہونے لگے تا کہ افراسیاب کے ظلم وستم سے اہلِ ملک کو بچایا جا سکے- زو کا لشکر اگرچہ غیر منظم تھا لیکن ان میں وحدت فکری تھی' قومیت کے جوش میں انھوں نے افراسیاب کے خلاف جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس میں افراسیاب کو شکست ہوئی اور وہ ایران کی حدود کو عبور کر کے ترکستان واپس پہنچ گیا-

زو بن طہماسپ نے اپنے باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کر کے رعایا کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور قحط کے اثرات دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی- چند ہی سال کے عرصے میں اس نے ایرانیوں کو پھر سے آباد کیا- فصلیں لہلہانے لگیں اور ملک پھر خوش حال ہوگیا-

کیانی عہد

کیقباد

زو بن طہماسپ فوت ہوا تو اس کے بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھی امرا اور سپہ سالاروں نے حکومت سنبھالنے کا اہل نہ سمجھا- ان کی نظریں شاہی خاندان کے ایک فرد کیقباد پر پڑیں جو اکثر باتوں میں حکم رانی کے معیار پر پورا اترتا تھا- چناں چہ زال' طوس' گودرز ایسے نام ور سپہ سالاروں اور بااختیار امیروں کبیروں نے کیقباد کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور رسمِ تاج پوشی ادا کر کے عنانِ حکومت اس کے ہاتھوں میں دے دی-

کیقباد نے ایک نئے عہد کی بنیاد رکھی جو 'کیانی عہد' کہلایا- 'کے' پہلوی زبان کا لفظ

ہے جس سے 'بادشاہ' مراد ہے- کیقباد اور اس کے جانشین بہت عادل حکم ران تھے- اپنی حکومت کے دوران انھوں نے نیکی کے راستے سے سرمو انحراف نہ کیا' اس لیے 'کیانی' لقب اختیار کر کے انھوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل بھی ثابت کیا-

کیقباد نے بلخ کو اپنا دارالسلطنت بنایا جو دریائے جیحوں کے کنارے ایران کی آخری سرحد پر واقع تھا- اس کی مدت حکومت ایک سو سال تھی-

کیقباد کا عہد(۱) عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا- اس نے اپنی صد سالہ حکومت میں ملک کو خوش حال بنانے میں پوری کوشش کی- زراعت کو ترقی دی' آبپاشی کے لیے کاریزوں اور چشموں کے نظام کو بہتر بنایا- دیہات اور قصبوں کو خاص خاص ناموں سے موسوم کیا اور علاقوں کی حدود متعین کیں- پیداوار کا دسواں حصہ لگان مقرر کیا' جس کا بیش تر حصہ فوجی ضرورتوں پر صرف کیا جاتا تھا-

افراسیاب کی ایران پر فوج کشی

زو کے مرنے کی خبر افراسیاب کو ملی تو اسے پھر ایران فتح کرنے کا خیال آیا- اس غرض کے لیے اس نے لشکر جرار فراہم کیا اور ایران پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا-

کیقباد کو ترکوں کی تیاری کا حال معلوم ہوا تو فوجوں کے سالار اعلا زال کو سیستان بلا بھیجا- زال نے خود تو بڑھاپے کی وجہ سے معذرت کی لیکن اپنے بیٹے رستم کو کیقباد کی خدمت میں بھیج دیا-

رستم نے محب وطن ایرانی نوجوانوں کی فوج منظم کی اور اس بات کا منتظر رہا کہ حریف خود دریائے جیحوں کو عبور کر کے آئے-

افراسیاب ترکوں کا لشکر لیے ہوئے دریائے جیحوں سے پار اترا اور طبلِ جنگ بجنے لگا- رستم ایرانیوں کا لشکر لے کر مقابلے کو آیا- نہایت خوں ریز جنگ کے بعد افراسیاب کو شکست ہوئی- ایرانیوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن افراسیاب جان بچا کر دریا کو پار کر گیا- اس جنگ میں ہزار ہا ترک مارے گئے- اس شاندار فتح کے صلے میں کیقباد نے رستم کا منصب بڑھایا اور انعام و اکرام سے نوازا-

---

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامۂ ثعالبی' ص ۶۲

کیقباد کے آخری ایام

کیقباد نے ایک سو سال حکومت کی۔ اس عرصے میں اس نے رفاہِ عامہ کے کاموں پر خاص توجہ دی۔ ملک خوش حال ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ ملک کی آبادی اور خوش حالی میں شاہی خزانے کو بہت دخل ہوتا ہے اس لیے اس نے بقولِ ثعالبی[1] ریگِ بیابان کی مانند مال و دولت جمع کیا اور شاہی خزانے کو بیش بہا جواہرات سے پر کر دیا۔

آخری عمر میں جب وہ بیمار ہوا تو اس نے اپنے بڑے بیٹے کیکاؤس کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ اسے عدل و انصاف قائم کرنے کی وصیت کی اور کہا کہ انسان کتاب کی تصویروں کی مانند ہیں جو ان کی موت کے بعد ان کے کردار کی عکاسی کرتی ہیں۔

مورخ[2] طبری لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کو جو واقعات پیش آئے ان کا زمانہ وہی ہے جو کیقباد کا تھا۔

کیکاؤس

کیقباد کے بعد کیکاؤس تخت نشین ہوا۔ گویا کیانی عہد کا تابناک ستارہ افقِ ایران پر نمودار ہوا۔ اس کا سب سے بڑا حریف توران کا بادشاہ افراسیاب تھا جو فریدوں کے بیٹے تور کی نسل سے تھا۔ مشہور تورانی پہلوان اِسفندیار اس کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ کیکاؤس کو زال اور رستم ایسے نام ور پہلوانوں کی خدمات حاصل تھیں۔ رستم کیانی لشکر کا سپہ سالار اور حاکمِ سیستان تھا جس کی شجاعت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے اپنے روایتی گھوڑے 'رخش' کی مدد سے نہ صرف انسانوں بلکہ دیووں کے خلاف مہموں میں فتح پائی۔

سرگذشتِ سیاوش

کیکاؤس نے اپنا بیٹا سیاوش رستم کے سپرد کیا تھا کہ سیستان میں اپنے پاس رکھ کر اس کی تربیت کرے؛ رستم نے اس کی پرورش اور تربیت کی' شکار اور سپہ گری کے تمام فنون سکھائے۔ آخر جب وہ بیس سال کا ہوا تو اسے کیکاؤس کے پاس بلخ لے آیا۔ کیکاؤس اسے ہمہ صفت موصوف پا

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ' ثعالبی' ص ۶۸' ۶۹

(۲) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۶۹

کر بہت خوش ہوا۔

طبری [1] لکھتے ہیں کہ سیاوش کے آنے سے پہلے کیقباد نے افراسیاب سے ایران کی اس تباہی کا معاوضہ مانگا تھا جو اس کے ہاتھوں زو بن طہماسپ کے زمانے میں ہوئی۔ افراسیاب نے معاوضے کے مطالبے کو تو ٹال دیا لیکن اپنی ایک بیٹی کیکاؤس کے عقد کے لیے بھیج دی تھی۔ اب وہ ملکۂ ایران تھی۔ سیاوش جب دوسرے دن شاہانہ لباس پہن کر ماں کے سلام کو گیا تو کیکاؤس کی ملکہ اس کے حسن و زیبائی کو دیکھ کر دل و جان سے فدا ہو گئی۔ سیاوش کو اس سے مہرِ مادری کی توقع تو تھی، لیکن عشق و عاشقی گوارا نہ تھی۔ اس لیے اس نے بے رخی اختیار کی۔ ملکہ اس کے رویے سے سخت ناراض ہوئی اور تہمت لگا کر چاہا کہ اسے مروا دے۔ ملکہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی لیکن کیکاؤس کے دل میں کشیدگی ضرور پیدا ہوئی اس نے سیاوش کو مشکل میں پھنسانا چاہا اور لشکر دے کر بھیجا کہ افراسیاب سے ایران کی تباہی کا معاوضہ مانگے جو قطعاً ناانصافی پر مبنی تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی کہا کہ اگر وہ معاوضہ دینے سے انکار کرے تو اس سے جنگ کرے۔ سیاوش حکم کی تعمیل میں لشکر لے کر ماوراء النہر پہنچا اور ایلچی بھیج کر معاوضہ طلب کیا۔ افراسیاب نے معاوضے کا مطالبہ تو نہ مانا لیکن فیروز نامی ایک مدبر کے ذریعے پیغامِ صلح بھیجا جسے سیاوش نے قبول کر لیا اور اپنی مصالحت کا حال کیکاؤس کو لکھ بھیجا۔ کیکاؤس، سیاوش کی اس حرکت سے سخت برہم ہوا۔ قاصد بھیج کر کہلوایا کہ صلح منسوخ کر کے اپنا مطالبہ پیش کرو۔ سیاوش نے جواب دیا کہ صلح کا پیمان جو میں افراسیاب سے کر چکا ہوں، اسے توڑنا جوان مردی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اس کے برعکس میں یہ گوارا کر لوں گا کہ آپ کے پاس نہ آؤں۔

سیاوش نے افراسیاب سے پناہ کی درخواست کی اور اپنا لشکر ایران واپس بھیج دیا۔ افراسیاب نے سیاوش کو دربار میں بلا بھیجا اور ہر طرح سے اس کی عزت افزائی کی، یہاں تک کہ اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی۔ تھوڑے ہی عرصے میں جب افراسیاب کو پتا چلا کہ وہ بہت بہادر، بلا کا شہ سوار اور فنونِ سپہ گری میں یکتا ہے تو دل ہی دل میں اس سے خائف رہنے لگا اور جب افراسیاب کے مشیروں نے اس سے کہا کہ چالاک اور دلیر دشمن کی پرورش نہیں کرنی چاہیے تو افراسیاب کے حکم سے اسے ہلاک کر دیا گیا اور اس کا سر کاٹ کر طشت میں لگا کر افراسیاب کے

(1) جواد مشکور (ڈاکٹر)، تاریخ بلعمی، ص ۴۷، ۴۸

پاس بھیج دیا گیا۔

افراسیاب کی بیٹی حاملہ تھی' اسے بھی افراسیاب نے مروا دینا چاہا لیکن فیروز نے جو افراسیاب اور سیاوش کے مابین مصالحت کرانے کا وسیلہ بنا تھا' بادشاہ کو اس فعلِ شنیع سے روکا اور کہا کہ کیکاؤس اور رستم سیاوش' کے خونِ ناحق کا بدلہ ضرور چکائیں گے اور تمھاری مملکت کو ویران کر کے چھوڑیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ سیاوش کی بیوی کو میرے حوالے کر دو۔ اگر اس سے لڑکا پیدا ہوا تو اسے لے کر کیکاؤس کے پاس جاؤں گا۔ اس طرح ممکن ہے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ افراسیاب نے لڑکی اس کے حوالے کر دی۔

سیاوش کے ہلاک ہونے کی خبر کیکاؤس کو ملی تو ایران بھر میں اس کا ماتم کیا گیا۔ آخر کیکاؤس نے اپنے ایک سپہ سالار گیو بن گودرز کو ماوراالنہر بھیجا کہ حقیقتِ حال معلوم کرے۔ وہ ایک تاجر کے لباس میں شہر میں گھومتا پھرتا رہا۔ آخر اسے معلوم ہوا کہ سیاوش کو تو مروا دیا گیا ہے لیکن اس کی حاملہ بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام کیخسرو رکھا گیا ہے۔ گیو کچھ عرصہ ادھر اُدھر پھرتا رہا' آخر وہ کیخسرو سے جا ملا اور کہا مجھے تمھارے دادا کیکاؤس نے بھیجا ہے۔ اگر تمھاری خواہش ہو تو میں تمھیں اس کے پاس لے جاؤں۔ دونوں ماں بیٹا ایران جانے کو تیار ہو گئے اور گیو دونوں کو کیکاؤس کے پاس پہنچانے میں کام یاب ہو گیا۔

کیخسرو اور اس کی ماں کو پا کر کیکاؤس کے غم کا کچھ مداوا تو ہوا لیکن اس نے حکم دیا کہ ترکستان پر فوج کشی کی جائے۔ اس غرض کے لیے رستم کو سپہ سالار اور طوس کو اس کا معاون مقرر کیا گیا اور انھیں ایک لشکر جرار دے کر افراسیاب سے سیاوش کا انتقام لینے کو بھیجا۔ رستم اور طوس لشکر لے کر ترکستان روانہ ہوئے۔ ایران اور ترکستان کی سرحد پر نہایت خونریز جنگ ہوئی جس میں ترکوں کو عبرت ناک شکست ہوئی لیکن افراسیاب فرار ہونے میں کام یاب ہو گیا۔ ترکستان کے بیش تر سرحدی شہروں کو ایرانیوں نے غارت کر دیا۔ ہزاروں ترک لقمۂ اجل بنے اور ہزاروں کی تعداد میں اسیر بنا کر کیکاؤس کے پاس بھیج دیے گئے۔

یمن میں کیکاؤس کی اسیری

فتح ترکستان کا جشن منانے کے بعد کیکاؤس کو ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آیا۔ اس نے گیو اور طوس دو فوجی سالاروں کو ساتھ لے کر یمن پر فوج کشی کی۔ یہاں حاکم یمن حمیر بن قطان

ان کے مقابلے میں آیا۔ عرب اپنے ملک اور جان و مال کی حفاظت کے لیے نہایت بے جگری سے لڑے اور میدان مار لیا۔ اس لڑائی میں فوجی سالار اور کیکاؤس اسیر ہو گئے جنھیں حمیر بن قطان نے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔

رستم کو اپنے بادشاہ اور دو نامی سالاروں کی اسیری کی خبر ملی تو اس نے اپنا لشکر لے کر یمن کی راہ لی۔ اب کی دفعہ اس کے ساتھ درفشِ کاویانی بھی تھا۔ یہ لشکر پورے شان و شکوہ کے ساتھ یمن کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ حاکمِ یمن کو ان کی تعداد اور شان و شوکت کا حال معلوم ہوا تو اس نے ایرانیوں کے ساتھ صلح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ رستم کے پیشِ نظر کیکاؤس اور دو فوجی جرنیلوں کو چھڑانے کے سوا کوئی اور مقصد نہ تھا' اس لیے اس شرط پر حاکمِ یمن کے ساتھ صلح ہو گئی کہ وہ انھیں رہا کر دے گا۔ آخر حمیر بن قطان نے اسیروں کو رستم کے حوالے کر دیا۔ رستم انھیں بڑے تزک و احتشام سے واپس لے آیا۔ کیکاؤس کی آزادی اور واپسی پر ملک بھر میں جشن منایا گیا۔

کیکاؤس نے رستم کی کام یاب مہم کے صلے میں اسے سیستان کے ساتھ زابلستان کی حکومت بھی دے دی اور جشنِ مسرت کے موقع پر اسے جواہرات سے مرصع ایک تاج اور چاندی کا تخت' جس کے پائے سونے کے تھے' عطا کیا اور تاج پہننے کی اجازت بھی دی۔

دیوِ سفید کے ہاتھوں کیکاؤس کی اسیری

کیکاؤس نے سن رکھا تھا کہ ماژندران دیووں اور پریوں کا مسکن ہے' جس کے دیکھنے کی تمنا اسے دیووں کی مملکت میں لے آئی۔ یہاں پھرتے پھراتے کیکاؤس دیوِ سفید کے ہاتھوں اسیر ہو جاتا ہے۔ رستم کو بادشاہ کی اسیری کی خبر ملتی ہے تو اپنے بادشاہ کو آزاد کرانے کے لیے ماژندران کا رخ کرتا ہے۔ دیوِ سفید تک پہنچنے میں اسے سات منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں' جو 'ہفت خوانِ رستم' کے نام سے مشہور ہیں۔ ہر منزل پر رستم کو غیر معمولی خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان خطرات پر جب وہ قابو پا لیتا ہے تو وہ بہت بڑی دعوت کرتا ہے جس میں اس کے تمام ساتھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ دعوت 'خوان' کے نام سے موسوم ہے۔ آخر سات منزلیں طے کر کے رستم منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔ رستم کے ہفت خوان کا ادب میں اکثر ذکر کرتا ہے اس لیے ان کا مختصر طور پر ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی منزل میں رستم کو ایک شیر سے سابقہ پڑتا ہے؛ وہ ایک درخت تلے گہری نیند سویا

ہوتا ہے کہ ایک شیر اپنی کچھار کی طرف بڑھا ہوا آتا ہے۔ رخش شیر کو دیکھ کر آگ کی طرح بھڑکتا ہے اور ہنہناتا ہوا رستم کی طرف آتا ہے۔ راستے میں شیر سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ رخش اپنے اگلے دونوں پاؤں اٹھا کر اس زور سے شیر کے سر پر مارتا ہے کہ شیر تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

دوسری منزل ایک بیابان کی ہے جس میں دور دور تک کہیں پانی کا نشان نہیں۔ شدید گرمی کا موسم ہے۔ شدت پیاس سے رستم اور رخش نڈھال ہو رہے ہیں۔ نہ رخش کا قدم آسانی سے آگے بڑھتا ہے، نہ رستم کا قدم رکاب میں ٹھیک طرح جمتا ہے۔ اس کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ اتفاق کی بات کہ کہیں سے ایک بھیڑ آ نکلتی ہے۔ امید کی ایک کرن دکھائی دیتی ہے۔ رستم رخش کو بھیڑ کے پیچھے پیچھے لے آتا ہے۔ بھیڑ ایک چشمے پر پہنچ جاتی ہے۔ رستم یزدانِ پاک کا شکر بجالاتا ہے اور دونوں جی بھر کر پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

تیسری منزل میں رستم کو ایک اژدہے سے سابقہ پڑتا ہے جو اتنا جسیم ہے کہ ہاتھی بھی اس کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ آخر رخش اژدہے پر حملہ کرتا ہے۔ ادھر رستم تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔

رستم اب چوتھی منزل میں آتا ہے۔ یہاں ایک جادوگر عورت کا راج ہے۔ رستم چلتا ہوا ایک چشمے پر پہنچتا ہے۔ چشمے کے کنارے ایک دسترخوان بچھا ہے۔ بُھنا ہوا دنبہ دسترخوان پر دھرا ہے۔ اس میں سے بھاپ نکلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جام و صراحی بھی موجود ہیں۔ پاس ہی طنبور پڑا ہے۔ رستم طنبور کو بغل میں دبا کر بآواز بلند غزل سرا ہوتا ہے:

کہ آوازہٴ بد نشان رستم است	کہ از روز شادیش بہرہ کم است
ہمہ جنگ با دیو و نر اژدہای	ز دیوِ بیابان نیابد رہای
می و جام و بو بوی گل و مرغزار	نکرد است بخشش ورا روزگار
ہمیشہ بجنگ نہنگ اندرست	دگر با پلنگان بجنگ اندرست

'یہ صدا اس رستمِ بدنشان کی ہے، جسے زمانے کی خوشیوں کا بہت کم حصہ ملا ہے اور جس کا پورا وقت دیوؤں اور نر اژدہاوں اور چیتوں کے ساتھ جنگ و جدل میں گزرتا ہے، دیوؤں اور اژدہوں کی جنگوں سے اسے نجات نہیں ملتی جسے زمانے نے جام و می اور پھولوں کی خوشبودار مرغزار نہیں بخشے۔

رستم کا یہ نغمہ جادوگر عورت کے کانوں میں پہنچتا ہے تو وہ لجاتی اور مسکراتی ہوئی رستم کی

طرف بڑھتی ہے- اسے دیکھتے ہی خدا کا نام رستم کے لبوں پر آتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے کہ بیابان میں اسے ایک ایسا خوانِ نعمت میسر آیا ہے جس میں جام وے اور ساقی زیبا سب کچھ مہیا ہے- خدا کی تعریف وتوصیف کے کلمات جاری ہوتے ہی عورت کے چہرے کی زیبائی اور شادابی لحمہ بہ لحمہ اس طرح اڑتی جاتی ہے جیسے خزاں کی آمد پر پھولوں کی پتیاں مرجھا جاتی ہیں- رفتہ رفتہ وہ حسین عورت سیاہ فام بڑھیا نظر آنے لگتی ہے- رستم اس پر کمند پھینکتا ہے اور پکڑ کر خنجر سے اس کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے-

پانچویں منزل میں اولاد نام دیو سے رستم کی جنگ ہوتی ہے- رستم اس پر قابو پا لیتا ہے اور کہتا ہے: ''اگر تم مجھے دیوِ سفید کا پتا دو اور اس مقام کی نشان دہی کر دو جہاں کیکاؤس قید ہے تو دیوِ سفید کو ہلاک کرنے کے بعد ماژندران کی حکومت تمھارے سپرد کر دی جائے گی-

اولاد اس شرط کو بہ خوشی قبول کر لیتا ہے- رستم اولاد کی رہنمائی میں آگے بڑھتا ہے- پہاڑوں کے درمیان ایک ہولناک مقام سے گزرتے ہوئے آخر یہ کوہ اسپروز پر پہنچتے ہیں- اولاد رستم کو بتاتا ہے کہ کیکاؤس پریوں کی تلاش میں یہاں تک پہنچا تھا کہ اسیر ہوا- آدھی رات گزرتے ہی شور سنائی دیتا ہے اور آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آتے ہیں- رستم پوچھتا ہے یہ کون سی جگہ ہے جہاں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور یہ شور کیسا ہے؟ اولاد نے کہا: ''یہ ماژندران کا دروازہ ہے- یہاں آدھی رات کے بعد کوئی نہیں سوتا اور یہ شور وغوغا دیوِ سفید کا ہے-

یہاں سے رستم کی چھٹی منزل شروع ہوتی ہے' جہاں رستم ارژنگ نامی دیو کو دیکھتا ہے اور گشتاسپ کی آگ کی طرح اس پر لپکتا ہے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیتا ہے-

ساتویں منزل میں دیوِ سفید سے مڈبھیڑ ہوتی ہے- رستم اس پر حملہ کرتا ہے اور بصد مشکل اس پر قابو پا کر اسے ہلاک کرتا ہے- آخر وہ اولاد کی نشان دہی پر کیکاؤس کے پاس پہنچ جاتا ہے' جس کا پل پل رستم کے انتظار میں گزر رہا تھا- رستم اسے رہائی دلاتا ہے اور ماژندران کی حکومت اولاد کو سپرد کر کے کیکاؤس کے ہم راہ واپس آتا ہے-

کیکاؤس کے عہد میں ایک عظیم المیہ رونما ہوتا ہے جس میں رستم کا بیٹا خود اپنے باپ کے ہاتھوں مارا جاتا ہے- اس سرگزشت کا آغاز فردوسی نے ذیل کے شعر سے کیا ہے:

کنون رزمِ سُہراب و رستم شنو
دگرہا شنیدستی اینہم شنو

المیہ کی سرگذشت

کہا جاتا ہے کہ ایک دن رستم شکار کو نکلا- گورخر مار کر اس کے کباب بنائے اور سیر ہو کر کھائے اور اسی صحرا میں پڑ کر سو رہا- اچانک کچھ ترک ادھر آ نکلے اور کمند پھینک کر رخش کو پکڑا اپنے ساتھ لے گئے- رستم خواب سے بیدار ہوا تو رخش کو کہیں نہ پایا- اس کے پاؤں کے نشان ضرور موجود تھے- رستم ان نشانوں کے پیچھے پیچھے چلا اور شہر سمنگان میں داخل ہوا جو ترکستان کی حدود میں واقع تھا- حاکم سمنگان کو لوگوں نے بتایا کہ رستم پیادہ پا چلا آ رہا ہے- اس نے مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور آنے کا سبب دریافت کیا- رستم نے بتایا کہ کچھ ترک چراگاہ سے میرا گھوڑا لے آئے ہیں' ان کے سراغ میں میں یہاں آیا ہوں- حاکم سمنگان نے گھوڑا منگوانے کا وعدہ کیا اور کہا:

یک امشب ہمی شاد داریم دل　　ز بندِ غم آزاد داریم دل
تہمتن ز گفتار او شاد شد　　دل او ز اندیشہ آزاد شد

چاروں طرف آدمی رخش کی تلاش میں دوڑائے گئے-

حاکم سمنگان نے محلِ شاہی میں اپنے مہمان کو اتارا- نہایت پرتکلف دعوت کھانے کے بعد رستم فرشِ خواب پر لیٹ گیا اور سرود و ساز کی آوازیں سننے میں محو ہو گیا-

پہر رات گزر گئی کہ دروازے کا پردہ سرکا- دفعتاً ایک ماہ پیکر نازنین پردے کے پیچھے سے کافوری شمع ہاتھ میں لیے نمودار ہوئی:

ز پردہ برآمد' یکی ماہ روی　　چو خورشید تابان' پر از رنگ و بوی
دو ابرو کمان و دو گیسو کمند　　ببالا بکردارِ سروِ بلند
لبانش طبر زد دہانش از شکر　　زبانش مکلل بہ دُرّ و گہر

ازو رستمِ شیر دل خیرہ ماند
برو بر جہان آفرین را بخواند

رستم نے سوال کیا' تم کون ہو اور اس اندھیری رات میں کیا ڈھونڈ رہی ہو؟

چنین داد پاسخ کہ تہمینہ ام　　تو گوئی کہ از غم بدو نیمہ ام
یکی دختِ شاہِ سمنگان منم　　بر شک ہزبر و نہنگان منم
کس از پردہ بیرون ندیدہ مرا　　نہ ہر کس نوائی شنیدہ مرا

بکر دارت افسانہ از ہر کسی
شنیدم ہمہ داستانت بسی

اس نے یوں جواب دیا کہ میرا نام تہمینہ ہے۔ تو کہے گا کہ غم سے میں دہری ہوئی جا رہی ہوں۔ میں شاہ سمنگان کی دختر ہوں جس پر شیروں اور نہنگوں جیسے پہلوان رشک کرتے ہیں۔ مجھے کسی نے بے پردہ نہیں دیکھا' نہ کسی نے میری کبھی آواز ہی سنی ہے۔ میں نے سب سے تمھارے بہادری اور کردار کے افسانے اور تیری (شجاعت کی) داستانیں سن رکھی ہیں۔

رستم نے حقیقت حال سنی تو سخت حیران ہوا اور پوچھا تمھارا مقصد کیا ہے؟ تہمینہ بولی: ''مجھے تم سے غائبانہ محبت تھی۔ میں نے عہد کیا تھا کہ تمھارے بغیر کسی سے شادی نہ کروں گی۔ تمھارے رخش کو بھی میں نے خود سپاہی بھیج کر منگوایا ہے۔ اب یزدانِ پاک (خدا) نے تمھیں یہاں بھیج دیا ہے۔ میں نے اپنا حالِ دل بیان کر دیا ہے۔ اب تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو کل میرے باپ سے کہہ دو'' یہ کہہ کر تہمینہ رخصت ہوگئی۔

صبح ہوئی رستم نے تہمینہ کی خواستگاری کی جسے حاکم سمنگان نے قبول کیا۔ ملکی آئین کے مطابق شادی ہوگئی۔ رستم نے کچھ دن وہاں بسر کیے آخر سمنگان سے چلنے کا وقت آیا تو رستم نے اپنا وہ خاص مہرہ جو سام کی یادگار تھا' تہمینہ کو دیا اور کہا اگر بیٹا پیدا ہو تو یہ مہرہ اس کے بازو پر باندھ دینا اور اگر بیٹی ہو تو اس کے گیسوؤں میں ٹانک دینا۔ اس مہرے میں یہ خاصیت ہے کہ جس کے پاس ہوگا اس میں نریمان کی سی شجاعت آ جائے گی۔

تہمینہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ حاکمِ سمنگان نے اس کا نام سہراب رکھا۔ سہراب دس سال کا ہوا تو ماں سے اپنے باپ کا نام پوچھا۔ اس نے کہا تمھارے باپ کا نام رستم ہے جس کا تعلق سیستان کے مشہور خاندان سے ہے۔ سہراب نے کہا کہ میں کسی کو بھیج کر باپ کی خیر و عافیت پوچھنا چاہتا ہوں۔ ماں بولی ایسا ہرگز نہ کرنا۔ باپ نے تمھارا نام سن لیا تو تمھیں بلا لے گا اور میں تمھاری جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی۔

تہمینہ کو بیٹے کی جدائی کسی صورت گوارا نہ تھی۔ رستم نے اپنے ایلچی کے ہاتھ تہمینہ کے لیے دو یاقوت اور تین لعل بھیجے۔ تہمینہ نے قبول کر لیے اور ایلچی کے ذریعے یہ پیغام بھیج دیا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے جو یہاں میری زندگی کا سہارا ہے۔

رستم کو یہ پیغام ملا تو بہت دل گیر ہوا اور خاموش ہو گیا۔

سہراب نے اپنی ماں سے کہا میں ترکستان کے بہادروں کو جمع کر کے کیکاؤس کی مملکت

پر چڑھائی کروں گا اور شاہ ایران کو کیفرِ کردار کو پہنچا کر اس کی جگہ اپنے باپ کو تخت نشین کروں گا- تہمینہ نے ہر چند اسے روکا لیکن وہ چڑھائی کے منصوبے باندھنے لگا- اس نے اسلحۂ جنگ فراہم کیا اور دلاورانِ ترکستان کو ایران پر چڑھائی کرنے کے لیے اپنا ہم نوا بنایا-

افراسیاب کو سہراب کے ارادے کا حال معلوم ہوا تو اسے بلا بھیجا- سہراب دربار شاہی میں حاضر ہوا- افراسیاب نے اسے کہا کہ کیکاؤس ہمارے ملک و قوم کا دشمن ہے- میں تمھیں ترکوں کے لشکرِ جرار کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں- تم اگر عازم ایران ہو تو ملک کے تمام وسائل تمھیں حاصل ہوں گے-

سہراب نے ایران کے خلاف فوج کشی کی- متعدد فتوحات حاصل کرنے کے بعد آخر اس کی مڈبھیڑ رستم سے ہوئی اور دنیا کا ایک عظیم المیہ رونما ہوا جس میں سہراب اپنے باپ رستم کے ہاتھوں مارا گیا-

کیخسرو

کیکاؤس فوت ہوا تو سیاوش کا بیٹا کیخسرو ایران کا بادشاہ بنا- حکومت سنبھالتے ہی اس نے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایران کے طول و عرض سے لشکر فراہم کیا' جس کی تعداد تیس ہزار بتائی جاتی ہے- اس نے ایران کے ایک مشہور جرنیل طوسِ نوذر کو سالار لشکر مقرر کیا اور سیاوش کے بھائی فریبرز (Fraburz) کو لشکر کی نگرانی سپرد کی اور ترکستان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا- حکم دیا کہ طوسِ نوذر ترکستان کے جس شہر میں پہنچے اسے تباہ و برباد کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے-

کیخسرو نے ایران کے ایک نامور سالار گیو کو جو کیخسرو اور اس کی ماں کو ترکستان سے لایا تھا' الگ لشکر دے کر بھیجا- وہ خود بھی لشکر لے کر ایران و ترکستان کی سرحد پر فروکش ہوا اور اپنے لشکر کو چار حصوں میں منقسم کیا تا کہ چاروں طرف سے دشمن کو گھیرے میں لے لیا جائے-

افراسیاب کو ایرانیوں کے حملے کی خبر ملی تو اس نے ترکستان کے گوشے گوشے سے لشکر فراہم کیا اور فیروز کو' جس نے کیخسرو اور اس کی ماں کو اپنے گھر میں رکھا تھا' سالار لشکر مقرر کیا- ترکوں کا اتنا بڑا لشکر مدافعت کے لیے تیار ہوا کہ شمار میں نہ آ سکتا تھا-

کیخسرو کو معلوم ہوا کہ دشمن کے لشکر کا سالار فیروز ہے تو اسے افسوس ہوا- وہ چاہتا تھا کاش فیروز اس مہم سے الگ ہو جائے- کیخسرو نے ایلچی بھیج کر فیروز کو کہلایا کہ اسے شاہِ ایران پر

پدری حق ہے' جس کی پرورش اس نے اس وقت کی جب کوئی پرسانِ حال نہ تھا- اس پیغام سے اس کا دل بھی متاثر ہوا لیکن وہ ترکستان کا معتمد ترین سپہ سالار تھا- افراسیاب کے ساتھ بدعہدی اسے کسی صورت گوارا نہ تھی- آخر معرکہ کارزار گرم ہوا- دن بھر فوجوں کے تیروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دیتی رہی- پھر انفرادی لڑائی میں گرزوں کی زنا زن سے میدان لرزنے لگا- آخر دفعتاً ایک پر جوش صدا بلند ہوئی کہ اہلِ ایران سرخ رو ہوئے اور کیخسرو نے فتح پائی- اس معرکے میں فیروز کو نہایت بری طرح شکست ہوئی اور خود فیروز بھی لڑتا لڑتا مارا گیا' جس کا کیخسرو کو بہت افسوس ہوا-

گیو تین دن تک دشمن کے سپاہیوں کو قتل کرنے میں مصروف رہا- طبری لکھتے ہیں کہ عجمی تلواروں نے ساٹھ ہزار ترکوں کا خون بہایا- تیس ہزار اسیر کر لیے گئے- مالِ غنیمت' جو ایرانیوں کو دست یاب ہوا' شمار سے بالا تھا-(۱)

افراسیاب کو فیروز کی ہلاکت اور شکست کی خبر ملی تو وہ ایک طوفانی دریا کی طرح جوش میں آ گیا- آخر وہ خود عظیم تر لشکر لے کر اہلِ ایران سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آگے بڑھا لیکن فتح کیخسرو کے نام مقدر ہو چکی تھی- ایک خونریز جنگ کے بعد افراسیاب کو شکست ہوئی- اس جنگ میں ایک لاکھ ترک لقمۂ اجل ہوئے- افراسیاب میدان جنگ چھوڑ کر نکل بھاگا لیکن اہلِ ایران نے شہر بہ شہر اس کا تعاقب کیا- آخر وہ ترکستان کی حدود سے نکل کر ایک چراگاہ میں چھپ گیا- کیخسرو کے سپاہیوں نے اس کو وہاں سے ڈھونڈ نکالا- خون سیاوش رنگ لایا اور کیخسرو کے حکم سے گیو پہلوان نے اس کا سر قلم کر دیا اور اس طرح ایک دیرینہ نزاع ختم ہوا-

فوج کے جن حکام نے جنگ میں نمایاں خدمات انجام دیں انھیں کیخسرو نے مختلف علاقوں کی سرداری سونپ دی- فریبرز کو کرمان اور مکران کی حکومت سپرد کی- میدانِ جنگ میں لڑنے والوں کو فرداً فرداً انعام واکرام سے نوازا- طبری لکھتے ہیں کہ اس نے خزانے کا بڑا حصہ پلوں کی تعمیر اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا اور کچھ حصہ بے کس بیواؤں کے لیے وقف کیا(۲) اور خود اچانک تخت سے دست بردار ہو گیا- جس کا اہلِ ملک کو سخت رنج ہوا- آخر کیخسرو سے پوچھا گیا کہ اس کا جانشین کس کو بنایا جائے تو اس نے اپنے چچا کے بیٹے لہراسپ کا نام لیا- اسی رات کیخسرو بیابان کی طرف نکل گیا' پھر نہ کسی نے اسے دیکھا' نہ اس کے متعلق کچھ سنا-

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ۵۷

(۲) ایضاً' ص ۵۸'۵۹

لہراسپ

لہراسب ایک زرین تخت پر بیٹھا جس میں جواہرات جڑے تھے- اس کے پائے یاقوت کے تھے- اس نے بھی بلخ کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اسے 'بلخ الحسا'[1] کے نام سے موسوم کیا-

لہراسپ کے عہد میں پہلی بار بخت النصر کا نام آیا ہے- طبری کے نزدیک یہ دونوں ہم عصر تھے' بلکہ ان کے نزدیک بخت النصر کو حکومتِ ایران نے ہی بابل کا حاکم مقرر کیا تھا- لہراسپ نے بخت النصّر کو حکم دیا کہ لشکر لے کر جائے اور سرزمینِ شام' عراق' یمن اور اہواز سے روم تک کا سب علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لے-

بخت النصر نے لشکر سمیت دجلہ کو عبور کیا اور ملکِ شام میں داخل ہوا اور دمشق پہنچا- اہلِ شام نے بخت النصر کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور حکومتِ دمشق اس کے حوالے کر دی- دمشق سے بخت النصر نے اپنا ایک سپہ سالار بیت المقدس بھیجا- وہاں کا حاکم حضرت داؤدؑ کے خاندان سے تھا- اس نے بخت النصر کے سپہ سالار کے سامنے وفاداری کا حلف اٹھایا' اس پر وہ واپس چلا گیا- بخت النصر شام کے شہر طبریہ میں وارد ہوا تو اسے خبر ملی کہ بیت المقدس کے بادشاہ کے خلاف وہاں کے عوام نے محض اس لیے بغاوت کر دی ہے کہ اس نے بخت نصر کے سپہ سالار کے ساتھ جنگ کیوں نہ کی- آخر وہ بغاوت میں کامیاب ہوئے اور بادشاہ کو تخت سے اتار کر ہلاک کر دیا-

بخت النصر کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو اس نے بیت المقدس پر چڑھائی کر کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اہلِ شہر کا قتل عام کرایا جو لوگ بچ سکے انھوںُ نے مصر کا رُخ کیا-

لہراسپ ایک سو بیس سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بیٹے گشتاسپ کے حق میں دست بردار ہو گیا-

گشتاسپ

لہراسپ کے بعد گشتاسپ تخت نشین ہوا- اس نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح عدل و انصاف سے حکومت کی- اس کا دارالسلطنت بلخ تھا- اسے اطلاع ملی کہ بخت النصر نے بیت المقدس اور فلسطین کو تباہ و برباد کر دیا ہے- لوگوں کے ویران گھروں میں اب جانوروں اور درندوں کا بسیرا ہے تو اسے سخت رنج ہوا- بابل و عراق کے حکمران بخت النصر کو اس نے دربار میں

---

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)' تاریخ بلعمی' ص ٦٠

طلب کر لیا اور ان علاقوں کی حکومت کوروش کے سپرد کر دی گئی- گشتاسپ نے کوروش کو حکم دیا کہ تمام ویران شہروں کو پھر سے آباد کیا جائے اور اعلان عام کر دیا جائے کہ بیت المقدس کے لوگ جو وطن چھوڑ گئے تھے، واپس آ جائیں- کوروش نے اس حکم کی پوری طرح تعمیل کی- بیت المقدس کے گرے ہوئے مکانوں کو پھر سے تعمیر کرایا- لوگ گھروں میں واپس آ گئے اور بیت المقدس کا ویرانہ پھر سے آباد ہو گیا-

گشتاسپ[1] کے عہد کا اہم واقعہ زردشت کا ظہور ہے، جس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے- اس نے لوگوں کو دین آتش پرستی سے متعارف کرایا اور اپنے اقوال کی کتاب پیش کی جو 'اوستا' کے نام سے موسوم ہے- گشتاسپ نے زردشت کا خیر مقدم کیا اور اس کے دین کو قبول کر لیا- اس کی وجہ سے ملک میں دین آتش پرستی پھیل گیا- طبری لکھتے ہیں کہ زردشت منوچہر کی نسل سے تھا- دقیقی نے اپنے شاہ نامے میں زردشت کا ذکر اشعار ذیل میں کیا ہے:

زایوانِ گشتاسپ تا پیشِ کاخ — درختی گشن بیخ و بسیار شاخ
همه برگِ او پند و بارش خرد — کسی کو چنین برخورد کی مرد
خجسته پی و نامِ او زردُ هشت — که اهریمنِ بد کنش را بکشت
به شاهِ جهان گفت پیغمبرم
تو را سوی یزدان همی رهبرم

گشتاسپ اور ارجاسپ کی جنگ

افراسیاب کے قتل کے بعد ترکستان اور ایران کی نزاع ختم ہو گئی تھی- نہ کیخسرو نے حملے کی غرض سے ترکستان کی طرف رجوع کیا نہ لہراسپ نے- لہراسپ نے ترکوں کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی قائم کیے- گشتاسپ نے نہ صرف یہ مراسم برقرار رکھے بلکہ ترکوں کے ساتھ مروت اور رواداری کا سلوک بھی کیا، لیکن توران کا بادشاہ ارجاسپ مملکت ایران پر حملہ کرنے کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتا تھا- آخر جب گشتاسپ نے ارجاسپ کو دین آتش پرستی قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے نہ صرف یہ دعوت ٹھکرا دی بلکہ آبائی دین ترک کر دینے پر گشتاسپ کو ملامت کی- اس پر توران اور ایران کے مابین پھر ایک بار جنگ و جدل کے لیے تیاری ہونے لگی اور جب میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں طرف سے خون کی ندیاں بہہ گئیں- گشتاسپ کا بھائی زریر اور اس کے

(۱) جواد مشکور (ڈاکٹر)، تاریخ بلعمی، ص ۶۵

چار بیٹے لڑتے لڑتے مارے گئے- آخر گشتاسپ کے بیٹے اسفند یار نے ترکوں کے لشکر پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا' جس سے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور ارجاسپ نے راہ فرار اختیار کی- اسفند یار کے لشکر نے دریاے جیحوں تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ اہلِ ایران کی دست رس سے باہر ہو گیا-

ایرانی لشکر کو لاتعداد مالِ غنیمت ملا جسے گشتاسپ نے حسب مراتب سرداروں' دلاور سواروں اور پیادوں کے مابین تقسیم کر دیا- اسفند یار کو اس نے ممتاز خدمات کے صلے میں سپہبد ایران کا منصب دیا اور خلعت فاخرہ عطا کر کے سرفراز کیا-

اسفند یار کی اسیری

ثعالبی[1] لکھتے کہ گشتاسپ کا ایک خاص معتمد کرزم' اسفند یار سے سخت بغض رکھتا تھا- اسفند یار کی عزت و حرمت نے جلتی پر تیل کا کام کیا- کرزم نے گشتاسپ کے کان بھرے کہ اسفند یار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایران کی فتح صرف اس کی وجہ سے ہوئی ہے اور اب وہ بادشاہت کے خواب دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ بادشاہ کو قتل کر کے خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لے-

گشتاسپ' کرزم کے فریب میں آ گیا اور چاہا کہ اسفند یار کو اسیر کر کے زندان میں ڈال دے- اسفند یار کو بلانے کے لیے جاماسپ کو بھیجا گیا- جاماسپ نے اسفند یار کو باپ کا پیغام دیا اور صورتِ حال سے بھی مطلع کر دیا لیکن اسفند یار کا دل صاف تھا- اس کے دل میں بدعہدی کا خیال تک نہ تھا اس لیے وہ بے دھڑک باپ کے پاس چلا گیا- گشتاسپ کے دریافت کرنے پر اس نے اپنی بے گناہی کا اظہار کیا لیکن اسے یقین نہ آیا اور اسفند یار کو ایک دور دراز مقام پر پابہ زنجیر کر کے قلعے میں ڈال دیا-

ایران پر تورانیوں کی فوج کشی

اسفند یار توران کا وہ واحد حریف تھا' جس سے ارجاسپ خائف تھا- جونھی اس کی اسیری کی خبر سنی' بلغ پر لشکر کشی کرنے کے لیے جنگی تیاریاں کرنے لگا اور پھر جب یہ سنا کہ گشتاسپ سیستان میں ہے تو کہرام نامی سالار کو لشکر دے کر بلخ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا- اس نے حملہ کر کے شہر کو تباہ و برباد کر دیا اور آتش پرستوں کے ستر موبدوں اور ہیربدوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا- گویا ان کے خون سے آتش کدے ٹھنڈے کیے جو ان کی عبادت گاہ تھے- یہاں کے خزائن سمیٹے' یہاں تک کہ شاہی محل بھی کہرام کی دست برد سے نہ بچا اور گشتاسپ کی دو بیٹیوں' ہمای' اور

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ' ثعالبی' ص ۱۲۸

'بہ آفرید' کو اسیر کر کے توران بھیج دیا اور لہراسپ کو جو ضعیفی کی وجہ سے گشتاسپ کے حق میں تخت سے دست بردار ہو چکا تھا' شاہی محل کے سامنے قتل کر دیا گیا۔

وزان پس بہ بلخ اندر آمد سپاہ — جہان شد ز تاراج و کشتن سیاہ
زنی بود گشتاسپ راہوش مند — خرد مند و دانا و رایش بلند
ز ایران رہِ سیستان بر گرفت — وزان کا رہا ماندہ اندر شگفت
چنین تا بنزدیک گشتاسپ شد — بہ آگاہی مرگِ لہراسپ شد
بدو گفت چندین چرا ماندہ ای — خود از بلخ بامی چرا راندہ ای
شہنشاہ لہراسپ در پیش بلخ — بکشتند و شد روزِ ما تار و تلخ
ببردند مر دخترت را اسیر — چنین کارِ دشوار آسان مگیر(۱)

گشتاسپ نے جب سنا کہ بلخ اور شاہی خاندان پر کیا گزری تو اسے بلخ چھوڑنے کا انتہائی رنج ہوا۔ آخر لشکر لے کر بلخ کا رُخ کیا۔ حدودِ شہر میں پہنچا ہی تھا کہ ارجاسپ کے لشکر کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ لگا تار تین دن تک ہوتی رہی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بڑے بڑے ایرانی دلاور میدانِ جنگ میں کام آئے۔ کرزم' جو اسفندیار کی قید کا موجب بنا تھا' اس کی لاش بھی خاک وخون میں لتھڑی پڑی تھی۔ گشتاسپ مغلوب ہو گیا اور بچا کھچا لشکر لے کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔

اب گشتاسپ کو اسفندیار یاد آیا اور اس کے ساتھ نامناسب سلوک کرنے پر ندامت ہوئی۔ اس نے یہ سوچ کر کہ اسفندیار کی قیادت ہی اس نازک دور میں ایران کو بچا سکتی ہے' مناسب سمجھا کہ اپنے بیٹے جاماسپ کو اسے آزاد کرنے کے لیے بھیجے۔ اسفندیار چند سال کی اسیری کے بعد رہائی پا کر سیدھا اپنے باپ کے پاس آیا۔ باپ نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا: ''اگر ہو سکے تو اس غم ناک واقعے کو دل سے بھلا دو۔ اب ایران کا تخت وتاج تمھارا ہے۔ تمھیں ہی اب ایران کو بچانے کے لیے جان لڑانی ہے''۔ اسفندیار نے سرِ اطاعت خم کیا' نام ور سرداروں کو ملک کی عزت بچانے کے لیے بلایا اور ایک تازہ دم لشکر منظم کر کے ارجاسپ سے جنگ کرنے کی تیاری کی۔

ارجاسپ نے اسفندیار کی آزادی کا حال سنا تو سخت مضطرب ہوا اور یہ سمجھ کر کہ

(۱) شاہنامۂ فردوسی

اسفندیار کے تازہ دم لشکر کے مقابلے کی تاب ہم میں نہ ہوگی' مناسب سمجھا کہ ترکستان کو لوٹ جائے اور اپنی فاتحانہ شان کو برقرار رکھے' لیکن ایک بہادر ترک گرگسار نے' جو بھیڑیے سے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے مشہور تھا' اسفندیار سے تن بہ تن جنگ کرنے کی پیش کش کی جس سے ارجاسپ کا حوصلہ بندھ گیا۔

آخر اسفندیار اور ارجاسپ کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ قیامت کا معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ دونوں طرف سے بہادر کٹ کٹ کر مرے گرگسار موقع پا کر اسفندیار کی طرف بڑھا اور پورے زور سے اسے تیر مارا۔ تیر زرہ میں پیوست ہو کر رہ گیا۔ اسفندیار نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ زخم کاری لگا ہے' گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ گرگسار نے اب نیزے کا وار کرنا چاہا:

"نہ ترسید اسفندیار از گزند ز فتراک بگشادہ پیچان کمند
بنامِ جہان آفرین کرد یاد بینداخت بر گردن گرگسار
بآن اندر آمد سر و گردنش بخاک اندر افگند ازانِ تنش" (۱)

اسفندیار نقصان سے ڈرا نہیں۔ فتراک سے پیچ دار کمند نکالی اور گرگسار کی گردن پر پھینکی جس میں اس کے سر اور گردن پھنس گئے اور اس کا بدن زمین پر گر پڑا۔

ارجاسپ نے ہر چند بہادری سے مقابلہ کیا لیکن اس کا بس نہ چلا۔ ترکستانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور ارجاسپ کو شکست ہوئی۔ اُس نے بچا کھچا لشکر لے کر راہ فرار اختیار کی۔

جنگ ختم ہوئی' اسفندیار فتح یاب ہوا۔ ایران کو اس نے تورانیوں کے چنگل سے چھڑا لیا اور فتح کے شادیانے بجنے لگے۔

(صبح کو گرگسار اسیر ہو کر پیش ہوا تو اس نے کہا: اگر میری جان بخشی ہو جائے تو میں آپ کو 'قلعۂ روئین دژ' کا پتا بتاؤں گا جہاں آپ کی بہنوں ہمای اور بہ آفرید کو ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر ہونے کی وجہ سے روئین دژ کہلاتا ہے)۔

ہفت خوان اسفندیار

اسفندیار نے اس کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے زندان میں بھیج دیا۔ اسفندیار نے خاندان شاہی کی بے حرمتی اور اہلِ بلخ کی بربادی کا انتقام لینا چاہا' چناں چہ اب اس نے روئین دژ پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اس مہم میں اسفندیار کو بھی رستم کی طرح سات منزلیں طے

(۱) شاہ نامۂ فردوسی

کرنی پڑیں، جو 'ہفت خوانِ اسفندیار' کے نام سے مشہور ہیں۔

ثعالبی لکھتے ہیں: ''ہفت خوان اسفندیار کی داستان اتنی عجیب ہے کہ عقل اسے باور نہیں کر سکتی لیکن اسے بڑی شہرت حاصل رہی ہے اور تذکرہ نویس تواتر سے اسے نقل کرتے آئے ہیں اس لیے اسے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے''۔(۱) ثعالبی کے بیان کا اختصار درج ذیل ہے:

گشتاسپ نے حکم دیا کہ مختلف علاقوں کے سپاہی جمع کیے جائیں اور اسفندیار کی نظر سے گزارے جائیں۔ چناں چہ پوری سپاہ میں سے اسفندیار نے بارہ ہزار دلاور انتخاب کیے اور سامانِ سفر اور اسلحہ فراہم کیا گیا۔ آخر کوچ کا نقارہ بجا اور گرگسار کو رہنمائی کے لیے ہم راہ لے لیا گیا۔ گرگسار نے اسفندیار کو بتایا کہ روئین دژ تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ طویل ہے جو شہروں اور دیہاتوں میں سے ہوتا ہوا جاتا ہے۔ اس راستے میں جانوروں کا چارا اور سامان رسد بآسانی فراہم ہو سکتا ہے۔ چھوٹا راستہ صرف سات دن کی مسافت پر ہے لیکن یہ بہت پر خطر ہے۔ اس میں بھیڑیوں، شیروں، سیمرغوں اور جادوگروں سے سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر آپ یہ راستہ طے کر لیں تو سات دن میں دنیا بھر کے سب سے مضبوط اور بلند قلعے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس قلعے میں محلاتِ شاہی، چشمے، خزانے اور دفینے ہیں، جن میں صدیوں کی فراہم کی ہوئی دولت پوشیدہ ہے۔ انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا اس قدر سامان جمع کیا گیا ہے کہ کئی سالوں کے لیے کفیل ہو سکتا ہے۔ یہاں بادشاہِ ترکستان کے دس ہزار جاں باز موجود ہیں جن میں ہر فرد یگانۂ روزگار ہے۔

اسفندیار روئین دژ تک جلد از جلد پہنچنا چاہتا تھا اس لیے یہی مختصر راستہ اختیار کیا جو سات دن کی مسافت کے بعد اسے منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔

پہلی منزل میں اسفندیار کا مقابلہ دو بھیڑیوں سے ہوا جن کے جثے ہاتھیوں کے سے تھے اور جن کے دھاڑنے سے پورا ویرانہ دہل جاتا تھا۔ اسفندیار نے ان بھیڑیوں کو تہ تیغ کیا اور اس خوشی میں بہت بڑا جشن ہوا۔ وسیع دستر خوان بچھائے گئے جن پر ایرانی فوج کے تمام سرداروں اور سپاہیوں نے پر تکلف دعوت کھائی۔

دوسری منزل میں ایک شیر اور شیرنی رہتے تھے جن کے حملوں کی پورے توران میں دھوم تھی۔ ان کی وجہ سے کسی انسان کا وہاں سے گزر نہ ہو سکتا تھا۔ ان شیروں کو بھی اسفندیار نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس خوشی میں دوسرا جشن منایا گیا۔

---

(۱) محمود ہدایت، شاہ نامہ ثعالبی، ص ۱۳۹-۱۵۵

تیسری منزل میں ایک اژدہے کا بسیرا تھا- یہ اژدہا اس قدر ہولناک تھا کہ اس کی پھنکار سے ہر چیز بھسم ہو جاتی تھی- اسفندیار نے اس کو بھی بے بس کر کے ہلاک کیا- اس خوشی پر بھی بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا-

چوتھی منزل میں ایک مکار ساحرہ تھی- اس منزل میں بھی بدستور اسفندیار کا لشکر بادِ صرصر کی طرح آگے آگے بڑھتا چلا گیا- یہاں تک کہ یہ ایک خوب صورت مرغزار میں پہنچے جہاں حدِ نگاہ تک فرشِ مخمل کی طرح سبزہ بچھا تھا- رنگ برنگ پھول کھلے تھے- پاس ہی ایک دریا تھا- دریا کے کناروں پر خوب صورت درخت اس طرح اُگے تھے' جیسے سبز پریاں دامن سمیٹے کھڑی ہوں- اسفندیار گھاس پر بیٹھ گیا جو نسیم کے جھونکوں کے چھونے سے نیلگوں ریشم کی مانند ہو گیا تھا- گھوڑا اس نے درخت کے نیچے باندھ دیا- لشکر نے دریا کے کنارے خیمے لگائے- اسفندیار کے ستانے کے لیے فرش بچھایا گیا جس پر جام و مینا کے ساتھ کھانے پینے کا سامان چن دیا گیا- منزل کی دل فریب فضا سے اسفندیار کچھ اتنا متاثر ہوا کہ طنبور ہاتھ میں لے کر ہلکے ہلکے تاروں کو چھیڑنے اور دھیمی سروں میں گانے لگا' جس کا مفہوم یہ تھا: ''میں کب تک کوہ و بیابان میں سرگرداں پھروں گا اور کب تک منزلِ مقصود میں آوارۂ دیار رہوں گا- کہاں تک جنگ و جدل کروں گا اور کب تک رنج تعب برداشت کروں گا- وہ پری وشانِ دل دار کہاں ہیں جن کی کشش مجھے یہاں کھینچ لائی ہے؟ میری آنکھوں کو وہ دوشیزۂ جمال منور کرے' کیا یہ ممکن ہے؟'' گرگسار بولا کہ یہ منظر جو جنتِ نگاہ بنا ہوا ہے' سب فریب نظر ہے- یہ اسی ساحرہ کی مملکت ہے جس کا جادو پورے لشکر کو برباد کر سکتا ہے- یہاں محتاط رہنے کی ضرورت ہے-

گرگسار نے اپنا فقرہ مکمل کیا ہی تھا کہ وہ ساحرہ لجاتی اور شرماتی ہوئی آن پہنچی- ساحرہ کو اطمینان تھا کہ شکار جال میں آ پھنسا ہے- اسفندیار نے مزاج پرسی کی اور ایک موتیوں کی مالا اس کے گلے میں ڈال دی جو اسے زردشت کی طرف سے ملی تھی اور جادو کا اثر زائل کر دیتی تھی- اسفندیار نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے- اس نے شیر کی طرح منہ کھولا جس میں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے' لیکن دفعتاً فرو ہو گئے- اس نے ہر چند وہ مالا اتارنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی- جادو کا اثر زائل ہو چکا تھا- ساحرہ کی زیبائش کی تہیں ایک ایک کر کے فضا میں تحلیل ہو گئیں اور ایک کریہہ المنظر بڑھیا منہ کھولے ہوئے نظر آئی- اسفندیار نے تلوار کا وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیا- اب نہ وہ دریا رہا نہ سبزہ زار' ایک وسیع و عریض ویرانہ اپنے اصلی رنگ میں نظر آ رہا تھا- یہ چوتھی منزل بھی طے ہوئی جس کی خوشی میں بہت بڑا جشن منایا گیا-

پانچویں منزل میں اسفندیار نے سیمرغ کو ٹھکانے لگایا۔ چھٹی منزل میں آئے تو یہاں کا موسم نہایت سرد تھا۔ سورج نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ دیکھتے دیکھتے دھواں دھار بادل چھا گئے۔ تند و تیز ہوا چلنے لگی۔ لشکر نے جو خیمے گاڑے تھے، اکھڑ اکھڑ جارہے تھے۔ آخر برف باری شروع ہوئی اور آن کی آن میں ساری زمین برف پوش ہوگئی۔ یہاں انھوں نے آگ جلائی اور خضوع و خشوع کے ساتھ زردشت کو یاد کیا اور رات بھر مناجاتیں پڑھتے رہے۔ آخر برف رکی، ہوائیں تھمیں، سردی کی شدت کم ہوئی، آفتاب طلوع ہوا۔ لشکر نے لباس خشک کیے اور وہاں سے چل دیے۔

اب اسفندیار نے ساتویں منزل کے متعلق استفسار کیا۔ گرگسار نے کہا روئین دژ تک پہنچنے میں دو فرسنگ کا فاصلہ ہے لیکن اس منزل میں پانی کا کہیں نشان نہیں۔ گرمی بھی شدت کی پڑتی ہے۔

یہ سنا تو اسفندیار نے حکم دیا کہ مشکیزوں میں پانی بھرلیا جائے اور جانوروں کے لیے چارا جمع کرلیا جائے۔ آخر اس اہتمام سے ساتویں منزل کا سفر شروع ہوا۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتے تھے، گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ کچھ راستہ طے ہوا تھا کہ اچانک ایک بگلے کی آواز سنائی دی:

"بآشفت از آوازش اسفندیار پیامی فرستاد زی گرگسار
کہ گفتی بدین منزلت آب نیست ہمہ جای آرامش و خواب نیست
کنون ز آسمان خاست بانگ کلنگ
دل ما چرا کردی از آب تنگ"(۱)

بگلے کی آواز سن کر اسفندیار چونک پڑا اور گرگسار کو کہلا بھیجا: "تو نے کہا تھا اس علاقے میں پانی کا نشان تک نہیں۔ پانی نہیں تو بگلے کی آواز کیسے سنائی دی؟ تو نے ہمیں یوں ہی ہراساں کیا"

بگلے کی آواز نے اُن کی راہ نمائی کی اور وہ ایک ایسے مقام پر آگئے جہاں ندی بہتی تھی۔ یہاں انھوں نے مشکیزے خالی کردیے اور مشکیزوں کے ذریعے ندی کو عبور کیا اور منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہوگئے۔ اچانک اُن کی نظر ایک قلعے کی چوٹی پر پڑی جو آفتاب کی

---

(۱) شاہ نامۂ فردوسی

شعاعوں سے چمک رہی تھی۔ گرگسار بول اٹھا یہی روئین دژ ہے۔ اسے دیکھ کر اسفندیار کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسفندیار نے لشکر کو شہر سے بہت دور چھوڑا اور ملبوساتِ فاخرہ اور دوسری گراں بہا اشیا اونٹوں پر لاد کر ایک تاجر کی حیثیت میں واردِ شہر ہوا۔ تاجرِ خصوصی کی حیثیت میں اس کا تعارف شاہِ ترکستان سے ہوا۔ اس نے گراں بہا جواہرات نذرانے کے طور پر شاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ نذرانے قبول کر لیے گئے اور ایک مہمان کے طور پر اسے قلعے میں جگہ ملی۔ بادشاہ کی اجازت پا کر اُس نے وہ تمام صندوق بھی منگوا لیے جن کے متعلق اس نے کہا تھا کہ ان میں ساز و سامان ہے۔ یہاں اُس نے وہ سب کچھ دیکھا جس کا ذکر گرگسار نے کیا تھا۔ یہیں اُسے 'ہمای' اور 'بہ آفرید' نظر آئیں جو ندی سے پانی بھر کے لا رہی تھیں۔ اسفندیار نے اُنھیں پہچان لیا لیکن وہ اُسے نہ پہچان سکیں۔ انھوں نے پوچھا: ''میاں سوداگر! کچھ اسفندیار کا بھی پتا ہے۔'' وہ سختی سے بولا ''مجھے کیا خبر اسفندیار کون ہے۔ جس شہر میں اسفندیار ہے' خدا اُسے غارت کرے۔'' انھوں نے آواز سے پہچانا کہ یہ اسفندیار ہے۔ اس وقت اُن کی خوشی کی انتہا نہ تھی لیکن خوشی کو انھوں نے چھپا لیا اور اسفندیار کی کامیابی کی دعا کرتی رہیں دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں حاضری تھی۔

''بیامد ببوسید روی زمین	بر ارجاسپ چندی بخواند آفریں
چنین گفت کاین بار و این کاروان	ہمہ راندم تیز با ساربان
بدو اندرون یارہ و افسر است	کہ شاہ سرافراز را در خور است
بخندید ارجاسپ و بنواختش	گرانمایہ تر جایگہ ساختش
چہ نامی؟ بدو گفت' خراد نام	جہانگرد و بازاری و شاد کام
بخراد گفت' ای تو آزاد مرد	برنجی ہمی گردِ پوزش مگرد
ز دربان نباید ترا بار خواست	بنزد من ای آنگہی کت ہوا است'' [1]

بادشاہ کو تاجر پر اس قدر اعتماد حاصل ہوا کہ اسے اجازت دے دی کہ وہ جب چاہے قلعے میں آ جائے۔ اسفندیار پورا پورا اعتماد حاصل کر چکا تو ایک دن اس نے ارجاسپ کو' جب وہ عالمِ مستی میں تھا' ایسا تلوار کا ہاتھ مارا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے ساتھی صندوقوں سے باہر نکل آئے اور گھاس پھوس جلایا جس کا دھواں دور دور تک بلند ہوا' یہ گویا علامت تھی اس بات کی کہ مہم کامیاب ہوئی۔ دھواں دیکھتے ہی لشکر آ پہنچا۔ قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ لشکر قلعے میں

(۱) شاہ نامۂ فردوسی

داخل ہوا۔لشکر نے شاہ ترکستان کے دس ہزار جاں بازوں پر قابو پالیا اور قلعے پر اسفندیار کا قبضہ ہوگیا۔وہ تمام خزانے اور دفینے جو افراسیاب کے زمانے سے روئین دژ میں محفوظ چلے آرہے تھے' اسفندیار کے تصرف میں آ گئے۔ بچھڑی ہوئی بہنیں اسفندیار سے آملیں جو کچھ عرصے سے یہاں قید تھیں۔

اسفندیار نے گرگسار سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ارجاسپ کے اس ناقابلِ تسخیر قلعے تک پہنچا دے گا تو توران کی مملکت اسی کے حوالے کر دی جائے گی۔اسفندیار نے اپنا وعدہ پورا کیا اور یہ فاتح لشکر ایران واپس آ گیا۔

گشتاسپ نے اسفندیار کو ایران کا تخت وتاج سپرد کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ہر چند کہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا' ابھی تخت سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔اب اس نے اسفندیار کو ایک اور خطرے میں ڈالنا چاہا اور اسے کہا: ''تم جانتے ہو رستم ہمارا دست پروردہ ہے۔سیستان کی حکومت اسے ہم نے بخشی ہے۔ہماری وجہ سے اسے دنیا میں سرفرازی حاصل ہوئی ہے لیکن اب وہ بہت خود پسند اور مغرور ہو گیا ہے۔اس نے کبھی ہماری طرف اعتنا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے پابہ جولاں ہمارے دربار میں حاضر کرو۔اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو تاج تمھارے سر پر رکھ دیا جائے گا۔''

لیلائے سروری کی عشق میں اس نے لشکر تیار کیا' صحرا کی راہ لی اور سینکڑوں فرسنگ کی مسافت طے کر کے سیستان پہنچ گیا۔

رستم کو اسفندیار کی آمد کی خبر ملی تو اس نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور کہا: ''میں یزدانِ پاک کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی محبت اور عقیدت ظاہر کرنے کا موقع دیا۔'' اسفندیار اپنے باپ کا حکم بجالانے کے لیے بے چین تھا۔اس لیے کہا: ''بادشاہ تم پر سخت برافروختہ ہے کہ تم نے کبھی دربارِ شاہی کی طرف اعتنا نہیں کیا۔سیستان کی حکومت تمھیں میرے بزرگوں نے بخشی تھی۔حکومت پا کر تم اس قدر خودسر ہو گئے ہو کہ اپنے محسنوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔اس لیے مجھے حکم ملا ہے کہ تمھیں پابہ زنجیر دربار میں پیش کروں۔''

رستم اچانک یہ کلمات سن کر سخت حیران ہوا اور بولا: ''میں یہ کیا سن رہا ہوں۔مجھے اگر شاہ کی حرمت کا پاس نہ ہوتا تو کہتا کہ یہ کسی دیوانے کا کلام ہے جو مجھے سنا رہے ہو۔میں اس پیغام

کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا- یزدانِ پاک نے مجھے عظمت اور مرتبہ دیا ہے اس سے میں نیچے نہیں آؤں گا' نہ اپنے خاندان کے لیے باعثِ ننگ بنوں گا- کیانی بادشاہوں کو فتوحات میرے بازو کی قوت سے حاصل ہوئیں- ایران کی قسمت کا ستارہ میری ہمت مردانہ نے چمکایا- بادشاہوں کے دشمنوں کو میں نے مغلوب کیا- اگر میں سلطنت کی پشت پناہی نہ کرتا تو ایسے حالات رونما ہوتے جن کا زبان پر لانا مجھے گوارا نہیں- میری نصیحت ہے کہ تم شیطانی وسوسوں کو سر سے نکال دو- تم بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہو- اس میں تمھیں کام یابی نہیں ہوئی' نہ تم جیسے حریص کو کام یابی نصیب ہوگی- بہتر یہ ہے کہ تم مجھے میزبان سمجھ کر میرے پاس کچھ دن قیام کرو- میں تمہیں شایانِ شان طریقے سے رخصت کروں گا اور وفاداری کے اظہار کے طور پر وہ سب خزانے پیش کش کروں گا جو مدت العمر میں میں نے حاصل کیے''-

اسفندیار بولا: ''یہ سب سچ ہے لیکن تم جانتے ہو کہ جو شخص بادشاہ کے حکم سے روگردانی کرتا ہے' وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کرتا ہے- اگر زمین اور آسمان بھی مل جائیں تو میں بادشاہ کا حکم بجالانا چاہوں گا- تمھیں میں جنگ کی دعوت دیتا ہوں''-

مقابلے کے لیے دن مقرر ہوا- مقررہ وقت پر دونوں مبارز میدان میں اترے- پہلے دن رستم کا بس نہ چلا اور اس نے کاری ضربیں کھائیں- دوسرے دن پھر معرکہ' کارزار گرم ہوا- اب کی بار رستم نے اسفندیار کو مغلوب کر لیا اور دفعتاً خنجر مار کر اس کا سینہ چاک کر دیا- اسفندیار کا لشکر اپنے سردار کا ماتم کرتا ہوا واپس ہوا-

اسفندیار کے قتل کے بعد رستم بھی زیادہ عرصہ نہ جیا- اس کے بھائی شغاد نے اسے فریب دے کر ایک گڑھے میں گرا دیا- جس میں خنجر اور تلواریں سیدھی گاڑی گئی تھیں- ان کے زخموں سے رستم جاں بر نہ ہو سکا اور پہلوانوں کا یہ عظیم خاندان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا-

بہمنِ دراز دست

گشتاسپ کے بعد اسفندیار کا بیٹا بہمن جانشین ہوا جو تاریخ میں اردشیر دراز دست (Artaxerxes Longimanus) کے نام سے مشہور ہے-

بہمن نے سیستانیوں سے باپ کے خون کا انتقام لیا اور وہ تمام خزانے اٹھوا لایا جو پہلوانوں کے اس عظیم خاندان نے جمع کیے تھے- بہمن نے تمام ایشیائے کوچک فتح کیا اور عظیم

عمارتیں بنوائیں، جن کا ذکر صرف پرانی روایات میں باقی رہ گیا ہے۔

فردوسی 'شاہ نامہ' میں لکھتا ہے کہ بہمن نے اپنے دورِ حکومت میں خفیہ کام کرنے والے جاسوسوں کا وسیع سلسلہ قائم کیا تھا جو اسے ہر قسم کی اطلاعیں بہم پہنچاتے تھے۔ اس کی حکومت کی کامیابی میں جاسوسوں کا بڑا دخل تھا۔

بہمن دراز دست کے بعد سے باقاعدہ تاریخی دور شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کا مفصل ذکر اگلے باب میں آئے گا، یہاں البتہ اس کے جانشین کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔ ثعالبی لکھتے ہیں: ''بہمن کا بیٹا ساسان تھا لیکن اسے اپنی دوسری ملکہ 'ہمای' سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنا جانشین اسی کو بنایا۔ ساسان کو سخت رنج ہوا۔ اسی رنج میں وہ محلاتِ شاہی کو خیر باد کہہ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔[1] قدیم ایرانیوں کے نزدیک یہ وہی ساسان ہے جس کی اولاد نے مشہور ساسانی عہد کی بنا ڈالی۔

بہمن دراز دست پر تاریخِ ایران کا اساطیری یا دیومالائی دور ختم ہوتا ہے۔ اس دور کی سرگزشت میں اگرچہ افسانوی رنگ غالب ہے لیکن اہلِ ایران کے نزدیک آج بھی یہ دور فخر و ناز کا موجب ہے۔ اس کے بعد ایران کا باقاعدہ تاریخی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اب ہم تاریخی مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۱) محمود ہدایت 'شاہ نامہ' ثعالبی' ص ۱۷۹

باب چہارم

قدیم ایران کے آریا اور آلِ ماد

قدیم ایران کے باشندے

ایران کے قدیم باشندے آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ تقریباً چار ہزار ق م میں چراگاہوں کی تلاش میں پامیر سے چل کر ایران آئے۔ شروع شروع میں یہ لوگ بخارا اور سمرقند میں آباد ہوئے۔ وہاں کے حالات سازگار معلوم نہ ہوئے تو ایران کی طرف بڑھے۔ ایک گروہ ایران کے شمالی علاقے میڈیا میں داخل ہوا۔ دوسرا گروہ مشرقی ایران کی طرف آیا پھر جنوب کی طرف بڑھا اور جنوبی ایران کے علاقہ پارس میں آباد ہو گیا۔ میڈیا اور پارس کے قدیم باشندے ان نو وارد آریاؤں کے ہاتھوں مارے گئے اور جو بچے' وہ پہاڑوں میں کہیں ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ بعض ایسے بھی تھے' جنھوں نے حملہ آوروں کی غلامی قبول کر لی۔ آریا قبائل شروع شروع میں ریوڑ چراتے تھے' رفتہ رفتہ کھیتی باڑی بھی کرنے لگے' لیکن یہاں انھیں چین نصیب نہ ہوا۔ ان کے پڑوس میں آشوری آباد تھے اور ایک قدرتی شاہراہ بین النہرین (میسوپوٹیمیا) سے نکل کر زاگروس سلسلۂ کوہ سے ہوتی ہوئی میڈیا تک پہنچتی تھی۔ اس راستے سے آشوری آئے دن آریوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ انھیں مجبوراً اپنی سلامتی کی خاطر آشوریوں کو باج ادا کرنا پڑتا تھا۔ آخر آلِ ماد کے ایک فرد دیوکس نامی کو اِقتدار حاصل ہوا تو آریاؤں کو آشوریوں کے باج و خراج سے چھٹکارا ملا۔

دیوکس

مشہور یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس [1] کے قول کے مطابق دیوکس آلِ ماد کا وہ پہلا فرد ہے جس نے میڈیا میں آزاد حکومت قائم کی۔ دیوکس (Diokes) میڈیا کے ایک دہقان فراورتیش (Fravartish) کا بیٹا تھا۔ اس نے آبائی پیشہ اختیار کیا۔ یہ شخص بے حد ذہین' خوش گفتار اور

(۱) حسن پیرینا' ایران باستان' ج ۱' ص ۱۷۶

انقلاب پسند تھا- لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے اور اکثر صلاح مشورے کے لیے اس کے پاس آتے جاتے- باہمی جھگڑے بھی دیوکس ہی طے کراتا- اس کی ذہانت اور عدل و انصاف کا چرچا میڈیا کے تمام قبائل میں ہونے لگا تھا- رفتہ رفتہ لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کا کوئی بادشاہ ہونا چاہیے' جو پوری قوم کو منظم کرے تاکہ حملے کے وقت آشوریوں کا مقابلہ کر سکیں- قبائل کے بڑے بوڑھوں کی نگاہِ انتخاب دیوکس پر پڑی' چناں چہ اسے بادشاہ بنا دیا گیا-

دیوکس نے مختلف قبائل کے نوجوانوں کا انتخاب کر کے فوج تیار کی تاکہ بیرونی حملہ آوروں کو میڈیا کی سرحد کے اندر داخل ہونے کا حوصلہ نہ ہو سکے- فوج کی تنظیم کے بعد اس نے ملک کا دارالسلطنت بنانے کے لیے ہمدان کا انتخاب کیا-

ہمدان کو قدیم آشوری تذکروں میں آمدانہ لکھا گیا ہے- ہخامنشی عہد کے کتبوں میں اسے ہگمتانہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے- یونانی مؤرخین نے اسے اکباتانہ لکھا ہے- یہ شہر سطح بحر سے ۱۲ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے- یہاں آج کل جدید وضع کا شہر تعمیر کرایا گیا ہے-

دیوکس کی توجہ بیشتر اس بات پر مرکوز رہی کہ آلِ ماد کے منتشر قبائل کو منظم کرے' ان کی معاشرتی حالت سدھارے اور انھیں فوجی اعتبار سے اتنا قوی بنا دے کہ بیرونی حملہ آوروں کو میڈیا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہ پڑے- اس میں دیوکس کو نمایاں کامیابی ہوئی- اس کے عہدِ حکومت میں ملک میں پورا پورا امن و امان تھا اور آشوریوں کو' جو کبھی آلِ ماد سے خراج وصول کیا کرتے تھے' میڈیا پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی-

دیوکس نے ہمدان کو قدیم ایران کا پہلا دارالسلطنت بنایا- کہا جاتا ہے کہ ہمدان کی سات دیواریں تھیں' ہر دیوار کا رنگ جداگانہ تھا- بیرونی دیوار سفید رنگ کے پتھروں کی تھی' دوسری سیاہ پتھروں کی' تیسری سرخ پتھروں کی' چوتھی دیوار کا رنگ نیلا' پانچویں کا قرمزی' چھٹی کا روپہلی اور ساتویں کا سنہری تھا- آخری دیوار کے اندر محل شاہی تھا- اہلِ بابل اس قلعے کو سات سیاروں کا مظہر سمجھتے تھے-[1]

دیوکس کی فراست نے ملک کو اس قدر مستحکم بنا دیا کہ اس کا چرچا دور دور ہوتا تھا- اس نے ۶۵۵ ق م میں وفات پائی تو آلِ ماد کی بادشاہت موروثی ہو گئی-

(۱) حسن پیرنیا' ہیروڈوٹس' ایرانِ باستان' ج ا' ص ۱۷۷

فراتیش

(۶۵۵ تا ۶۳۳ ق م)

دیوکس کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا فراورتیش (Fravartish) تخت نشین ہوا- اس نے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر ملک کے استحکام میں اضافہ کیا- آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں فتح کر کے مملکت کی توسیع کی- بڑھتے بڑھتے اس نے پارس کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا' جہاں شروع شروع میں آریاؤں کا دوسرا گروہ جا بسا تھا- فتوحات کے بعد اس نے تمام مقبوضہ علاقوں کو منظم اور مستحکم کرنے کی طرف توجہ دی- اس اہم کام سے فارغ ہوا تو اسے آشوریوں کا بدلہ چکانے کا خیال آیا- ۶۴۵ ق م میں آشور کا حکمران آشور بانی پال آس پاس کے علاقے یعنی ایلام اور بابل فتح کر کے اب عیش و طرب کی زندگی گزار رہا تھا- فراورتیش نے موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ آشور فتح کر کے اپنی مملکت کی توسیع کرے لیکن اس کی افواج اس قدر طاقت ور نہ تھیں کہ آشوریوں پر' جنھوں نے قدیم ایشیا کی عظیم قوموں کو روند ڈالا تھا' فتح پا سکیں- آخر جب اس نے آشوریوں پر حملہ کیا تو آلِ ماد کو شکست ہوئی اور فراورتیش لڑتا لڑتا مارا گیا- اس کا سالِ وفات ۶۳۳ ق م اور مدتِ حکومت بائیس سال ہے-

کیا کسارا یا ہووخشتر

(۶۳۳ تا ۵۸۵ ق م)

فراورتیش کی وفات پر اس کا بیٹا کیا کسارا (Cyaxares) جسے ہووخشتر بھی کہتے ہیں' ۶۳۳ ق م میں تخت نشین ہوا- اس وقت آلِ ماد کے حوصلے شکست کی وجہ سے پست ہو رہے تھے- کیا کسارا کو اپنے باپ کی شکست اور ہلاکت سے یہ سبق ملا تھا کہ جب تک ملکی فوج کو آشوریوں کی طرح منظم اور مسلح نہیں کیا جاتا' ان پر فتح پانا ممکن نہیں- اس نے پورے ملک کی فوج کو مرکز کے تحت منظم کیا' تیر اندازوں کو خصوصی تربیت دلائی' عسکری نظام کو نئے نئے آلاتِ حرب سے مؤثر بنایا' آخر کار کیا کسارا شکست کا بدلہ چکانے کے لیے نئے ولولے سے آشور پر حملہ آور ہوا- اس لڑائی میں آشور بانی پال کا سپہ سالار مارا گیا-

نینوا کا محاصرہ

نینوا، آشوریوں کا نہایت مستحکم شہر تھا- میڈیا کے لشکر نے پہلے اس کے آس پاس کے سرسبز اور شاداب علاقوں کو تباہ و برباد کیا- پھر شہر کو محاصرے میں لے لیا- آشوریوں نے مقابلہ تو کیا لیکن میڈیا کی فوج نے نہایت پرزور حملے کیے اور ان کے تیروں اور نیزوں سے ہزاروں آشوری مارے گئے-

میڈیا پر سکیت قبائل کا حملہ

قریب تھا کہ نینوا پر آلِ ماد کا قبضہ ہو جائے، اتنے میں سکیت قبائل (Cythians) نے کیا کسارا کی فوج کو جنگ میں مصروف دیکھ کر قفقاز کو عبور کر کے آذربائیجان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کر دی- کیا کسارا کو قبائل کے حملے کی خبر ملی تو اس نے نینوا کا محاصرہ چھوڑ کر واپسی کا حکم دیا- میڈیا کا لشکر ارومیہ جھیل کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سکیت قبائل سے آمنا سامنا ہو گیا- یہاں کیا کسارا کو خلافِ توقع شکست ہوئی اور مجبوراً اسے بعض رسوا کن شرائط پر حملہ آوروں سے مصالحت کرنی پڑی-

سکیت قبائل آشور میں

اس فتح سے سکیت قبائل کے حوصلے بڑھے تو انھوں نے آشور کی طرف پیش قدمی کی اور آشور کے طول و عرض کو پاؤں تلے روند ڈالا- اس یلغار سے انھیں بے اندازہ دولت حاصل ہوئی- ان کا مقصد محض لوٹ مار کرنا تھا جس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی- آخر آشور سے نکل کر وہ اپنے ٹھکانوں کو لوٹ گئے-

کیا کسارا کا دامِ تزویر

کیا کسارا نے سکیت قبائل سے مصالحت تو کر لی تھی لیکن ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کے لیے اس نے ایک شاطرانہ چال چلی- ان کے قبائل کے سردار کو امرا سمیت دعوت پر بلایا جو انھوں نے قبول کر لی- دعوت میں وہ شراب سے بدمست ہوئے ہی تھے کہ کیا کسارا نے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا- سکیت قبائل اپنے سردار اور امرا کے قتل سے سخت ہراساں ہوئے آخر کیا کسارا نے حملہ کر کے انھیں اپنی حدود سے نکال باہر کیا-

آشور ہانی بال کی یادگاریں

آشور ہانی پال ۶۲۶ ق م میں فوت ہوا تو اس کے جانشینوں میں کوئی بھی ایسا بادشاہ نہ تھا جو اس عظیم مملکت کی شہرت کو برقرار رکھ سکتا- آشور ہانی پال نے اپنی عظمت کی جو یادگاریں چھوڑیں' ان میں سے بعض کو علمائے محققین نے محفوظ کر لیا ہے- ان میں وہ کتب خانے بھی ہیں جو اس کے حکم سے جمع کیے گئے تھے- ان کتب خانوں میں علمِ ہیئت' سائنس اور قانون کی کتابیں اور بابل کی مٹی کی لوحیں شامل ہیں- علم و ادب کا یہ بیش بہا قدیم سرمایہ اب بھی برٹش میوزیم میں موجود ہے-

تسخیرِ نینوا

آشور ہانی پال کی وفات پر بدبختی نے آشوری تاج سارا کس (Cyraxase) کے سر پر رکھا- اس وقت آشوری حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں- یہاں تک کہ نبو پولاسار (Nabopolassar) نے' جسے خود آشور ہانی بال نے بابل کا گورنر بنایا تھا' علم بغاوت بلند کیا اور بابل میں آزاد کلدانی حکومت کی بنیاد رکھی-

کیا کسارا نے پھر حملے کا آغاز کیا اور نینوا کی طرف پیش قدمی کی- یہاں پہنچ کر اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا- سارا کس نے اپنے دارالسلطنت کو دشمنوں کے نرغے میں دیکھا تو ذلت کی زندگی سے یہی بہتر سمجھا کہ آگ کا الاؤ جلا کر کنبے سمیت اس میں کود پڑے- ۶۰۶ ق م میں آشوری خاندان کی راکھ اُڑی تو اس طرح اُڑی کہ اس کا تابناک نام صفحۂ ہستی سے نابود ہو گیا- اس کی عظمت محض زیب داستاں کے لیے باقی رہ گئی- آشوری حکومت کے خاتمے پر نبو پولاسار کو نینوا کا بادشاہ بنایا گیا- اس نے میڈیا کے بادشاہ سے معاہدۂ صلح کر لیا جس کی رو سے ایشیائے کوچک تک کے تمام علاقے پر کیا کسارا کی حکومت تسلیم کر لی گئی- اتحاد کا ایک یہ بھی پیوند لگا کہ کیا کسارا نے اپنی بیٹی آمیتہ (Amytis) نبو پولاسار کے بیٹے نبو کد نضر' جسے بخت النصر بھی کہا جاتا ہے' سے بیاہ دی- اس سے دونوں حکومتوں کے تعلقات مزید استوار ہو گئے-

فتح نینوا کے بعد مغربی ایشیا پر ایک نظر

کوئی عظیم سلطنت جب مٹتی ہے تو کرۂ ارض پر کچھ اور تبدیلیاں بھی رونما ہوتی ہیں' چناں چہ اس سے میڈیا کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا- دجلہ کے آس پاس کے علاقے آلِ ماد کی حکومت میں شامل ہو گئے- بابل کا وقار بھی بڑھا- آشوریا کے خاتمے پر بابل کی نئی حکومت قائم

ہوئی' جس نے آگے چل کر عالم گیر شہرت حاصل کی اور آشوریا اور اس کے مقبوضات یعنی جنوبی بین النہرین' شام اور فلسطین سلطنتِ بابل کا جزو بن گئے- اس وقت بابل' میڈیا' لیڈیا اور مصر بڑی حکومتیں سمجھی جاتی تھیں- ایشیائے کوچک میں مملکت کیلیکیا (Calicia) کو بھی خاصی نمایاں حیثیت حاصل تھی-

بابل اور مصر کا تصادم

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' شام اور فلسطین پر نیبو پولا سار کا حق تسلیم کیا گیا تھا لیکن مصر کا حکمران نخاؤ دوم (Necho II) موقع پا کر شام اور فلسطین پر قابض ہو گیا- اب وہ فرات کی طرف بڑھا اور کار چیمش کے مقام پر آ ڈیرے ڈالے- نیبو پولا سار نے اپنے مقبوضات نخاؤ سے واپس لینے کے لیے لشکر جرار تیار کیا لیکن دفعتاً بیمار ہو جانے کی وجہ سے خود پیش قدمی نہ کر سکا- آخر اپنے بیٹے بخت النصر دوم کو اس مہم پر مامور کیا- بخت النصر مصر پر فوج کشی کرنے کے لیے نکلا اور کار چیمش کے مقام پر ۶۰۴ ق م میں اس کی مڈبھیڑ مصری فوجوں سے ہوئی- اس میں بخت النصر کو فتح ہوئی اور نخاؤ نے پسپائی اختیار کی- بخت النصر اس کے تعاقب میں مصر کی سرحدوں تک پہنچنا ہی چاہتا تھا کہ اسے باپ کی موت کی خبر ملی- اسے اب یہ خطرہ لاحق بھی تھا کہ بابل میں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو- ناچار اس نے نخاؤ سے اس شرط پر' کہ وہ شام اور فلسطین سے دست بردار ہو جائے گا' صلح کر لی اور خود وہاں سے لوٹ آیا-

بخت النصر کے عہد کی یادگاریں

باپ کی وفات کے بعد بخت النصر دوم تخت نشین ہوا- اس کے عہد میں بابل پر امن رہا- امن و عافیت کے دور میں بخت النصر نے تعمیرات کی طرف توجہ کی' جن کا مختصر ساذکر حسب ذیل ہے:

بخت النصر کا خیال تھا کہ بابل کو دنیا کا حسین ترین شہر بنا دے- سب سے پہلے اس نے شہر کے اِرد گرد ایک دیوار بنوائی' جس کا گھیرا پچاس میل تھا- یہ دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس کے اوپر دو رتھ ایک ساتھ دوڑائے جا سکتے تھے- اس دیوار میں کانسی کے بنے ہوئے دو سو پچاس مینار تھے-

بادشاہ کا محل ایک وسیع چبوترے پر تعمیر ہوا' جو سطح زمین سے اونچا تھا اس میں بڑے بڑے ہال اور سینکڑوں ہی کمرے تھے- ان کمروں کے آگے بڑے بڑے برآمدے تھے- دیواروں پر فاتحانہ کارناموں کی رنگین تصویریں بنائی گئی تھیں- کمروں کے رنگ و روغن زرق برق کپڑوں کی طرح جھلمل جھلمل کرتے نظر آتے تھے- یہ محل خوب صورتی اور شان و شوکت کا مجسمہ

تھا۔ گزرگاہوں کے دونوں طرف قوی ہیکل دیوؤں کے مجسمے نصب تھے۔ معلوم ہوتا تھا یہ محلِ شاہی کے پہرے دار ہیں۔

محل کا کام ختم ہوا تو بخت النصر نے بعل دیوتا کا بہت بڑا مندر تعمیر کرایا جس کی آٹھ منزلیں تھیں۔ ہر منزل اتنی عظیم الشان تھی کہ معلوم ہوتا تھا آٹھ مندر ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر پیوست کر دیے گئے ہیں۔

بابل کے معلق باغ

بخت النصر کے حکم سے بابل میں 'معلق باغ' بنائے گئے جن کا شمار عجائباتِ عالم میں ہوتا ہے۔ ان کی تفصیل بیان کرنا اگرچہ تاریخ ایران کی حدود سے خارج ہے لیکن دلچسپی کے خیال سے ان کی مختصر سی سرگزشت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

بخت النصر کی ملکہ آمیتہ' ایران کے بادشاہ کیا کسارا کی بیٹی تھی' جو ہمدان کی رہنے والی تھی۔ ہمدان پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ اس لیے اسے پہاڑی منظر سے قدرتی مناسبت تھی۔ بابل ہر چند کہ بہت خوبصورت شہر تھا لیکن یہاں کوئی پہاڑ نہ تھا' اس لیے آمیتہ کچھ اداس سی رہتی تھی۔ بادشاہ نے اداسی کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ بابل میں جدھر نگاہ اٹھتی ہے' میدان ہی میدان نظر پڑتا ہے۔ ایک سی میدانی سطح کو دیکھتے دیکھتے اکتا گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اس سرزمین میں پہاڑ بھی ہوں۔

میدانی علاقے میں پہاڑ کا بننا ممکن نہ تھا لیکن بخت النصر چاہتا تھا کہ ملکہ کی آرزو پوری ہو۔ اس کے حکم پر ملک کے طول و عرض سے دانا اور پروہت بلائے گئے۔ بادشاہ نے ملکہ کی خواہش ان پر ظاہر کی۔ پہاڑ ہو تو کاٹ کر اس پر سبزہ زار بنایا سکتا ہے لیکن میدان میں پہاڑ بنے تو کیوں کر؟ اونچی اونچی چوٹیاں' ان پر مہکتے ہوئے سبزہ زار اور بلند و بالا درخت کہاں سے آئیں؟ وہ سب حیران تھے۔ ان میں سے ایک پروہت بولا: ''ہماری قدیم کتابوں میں درج ہے کہ بابل میں بڑی بڑی چیزیں بنیں گی۔ اہلِ دنیا انھیں دیکھ کر حیران ہوں گے' یہاں تک کہ بابل میں پہاڑ بھی بنے گا۔ پہاڑ پر جنگل اُگیں گے اور چشمے پھوٹیں گے''۔ کچھ باتیں تو بادشاہ کی سمجھ میں آتی تھیں لیکن پہاڑ کا مسئلہ بہت دشوار تھا۔ ایک پروہت بولا کہ پہاڑ بننا بھی ممکن ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اونچی اونچی محرابیں بنائی جائیں۔ ان محرابوں پر چھت ڈالی جائے۔ پھر اسی چھت پر چاروں طرف جگہ چھوڑ کر اور محرابیں بنائی جائیں اور ان محرابوں پر چھت ڈالی جائے۔ اسی طرح اور

محرابیں بنائی جائیں اور ان پر چھتیں ڈالی جائیں۔ اس سلسلے کو اتنا اونچا لے جائیں کہ دور سے پہاڑ دکھائی دے۔

بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی۔ دوسرے ہی دن کام شروع کرنے کا حکم ہوا اور ہزاروں مزدور دن رات کام کرنے لگے۔ باغوں کی محرابوں میں سیسا پگھلا کر ڈالا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ بوجھ سہار سکیں۔ محرابوں کی چھتیں سیسے کی موٹی تہیں جما کر تیار کی گئیں۔ چھتوں کے اوپر مٹی کی بہت موٹی تہہ جمائی گئی۔ چھتوں کی کھلی روشوں پر ایشیا بھر سے پھول پودے لا کر لگائے گئے۔ یہ چھتیں تعداد میں ساٹھ تھیں۔ سب سے اوپر کی چھت زمین سے تین سو پچاس فٹ اونچی اوپر چار سو فٹ لمبی چھتوں کے نیچے محرابوں کے اندر آرام گاہیں تھیں۔ ان میں نہایت خوبصورت اور چمک دار رنگوں سے نقش و نگار کیے گئے تھے۔ آرام و آسائش کے تمام شاہانہ انتظامات موجود تھے۔ محرابوں کے اوپر ہری ہری بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک چھت سے دوسری چھت پر جانے کے لیے چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اور روشیں بنائی گئی تھیں، جیسی پہاڑ کاٹ کا بنائی جاتی ہیں۔

مصنوعی پہاڑ بھی بن گیا، درخت اُگ آئے، چمن زار کھل گئے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ باغوں کو پانی کیسے دیا جاتا تھا؟ ان باغوں کو سیراب کرنے کا طریقہ بھی بڑا دلچسپ تھا۔ سب سے اوپر کی چھت پر ایک بہت بڑا تالاب بنایا گیا تھا۔ اس تالاب میں نلوں کے ذریعے دریائے فرات کا پانی بھرا جاتا تھا۔ پمپ دن رات چلتے تھے اور پانی کی مقدار میں کمی نہ آنے پاتی تھی۔ اس تالاب کے پانی سے چشمے بہتے تھے اور فوارے چھوٹتے تھے۔ باغ انھی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔

ان باغوں کے اونچے اونچے درخت ہوا کے جھونکوں سے ہلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا پہاڑ کا پہاڑ ہل رہا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے سدا بہار باغوں کو معلق کر کے زمین کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے انھیں 'بابل کے معلق باغ' کہا جاتا ہے۔

تعمیر کے فن کا یہ عظیم الشان نمونہ دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہونے لگا۔ بابل کے معلق باغ تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکے لیکن ان کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں

بخت النصر نے ایک عظیم بند بھی بنوایا جو دجلہ سے فرات تک بڑھتا چلا گیا تھا۔

کیا کسارا کی مملکت

آشور اور بابل کی مختصر سرگزشت بیان کرنے کے بعد ہم پھر میڈیا کے بادشاہ کیا کسارا

کی مہموں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کیا کسارا نے ایشیاے کوچک کے بعض میدانی علاقے مملکت بابل میں شامل کر دیے تھے اور ایران کے پہاڑی علاقے اپنے لیے مخصوص کیے تھے۔ اب اُس کی مملکت میں آرمینیا بھی شامل ہو گیا جو ایک اور آریائی گروہ نے فتح کیا تھا۔ مغرب کی طرف کاپادوکیا (Cappadocia) کا پہاڑی علاقہ بھی اس کی مملکت کا حصہ تھا۔ کیا کسارا نے کچھ اور علاقے بھی فتح کیے لیکن ان علاقوں میں سکیتوں اور سیمیری قبائل کی پے بہ پے یلغاروں کی وجہ سے امن قائم نہ رہ سکا' نہ کوئی مستحکم حکومت ہی قائم ہو سکی۔ آخر کیا کسارا نے مغربی قبائل کو ایک ایک کر کے مسخر کیا یہاں تک کہ اس مملکت کی حدود دریاے ہالیس (Halys) تک پہنچ گئیں جہاں سے آگے لیڈیا کی مستحکم مملکت شروع ہوتی تھی' جو آشور ہانی پال کے زیرِ نگیں رہ چکی تھی۔

میڈیا اور لیڈیا کا تصادم

میڈیا اور لیڈیا کے تصادم کی وجہ یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس[1] نے ان الفاظ میں بتائی ہے:

کیا کسارا نے شاہزادوں کو شکار کی تربیت دینے کے لیے سکیت قبائل کے بعض ماہر شکاری ملازم رکھے تھے۔ ایک دن یہ شکاری خالی ہاتھ واپس آئے تو بادشاہ سخت ناراض ہوا اور برا بھلا کہا۔ شکاریوں کو سخت رنج ہوا اور اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے انھوں نے آلِ ماد کے ایک شاہزادے کو مار کر اس کا گوشت کیا کسارا کو کھلا دیا اور خود بھاگ کر لیڈیا کے حکمران آلیات (Alyattes) کے پاس آ گئے۔ کیا کسارا کو حقیقت کا پتا چلا تو اس نے شکاریوں کا مطالبہ کیا جو پورا نہ ہوا۔ اس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں رونما ہوا۔

آلِ ماد اگرچہ تعداد میں زیادہ تھے لیکن یہ وطن سے دور تھے۔ ادھر آلیات کی فوج میں بھاری اسلحہ سے لڑنے والی یونانی فوج بھی شامل تھی۔ یونانی یوں بھی فنونِ حرب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ لیڈیا کی سوار فوج آلِ ماد کی سوار فوج سے برتر تھی۔ ان دونوں ملکوں کے مابین جنگ پانچ سال تک برابر جاری رہی لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ اسی اثنا میں سورج گرہن لگا اور طرفین کی فوجوں نے اسے عذابِ خداوندی سمجھ کر جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ آخر دونوں حریفوں میں مصالحت کی بات شروع ہوئی۔ بخت النصر کو ثالث مقرر کیا گیا۔ اس کے فیصلے کی

(۱) حسن پیرنیا' ایرانِ باستان' ج ۱' ص ۱۹۸

رو سے ارارتو کا علاقہ کیا کسارا کو دے دیا گیا اور دریاے ہالیس کو دونوں ملکوں کی باہمی سرحد مقرر کیا گیا نیز کیا کسارا نے اپنی بیٹی آلیات کے بیٹے سے بیاہ دی جس سے دونوں حکومتوں کے تعلقات مزید استوار ہو گئے۔

کیا کسارا کی سیرت

کیا کسارا کا شمار آلِ ماد کے نامور بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ کیا کسارا کو میڈیا کا تخت و تاج اس وقت ملا تھا جب آشوری بادشاہ آشور بانی پال نے آلِ ماد کو شکست دی تھی اور بظاہر ان کے پھر اُبھرنے کی اُمید نہ رہی تھی۔ اس صورتِ حال کے باوجود کیا کسارا کی ہمت بہت بلند تھی۔ وہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے آشوریوں سے لڑا اور ابتدائی فتح بھی حاصل کی لیکن سکیت قبائل کی یلغار کی وجہ سے اسے ایرانؔ واپس آنا پڑا۔ یہاں بھی پہلی مرتبہ اسے قبائل کے ہاتھوں شکست ہوئی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور فوج کو منظم کر کے ان مسلح قبائل کو ایران سے نکال باہر کیا۔ سکیت قبائل سے نپٹنے کے بعد اس نے پھر آشور پر حملہ کیا اور اس عظیم سلطنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ آلِ ماد کی مملکت دریاے ہالیس تک بڑھ گئی۔ اگر یہ کہا جاے کہ کیا کسارا نے میڈیا کو مغربی ایشیا کی عظیم ترین سلطنت بنا دیا تو غلط نہ ہوگا۔ اس کے عہد میں آلِ ماد کی برتری پورے مغربی ایشیا میں مسلم تھی۔

مملکتِ آلِ ماد

کیا کسارا ۵۸۴ ق م میں فوت ہوا تو آلِ ماد کی مملکت دریاے ہالیس تک پھیلی ہوئی تھی جو ایران کو لیڈیا سے جدا کرتا ہے۔ جنوبی طرف اُن کی حدود بابل سے ملحق تھیں۔ شمالی طرف یہ حدود وِارمنستان (آرمینیا) تک پھیلی ہوئی تھیں بلکہ آرمینیا مملکتِ آلِ ماد کا جزو ہی بن گیا تھا۔

آستیاگس

(۵۸۴ تا ۵۵۰ ق م)

کیا کسارا کی وفات پر اس کا بیٹا آستیاگس (Astyages) جسے ایشتو ویگو بھی لکھا گیا ہے، تخت و تاج کا وارث بنا۔ اس کی مدت حکومت ۳۴ سال تھی۔ آستیاگس تخت نشین ہوا تو اس وقت آلِ ماد کی حکومت مغربی ایشیا کی عظیم ترین حکومت خیال کی جاتی تھی۔ اس کے پیش رو کیا کسارا نے اس حکومت کو اتنا جاہ و جلال دیا تھا کہ کسی کو گمان بھی نہ گزرتا تھا کہ اس حکومت کے

استحکام میں کبھی فرق آئے گا لیکن ۳۴ سال گزرنے کے بعد ہی یعنی ۵۵۰ ق م میں اس عظیم سلطنت کا چراغ کوروش کے ہاتھوں بجھ گیا۔(۱)

شروع شروع میں آستیاگس کو بھی باپ کے نقشِ قدم پر چل کر مملکت کی توسیع کا خیال آیا تھا لیکن اس کی معاصر حکومتیں بہت طاقتور تھیں۔ ادھر بخت النصر تھا جس نے قوم کو نیا جوش اور ولولہ دیا تھا' اور بابل کو عروس البلاد بنا دیا تھا۔ دوسرا پڑوسی ملک لیڈیا تھا جسے آلیات نے بہت طاقتور بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ لیڈیا کے یونان اور مصر کے ساتھ بہت گہرے روابط تھے اور پھر بخت النصر اور آلیات کے ساتھ رشتوں کے پیوند بھی تھے اس لیے تیس پینتیس سال کا عرصہ بڑے امن وامان سے گزر گیا۔

امن و امان کے دور میں دو ہی صورتیں ہوا کرتی تھیں یا تو بادشاہ داخلی استحکام اور تعمیرات وغیرہ کی طرف توجہ دیتے یا پھر عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنے لگتے تھے۔ آستیاگس نے مؤخر الذکر طریقہ اختیار کیا۔ سر پرسی سائیکس لکھتے ہیں: ''آستیاگس' لائق باپ کا نالائق بیٹا تھا۔ اس کا اکثر وقت کاہلی اور عافیت پسندی میں گزرتا تھا۔ وہ انتہائی فضول خرچ تھا۔ رسوم وسیع پیمانے پر منائی جاتی تھیں۔ اس نے درباریوں کے لیے قرمزی رنگ کی پوشاک مقرر کی' جس کے کالر پر زردوزی کا کام ہوتا تھا اور ساتھ زریں زنجیریں معلق رہتی تھیں۔ شکار اس کا سب سے بڑا مشغلہ تھا اس لیے اسے شکاری جانوروں کی پرورش میں بڑی دل چسپی تھی۔ جادوگروں کے اقوال پر بڑا اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں درباداری کے اخراجات میں بہت اضافہ ہو گیا تھا جسے لوگ ناپسند کرتے تھے۔ عوام میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ جب کوروش اعظم نے ۵۵۰ ق م میں میڈیا پر حملہ کیا تو بآسانی فتح حاصل ہو گئی۔''(۲)

آل ماد کی حکومت کا زمانہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ تاریخ مشرق کی یہ پہلی قوم ہے جس نے آزاد سلطنت قائم کی اور سامیوں کو پچھاڑا' جو مغربی ایشیا کے حکم ران چلے آتے تھے۔

تمدن

آلِ ماد کا اپنا تمدن تھا' جس کی تفصیل کسی تاریخ سے معلوم نہیں ہو سکی' لیکن یہ کہا جا سکتا

---

(۱) سائیکس' ہسٹری آف پرشیا' ج ا' ص ۱۳۱

(۲) عبداللہ رازی' تاریخ مفصلِ ایران' ص ۱۹

ہے کہ اہلِ پارس نے جو تمدن اپنایا' وہ آلِ مادہی کا تمدن تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہخامنشیوں نے بھی آلِ مادہی کے طور طریقے اختیار کیے' تو یہ بھی غلط نہ ہوگا- اہلِ پارس کی زبان بھی آلِ ماد کی زبان سے چنداں مختلف نہ تھی-

مذہب

آلِ ماد کے مذہب کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مغوں کے مذہب کے پیرو تھے- مغوں کے قدیم مذہب کے متعلق بھی کچھ پتا نہیں چلتا لیکن زردشت نے' جو میڈیا کے علاقے آذربائیجان میں پیدا ہوا تھا' اپنی کتاب 'گاتھا' میں لکھا ہے کہ ''اس نے مذہب کی جو دعوت دی اس کا مقصد یہ تھا کہ مغوں کے قدیم مذہب میں جو توہمات شامل ہو گئے ہیں' ان سے مذہب کو پاک کیا جائے-''(۱) اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ مغ' آہورامزدا (یزداں) کی پرستش کرتے تھے- جوں جوں وقت گزرتا گیا اس قدیم مذہب میں سحر' جادو اور توہمات شامل ہوتے گئے- انھی بدعات و توہمات سے زردشت مذہب قدیم کو پاک کرنا چاہتا تھا لیکن لوگوں کو اس کی یہ تجدید مذہب ناگوار گزری اور اسے آذربائیجان کو خیر باد کہہ کر بلخ جانا پڑا جہاں اسے دعوتِ مذہب میں کامیابی ہوئی-

فنِ تعمیر

آلِ ماد کے زمانے میں معماری اور سنگ تراشی کے فن کا بھی پتا چلتا ہے لیکن اس زمانے کی تعمیرات میں سے اب کچھ باقی نہیں- جو آثار آلِ ماد سے متعلق سمجھے جاتے ہیں' ان کے متعلق محققین کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے- انھی آثار میں ہمدان کے قریب ایک شیر کا مجسمہ ہے جو اب ٹوٹ پھوٹ چکا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ مجسمہ ۹۳ء میں قائم تھا- ایک قدیمی دخمہ (تہہ خانہ) بھی اسی عہد سے متعلق سمجھا جاتا ہے جس پر آہورامزدا (یزداں) کی خیالی شبیہ کندہ ہے-

ملکی زبان

آلِ ماد کے عہد میں ملکی زبان کیا تھی؟ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ اس زبان میں کوئی قدیمی دستاویز موجود نہیں لیکن مشہور مستشرق ڈارمیسٹیر(۲) کا قیاس ہے کہ 'زردشت کی مقدس

---

(۱) عبداللہ رازی' تاریخ مفصلِ ایران' ص ۱۹

(۲) حسن پیرنیا' ایرانِ باستان' ج ۱' ص ۲۲

کتاب آلِ ماد ہی کے زمانے میں لکھی گئی تھی- اگر چہ زبانِ ماد کے آثار دست یاب نہیں ہوئے لیکن نولد یکی لکھتا ہے[1] کہ اگر شاہانِ آلِ ماد کا کوئی کتبہ دستیاب ہو سکے تو میرا خیال ہے یہ رسم الخط اور زبان کے اعتبار سے شاہانِ فارس ہی کے کتبوں کی طرح ہوگا- ان محققین کے قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آلِ ماد کی زبان قدیم فارسی سے چنداں مختلف نہ ہوگی-

بابل کے آخری بادشاہ

تاریخ ایران کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا کہ بابل کے آخری بادشاہوں کا مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے-

بخت النصر کافی طویل عمر پا کر ۵۶۱ ق م میں فوت ہوا- اس کے چھ سال بعد یعنی ۵۵۵ ق م تک تین بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے- آخری بادشاہ نبونی ڈس (Nabonidas) تھا- یہ ایک متمول تاجر کا بیٹا تھا- اس میں یہ قابلیت نہ تھی کہ انتشار کے دور میں بابل کے تخت و تاج کی حفاظت کر سکے- آخر آلِ ماد کی طرح بابل کی حکومت کا خاتمہ کوروشِ اعظم کے ہاتھوں ہوا-

☆ ☆ ☆

(۱) حسن پیرنیا 'ایرانِ باستان' ج ۱ ص ۲۲

باب پنجم

ہخامنشی دور

پچھلے صفحات میں ذکر آ چکا ہے کہ آریا دو گروہوں میں بٹ گئے تھے- ایک گروہ میڈیا میں آباد ہوا جو آلِ ماد کہلایا- دوسرا گروہ مشرقی ایران سے ہوتا ہوا جنوبی ایران کے علاقے پارس میں آ بسا- یہ لوگ پارس کی نسبت سے پارسی کہلائے- آریاؤں کے میڈیا آنے سے جس طرح وہاں کے بیش تر لوگ ترکِ وطن کر گئے' اسی طرح پارس کے بیش تر قدیمی باشندے وطن کو خیرباد کہہ گئے اور جو رہ گئے' وہ پارسیوں ہی میں رچ بس گئے-

ہیروڈوٹس[1] کے قول کے مطابق آریاؤں کے بڑے قبیلے تین تھے' جن کے نام یہ ہیں:

(۱) پاسارگاد (Pasargade)

(۲) مارفیان (Marphians)

(۳) مارسپیان (Marspians)

آریاؤں کے باقی قبیلے انھی بڑے قبیلوں کے دست نگر تھے- ان تین قبیلوں میں سب سے ممتاز قبیلہ پاسارگاد تھا- ہخامنشی قبیلہ' پاسارگاد ہی کی ایک شاخ تھی جس نے اپنے قبیلے کے نام پر ہخامنشی عہد کی بنیاد رکھی- یہ تینوں قبیلے فاتح پارس تھے- ان کے علاوہ پارس میں جو قدیمی باشندے تھے' وہ یا تو کسان تھے یا خانہ بدوش-

ہخامنشی خاندان

اہلِ پارس کے ممتاز خاندان صرف سات تھے- حکومت انھی خاندانوں کے امرا کی ہوتی تھی- ان میں ہخامنشی بھی تھے، جن کے حقوق شروع شروع میں تو دوسروں کے برابر تھے لیکن بعدازاں انھیں مستقل طور پر بادشاہت حاصل ہوگئی-

---

(۱) [illegible]

ہخامنشی عہد کا بانی، جدید تحقیق کی روشنی میں

طویل عرصے تک تو یہ روایت درست سمجھی جاتی تھی کہ ہخامنشی عہد کی تاسیس کوروشِ اعظم نے کی لیکن نبونید اور کوروش کے زمانے کے کچھ ستون کھدائی میں برآمد ہوئے ہیں جن پر خطِ میخی میں بعض تحریریں کندہ ہیں۔ ان سے صورتِ حال کچھ بدل گئی ہے۔ سائیکس ان تحریروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہخامنشی [۱] عہد کی تاسیس فارس میں ہخامنش نے کی تھی، جو پاسارگاد قبیلے کا ایک امیر زادہ تھا۔ اس کا دارالحکومت شہر پاسارگاد تھا جو اس قبیلے کے نام پر بسایا گیا تھا۔ پاسارگاد کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ ہخامنش کے کارناموں کا حال تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اس کا نام بڑے احترام سے لیتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہخامنش نے بکھرے ہوئے وحشی قبائل کو منظم کر کے انھیں ایک مہذب قوم بنا دیا جس نے بعد ازاں تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ اس کے بعد ہخامنش کے خاندان کے جن افراد نے پارس پر حکومت کی، چیش پیش، کمبوجیہ اول، کوروشِ اول اور چیش پیشِ دوم ہیں۔

چیش پیش دوم نے یہ دیکھ کر کہ ایلام کا علاقہ آشور بانی پال کے ہاتھوں برباد ہو کر اب غیر محفوظ ہو چکا ہے، ایلام کے شہر انشان پر قابض ہو گیا اور شہنشاہ انشان کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ ایلام اور فارس دونوں علاقے اب اس کی مملکت میں شامل تھے۔ چیش پیش فوت ہوا تو اس کا بیٹا اریا رمنا، پارس میں اس کا جانشین بنا اور اس کے دوسرے بیٹے نے انشان کی حکومت سنبھالی۔ گویا اب ہخامنشی خاندان کی دو حکومتیں قائم ہوئیں: ایک انشان میں اور دوسری پارس میں۔ ذیل میں ہخامنش کا سلسلۂ نسب پیش کیا جاتا ہے جس سے ان دونوں حکومتوں کی نشان دہی ہو جائے گی۔ [۲]

ہخامنش (Achaemenes)
|
چیش پیش (Cheispes)
|
کمبوجیہ اول (Cambyses)

---

(۱) سائیکس پرسی (سر)، اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۱۴۲

(۲) حسن پیرنیا، ایران باستان، ج ۱، ص ۲۳۱
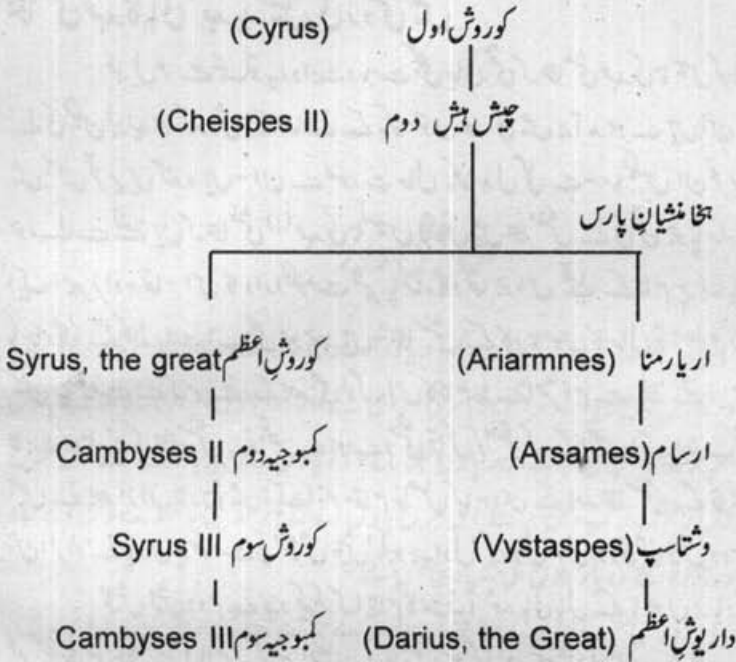
کوروشِ اعظم

(۵۵۰ق م تا ۵۲۹ ق م)

کوروشِ اعظم کا شمار دنیا کے ان عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے پورے عہد کو تابناک بنایا۔ اس نے ہخامنشیوں کی حکومت کو اتنا مستحکم کیا کہ یہ حکومت دو سو بیس سال تک بڑے جاہ و جلال سے قائم رہی۔ بالآخر اسکندر کے شہ زور ہاتھوں نے اسے ختم کیا۔ کوروشِ اعظم کی پیدائش اور بچپن پر روایات کا دھندلکا چھایا ہوا ہے۔ ایک داستان یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے لکھی ہے جس کا اختصار بحوالہ درج ذیل کیا جاتا ہے:[1]

آستیاگس کا خواب

آلِ ماد کے آخری بادشاہ آستیاگس (Astyages) نے ایک رات خواب دیکھا کہ اس کی بیٹی ماندان کے بطن سے ایک درخت پیدا ہوا ہے، جس نے پورے ایشیا کو گھیرے میں لے

(۱) کوروش کبیر، ص ۱۷

لیا ہے- بادشاہ نے اس عجیب خواب کی تعبیر اپنے مصاحبوں سے پوچھی- انھوں نے خواب کا حال سن کر یہ تعبیر پیش کی کہ ماندان کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوگا' وہ خاندانِ ماد کی حکومت کو ختم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ پورے ایشیا پر اس کا تسلط ہو جائے گا-

کوروش کی پیدائش

ماندان کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تو آستیاگس کو معاً خواب کی تعبیر یاد آئی- اس نے نو مولود کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنے ایک معتمد مصاحب بارپاگوس کے سپرد کر دیا- بارپاگوس نے ایک معصوم کے خون سے خود ہاتھ رنگنے کی بجائے یہ کام متراڈاٹس (Mitradates) نام گڈریے کے سپرد کر دیا- گڈریے کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی- جو ہوتی' وہ زندہ نہ رہتی تھی- اتفاق سے اس کی بیوی نے ایک مردہ بچے کو جنم دیا- عورت نے مردہ بچہ دیکھا تو شوہر سے کہا کہ وہ ماندان کے بچے کو ہلاک نہ کرے' اسے وہ اپنا بچہ سمجھ کر پرورش کرے گی- ممکن ہے یہ بچہ زندہ رہ جائے اور ہماری زندگی کا سہارا بنے- متراڈاٹس اس سے متفق ہو گیا- اب اس نے یہ تدبیر کی کہ زندہ بچے کو تو چھپایا اور مردہ بچہ بارپاگوس کو دکھا کر دفن کر دیا-

کوروش کی پرورش

گڈریے نے بچے کا نام کوروش رکھا- اس کی بیوی نے بچے کی پرورش کی- کوروش بڑا ہوا تو ایک دن وہ اپنے ہم جولیوں سے کھیل رہا تھا- کھیل ہی کھیل میں بچوں نے اسے اپنا بادشاہ بنایا- بادشاہ بن کر کوروش نے اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو اپنا محافظ اور بعض کو ایلچی مقرر کیا- بچوں کو جو وہ حکم دیتا وہ اس کی تعمیل کرتے- لیکن آلِ ماد کے ایک امیرزادے نے کوروش کا حکم ماننے سے انکار کر دیا- کوروش نے نافرمانی پر اسے سزا دی- امیرزادے کو سخت رنج ہوا- اس نے اپنے باپ سے شکایت کی' امیر آستیاگس کے دربار میں شکایت لے کر حاضر ہوا- بادشاہ نے کوروش اور اس کے باپ متراڈاٹس کو دربار میں طلب کیا- کوروش اور متراڈاٹس دونوں حاضر دربار ہوئے- بادشاہ نے کوروش کی سرزنش کی اور کہا "تو ایک چرواہے کا بیٹا ہے' تجھے یہ جرأت کیوں کر ہوئی کہ ایک امیرزادے کو سزا دے؟" کوروش نے جواب دیا "مجھے لڑکوں نے بادشاہ بنایا تھا- میں نے جس کو حکم دیا اس نے تعمیل کی لیکن اس نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا- میں بادشاہ تھا مجھے اس کو نافرمانی کی سزا دینے کا حق تھا' اس لیے اسے سزا دی گئی......"

کوروش جواب دے رہا تھا کہ آستیاگس کی نظر اس کے چہرے پر پڑی- اس میں

اسے اپنی شباہت نظر آئی- بادشاہ نے امیر کی دل جوئی کر کے اسے تو رخصت کر دیا لیکن ان دونوں کو روک لیا- بادشاہ نے چرواہے سے سوال کیا "کیا یہ تمھارا بیٹا ہے؟ سچ سچ بتانا-" چرواہے کے جی میں تو آیا کہ حقیقتِ حال چھپا لے لیکن بادشاہ کی تعزیر سے ڈر کر آخر اس نے حقیقت بتا دی-

بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ بچہ وہی ہے' جسے ماندان نے جنم دیا تھا- ہارپاگوس نے مارنے کی بجائے اسے چرواہے کے سپرد کر دیا- اس حقیقت سے اس کے دل پر دہشت سی طاری ہوئی- اس نے مصاحبوں کو بلایا اور انھیں ماندان کے بچے کے زندہ ہونے کی خبر دی اور ان سے خواب کے تباہ کن اثر سے محفوظ رہنے کی تدبیر پوچھی- انھوں نے کہا: "اگر وہ بچہ' جس کے مروانے کا حکم دیا گیا تھا' زندہ ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یزدان پاک کی اسے حمایت حاصل ہے- دوسرے یہ کہ یہ ایک مرتبہ بادشاہ بن چکا ہے- دوسری دفعہ بادشاہ نہیں بن سکے گا اس لیے تشویش کی کوئی بات نہیں- یہ جواب سن کر بادشاہ مطمئن ہو گیا-

ہارپاگوس سے ناروا سلوک

خواب کے تباہ کن اثر کا خوف تو جاتا رہا لیکن اپنے معتمد ترین مصاحب ہارپاگوس پر اسے انتہائی غصہ تھا کہ اس نے فرمانِ شاہی کی خلاف ورزی کیوں کی- ہادی ہدایتی[1] نے بحوالہ ہیروڈوٹس یہ کراہت آمیز داستان بھی لکھی ہے کہ آستیاگس نے ہارپاگوس کے بیٹے کو پوشیدہ طور سے قتل کرا کر اس کا گوشت ہارپاگوس کو کھلایا- ہارپاگوس تک یہ بات پہنچی تو وہ خاموش رہا- بہ ظاہر اس صدمے کو سہہ لیا اور اپنی وفاداری میں فرق نہ آنے دیا لیکن بیٹے کا داغ سینے میں چھپائے ہوئے موقع کا منتظر رہا- موقع ملنا چنداں مشکل نہ تھا کیوں کہ آلِ ماد اور اہلِ پارس میں قدرتی رقابت موجود تھی- اہلِ پارس اپنے آپ کو اہلِ ماد سے برتر خیال کرتے تھے لیکن بادلِ ناخواستہ ان کی اطاعت برداشت کر رہے تھے- اتفاق سے ادھر پارس میں قومیت کی لہر چل رہی تھی' ادھر میڈیا میں آستیاگس کی فضول خرچی' نا اہلی اور غفلت شعاری کی وجہ سے عوام کے دلوں میں اس کے متعلق نفرت پیدا ہو رہی تھی- خود اس کے وفادار امرا بھی اس کے کردار پر نکتہ چینی کرنے لگے تھے-

(۱) ہادی ہدایتی' کوروش کبیر' ص ۴۲

ہارپاگوس کا انتقامی جذبہ

کوروش کا باپ کمبوجیہ اول انشان کا حکم ران تھا- ہارپاگوس نے اس سے رابطہ قائم کیا اور آلِ ماد کی حکومت کے داخلی حالات سے کمبوجیہ کو آگاہ کیا- کمبوجیہ کی حیثیت ایک معمولی حکم ران کی سی تھی لیکن آلِ ماد کی کمزوری نے اسے حملے کی ترغیب دلائی- کوروش نوعمری ہی میں اپنی عقل و دانش اور شجاعت سے یہ ثابت کر چکا تھا کہ قائد کی صفات بدرجۂ احسن اس میں موجود ہیں- چناں چہ اس مہم کے لیے کوروش ہی کو منتخب کیا گیا- ہارپاگوس نے حملے کا منصوبہ بنایا اور اندرونی گڑبڑ کے لیے میڈیا کے بااثر لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی- سازش کے لیے زمین ہم وار ہو گئی تو اس نے کوروش کو جلد از جلد ہمدان پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا-

کوروش کا حملہ

کوروش کے حملے کے لیے حالات یوں بھی سازگار ہوئے کہ بادشاہ بابل نبونید (Nabonidus) آلِ ماد کو اپنا دشمن سمجھتا تھا- وہ اپنے ملک کی حفاظت کے خیال سے کوروش کا اتحادی بن گیا اور فوجی امداد کی پیش کش کی-

آستیاگس کو صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہی زخم خوردہ جرنیل ہارپاگوس کو سالارِ لشکر مقرر کر کے فوجی تیاریوں کا حکم دیا- ان حالات کے پیشِ نظر کوروش کو یقین تھا کہ جوں ہی وہ میڈیا پر حملہ کرے گا' داخلی حالات آستیاگس کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیں گے- لیکن جب حملہ ہوا تو خلافِ توقع جنگ تین سال تک جاری رہی اور مختلف مقامات پر لڑی جاتی رہی- ہارپاگوس پہلی ہی جنگ میں کوروش سے جا ملا- آخر ۵۴۹ ق م میں کوروش کو فیصلہ کن فتح ہو گئی-

ماد قبائل اگرچہ مغلوب ہوئے لیکن جب وہاں پارسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے پارسی حکم رانوں کا پورا پورا ساتھ دیا[1]- فاتحین کے تمدن کو ترقی دینے کے لیے پارسیوں کو خود اپنے قوانین سے آشنا کرایا- انھیں ابجد کے چھتیس حروف سکھا کر آریائی زبان سے متعارف کرایا اور 'خاک رس' کی بجائے تحریر کے لیے قلم اور چمڑے کو رواج دیا-

لیڈیا کی فتح

۵۵۰ ق م میں کوروش نے ہمدان کو فتح کر لیا- اس کی یاد میں پاسارگاد میں شاہی

---

(۱) ہادی ہدایتی' کوروش کبیر' ص ۵۵

محلات بنوائے- پھر لیڈیا کی طرف پیش قدمی کی-

لیڈیا کا حکمران آلیات تھا' جس کی وفات پر اس کا بیٹا کرزوش (Croesus) اس کا جانشین ہوا- اس نے اپنے پیش رو کی طرح سلطنت کو وسیع کرنے کی لیے یونانیوں کے مقبوضات' جو ایشیائے کوچک میں تھے' اپنی قلم رو میں شامل کر لیے- سارڈ اس کا پایۂ تخت تھا- آلیات اور آستیاگس' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' آپس میں قرابت دار تھے اور حلیف بھی تھے' اس لیے کوروش اعظم کے میڈیا فتح کرنے کی خبر ہوئی تو اسے تشویش ہوئی اور نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنا ایلچی تحفے تحائف دے کر اسپارٹا کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اسے فوجی کمک دینے پر آمادہ کیا- پھر مصر کے حکمران آمازیس (Amasis) اور بابل کے حکمران نبونید کے پاس بھی ایلچی بھیجے اور جیسا کہ یہ حکومتیں بھی آلِ ماد کی شکست سے متاثر تھیں' ان سب نے بھی کرزوش سے معاہدۂ دوستی کر لیا- اس کے علاوہ ایک ایجنٹ کو زر کثیر دے کر یونانی اجیروں کی فوجی خدمات حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا- بہ ظاہر صورتِ حال کرزوش کے موافق تھی لیکن یہ ایجنٹ بھاگ کر ایران پہنچ گیا اور اس سہ گانہ اتحاد کا راز کوروش کو بتا دیا-

کوروش نے' پیش تر اس کے کہ کرزوش کی مدد کو اس کے اتحادی آتے' لیڈیا کی طرف پیش قدمی کی- ادھر کرزوش نے ایران پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں بڑھائیں- دونوں بادشاہوں کی پہلی مڈبھیڑ پتریا (Patria) کے دشت میں ہوئی- کرزوش کو انتظار تھا کہ اتحادی کمک بھیجیں گے لیکن کمک نہ پہنچ سکی- کرزوش اور کوروش کی فوجوں کی جنگ دن بھر ہوتی رہی جس میں اطراف کا بہت جانی اور مالی نقصان ہوا لیکن فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا- کرزوش نے یہ دیکھ کر کہ اس کی فوج کی تعداد ایرانیوں سے کم ہے' پسپا ہو جانا مناسب سمجھا- اسے خیال تھا کہ کوروش شدت سرما کی وجہ سے سارڈ کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکے گا اور کرے بھی تو پیچھے سے اسے بابل کی طرف سے حملے کا خطرہ ہوگا- اس عرصے میں مصریوں' بابلیوں اور اسپارٹا والوں کے لشکر بھی پہنچ جائیں گے-

فتح سارڈ

سارڈ واپس پہنچ کر کرزوش نے اتحادیوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور تقاضا کیا کہ پانچ ماہ کے عرصے میں کمک لازماً بھیج دی جائے- اور ادھر کوروش نے بابل کے بادشاہ نبونید سے مذاکرات شروع کیے؛ ان کے مابین معاہدہ طے ہو گیا- کوروش عقبی حملے سے مطمئن ہو کر آگے بڑھا- کرزوش اس خیال سے مطمئن ہو بیٹھا تھا کہ ایسے موسم میں' جب کہ پہاڑوں کی چوٹیاں

برف پوش ہیں، کوروش پیش قدمی نہ کر سکے گا اور موسمِ سرما کسی محفوظ مقام پر گزارنے پر مجبور ہو گا۔ اس لیے جنگی تیاریوں میں عجلت کی ضرورت محسوس نہ کی، یہاں تک کہ یونان کے اجیر سپاہی بھی، جو عارضی طور پر رکھے گئے تھے، واپس بھیج دیے لیکن خلاف توقع کوروش کی راہ میں نہ برف کے طوفان حائل ہو سکے۔ نہ پہاڑوں کی گھاٹیاں اسے روک سکیں۔ وہ راستے کی مشکلات کو عبور کرتا ہوا لیڈیا کی حدود میں آ پہنچا اور سارڈ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ کرزوش کو اچانک کوروش کے آنے کی خبر ملی تو اس کی حیرت اور دہشت کی کوئی حد نہ رہی۔ دشمن سر پر آ پہنچا تھا لیکن موسمِ بہار سے پہلے اتحادیوں کی طرف سے کمک پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ کرزوس غنیم سے جنگ کرنے کے لیے اپنی سوار فوج میدان میں لائے۔ چناں چہ سارڈ کی مشرقی سمت پرموس کے میدان میں اطراف کے لشکر صف آرا ہوئے۔ کوروش جانتا تھا کہ لیڈیا کی سوار فوج کو ایرانی فوج پر برتری حاصل ہے، اس لیے اس نے اپنے فوجی جرنیل ہارپاگوس کے مشورے پر عمل کیا اور بار برداری کے اونٹ اگلی صفوں میں لا کھڑے کیے۔ کرزوش کے گھوڑے انھیں دیکھ کر بدکے اور بے لگام ہو گئے۔ آخر سواروں کو گھوڑوں سے اترنا پڑا اور دست بہ دست لڑائی ہونے لگی۔ انھوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن بالآخر ایرانیوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ ایرانیوں نے پے بہ پے حملے کر کے انھیں پسپا کر دیا۔ ناچار کرزوس کا لشکر سارڈ کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ یہ قلعہ بہت محفوظ تھا اور اس کے اِردگرد کی فصیل نہایت مستحکم تھی۔ ایک طرف پہاڑ کی چوٹی تھی جو ایک دم بلند ہو گئی تھی اور اس طرف سے گزرنا ممکن نہ تھا اس لیے اس حصے کو مستحکم کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔ محاصرہ چالیس دن تک برابر جاری رہا لیکن محصور فوج نے ہتھیار نہ ڈالے۔ کوروش نے صورتحال سے متاثر ہو کر اعلان کیا کہ جو ایرانی جاں باز سب سے پہلے قلعے میں داخل ہو گا اسے زرِ کثیر بہ طور انعام دیا جائے گا۔ آخر ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ محصورین میں سے ایک کے سر کا 'خود' پہاڑی کی جانب سے نیچے گرا، وہ بڑی تیزی سے دیوار پر سے کودا اور خود اٹھا پھر دیوار پر چڑھ آیا اور قلعے میں کود گیا۔ ایک ایرانی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو آگاہ کر کے اسی غیر محفوظ مقام سے کود کر قلعے میں داخل ہو گیا اور انعام کا حق دار بنا۔ اس کے پیچھے آن کی آن میں کچھ اور ایرانی بھی کود گئے اور قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ پورا لشکر قلعے میں داخل ہو گیا۔ اب محصورین کے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

کرزوش شکست کی ذلت برداشت کرنے کی بجائے جلتے ہوئے الاؤ میں کود پڑا۔

کوروش کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً آگ بجھا دینے کا حکم دیا اور اس طرح کرزوس کو نذرِ آتش ہونے سے بچا لیا گیا۔

سارڈ کو مسخر کر لینے کے بعد ایشیائے کوچک کے یونانی مقبوضات بھی کوروش کے تسلط میں آ گئے۔ ان مقبوضات کی حکومت ہارپاگوس کے سپرد کر دی گئی اور سارڈ کی حکومت کوروش نے اپنے ایک معتمد خاص تابال (Tabal) کو سونپی اور ہمدان واپس چلا گیا۔

ان فتوحات کے بعد کوروش نے مشرق کا رخ کیا اور ۵۴۵ تا ۵۳۹ ق۔م بحیرۂ خزر اور ہند کے مابین بسنے والی اقوام سے مصروف جنگ رہا۔ اس عرصے میں اس نے بلخ، مرو، سغد اور دریائے سیحون تک کا سب علاقہ مسخر کر لیا۔ پھر سیستان[1] اور قندھار کا رُخ کیا اور ان علاقوں کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔

تسخیر بابل

بابل کو بخت النصر (Nebuchadnezzar) نے ایک عظیم سلطنت بنا دیا تھا۔ اب وہاں کا حکم ران بخت النصر کا داماد نبونید (Nebonides) تھا۔ یہ حکم ران، بابل کے کاہنوں کے زیر اثر تھا۔ اس کی زیادہ تر توجہ آثار قدیمہ کی حفاظت کی طرف تھی۔ اس نے کھدائی کرا کر قدیم معبدوں کے آثار نکلوائے اور یہ معلوم کیا کہ ان کی تعمیر کن بادشاہوں نے کرائی اور کب کرائی۔ پھر ان معبدوں کو از سر نو تعمیر کرایا۔ یہ شوق اسے مہلت نہ دیتا تھا کہ امورِ سلطنت کی طرف توجہ دے۔ اس لیے حکومت کی باگ ڈور اس نے اپنے بیٹے بالشزر (Balshazzar) کے ہاتھوں میں دے رکھی تھی۔

نبونید نے اُور، اُوروک اور اریدو کے مشہور دیوتاؤں کے مجسمے بابل میں منگوا لیے تھے جس کی وجہ سے اکثر کاہن اس کے مخالف ہو گئے۔ ان کو یقین تھا کہ بابل کے دیوتاؤں کا خدا مردوک، نبونید کی اس حرکت سے ناراض ہے۔ چناں چہ اب وہ نبونید کی تباہی کی پیشین گوئیاں بھی کرنے لگے تھے۔

کوروشِ اعظم ایسا فاتح اپنے ہمسایے میں بابل کی طاقت ور اور خود مختار حکومت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چناں چہ وہ ۵۳۹ ق م میں بابل پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر کے دجلہ کے کنارے کنارے آگے بڑھتا آیا۔ کوروش کو احساس تھا کہ بابل دفاعی اعتبار سے بہت مستحکم

---

(۱)　ایران باستان، ج ا، ص ۲۷۵

ہے کیوں کہ اس کے اردگرد بخت النصر کی بنوائی ہوئی ناقابلِ تسخیر فصیل ہے- یہ فصیل ایران اور بابل کے مابین باہمی سرحد تھی- کورش اگر سرزمینِ بابل پر پہنچنے کے لیے یہ راستہ اختیار کرتا تو اسے کافی عرصہ دیوار کے سائے تلے انتظار کرنا پڑتا- دوسری طرف دریائے دجلہ حائل تھا' جسے عبور کرنا آسان نہ تھا- آخر جب دجلے میں پانی کم ہوا تو کورش کے حکم سے دجلے کا رُخ موڑ دیا گیا اور اسی طرف سے ایرانی لشکر سرزمینِ بابل میں داخل ہو گیا- شمالی طرف سے کورش نے بابل کی مشہور چھاؤنی اُپیس (Opis) پر حملہ کیا- جنوبی سمت میں کورش کا جرنیل گبریاس (Gobryas) بڑھا' جہاں نبونید خود لشکر لیے موجود تھا- گبریاس بابلی لشکر کو پسپا کر کے بلا روک ٹوک شہرِ بابل میں داخل ہو گیا اور فتح یاب کورش کی بادشاہت کا اعلان کر دیا- کورش جب خود بابل میں داخل ہوا تو اہلِ بابل نے اسے نجات دہندہ سمجھ کر اس کے قدموں میں پلکیں بچھائیں- کورش نے فرمان صادر کیا کہ کسی قسم کی لوٹ مار نہ کی جائے اور معبدوں کا پورا پورا احترام کیا جائے- یہاں صرف یہ ناخوش گوار واقعہ پیش آیا کہ نبونید کے بیٹے بالشزر نے اطاعت سے منہ موڑا اس لیے گبریاس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا- ایسی فتح کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ ایک مقدس شہر' جس کے دیوتاؤں کے احکام دنیا بھر میں مانے جاتے تھے اور جس کے تمدن کے ڈنکے چار دانگِ عالم میں بجتے تھے' اتنی جلدی اور بغیر کسی کشت و خون کے غیر ملکی حکمران کے ہاتھ میں چلا گیا-

یہودیوں کی تالیفِ قلوب

کچھ عرصہ پہلے ۵۸۶ ق م میں بخت النصر نے بیت المقدس کو فتح کر کے یہودیوں کے مشہور معبد ہیکل سلیمان کو برباد کیا تھا اور یہودیوں کے بادشاہ اور اس کے خاندان کی تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی- اسی پر بس نہیں' وہ ہزارہا خانمان برباد یہودیوں کو اسیر کر کے بابل لے آیا تھا- ان کے روحانی پیشوا بشارت دیا کرتے تھے کہ خدا جلد ہی ایک ایسا شخص بھیجے گا' جو قومِ یہود کو اہلِ بابل کی اسیری سے نجات دلائے گا اور بہت جلد یہودی اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے- آخر کورش نے انھیں نجات دلا دی اور حکم دیا کہ جو یہودی اپنے وطن کو واپس جانا چاہیں' انھیں نہ روکا جائے اور معبد سلیمان کو' جسے بخت النصر نے تباہ کیا تھا' خزانۂ حکومت سے از سر نو تعمیر کرایا جائے- سونے چاندی کے برتن' جو مالِ غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے' لوٹا دیے جائیں- کورش کا یہ فرمان سن کر یہودی مزدوروں' آقاؤں اور غلاموں سب نے بیت المقدس کا رخ کیا- کورش کو جب یقین ہو گیا کہ اہلِ بابل اب حکومت ایران کے وفادار رہیں گے تو

گبریاس کو وہاں کی حکومت سونپ کر خود ایران واپس آ گیا۔

کوروش کی وفات

کوروش کی زندگی کی آخری مہم کے متعلق کوئی مستند بات نہیں معلوم ہو سکی۔ اس کی وفات کے متعلق متعدد روایات مشہور ہیں۔ سائیکس ہروڈوٹس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کوروش[1] نے ماساژات (Massasetee) قبائل کی ملکہ تومیرس (Tomyris) کو اپنے حلقۂ زوجیت میں لانا چاہا لیکن اس نے اس عظیم فاتح کی خواہش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اس پر برافروختہ ہو کر اس نے تومیرس کے علاقے پر فوج کشی کی۔ ملکہ کے ہراول دستے پسپا ہو گئے اور اس کا بیٹا، جو ولی عہدِ سلطنت تھا، اسیر ہو گیا اور بالآخر اس نے خودکشی کر لی، لیکن ملکہ نے ہمت نہ ہاری اور اس کے لشکر نے ایک دوسرے میدان میں صف آرائی کر کے نہایت بے جگری سے کوروش کا مقابلہ کیا جس میں یہ عظیم فاتح ۵۲۹ ق م میں ہلاک ہو گیا۔ اس کی لاش پاسارگاد لائی گئی جہاں ابدی نیند سونے کے لیے اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کا مقبرہ پاسارگاد کے قریب ہے جو اب تک قائم ہے۔ اسے لوگ اب تک مرقد مادر سلیمان سمجھتے رہے ہیں۔

کوروش کے خصائل

تاریخِ قدیم میں کوروشِ اعظم کو بہت ممتاز درجہ حاصل ہے۔ وہ ان چند عظیم بادشاہوں میں سے تھا جنھیں دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ عہدِ قدیم و جدید کے مؤرخ اسے کوروشِ اعظم کے لقب سے خطاب کرتے ہیں اور اسے ہخامنشی دور کا بانی لکھتے ہیں۔ اس کی سلطنت دریائے سیحون سے لے کر بحیرۂ احمر تک پھیلی ہوئی تھی۔ کوروشِ اعظم کی شہرت محض اس کی فتوحات کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کے خصائل کی وجہ سے تھی۔ اس کی سیاست، ظلم و ستم کی بجائے مہر و محبت پر مبنی تھی۔ اس سے پہلے آشور بادشاہ اپنی وحشت و بربریت پر ناز کیا کرتے تھے۔ وہ فخر سے کہا کرتے تھے کہ انھوں نے جس حکمران پر فتح پائی، اس کے آثار صفحۂ ہستی سے مٹا دیے۔ ہزاروں کی زبانیں حلق سے کھنچوا دیں۔ ہزاروں کے سر کٹوا کر ان کے مینار کھڑے کرائے۔ ملکوں کو اس طرح زیر و زبر کیا کہ وہاں کسی حیوان کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ آشوری فاتحین، حریفوں کے بچوں تک کو زندہ جلا دیتے تھے۔ بابل اور مصر کے بادشاہوں کا طریق کار بھی کچھ مختلف نہ تھا لیکن کوروش نے اس ظالمانہ سیاست کو بدلا۔ اس نے جس بادشاہ پر فتح پائی، نہ اسے قتل کیا، نہ اس کے

(1) [illegible]

اعزا کا خون بہایا۔ جس شہر کو مسخر کیا' وہاں کے باشندوں کو امن و امان کی ضمانت دی۔ معبدوں کا ہمیشہ احترام کیا' مفتوح قوم کے جو معبد تباہ ہوئے' انھیں از سر نو تعمیر کرایا۔ کسی غاصب حکمران نے مغلوب قوم سے مال و متاع چھینا تو اسے واپس لوٹایا۔ بنی اسرائیل کے پانچ ہزار چار سو سونے کے برتن انھیں واپس لوٹائے۔ اس نے لیڈیا کے بادشاہ پر فتح پائی تو اسے قتل کرنے سے اجتناب کیا۔ نبونید بادشاہ بابل نے آگ میں کود کر خودکشی کرنے چاہی لیکن آگ بجھا کر اسے زندہ نکلوالیا گیا۔[1] یہاں تک کہ جب اطاعت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے نبونید کا بیٹا بالشزر' گبریاس کے حکم سے قتل کیا گیا تو کوروش کو سخت افسوس ہوا اور ایرانی لشکر اور درباریوں کو اس کا سوگ منانے کا حکم دیا گیا۔

کوروش ماہر سیاست دان تھا۔ کرزوش پر اس نے جو فتح پائی' یہ اس کے سیاسی شعور کا ثبوت ہے۔ بابل پر اس کا حملہ اس کے حزم و احتیاط اور اس کی دور بینی کا شاہد ہے۔ بابل میں داخل ہونے کے لیے دریائے دجلہ کا رُخ موڑنا ایک فوق العادۃ کام تھا لیکن یہ بھی اس کے تدبر سے انجام پذیر ہوا۔ وہ فنون جنگ کا ماہر تھا۔ اس نے فوج میں وہ روح پیدا کر دی تھی جو بڑی سے بڑی مہم میں اس کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی۔ کونت گوبی نو[2] (Conte de Gobineav) اس بادشاہ کی تعریف میں لکھتا ہے کہ کوروش کی مثال اس دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ وہ ایک مسیح تھا' ایک عظیم انسان تھا اور دوسروں پر برتری حاصل کرنا اس کا مقدر ہو چکا تھا۔

کمبوجیہ (Cambyses)

(۵۲۹ ق م تا ۴۸۵ ق م)

کوروشِ اعظم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کمبوجیہ دوم ۵۲۹ ق م میں تخت نشین ہوا جسے کوروش اعظم نے بابل کی حکومت دی تھی۔ اس کا دوسرا بیٹا بردیا (Bardia) تھا جس کے سپرد مشرقی علاقوں یعنی بلخ' خوارزم (خیوہ) اور پارت (خراسان) کی حکومت تھی۔

ہیروڈوٹس[3] کے قول کے مطابق کمبوجیہ کو بچپن ہی سے مرگی کا مرض لاحق تھا۔ اسی وجہ سے بعض ایسی حرکات اس سے سرزد ہوئیں جنھیں مؤرخین اس کی سنگ دلی پر محمول کرتے ہیں۔

---

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۵۲

(۲) حسن پیرنیا' ایران باستان' ج ۱' ص ۴۷۶-۴۷۷

(۳) عبداللہ رازی' تاریخ مفصل ایران' ص ۲۲

قتلِ بردیا

کمبوجیہ کے تخت نشین ہوتے ہی ملک میں کچھ بغاوتیں رونما ہوئیں، جنھیں اس نے سختی سے کچل دیا- ملک میں کچھ امن وسکون ہوا تو کمبوجیہ کو کوروش اعظم کے نقشِ قدم پر چل کر مملکت میں مزید توسیع کرنے کا خیال آیا- چناں چہ اس نے مصر کی تسخیر کا ارادہ کیا لیکن ملک کے داخلی حالات ابھی پوری طرحِ اطمینان بخش نہ تھے- خاص طور پر بردیا کی وجہ سے اسے بڑی تشویش تھی جو پسندیدہ خصائل کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول تھا- بردیا کی حکومت اگرچہ دور دراز علاقوں میں تھی لیکن اسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اسے موقع ملا تو ضرور بغاوت کردے گا اور اس میں اسے عوام کی حمایت حاصل ہو جائے گی- اس لیے خفیہ طور پر اسے قتل کرا کر اپنے مؤثر حریف کے خدشے سے آزاد ہو گیا- بردیا کے قتل کے متعلق قدیم تذکرہ نویسوں نے کئی روایتیں بیان کی ہیں لیکن اسباب کچھ بھی ہوں کمبوجیہ کے ہاتھ بردیا کے خون سے رنگین ضرور ہوئے-

کمبوجیہ کی مصر پر فوج کشی

مصر کا بادشاہ اس وقت آمازیس (Amasis) تھا- کوروشِ اعظم کی زندگی میں اس کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے آمازیس کو تشویش تھی- اس نے کوروش کے ہاتھوں لیڈیا کے بادشاہ کرزوش کی حکومت کا خاتمہ ہوتے دیکھا- بابل کے حکم ران نبونید کی حکومت بھی اس کے سامنے ختم ہوئی، اس لیے وہ ہخامنشی بادشاہوں کی پیش قدمی سے غافل نہ تھا- احتیاط کی غرض سے وہ اپنی فوج کو منظم کرتا رہا- اس نے یونانی جزائر کے حکم رانوں سے، جو ایران کے اثر سے آزاد تھے، معاہدے کیے تاکہ ان سے بحری بیڑے کی امداد مل سکے- یونانی پیشہ ور سپاہیوں کی خدمات بھی حاصل کرنی چاہیں جو اجرت پر فوجی خدمات انجام دیا کرتے تھے لیکن معاہدے کے مطابق یونانی جزائر سے اسے مدد نہ مل سکی، نہ یونانی پیشہ ور سپاہی وقت پر پہنچ سکے- آخر جب کمبوجیہ نے مصر پر حملہ کیا تو آمازیس تنہا تھا-

کمبوجیہ کا لشکر غزہ کی راہ سے دشت کویر میں داخل ہوا، جسے اس نے عربوں کی مدد سے تین دن میں عبور کیا- عین اس وقت آمازیس، جو مدبر اور مضبوط حکم ران تھا، فوت ہو گیا اور پسامیتک (Psammetik) اس کا جانشین ہوا لیکن اس میں باپ کی سی فراست اور شجاعت نہ تھی-

مصریوں سے جنگ

ایرانی لشکر دشت کویر سے گزر کر ۵۲۵ ق م میں پلوزیم (Pelusim) پہنچا۔ یہاں مصری لشکر سے جنگ ہوئی۔ مصری بڑی بہادری سے لڑے لیکن ایرانی لشکر کی برتری کی وجہ سے مصریوں نے شکست کھائی اور راہ فرار اختیار کر کے مصر کے پایہ تخت میمفس (Memphis) میں پناہ گزین ہوے۔ کمبوجیہ نے اپنا ایلچی بحری جہاز میں میمفس بھیجا تاکہ وہ مصر کے حکمران کو اطاعت پر آمادہ کرے لیکن پسامیتک نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا بلکہ اس کے جہاز کو توڑ پھوڑ کر ایلچی کے ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ کمبوجیہ کو صورتِ حال سے آگاہی ہوئی تو اس نے میمفس کا رخ کیا اور شہر کے اِردگرد گھیرا ڈال لیا۔ اہلِ شہر محصور ہو گئے۔ آخر مصری لشکر نے ہتھیار ڈال دیے۔ مصر کا حکمران اسیر ہوا اور اسے شوش کے زندان میں ڈال دیا گیا' جہاں اس نے زندگی کے دن پورے کیے۔ مصر کی شکست سے دنیا کی تیسری بڑی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ حکومت اگرچہ فوجی اعتبار سے کمزور تھی لیکن اس کے تمدن کی شہرت دنیا بھر میں تھی۔ اب کمبوجیہ دنیا کی وسیع ترین سلطنت کا مالک تھا۔ اس کی حدود دریاے نیل سے جیکسارٹس (Jaxartes) تک اور بحیرۂ اسود سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کی سلطنت میں لیڈیا' بلخ اور بعض دوسرے علاقے بھی شامل تھے جہاں تک آشوریوں کے قدم نہ پہنچ سکے تھے۔

قرطاجنہ' عمان اور حبشہ کی ناکام مہم

مصر کی فتح کے بعد کمبوجیہ کی نظر قرطاجنہ' عمان اور حبشہ پر تھی۔ ۵۲۱ ق م میں ان ممالک پر چڑھائی کی تیاری ہوئی۔ قرطاجنہ پر حملہ کرنے کے لیے بحری بیڑے کی ضرورت تھی لیکن اہلِ فینیقیا وقت پر بحری بیڑا تیار نہ کر سکے۔ آخر کمبوجیہ نے خشکی کی راہ اختیار کرنی چاہی۔ پچاس ہزار جاں بازوں کا لشکر اس مہم پر مامور ہوا' لیکن اس لشکر کے ایک فرد کا بھی اتا پتا نہ چل سکا۔ غالباً سارا لشکر عمان کے صحرا میں ریت کی نذر ہو گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ فوج کی خبر نہ ملنے پر کمبوجیہ کو سخت قلق ہوا جس سے اس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔

کمبوجیہ کی خودکشی

کمبوجیہ ایران واپس آنے کے لیے مصر سے چلا۔ شام پہنچا تھا کہ کسی شخص نے بردیا ہونے کا

دعویٰ کر کے ایران میں بغاوت کر دی- یہ شخص ایک مغ تھا جس کا نام گاؤماتا (Gaumata) تھا- اس کی شکل بردیا سے بہت ملتی جلتی تھی اور چوں کہ اس کی موت کا علم عوام کو نہ تھا' یہاں تک کہ خود اس کی بہنیں اور ماں بھی اس کی موت سے بے خبر تھیں اس لیے لوگ یہی سمجھے کہ یہ بردیا ہے- کمبوجیہ بغاوت فرو کرنے کے لیے تیزی سے بڑھا لیکن بردیا کے نام پر کمبوجیہ کے لشکر میں ہلچل مچ گئی جس کا کمبوجیہ کو سخت صدمہ ہوا- اسی صدمے میں اس نے بالآخر خودکشی کر لی-

بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ گھوڑے پر چڑھتے ہوئے اس کی ران پر زخم آ گیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا لیکن داریوش[1] کے ایک کتبے میں جو کوہ بستیوں پر کندہ ہے' ذکر آیا ہے کہ اس نے خودکشی کی تھی-

کمبوجیہ کی کوئی اولاد نہ تھی اور شاہی خاندان میں کوئی فرد اس قابل نہ تھا کہ کمبوجیہ کی وسیع و عریض سلطنت کو سنبھال سکتا اس لیے گاؤماتا کی بغاوت کام یاب ہوئی- اس نے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے عوامی ٹیکس تین سال کے لیے معاف کر دیے- لوگوں کو اس بات کی آزادی دے دی کہ اگر وہ فوجی خدمات بجا نہ لانا چاہیں تو وہ اس سے الگ رہ سکتے ہیں- ساتھ ہی اس نے لوگوں کے ساتھ میل جول بہت کم کر دیا- حرم کو اس نے سختی سے منع کر دیا کہ باہر کے کسی فرد سے نہ ملیں' یہاں تک کہ زنان خانے میں بھی سب ایک دوسرے سے الگ رہیں- جس شخص کے متعلق شبہہ بھی ہوتا تھا کہ وہ اصل بردیا کے حال سے آگاہ ہے' اسے قتل کرا دیا جاتا تھا- اسی طرح کئی موبد بھی' جو بردیا کی موت کا حال جانتے تھے' تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے- امرا اس کی اصلیت پر شبہ کرنے لگے تھے' انھیں اس بات کا بھی رنج تھا کہ امرا کو کسی وقت بھی ملنے کا جو حق تھا' وہ سلب کر لیا گیا ہے- اس اثنا میں گاؤماتا کی ایک بیوی نے راز فاش کر دیا-

جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' ہخامنشیوں کی ایک شاخ پارس میں بھی تھی جس کا ممتاز رکن وشتاسپ کا بیٹا داریوش تھا- اس میں حکم رانی کی صفات بدرجۂ احسن موجود تھیں- چھ امرائے' جنھیں بادشاہ منتخب کرنے کا حق تھا' داریوش کے سر پر تاج رکھا- گاؤماتا اس وقت میڈیا میں تھا- امرا کی ایک جماعت میڈیا جا پہنچی اور کچھ لوگوں کو گاؤماتا کے محل میں داخل کر دیا جو اسے قتل کرنے میں کام یاب ہو گئے-

(۱) [illegible] ۵۱۹

داریوش اول

(۵۲۱ تا ۴۸۵ ق م)

داریوش اول نے ۵۲۱ ق م میں تخت و تاج سنبھالا۔ داریوش کا شمار ایران کے ان نامور بادشاہوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی سیاسی فراست' انتظامی قابلیت اور دلیری کی وجہ سے ایران کو عظیم ایران بنا کر جاودانی شہرت حاصل کی۔

داریوش کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ وہ ہخا منشیوں کے قدیم خاندان سے ہے۔ چناں چہ ایک کتبے سے اس کا یہ دعویٰ واضح ہو جاتا ہے: ''میرا باپ ویشتاسپ ہے' ویشتاسپ کا باپ ارسام تھا اور ارسام کا باپ اریارمنا تھا۔ اریارمنا کا باپ چیش پیش اور چیش پیش کا باپ ہخامنش تھا۔

داریوش تخت نشین ہوا تو متعدد عناصر اس کی مخالفت میں کام کر رہے تھے۔ گاؤماتا ارزاں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے ٹیکس تین سال کے لیے معاف کر چکا تھا۔ اب نہ یہ آسان تھا کہ ٹیکس پھر سے عاید کیا جائے' نہ یہ ممکن تھا کہ ٹیکس نہ دینے کی رعایت برقرار رکھی جائے کیوں کہ کوئی ذمے دار حکومت ٹیکس لیے بغیر امور مملکت چلانے پر قادر نہیں ہو سکتی۔ ادھر گاؤماتا کے بیٹے آترین نے خوزستان کے علاقے میں علم بغاوت بلند کیا' اُدھر مختلف علاقوں کے حاکموں کا خیال تھا کہ فارس کا حال بھی میڈیا سا ہوگا اس لیے انھوں نے جابہ جا خود مختار ہونے کے منصوبے باندھنے شروع کیے۔ چناں چہ داریوش کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سات سال کی لگاتار کوششوں کے بعد وہ بغاوتوں کو فرو کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ ان بغاوتوں کا ذکر بیستوں کے کتبوں میں ملتا ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

> ''داریوش [1] یوں کہتا ہے: اس کے بعد کہ میں نے گاؤماتا کو ہلاک کر دیا' اس کے بیٹے آترین نے خوزستان میں بغاوت کی۔ اہالیِ خوزستان نے میری اطاعت سے روگردانی کی اور آترین کا ساتھ دیا اور وہ خوزستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد ندی تیبر نے بابل میں بغاوت کی اور دعویٰ کیا' میں نبونید کا بیٹا بخت النصر ہوں' اہلِ بابل نے اس کی حمایت اور میری نافرمانی کی۔ اس نے بابل کی سلطنت سنبھال لی''۔
>
> ''جس زمانے میں بابل پہنچ کر میں نے قیام کیا' پارس' خوزستان ماد' آشور' مصر'

(۱) [illegible]

پارت (خراسان) مرو اور سکائیہ میری اطاعت سے منحرف ہو گئے''۔

''اہلِ ماد کے ایک فرد فراورتیش نے علم بغاوت بلند کیا اور کیا کسارا کے خاندان کا فرد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اہلِ ماد نے اس کا ساتھ دیا اور وہ میڈیا کا بادشاہ بن بیٹھا''۔

''ایک شخص وہی یزدات باغی ہو گیا اور دعویٰ کیا' میں کوروش کا بیٹا بردیا ہوں۔ لوگ میری اطاعت چھوڑ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے''۔

کتبوں میں ان بغاوتوں کو فرد کرنے کی سرگزشت بھی مختصر طور پر دی گئی ہے۔ ایک ہی مضمون کے کتبے متعدد مقامات پر ملتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اگر ایک کتبے کا مضمون محو ہو جائے تو دوسرے کتبوں سے مضمون کا پتا چل سکے۔

داریوش کے زمانے میں یوں تو کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن آٹھ ان میں بہت مشہور ہیں۔

پہلی بغاوت خوزستان میں ہوئی جیسا کہ کتبے سے پتا چلتا ہے۔ بغاوت کا سرغنہ آرتی نا تھا۔ داریوش نے شوش اپنا لشکر بھیجا۔ آرتی نا مغلوب ہو کر اسیر ہوا اور داریوش کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

بابل میں ایک شخص ندی تبیر (Nidintubel) نے نبونید کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور بخت النصر کا لقب اختیار کیا۔ ایک کتبے میں درج ہے: ''شوش کی مہم سر ہو گئی تو ندی تبیر کی سرکوبی کے لیے میں نے بابل پر لشکر کشی کی۔ لشکر کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک لشکر اونٹوں پر سوار تھا' دوسرا گھوڑوں پر۔ ہم نے دجلہ کو عبور کیا۔ رامزدا نے میری مدد کی۔ ندی تبیر نے شکست کھائی۔ ندی تبیر نے دو مرتبہ شکست کھائی۔ آخری مرتبہ شکست کھا کر وہ بابل میں قلعہ بند ہوا۔ اس کا محاصرہ کر کے داریوش نے اسے تہ تیغ کیا''۔

اس عرصے میں اہلِ ہمدان نے داریوش کی مشکلات دیکھ کر آزاد ہونا چاہا اور ایک شخص فراورتیش (Phraortes) کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ یہ شخص اپنے آپ کو کیا کسارا کے خاندان کا فرد ظاہر کرتا تھا۔ اہلِ ہمدان نے ہخامنشیوں کا جوا گلے سے اتارنے کے لیے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا لیکن آخر داریوش نے اسے ہلاک کیا۔

خوزستان میں پھر ایک اور شخص مارتیا تخت و تاج کا دعوے دار بنا۔ اس وقت تک داریوش بابل کی مہم سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ وہیں سے اس نے خوزستان اور ہمدان اپنے لشکر بھیجے [illegible] (موجودہ گرگان) کا پایۂ

تخت تھا' جہاں داریوش کے باپ ویشتاسپ کی حکومت تھی۔ ادھر فارس میں ایک شخص واہتازدتا نے کوروش اعظم کا بیٹا بردیا ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان کی سرکوبی کے لیے داریوش نے اپنے معتمد سرداروں کو بھیجا۔ وہ خود بابل کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کیوں کہ بابل کی مہم کو وہ بہت اہمیت دیتا تھا۔ آخر دو سال کے محاصرے کے بعد ۵۱۹ ق م میں بابل فتح ہو گیا۔

بابل کی مہم سے فارغ ہو کر اس نے بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ دی۔ ہمدان کے باغیوں کو کیفرِ کردار کو پہنچایا۔ فراورتیش جب رے میں گرفتار ہو کر داریوش کے سامنے آیا تو اس نے فراورتیش کے ناک' کان اور زبان کٹوا دی' پھر آنکھیں بھی نکلوا دیں۔ اسی حالت میں اسے پا بہ زنجیر کر کے شاہی محل کے دروازے پر لا ڈالا گیا تا کہ عوام داریوش کے باغی کا حشر دیکھ لیں۔

بابل میں ایک مرتبہ پھر بغاوت ہوئی لیکن داریوش کے فوجی دستوں نے خود ہی اسے فرو کر دیا۔ اس کے بعد آرمینیا' پارس اور مرو میں بغاوتیں ہوئیں لیکن داریوش نے یہ بھی فرو کیں۔ آخر جب نقلی بردیا ۵۱۸ ق م میں مارا گیا تو بغاوتوں کا طویل سلسلہ ختم ہو گیا اور ملک میں امن و امان بحال ہو گیا۔

حکام کا حشر جو خود مختاری کا دم بھرتے تھے

بغاوتوں کو کامیابی سے فرو کر کے داریوش نے ان حکام کی طرف رجوع کیا جو خود مختاری کا دم بھرتے تھے۔ داریوش کی مشکلات کے وقت لیڈیا کے حکمران اوروتس نے خود مختار ہونا چاہا تھا۔ دایوش نے اوروتس کے ایرانی محافظ کو خفیہ حکم بھیج کر اسے مروایا۔ اوروتس کے انجام کے بعد کسی کو خود مختار ہونے کا خیال نہ آیا۔

داریوش نے ۵۱۷ ق م میں مصر کی طرف رجوع کیا' جہاں کے حکمران اریاندس (Aryandes) نے اس کی اطاعت سے روگردانی کی تھی اور مصر فتح کر کے اریاندس کو بھی ٹھکانے لگایا۔

مصر کا تمدن بہت قدیمی تھا اس لیے داریوش نہیں چاہتا تھا کہ اس پر کسی قسم کی آنچ آئے۔ چناں چہ اہلِ مصر سے اس نے مہر و محبت کا سلوک کیا' مصر کے کاہنوں کی تالیف قلوب کی' معبدوں کا احترام کیا اور آئینِ مصر کی عزت و تکریم میں فرق نہ آنے دیا۔ یہاں تک کہ داریوش نے مصریوں کی مذہبی رسوم میں بھی شرکت کی۔ مصر[1] آتے ہی اسے معلوم ہوا کہ مصر کا بیل 'آپس

(۱) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, p 99

دیوتا' مر گیا ہے جس پر تمام اہلِ مصر ماتم کر رہے ہیں- اس ماتم میں داریوش بھی شریک ہوا اور اس شخص کو انعام کے طور پر ایک سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا جو ایسا بیل مہیا کر دے کہ آپس دیوتا کا جانشین بن سکے-

اس فتح کی یاد میں داریوش نے ایک معبد تعمیر کرایا' جس کے کھنڈرات اب بھی دیکھنے میں آتے ہیں-

مصر میں داریوش نے آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے کاریزیں کھدوائیں اور تجارتی شاہ راہوں کو محفوظ کیا- اہلِ مصر داریوش سے بہت خوش ہوئے' یہاں تک کہ اسے اپنے فراعنۂ بزرگ میں شمار کرنے لگے- مصر کو داریوش نے اپنا صوبہ بنایا اور حاکم مصر نے فراعنۂ مصر کے قدیمی محل میں اقامت اختیار کی-

پنجاب اور سندھ کی تسخیر

داریوش کی نظریں اب ہندوستان پر پڑیں اور اس نے ۵۱۲ ق م میں پنجاب اور سندھ فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیے- یہاں [1] سکیلاس (Scylax) نے' جو یونانی امیر البحر تھا' داریوش کے حکم سے بحری جہاز بنوائے اور مکران سے ساحل عرب تک ایک نئی شاہراہ دریافت کی- پنجاب اور سندھ کی فتح سے نہ صرف ہندوستان کے خزانے ایران آئے بلکہ یہاں بھی داریوش نے ایک ایرانی صوبہ قائم کیا-

وسطِ ایشیا کے سکیت قبائل پر فوج کشی

۵۱۲ ق م میں ہی داریوش کو وسطِ ایشیا کے سکیت قبائل کو مطیع و منقاد بنانے کا خیال آیا- اب اگرچہ پنجاب اور سندھ کو سلطنتِ ایران کا جزو بنا کر گویا داریوش کی مملکت قدرتی حدود تک وسیع ہو چکی تھی' یعنی یہ حدود شمال میں بحر خزر' قفقاز اور بحیرۂ اسود تک اور مغرب میں بحیرۂ روم تک پہنچ گئی تھیں- مصر بھی ایرانی حکومت کے تحت آ چکا تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وسطِ ایشیا کے سکیت قبائل کی طرف اس نے کیوں رجوع کیا- اس مہم کے متعلق مختلف آرا ظاہر کی گئی ہیں- گروٹ (Grote) اس مہم کو محض دیوانہ پن خیال کرتا ہے- رالنسن (Rawlinson) کا خیال ہے کہ یہ داریوش کا سوچا سمجھا ہوا منصوبہ تھا کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ جب وہ یونان پر پیش قدمی

---

(۱) ایران باستان' ج ا' ص ۶۲۹

کرے تو سکیتوں کو وسائل نقل و حمل میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حوصلہ نہ پڑے۔[۱] بعض مورخ یہ کہتے ہیں کہ اگر داریوش کو سکیتوں کے حملے کا اندیشہ تھا بھی تو یہ محض اس کی غلط فہمی تھی کیوں کہ سکیتوں کے ملک اور داریوش کی گزرگاہ کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ ایک یہ وجہ بھی ہے کہ سکیت قبائل ایران کی حدود میں داخل ہو کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ قبائل تھے جنھوں نے کیا کسارا (۶۳۳ تا ۵۸۵ ق م) کے عہد حکومت میں میڈیا پر حملہ کیا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو بہر حال داریوش کو انھیں مطیع کرنے کا خیال آیا۔

سکیتوں کے خلاف مہم ۵۱۲ ق م میں شروع ہوئی۔ قسطنطنیہ کے قریب داریوش نے کشتیوں کے پل پر سے باسفورس کو عبور کیا۔ بحیرۂ اسود کے ساحل کے قریب پہنچا تو ترا کیا (Thrace) کی لوگوں نے اطاعت کا اظہار کیا۔ یہاں سے داریوش کا لشکر دانیوب کے ڈیلٹا میں پہنچا' پھر وہاں سے ایک دوسرے پل پر سے عبور کر کے وہ روسی مرغزاروں یا بالفاظ دیگر سکیتوں کے ملک میں پہنچ گیا۔

سکیت قبائل کا کوئی ایک مرکز نہ تھا۔ یہ خانہ بدوش اقوام کی طرح ملک کے طول و عرض میں گھومتے پھرتے تھے۔ داریوش کے وارد ہونے کی اطلاع ملی تو یہ پہلو بچا کر کسی دوسری طرف نکل گئے۔ داریوش نے ہر چند ان کا پیچھا کیا' لیکن جم کر لڑنے کا کہیں موقع نہ پیدا ہو سکا۔ دو ماہ تک داریوش کی پیش قدمی جاری رہی۔ اس عرصے میں ایرانی لشکر کو متعدد مشکلات پیش آئیں۔ حملے جو ہوئے بھی تو نہایت بے ترتیبی سے ہوئے۔ رسد ختم ہو گئی' سپاہی بیمار ہونے لگے۔ آخر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ الٹے پاؤں ڈینیوب کو لوٹیں۔

ترا کیا اور مقدونیا کی تسخیر

داریوش نے پھر ڈینیوب کو عبور کیا اور سارڈ واپس آ گیا۔ یہاں سے اسّی ہزار فوج اس نے ترا کیا (Thrace) بھیجی جہاں کے حکم ران نے داریوش کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا تھا۔ اس فوج نے ترا کیا کے شہروں کو پھر سے مسخر کیا بلکہ مقدونیا کو بھی زیر کیا۔

داریوش کی سلطنت مشرق سے مغرب تک

اب داریوش کی سلطنت کی حدود مشرق میں پنجاب اور سندھ سے لے کر مغرب میں مقدونیا اور ترا کیا تک اور ادھر افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے لے کر چین کی برف پوش سرحد

(۱) Sykes, Percy (Sir), A History of Persia, P. 177-78

تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان حدود میں جس قدر ملک شامل تھے' یہی اس زمانے کی دنیا تھی۔ اب دنیا میں شہنشاہ ایران داریوش کا علم لہراتا تھا۔ اس عظیم سلطنت کی وجہ سے تاریخ نے اسے 'اعظم' کا لقب دیا جس کا وہ ہر لحاظ سے مستحق تھا۔

صوبائی تقسیم اور نظم و نسق

اتنی وسیع و عریض مملکت میں پائیدار حکومت قائم کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ داریوش نے پائیدار حکومت قائم کرنے کے لیے کیا انتظامات کیے۔

داریوش نے اپنی تمام مملکت کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر صوبہ ''ساتراپ'' کہلاتا تھا۔ ہر صوبے میں ایک حاکم مقرر کیا گیا جسے ''ساتراپی'' کہتے تھے۔ داریوش کا خیال تھا کہ کسی صوبے کے حکمران کو مکمل اختیار نہ ملنے پائیں اس لیے ہر صوبے میں ایک سپہ سالار اور ایک دبیر خصوصی (سیکرٹری آف سٹیٹ) مقرر کیا۔ یہ اعلا عہدے دار اپنے اپنے حلقۂ اختیار میں آزاد تھے اور صوبے کے حالات سے براہ راست مرکز کو مطلع کرتے تھے' اس لیے عموماً یہ تینوں عہدے دار ایک دوسرے سے متحد نہیں ہونے پاتے تھے' نہ بغاوت کا منصوبہ بن سکتا تھا۔ ان حکام کے کام کا جائزہ لینے کے لیے اعلا اختیارات کے نگران بھی گاہ بہ گاہ ہر ایک صوبے میں جاتے تھے۔ ان کے ساتھ فوجی دستے بھی ہوتے تھے۔ یہ نگران تحقیقات کرنے اور سزا دینے میں بااختیار تھے۔ صوبے کے حاکموں یا دوسرے افسران کے متعلق کوئی قابلِ اعتراض بات دیکھتے تو مرکز کو مطلع کرتے۔ نیز خفیہ کام کرنے والے مامورین بھی ہوتے تھے۔ صوبوں کی تعداد بیس سے اٹھائیس تک تھی۔ صوبوں کی حدود میں تغیر و تبدل ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ صوبوں کے حاکم عموماً شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر شاہی خاندان کا کوئی فرد اس عہدے کے لیے موزوں نہ ہوتا تو کسی دوسرے شخص کو حاکم مقرر کر کے شاہی خاندان کی کسی لڑکی سے اس کی شادی کر دی جاتی تھی تاکہ اس رشتے کی بدولت وفاشعاری میں فرق نہ آئے۔[1]

داریوش نے حسب ذیل صوبے قائم کیے تھے: میڈیا' جسے خاص امتیاز حاصل تھا' ہرکینیا (موجودہ گرگان)' پارت (خراسان)' زرنکا یا زرنگیا' اریا' خراسانیا' بلخ' سغدیانا' گندارا (ساکی قبائل کا وطن) ستاگیدیا' ارکوسیا اور مکا (مکران)۔ مغرب میں ایلام (سوسیانہ)' بابل اور کلدہ' آشورہ (قدیمی آسوریا)' شام و فلسطین' مصر' آئیونیا (من جملہ لیکیہ' کاریہ اور ساحل کی

(1) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, P. 106-7

یونانی بستیاں) سپارڈا (من جملہ لیڈیا اور ہیلیس کے مغربی علاقے) آرمینیا اور کاپا دوکیا- ان کے علاوہ پنجاب' سندھ اور مکران بھی ایرانی صوبے تھے-(۱)

ہر صوبے کے لیے ٹیکس تشخیص کیا جاتا تھا جس میں سے کچھ بطور جنس لیا جاتا تھا اور کچھ بطور نقد- سب سے زیادہ ٹیکس بابل پر عائد تھا' اس سے کم مصر پر اور سب سے کم مکران پر-

پارس' جو ہخامنشی خاندان کا گہوارہ تھا' صوبہ متصور نہ ہوتا تھا- اہل پارس ٹیکس سے بھی مستثنیٰ تھے لیکن شہنشاہ جب اس علاقے سے گزرتا تو انھیں تحفے اور نذرانے پیش کرنے پڑتے تھے-

یونانیوں کی بغاوت

یونانی بہادر اور محبِ وطن تو تھے لیکن یونان کی مختلف ریاستوں کا آپس میں اتفاق نہیں تھا- ان کے کردار میں دورنگی بھی تھی- کبھی وہ مشترکہ دشمن سے بچنے کے لیے یا اس پر غلبہ پانے کے لیے شہنشاہ ایران کا دم بھرتے اور کبھی شہنشاہ کی حکومت کے خلاف عوام کو ابھارتے- غیر ملکی حکومت کے خلاف کچھ بے چینی بھی پائی جانے لگی تھی- اس لیے یونانی حکام در پردہ اپنے استحکام میں کوشاں رہتے تھے-

خودمختاری کے لیے استحکام کی کوشش کرنے والوں میں ہستیاز (Histiaeus) تھا- ڈینیوب کے پل کی حفاظت اس کے ذمے تھی- داریوش جب سکیتی قبائل کی مہم سے ناکام لوٹا تھا تو ہستیاز کو اس نے بہت انعام واکرام دیا تھا- اور تراکیا کے ایک شہر کی حکومت بھی اسے دے دی تھی- اب ہستیاز نے چاہا کہ اس شہر کے اِردگرد مضبوط فصیل تعمیر کرائے تاکہ کبھی حکومتِ ایران کے خلاف جدوجہد کرنے میں اس سے مدد لی جا سکے- حکومتِ ایران کی نمایندوں کو ہستیاز کے منصوبے کا حال معلوم ہوگیا- آخر داریوش نے اسے دربار میں بلایا اور اسے نظر بند کر دیا-

ہستیاز کے داماد ارستاغورث کی حکومت ملیتس (Muletus) میں تھی جو آیونیا کا پایۂ تخت تھا- اس نے ایرانیوں کا جوا اتارنے کے لیے ملکی تحریک چلائی- ارستاغورث نے سپارٹا جا کر کمک حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا- ایتھنز والوں نے البتہ بیس جہازوں کی مدد دی- اسی طرح اسے اریٹیریا کی طرف سے بھی پانچ جہازوں کا دستہ مل گیا-

ایرانی حکومت کے ان باغیوں نے ۴۹۸ ق م میں سارڈ پر حملہ کر دیا- شہر پر قابو پا کر آگ لگا دی لیکن اس کے باوجود وہ وہاں کے مشہور قلعے پر قبضہ نہ کر سکے' اس لیے مجبوراً وہاں سے

(۱) Sykes, A History of Ancient Persia, P. 162-63

پسپا ہوے- راستے میں ان کی مڈبھیڑ ایرانی فوج سے ہوئی جس میں انھیں بری طرح شکست ہوئی -ایتھنز والوں نے شکست کا حال سنا تو اس تحریک سے دست بردار ہو گئے-

یونانیوں نے جب سارڈ کو فتح کیا تھا تو یونان کے شہروں میں آزادی کی لہر دوڑ گئی تھی- ادھر داریوش یونانیوں کی اس حرکت سے سخت برہم ہوا تھا- یونانیوں کی یہ بغاوت کچھ بے محل تھی کیوں کہ ایرانی فوج اپنے مقبوضات میں موجود تھی اور جس شہر پر چاہتی حملہ کر سکتی تھی- بہر حال باغیوں نے معمولی سی کام یابیاں حاصل کیں- کاریا میں البتہ انھیں نمایاں کام یابی ہوئی جس میں انھوں نے ایرانیوں کی فوج کو بہت نقصان پہنچایا-

لادی کی جنگ اور ملیتس کی تسخیر

ایرانیوں اور یونانیوں کے مابین فیصلہ کن جنگ ساحل بحر پر لادی کے مقام پر ہوئی- اس میں یونانی فوج ۳۵۳ بحری جہازوں کے ساتھ شامل ہوئی- ان کے خلاف ایرانی سپہ سالار کے حکم کے مطابق فنیقیا (Phoenicia) اور سائپری اوٹ (Cypriote) کی چھ سو بحری جہازوں نے یونانی جہازوں پر حملہ کیا- یونان کے کچھ اتحادی ساتھ چھوڑ گئے- نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو لادی (Lade) کے مقام پر تباہ کن شکست ہوئی- آئیونیا کا پایۂ تخت ملیتس (Miletus)' جو یونان کا ممتاز ترین شہر تھا' اور جو ایشیاے کوچک میں شورش کا اصل سرچشمہ تھا' ایرانیوں کے قبضے میں آ گیا- اس موقع پر متعدد باغی تہ تیغ ہوے- انھیں دجلہ کے دہانے' یعنی اپیی بھیج دیا گیا- اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں نے اپنے مقبوضات پر گرفت مضبوط کر لی- اس عرصے میں ایتھنز والوں کو بحری بیڑا تیار کرنے کی مہلت مل گئی جسے آیندہ چل کر ایرانیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینا تھا- تراکیا اور مقدونیا کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہاں سے ایرانیوں کے لشکر واپس منگوا لیے گئے- اس پر انھوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا-

تراکیا پر ایرانی سپہ سالار مردونیا کا حملہ

تراکیا اور مقدونیا کی اطاعت سے روگردانی' ایتھنز اور ریٹیریا کا باغیوں کو مدد دینا' ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے داریوش برہم تھا' اس لیے وہ فرداً فرداً ہر ایک کو سزا دینا چاہتا تھا- داریوش نے اپنے بھتیجے مردونیا (Mardonius) کو اس مہم کا سردار مقرر کیا- ۴۹۳ ق م میں اس نے تراکیا کی طرف پیش قدمی کی اور تراکیا کی حکم ران سے حلفِ وفاداری لیا- پھر مقدونیا کے حکم ران اسکندر نے بھی وفاداری کے عہد کی تجدید کی- مردونیا اب ایتھنز اور اریٹیریا کی طرف

بڑھنا چاہتا تھا کہ سمندر میں بہت بڑا طوفان آیا جس میں مردونیا کا نصف بحری بیڑا تباہ ہو گیا۔ ۴۹۲ ق م میں داریوش نے مردونیا کو واپس بلا لیا' اور اس مہم کی تکمیل کے لیے از سرِ نو انتظامات ضروری سمجھے گئے۔

ایتھنز اور اریٹریا کے خلاف فوج کشی

ایتھنز اور اریٹریا والوں نے جہاز دے کر باغیوں کی مدد کی تھی۔ ۴۹۰ ق م میں داریوش نے دوسری مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس مہم کی تکمیل کے لیے اہلِ ماد میں سے داتمیں اور لیڈیا کے حکم ران کے بیٹے ارتافرنس کو مقرر کیا۔ لشکر ایران بحری راستہ اختیار کر کے اریٹریا پہنچا جہاں کے باشندوں نے سارڈ کی آتش زنی میں حصہ لیا تھا۔ اریٹریا کے لوگوں کو سزا دینے کے لیے ایرانیوں نے شہر کو آگ لگا دی۔ وہاں کے باشندے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور جو اسیر ہوئے' انھیں شوش بھیج دیا گیا۔ اب دوسری مہم ایتھنز کے خلاف تھی۔ ایرانی لشکر ایتھنز کے شہر میراتھن پہنچا۔ یہاں اطراف کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ وارنا کی وادی میں خوفناک جنگ ہوئی' جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ ایتھنز کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا اور انھیں ساحلِ بحر تک پہنچا دیا۔ داریوش کے خلاف یونانیوں کی یہ پہلی فتح تھی جس سے یہ ثابت ہوا کہ ایرانی لشکر سے کام یاب مقابلہ کرنا ناممکن نہ تھا۔

مصر میں داریوش کے خلاف بغاوت

میراتھن میں ایرانیوں کی شکست سے مصریوں کے حوصلے بڑھے اور انھوں نے ایرانی حکومت کا جوا اتار پھینکنا چاہا۔ داریوش کے عہدِ حکومت میں ہر چند کہ مصر کو بہت ترقی ہوئی تھی اور ایران کے ساتھ روابط ہونے کی وجہ سے اس کی تجارت میں بھی بہت اضافہ ہوا تھا لیکن ان پر بھاری جنگی ٹیکس لگا دیے گئے تھے جو اہلِ مصر کو ناگوار گزرے اور عین اس وقت جب کہ ایران کے اقتدار کو میراتھن میں دھکا لگ چکا تھا' ۴۸۶ ق م میں مصر میں حکومتِ ایران کے خلاف بغاوت ہوئی اور ایک شخص خبشہ کو' جو اس بات کا دعوے دار تھا کہ وہ پسامیٹک کے خاندان سے ہے' مصر کا بادشاہ بنا دیا گیا۔

داریوشِ اعظم کی وفات

اس ناموافق صورت حال سے داریوش کے حوصلے میں فرق نہ آیا اور یونان پر وسیع

(1) Rogers, A.W., A History of Ancient Persia, P. Vol. 1, P. 194.

پیانے پر حملہ کرنے اور مصر کی بغاوت کو فرو کرنے کی تیاریاں کرنے لگا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور یہ عظیم شہنشاہ ایران ۴۸۵ ق م میں راہی ملک بقا ہوا اور ان مہموں کو وہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑ گیا۔

داریوشِ اعظم کا کردار

یورپ کے مؤرخین بالاتفاق داریوش اول کو ایران کا عظیم ترین بادشاہ سمجھتے ہیں۔ سائیکس لکھتے ہیں ''ایران بڑا خوش نصیب ملک تھا کہ اسے ایک ہی عہد میں یکے بعد دیگرے دو عظیم بادشاہ ملے۔ کوروش اعظم فاتح تھا' جس نے ہخامنشی عہد کی تشکیل کی۔ داریوش اعظم بھی ہر لحاظ سے اپنے لقب کا مستحق تھا جس نے انتہائی مشکلات پر قابو پایا۔ مزید برآں اس میں انتظامی قابلیت بہت زیادہ تھی اور اس کا ذاتی کردار بہت بلند تھا۔ وہ بے حد ذہین اور معقولیت پسند شخص تھا۔ یہاں تک کہ اس کے شدید ترین دشمن یونانی بھی' جب اس کا ذکر کرتے ہیں' تو بڑے احترام سے کرتے ہیں[1] اس نے ایرانی رؤسا کی دراز دستیوں کو روک دیا تھا جس کی وجہ سے وہ اسے طنزاً ''خوردہ فروش بنیا'' کہا کرتے تھے لیکن یہ لقب بھی حقیقت میں اس کی توصیف ہی تھا۔ داریوش نے اپنی صلاحیتوں سے حکومتِ ایران کو جو استحکام دیا وہ نسلاً بعد نسل برقرار رہا' یہاں تک کہ اسکندرِ اعظم نے اس کے ہم نام داریوش سوم کو شکست دے کر اس عظیم عہد کا چراغ گل کیا۔ ایران میں حکومت کرنے والے عظیم بادشاہوں کی تعداد کم تو نہیں لیکن حالات زمانہ کو پیشِ نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ داریوش ایران کے تمام شہنشاہوں میں عظیم ترین تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ آریاؤں کی تاریخ میں اس کا مقام سب سے بلند ہے۔

داریوش کو سیاسی بصیرت اور انتظامی امور کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس کی ہمت بلند اور ارادہ اٹل تھا۔ مغلوب اقوام کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتا تھا۔ ان کے قدیمی تمدن کا دل سے احترام کرتا تھا۔ حکام کے انتخاب میں اس کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی۔ ایران کی عظیم سلطنت کو اس نے کچھ اس طرح منظم کیا کہ اس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اس کے بعد اگرچہ کچھ بے لیاقت بادشاہ بھی آئے لیکن حکومت ایران کو داریوش نے کچھ ایسا استحکام بخشا تھا کہ دو سو بیس سال تک ہخامنشیوں کا جاہ و جلال قائم رہا۔ جس قدر وسعت ایران کی مملکت کو اس کے دور میں ہوئی' اور کسی بادشاہ کے زمانے میں نہیں ہو سکی۔

(1) Rogers, A.W. A History of Ancient Persia, P Vol. 1, P. 194

پایۂ تخت

داریوش کی اقامت زیادہ تر فارس میں ہوتی تھی اور تختِ جمشید اس کا پایۂ تخت تھا جس کا مفصل ذکر آگے چل کر آئے گا۔

سونے چاندی کے سکے

داریوش اعظم پہلا ایرانی بادشاہ ہے جس نے سونے چاندی کے سکے ڈھلوائے۔ ان سکوں پر خاص خاص شبیہیں کندہ ہوتی تھیں۔

وسائلِ نقل و حمل

دوسرے عظیم بادشاہوں کی طرح داریوش کو بھی وسائل نقل و حمل کو بہتر بنانے کا خیال تھا۔ چناں چہ اس نے سارڈ سے لے کر شوش تک ایک سڑک بنوائی جو پندرہ سو میل لمبی تھی۔ یونانی جغرافیہ دانوں نے اس سڑک کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس سڑک پر ہر چند میل کے فاصلے پر مسافر خانے' فوج کے ٹھہرنے کی اور ڈاک لانے لے جانے کی چوکیاں بنوائیں۔

مصر فتح کرنے کے بعد اس کی خواہش تھی کہ اسے سلطنت کے باقی حصوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اس کا ایک یہ ذریعہ تھا کہ نہر کھود کر دریائے نیل کو بحیرۂ احمر سے ملا دیا جائے۔ چناں چہ جائزہ لینے کے لیے سکیلاس یونانی کو مقرر کیا گیا۔ جائزے کے بعد آخر نہر کھود کر یہ شاہراہ بنا دی گئی۔ نہر کے کنارے جا بجا کتبے نصب کیے گئے جن کے بعض ٹکڑے محققین نے دریافت کیے ہیں۔ ایک کتبے پر یہ عبارت کندہ ہے: ''میں ایرانی ہوں۔ ایران سے آ کر میں نے مصر فتح کیا۔ میں نے حکم دیا' نہر کھود کر دریائے نیل کو ایران کے قریب کے سمندر سے ملا دیا جائے۔ یہ نہر کھود دی گئی۔ میرے حکم سے جہاز مصر سے چل کر ساحل ایران تک پہنچتے تھے۔

داریوش کی فنِ تعمیر سے دل چسپی

داریوش نہ صرف اپنے پیش رووں' یعنی کوروش اعظم اور کمبوجیہ سے ملکی فتوحات اور ملکی نظم و نسق میں آگے بڑھ گیا بلکہ بڑی بڑی عمارتیں بنوانے میں بھی ان سے بازی لے گیا۔ سب سے بڑی عمارت جو داریوش نے بنوائی' تختِ جمشید کا محل ہے جو شیراز سے ۳۷ میل شمالی سمت واقع ہے۔ یہ محل ایک بہت بڑے سنگین چبوترے پر ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵۲۳ فٹ اور چوڑائی ۹۲۰ فٹ

ہے۔محل کی دیواریں پتھر کی سلوں کی تھیں جن کے اندر سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تھا۔ ہموار سطح پر سیڑھیاں ہیں جو اتنی چوڑی ہیں کہ دس سوار ان پر کھڑے ہو کر چڑھ سکتے ہیں۔ شاہی محل کے دروازے پر ایک کتبہ ہے جس کا مضمون یہ ہے: ''داریوش بادشاہ اعظم' بادشاہوں کا بادشاہ' ملکوں کا بادشاہ' ویشاسپ ہخامنشی کا بیٹا جس نے یہ محل بنایا۔''[1]

شاہی محل کے ساتھ داریوش نے ایک دیوانِ عام بنوایا تھا۔ یہ ہموار سطح پر سب سے بڑی عمارت تھی۔ اس کے ایک سو ستون تھے۔ اس کے بڑے برآمدے کی چھت سولہ ستونوں پر قائم تھی۔ اب یہ عظیم عمارتیں باقی نہیں لیکن ان کے آثار ابھی باقی ہیں۔محل کے بیشتر ستون گر چکے ہیں۔ کچھ ابھی کھڑے ہیں' جیسے ان کھنڈرات کی پاسبانی کر رہے ہوں۔محل کا شاہ دروازہ ابھی باقی ہے۔ جو محل کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اب اور کیا رہ گیا تھا جو داریوش بنواتا۔ ہاں! آخری آرام گاہ کا خیال تھا اس لیے وہ بھی پہاڑ کھدوا کر اپنی زندگی میں بنوادی۔

محل اور دیوان سے پانچ یا چھ میل شمال کی طرف ایک چٹان ہے جو پانچ سو فٹ لمبی اور دو سو فٹ اونچی ہے۔ اس چٹان کے شکم میں یہ مقبرہ تیار کرایا گیا تھا۔ اس میں داریوش ابدی نیند سوتا ہے۔مقبرے پر آہورامزدا کی تعریف' مصاحبوں کے لیے ہدایت اور خود اس کی فتوحات کا ذکر ہے۔

داریوش کی تمنا تھی کہ اس کے کارنامے ہمیشہ کے لیے یادگار رہ جائیں' اس لیے اس نے پہاڑوں کی بہت اونچی اونچی چٹانوں کے اوپر جن پر زمانے کے حادثات اثر انداز نہ ہو سکیں' یہ کارنامے کندہ کرائے۔ ان کے لیے داریوش نے اس سلسلۂ کوہ کی آخری اونچی چٹانوں کا انتخاب کیا' جو کرمان شاہ کی سطح کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہیں سے وہ سڑک گزرتی ہے جو شیراز سے بغداد تک آنے جانے والے قافلوں کے لیے بنوائی گئی تھی۔ یہ چٹانیں استحکام کے خیال سے بھی انتخاب کی گئی تھیں اور اس خیال سے بھی کہ شب و روز آنے جانے والے قافلوں کی نظریں ان پر پڑتی رہیں۔

داریوش کے کتبوں میں ہر بڑی بغاوت کو فرو کرنے' باغیوں کو سزا دینے اور نئی فتوحات حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ ہر کتبہ آہورامزدا کی تعریف سے شروع ہوتا ہے جس کی تائید داریوش کو حاصل تھی۔

(1) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, P. 120

خشیارشا

(۴۸۵ ق م تا ۴۶۶ ق م)

داریوش کے آخری ایام قریب آئے تو اسے اپنا جانشین نامزد کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ اس کا بڑا بیٹا آرتوبیزن تھا جو گبریاس[1] کی بیٹی کے بطن سے تھا لیکن یہ داریوش کے تخت نشین ہونے سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ دوسرا بیٹا خشیارشا[2] کوروش اعظم کی بیٹی آتوسا کے بطن سے تھا۔ ایرانی آئین کے مطابق بادشاہ کا وہی بیٹا تخت و تاج کا وارث ہو سکتا تھا جو تخت نشینی کے بعد پیدا ہو۔ اس کے علاوہ خشیارشا کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ اس کی ماں ہخامنشی خاندان سے تھی جس کا دربار شاہی میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ چناں چہ داریوش نے خشیارشا کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ۴۸۵ ق م میں جب داریوش فوت ہوا تو اس نے باپ کا تاج پہنا اور ایک عظیم سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔

خشیارشا کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ اس نے ہخامنشی سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ بہت خوش وضع اور بڑے قد و قامت کا بادشاہ تھا۔ اہل ایران کے نزدیک اسے بہت مقبولیت حاصل تھی لیکن کچھ عافیت پسند تھا۔ اس کی سلطنت عظیم تھی لیکن اس کی ذمے داریاں عظیم تر تھیں۔ اسے جن خطرات کا سامنا تھا وہ بھی کچھ کم نہ تھے۔ داریوش زندگی میں یونانیوں سے میراتھن کی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا اور داریوش کے علی الرغم خبشہ مصر کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ وہ اس کی بھی سرکوبی کرنا چاہتا تھا جو وہ اپنی زندگی میں نہ کر سکا۔ ان باتوں کو شروع شروع میں خشیارشا نے کچھ زیادہ اہمیت نہ دی لیکن گبریاس کے بیٹے مردونیا نے اس پر یہ حقیقت واضح کی کہ اگر یونان کو اطاعت پر مجبور نہ کیا گیا اور مصر پر فوج کشی نہ ہوئی تو ایران کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ آخر خشیارشا ان مہموں کے لیے آمادہ ہو گیا۔

فتح مصر

خشیارشا ۴۸۴ ق م میں اپنا لشکر لے کر عازم مصر ہوا۔ مصریوں کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی جس میں مصریوں کو شکست ہوئی اور خبشہ نے جو "فرعونِ مصر" کہلاتا تھا، راہ فرار اختیار کی۔ مصر کی شورش فرو کرنے کے بعد وہاں کی حکومت اس نے اپنے بھائی ہخامنش کو سونپ دی اور خود

---

(۱) گبریاس نقلی بردیا یعنی گاؤماتا کو ہلاک کرنے میں داریوش کا شریک تھا۔

(۲) یونانی مورخ اسے کسرک (Xerxes) لکھتے ہیں۔

واپس آ گیا۔

فتحِ بابل

۴۸۲ ق م میں بابل کے ایک گم نام شخص شما شیرب نے بادشاہت کا دعویٰ کر کے بابل کا تخت و تاج سنبھال لیا۔ خشیار شا نے بابل کا محاصرہ کیا جو چند ماہ جاری رہا۔ آخر اہلِ بابل نے ہتھیار ڈال دیے۔ خشیار شا نے زوپیر کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن جلد ہی اہلِ بابل نے اُسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل سے خشیار شا سخت برہم ہوا اور زوپیر کے بیٹے میگا بیز کو بابل کی حکومت سپرد کی۔ اب کی دفعہ خشیار شا نے اہلِ بابل کی بدعہدی کا سخت انتقام لیا۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کا کہنا ہے کہ ''نہ صرف یہ کہ بابل میں قتل و غارت ہوئی بلکہ خشیار شا کے حکم سے وہاں کے مندروں کو لوٹا گیا' یہاں تک کہ سب' سے بڑے دیوتا مردوک کا خزانہ بھی ایرانیوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مردوک کا مجسمہ بھی وہاں سے اٹھوا کر ایران بھیج دیا گیا۔''(۱)

راجرز لکھتے ہیں: ''مجسمہ' مردوک کو دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ بابل کا بادشاہ اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا کرتا تھا اور حکومت کی ہر سال گرہ پر بادشاہ اسی طرح مردوک کے بازو پر ہاتھ رکھ کر عقیدت کا اظہار کیا کرتا تھا' اس لیے خشیار شا نے یہی مناسب سمجھا کہ دیوتا کے اس مجسمہ ہی کو وہاں سے اٹھوا دے۔'' (۲)

یونان کی مہم

خشیار شا مصر اور بابل کی مہم سے فارغ ہوا تو اب اس کے سامنے یونان کی مہم تھی' جسے داریوش اعظم ادھورا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے خشیار شا نے متواتر تین سال تیاری کی۔ یونان پر حملے کے لیے خشکی پر لڑنے والی فوج کی بھی ضرورت تھی اور بحری فوج کی بھی۔ دونوں قسم کی فوج منظم کی گئی۔ ۴۸۱ ق م میں خشیار شا کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ہیروڈوٹس کا کہنا ہے کہ خشیار شا کا لشکر اتنا بڑا تھا کہ سکیتوں پر چڑھائی کرنے والا داریوش کا لشکر بھی اس کے سامنے حقیر تھا۔(۳) کوئی جوان مرد ایسا نہ تھا جو اس مہم میں شریک نہ ہوا ہو' کوئی

---

(۱) حسن پیرنیا' ایران باستان' ج ۱' ص ۶۹۹

(۲) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, Vol. 1, P. 148

(۳) حسن پیرنیا' ایران باستان' ج ۱' ص ۷۱۴

ندی ایسی نہ تھی جو اس لشکر کی پیاس بجھانے کو کافی ہو- پیادہ فوج ترتیب دی گئی- سوار فوج تیار ہوئی- بحری بیڑے بنائے گئے- بعض صناعوں کو کشتیاں اور پل بنانے کی تربیت دی جانے لگی- بعض لوگ رسد رسانی کے کام پر مامور ہوئے- کچھ لوگ سامان کے حمل و نقل کے کاموں پر مقرر ہوئے-اس سے پہلے ایرانیوں کے بحری بیڑے کو کوہ آتش کے قریب طوفان سے سخت نقصان پہنچ چکا تھا- اس سے سبق حاصل کر کے ایک نہر کھودی گئی جس میں تین سال لگے- مؤرخین کے اندازے کے مطابق اس کی لمبائی ۲۵۰۰ گز اور چوڑائی ۶۰ فٹ تھی- بحری بیڑا جو تیار کیا گیا اس میں ۱۲۰۷ لڑاکا کشتیاں تھیں- جن لوگوں کو نہر کھودنے کے کام پر لگایا گیا تھا انھی کو بعد میں سٹریموں پر پل تعمیر کرنے پر مامور کیا گیا-خشیارشا نے حکم دیا کہ اہلِ مصر اور اہلِ فینیقیا غلے کا ذخیرہ کرنے کے لیے مقامات انتخاب کریں' جہاں سے فوجوں کو رسد لے جانے میں آسانی ہو' تاکہ یونان کی مہم میں افراد' لشکر اور جانور قحط سے دوچار نہ ہوں- ایشیا کے لوگ اس کام میں مامور ہوئے کہ گندم کے انبار کشتیوں میں ڈال کر تراکیا اور دوسرے مقامات پر بہم پہنچائیں-

۴۸۱ ق م کے موسمِ خزاں میں مختلف ملکوں اور صوبوں کا لشکر کاپادوکیا میں آ کر جمع ہوے-وہاں سے لیڈیا کے پایۂ تخت سارڈ کو کوچ کیا جہاں خشیارشا موسم سرما گزارنے کے لیے ٹھہرا ہوا تھا-فوج کی تعداد بہت بڑی تھی- اس میں پارسی' ماذ' کسیائی' گرگانی' آشوری' بلخی' ایڑیائی' خراسانی' ساکی' افریقہ کے حبشی' جنوبی ایرانی اور مکرانی لشکر اپنے اپنے ساز و سامان کے ساتھ شامل تھے- ہر لشکر کا سردار اہلِ ایران سے چنا گیا-لشکر کو ڈویژنوں' رجمنٹوں' کمپنیوں اور سیکشنوں میں تقسیم کیا گیا- ان سب کا سپہ سالار مردونیا تھا-خشیارشا کے جاویدانی دستے بھی شامل تھے جن کا سپہ سالار الگ تھا-

ہیروڈوٹس (۱) نے اس عظیم لشکر کی تعداد حسب ذیل دی ہے:

پیادہ فوج	۱۷۰٬۰۰۰۰
سوار	۱۰۰٬۰۰۰
ملاح اور بحری افواج	۵۱۰٬۰۰۰
کل	۸٬۵۱۰۰۰

بحری بیڑا ۱۲۰۷ لڑاکا کشتیوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر ایک پر ۲۰۰ فوجی سوار تھے-

(۱) Sykes, Percy (Sir). A History of Persia, P. 197

یہ لڑا کا کشتیاں فینیقیوں' مصریوں اور مقبوضہ یونان کی بعض جزائر نے مہیا کی تھیں۔ سائیکس اس تعداد کو بہت مبالغہ آمیز خیال کرتا ہے۔[1] راجرز لکھتا ہے: ''یہ کہنا مشکل ہے کہ ان لشکروں کی کل تعداد کتنی ہوگی لیکن ایک لاکھ سے زائد کسی صورت میں نہ ہوگی''[2]۔ یونانیوں کو یہ فوج لاتعداد معلوم ہوتی تھی اور ایک لاکھ نہیں بلکہ کئی لاکھ ظاہر کرتے تھے۔

سارڈ میں ایتھنز کے جاسوس

خشیارشا سارڈ میں تھا کہ ایتھنز کے یونانیوں نے ایرانی تیاریوں کا حال معلوم کرنے کے لیے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں کا منصوبہ ظاہر ہوگیا اور انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ فوج کے سپہ سالار نے انھیں قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ خشیارشا کو خبر ملی تو انھیں پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ پیش ہوئے تو انھوں نے صاف صاف بتا دیا کہ ایران کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم کرنے آئے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ قتل کرنے کی بجائے انھیں ایران کی پیادہ اور سوار فوج دکھا دی جائے تاکہ یونانیوں کو ہماری قوت کا اندازہ ہو جائے۔ جاسوسوں کو فوج دکھا کر رہا کر دیا گیا۔

ہیروڈوٹس یہ بھی لکھتا ہے کہ خشیارشا نے ایک اور موقع پر بھی دشمن سے اسی قسم کا فیاضانہ سلوک روا رکھا تھا۔ وہ جب آبیدوس میں تھا تو اس نے دیکھا کہ یونانی کشتیوں میں گندم بھر کر ہیلس پوانٹ کے ذریعے یونان لیے جا رہے ہیں۔ شہنشاہ نے پوچھا' کشتیاں کہاں لے جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا' ہم یونانیوں کے لیے گندم کا ذخیرہ کر رہے ہیں'۔ شہنشاہ نے حکم دیا'' چلو ہم وہیں آ رہے ہیں۔ یہ رسد ہمارے لیے ہی جمع کی جا رہی ہے۔ یہ کہہ کر کشتیاں واگزار کر دیں۔

یونانیوں کا دفاع

ایرانی لشکر کا اصل نشانہ ایتھنز تھا جس کے ساتھ اسپارٹا بھی شامل تھا۔ اہل ایتھنز نے کوشش کی کہ اس قومی ابتلا کے موقع پر یونانیوں کے اختلافات ختم کر کے انھیں ایک مرکز پر لایا جائے۔ انھوں نے اپنے ایلچی کمک حاصل کرنے کے لیے آرگس بھیجے۔ آرگس والوں نے یہ شرط پیش کی کہ اہلِ آرگس کو اسپارٹا والوں کے برابر اہمیت دی جائے لیکن ان کی شرط قابلِ قبول نہ سمجھی گئی اس لیے کمک نہ بھیجی گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے خشیارشا نے اپنا ایلچی آرگس بھیجا تھا۔ آرگس کے حکمران کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ہم پارسی ہیں اور پرسس کے لواحقین

(۱) A History of Persia, Vol. 1, P.211

(۲) ایران باستان' ج ۱' ص ۷۰۶

سے ہیں اس لیے اپنے بزرگوں سے جنگ کرنا ہمیں گوارا نہیں۔ آخر انھوں نے ایسا ہی کیا اور جنگ سے الگ تھلگ رہے۔

ہیروڈوٹس کا کہنا ہے کہ پھر یونانیوں کے سفیر، سرا کیوز کے حکم ران گیلن (Gelan) کے پاس سسلی گئے اور اس سے کہا "ہم یونانی اتحادیوں کی طرف سے آئے ہیں تاکہ ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ سے کمک حاصل کر سکیں۔ یقین ہے کہ آپ ایرانیوں کی لشکر کشی سے آگاہ ہو چکے ہوں گے اور یہ بھی سن چکے ہوں گے کہ ہیلس پوانٹ پر پل باندھ کر ایشیا کا لشکر یورپ میں وارد ہو چکا ہے اور یونان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ ظاہر میں تو اس کا ہدف ایتھنز ہے لیکن حقیقت میں وہ سارے یونان کو زیرِ نگیں کرنے آیا ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ یونان کو نجات دلانے والے اتحادیوں کی مدد کریں۔ یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ دشمن ہمیں زیر کرنے کے بعد آپ کی طرف رجوع نہ کرے گا۔ اگر آپ نے ہمیں مدد دی تو گویا خود اپنی مملکت کا دفاع کیا۔[1]"

گیلن یہ سن کر برافروختہ ہوا اور بولا کہ یونانیوں کو اب جسارت کیسے ہوئی کہ وہ کمک حاصل کرنے میرے پاس آئیں۔ مجھے جب قرطاجنہ سے جنگ درپیش تھی تو میں نے ان کے خلاف یونان سے مدد حاصل کرنی چاہی تھی لیکن کسی نے میری مدد نہ کی۔ اب تم یہ درخواست کیوں لے کر آئے ہو۔ بہرحال اس نے بھی مدد دینے سے انکار کیا۔ کریٹ اور کورسیا نے بھی مدد دینے کا کوئی وعدہ نہ کیا۔ چناں چہ ایتھنز کے حکم ران نے یونانیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جو تحریک کی تھی اس میں اسے ناکامی ہوئی۔

ہیلس پوانٹ سے عبور

ایرانی فوج کی درۂ دانیال سے عبور کرنے کی کیفیت ہیروڈوٹس نے بایں الفاظ بیان کی ہے: "خشیارشا کی فوج پل پر سے گزرنے لگی تو پل پر عطر پاشی کی گئی اور راستے میں خوشبودار درختوں کے پتے بکھیرے گئے۔ خشیارشا نے اپنے زریں جام سے شراب کے چند قطرات سمندر میں گرائے۔ ساتھ ہی سونے کا ایک کاسہ، صراحی اور ایک تلوار بھی ہیلس کی نذر کی۔ خشیارشا کے جاویدانی دستوں نے ہار پہنے اور پورا لشکر ہیلس پوانٹ کو عبور کرنے لگا جو ایشیا کو یورپ سے ملاتا ہے۔ آخر یہ عظیم لشکر یورپ کی سرزمین میں وارد ہوا اور ڈورسکس کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے یہ لشکر اکانٹس روانہ ہوا، جہاں لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تاکہ یہ مختلف راہوں سے

(۱) ایران باستان، ج ۱، ص ۶۲-۷۶۷

ہوتے ہوئے تھرما کے مقام پر آ ملیں۔

تھسلی کی اطاعت

اہلِ تھسلی (Thessaly) نے ایرانی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو یونانیوں سے مدد چاہی تا کہ اولمپس پہاڑ کے درّے پر ایرانی لشکر کو روک دیا جائے۔ یونانیوں نے دس ہزار فوج درّے کی حفاظت کے لیے بھیج دی لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ فوج ایرانیوں کے لاتعداد لشکر کا راستہ نہیں روک سکے گی تو یہ بھی واپس بلالی اور اہلِ تھسلی کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا۔ اہلِ تھسلی کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ خشیارشا کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس سے پہلے کہ حملہ شروع ہوتا' یونان کی شمالی اور وسطی ریاستوں نے بھی اہلِ تھسلی کی تقلید کی اور یہ لشکر تھسلی اور مقدونیہ سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔

تھرماپولس کی مدافعت

اب ایتھنز اور دوسری مملکتوں کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ یونان کے کون سے حصے کا دفاع کیا جائے۔ اس غرض کے لیے درۂ تھرماپولس کا انتخاب کیا گیا اور لیونی دس کی سرکردگی میں سات ہزار فوج تھرماپولس کے درے کی حفاظت کے لیے بھیجی گئی جو ھیلاس کا سب سے مضبوط مقام تھا۔ یہ راستہ بہت تنگ تھا۔ اس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف سمندر تھا۔ یونانی اس درّے کی حفاظت کر رہے تھے۔ تین سو جہازوں کا بحری بیڑا بھی اس کی حفاظت کے لیے آرٹے میزیم میں موجود تھا۔ اگر اہلِ یونان یہاں پوری طاقتیں مرکوز کر دیتے تو ممکن تھا خشیارشا آگے نہ بڑھ سکتا۔ خشیارشا کو جب معلوم ہوا کہ یونانی فوج اور ان کا بحری بیڑا درّے کی حفاظت کے لیے موجود ہے تو اس نے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا اور چار دن تک صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ اسے یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے اس کا بحری بیڑا اپنا راستہ بنا لے۔ آخر اس نے ماروں، کسیانوں اور دس ہزار جاویدانی لشکر کو حملے کا حکم دیا اس لشکر کے چھوٹے نیزے بھاری اسلحہ والے یونانیوں کو پسپا نہ کر سکے۔ ایرانیوں کو ان کے مقابلے میں جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی لیکن اب کے بھی ایرانیوں کو آگے بڑھنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ خشیارشا کچھ ناامید تھا' آخر اس مشکل کو ایک یونانی ہی نے بہت بڑے لالچ میں آکر حل کر دیا اور ایرانیوں کو ایک اور راستہ دکھا دیا جو پہاڑ کے اوپر سے آتا تھا۔ اس راستے کی حفاظت پر فوسیا کے فوجی دستے (Phocia) مامور تھے لیکن انھوں نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی اور ایرانیوں

کا مقابلہ کیے بغیر پسپا ہو گئے - فوسیا کی فوج کی بدعہدی کا چرچا ہوا تو یونانیوں کے فوجی دستے ایک ایک کر کے واپس ہو لیے - اسپارٹا والے البتہ پائمردی سے مقابلہ کرتے رہے لیکن یہ تعداد میں بہت کم تھے - آخر سب کے سب ایرانیوں کے ہاتھوں کٹ کٹ مر گئے - ان کی قربانی یونانیوں کے نزدیک حب الوطنی کی جاویدانی مثال ہے -

بحری مہم

لشکر کی روانگی کے بارہ دن بعد تک ایرانی بیڑا تھرماپولس میں ٹھہرا - آخر یہ بیڑا آگے چلا - راستے میں ان کی مڈبھیڑ تین یونانی جہازوں سے ہو گئی جو ایرانی بیڑے کا کھوج لگانے آئے تھے - ان میں سے دو ایرانیوں نے تباہ کر ڈالے - ایک جہاز خیر و خوبی میگانیسیا کے ساحل پر پہنچ گیا - لیکن سوے اتفاق کہ سمندر میں شدید طوفان آیا جس سے ایرانیوں کے چار سو جہاز تباہ ہو گئے - اس نقصان کے بعد ایرانیوں کا باقی بیڑا ایفیتی کی طرف بڑھا - دو جہاز یوبی کی طرف بھیجے گئے تاکہ اس جزیرے تک آنے والا راستہ روک کر یونانی بیڑے کو گھیرے میں لے لیں - اس اقدام کا پتا یونانیوں کو چل گیا اور بحری جنگ شروع ہو گئی - اس میں ایرانی بیڑے کا بھی کافی نقصان ہوا لیکن بالآخر یونانیوں کو پسپا ہونا پڑا -

فتح ایتھنز

اب صورتِ حال یہ تھی کہ یونانی بیڑا پسپا ہو چکا تھا' تھرماپولس کا دشوار گزار درّہ عبور کر لیا گیا تھا اور کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی - سامنے وسطی یونان تھا جسے بچانے کے لیے کوئی حفاظتی تدابیر نہیں کی گئی تھیں - خشیارشا کا لشکر فوسیا کی طرف بڑھا اور اسے تباہ و برباد کیا - اس کے بعد اس کے لشکر نے ایتھنز کا رُخ کیا - اہلِ ایتھنز کو درۂ تھرماپولس کے استحکام سے توقعات وابستہ تھیں لیکن اب دشمن سر پر پڑا تو اہلِ ایتھنز نے عورتیں اور بچے ٹرائے زن' ریجینا اور سلامس بھیج دیے' خود شہر کی مدافعت میں مصروف ہو گئے لیکن بالآخر وہ ایرانی تلواروں کا نشانہ بنے اور شہر فتح ہو گیا - داریوش کے زمانے میں سارڈ کو آگ لگانے والوں میں اہلِ ایتھنز بھی شامل تھے' اس لیے اس کا انتقام یہاں کے معبدوں کو نذرِ آتش کر کے لیا گیا -

سلامس کی جنگ اور خشیارشا کی واپسی

فتح ایتھنز کے بعد بحری جنگ کے لیے ایرانی بیڑا سلامس کی طرف روانہ ہوا - یہ آبنگ

کے قریب ایک جزیرہ ہے جہاں کے باشندے عہدِ قدیم سے اٹرینی کہلاتے تھے۔ اس قوم کا قدیمی شہر اس جزیرے کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ سلامس میں وارد ہونے کے بعد ایرانی بیڑے نے صفیں آراستہ کیں لیکن رات کی تاریکی پھیل رہی تھی اس لیے ایرانیوں نے جنگ کرنی مناسب نہ سمجھی۔ ایرانی بیڑے کی آمد سے یونانی آگاہ ہو گئے اور علی الصباح یونانی بیڑے نے ایک تنگنائے میں ایرانی بیڑے کو آگھیرا جو تنگ جگہ میں موثر اقدامات نہ کر سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی بیڑے کو شکست ہوئی اور ان کے جہاز تباہ کر دیے گئے۔ اس فتح کو یونانی اپنے لیے بزرگ ترین اعزاز سمجھتے ہیں۔

اس شکست کے بعد خشیارشا لشکر کی سرداری مردونیا کو سونپ کر خود ایشیا کو ہو لیا۔ مردونیا جب تک زندہ رہا یونانیوں کو اس نے سر اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ آخر ۴۷۹ ق م کے موسم بہار میں وہ پلاسکا (Plasaca) کی معروف لڑائی میں مارا گیا تو اس کے لشکر کو نہایت بری طرح شکست ہوئی۔ اس واقعے کے بعد یونانی پوری طرح آزاد ہو گئے اور اپنی اپنی ریاستوں میں مستحکم حکومتیں قائم کر لیں۔

خشیارشا کا قتل

یورپ سے واپسی کے بعد خشیارشا نے ایک شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ حکومت کی اور عیش و عشرت میں وقت گزارنے لگا۔ اعیانِ سلطنت کا خیال تھا کہ یونان کے جزیروں میں ایران کے وقار کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کی وجہ خشیارشا کی بزدلی اور کاہلی ہے۔ نیز جس طور سے وہ زندگی گزار رہا تھا اس سے وہ اور بھی برافروختہ تھے اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی اثنا میں شاہ کے محافظ دستے کے افسر اعلا اردوان (Artabanus) نے بادشاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور محل کے خواجہ سرا میتری دات (مہرداد) کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ بالآخر اسی خواجہ سرا کی مدد سے اردوان نے خشیارشا کی خواب گاہ میں پہنچ کر اسے قتل کر دیا۔

خشیارشا کے خصائل

خشیارشا کو اس زمانے کی عظیم ترین سلطنت ملی تھی لیکن نہ اس میں فراست تھی، نہ ہمت و حوصلہ۔ جب تک یونان میں کوئی خطرے کا موقع پیدا نہ ہوا، یہ پیش قدمی کرتا رہا۔ جوں ہی سلامس کے مقام پر ایرانیوں کو شکست ہوئی تو بجائے اس کے کہ شکست کے ننگ کو دور کرنے کے لیے دوبارہ جنگ کرتا، وہ ڈر کر واپس آ گیا اور بقیہ زندگی عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔

اردشیر دراز دست

(۴۶۵ ق م تا ۴۲۵ ق م)

خشیارشا کو قتل کرنے کے بعد اردوان نے چاہا کہ اس کے کم سن شہزادے اردشیر (Artaxerxes) کو تخت نشین کرا دے اور عنانِ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لے' لیکن اردشیر کے بڑے بھائی داریوش کے ہوتے ہوئے یہ صورت ممکن نہ تھی- اسے راستے سے ہٹانے کے لیے اردوان نے اردشیر کو یقین دلایا کہ خشیارشا کو دراصل داریوش نے قتل کرایا تھا- اردشیر یہ سن کر سخت برافروختہ ہوا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا- اردوان نے فوراً ہی اس حکم کی تعمیل کر دی-

اردشیر بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے تخت نشین ہوا اور اپنی دراز دستیوں کی وجہ سے اردشیر دراز دست کے لقب سے مشہور ہوا-

اردوان نے اب اردشیر کو بھی راستے سے ہٹانا چاہا لیکن اس نے اس کا اراد بھانپ لیا اور پیش تر اس کے کہ اردوان کی کوئی سازش کام یاب ہو، اردشیر نے اسے گرفتار کرا کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا-

ویشتاسپ کی بغاوت

اردشیر کا ایک اور بڑا بھائی ویشتاسپ تھا جو بلخ کا حکم ران تھا- تخت و تاج کا اصل حق دار یہی تھا- اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اس نے اردشیر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا- اردشیر نے بغاوت فرو کرنے کے لیے لشکر بھیجا لیکن پہلی مرتبہ کام یابی نہ ہو سکی- آخر اردشیر خود لشکر لے کر آیا اور ۴۶۲ ق م میں ویشتاسپ کو شکست دی- اس شکست کے بعد ویشتاسپ کا دعویٰ ختم ہو گیا' کیوں کہ پھر کبھی اس کی آواز سنائی نہ دی-

آلِ ماد کے عہد سے داریوش اعظم کے زمانے تک مملکتِ ایران میں لگا تار توسیع ہوتی رہی- صرف خشیارشا کے زمانے میں حکومت کی کمزوری کی وجہ سے ایران کے وقار کو ٹھیس لگی- اردشیر کا دور آیا تو مختلف علاقوں کے حکم رانوں کو' جو حکومتِ ایران کے اطاعت گزار تھے' خود سری اور خود مختاری کا خیال آیا- چناں چہ ایشیا اور مصر میں پے بہ پے شورشیں رونما ہونے لگیں-

ایتھنز کا استحکام

ایران اور یونان کی جنگ کے خاتمے کے بعد ایتھنز سنبھل گیا- پلاسکا کی فتح میں ایتھنز

کے حکمرانوں کو جو لاتعداد مالِ غنیمت ملا تھا وہ اس نے ملکی دفاع کو مضبوط کرنے میں صرف کر دیا۔ ایک بہت بڑی فصیل ایتھنز کے اِردگرد تعمیر کرائی۔ اس کے بعد بندرگاہوں کی طرف توجہ دی اور بحری طاقت میں اضافہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایتھنز کو اتنا مستحکم بنا دے کہ حکومتِ ایران کو پھر کبھی اس پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔ قومیت کی روح ابھارنے کے لیے اس نے ان یونانیوں کی یاد میں ایک ستون تعمیر کرایا جنھوں نے لڑائی میں اپنی جانیں دی تھیں اور اس ستون پر بعض لوگوں کے نام بھی کندہ کرائے۔

شورشِ مصر

اہلِ مصر کے ساتھ اگرچہ داریوشِ اعظم نے نہایت رواداری برتی؛ ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا' ان کے روحانی پیشواؤں کی عزت میں فرق نہ آنے دیا اور اس کے بعد خشیارشا نے بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے روحانی پیشواؤں کی آزادی کو برقرار رکھا لیکن اہلِ مصر غیر ملکی تسلّط کو گوارا نہ کر سکتے تھے۔ وہ اپنے قدیم ترین تمدن کی وجہ سے اپنے آپ کو ایرانیوں سے برتر خیال کرتے تھے۔ اب ہخامنشی تخت پر ایک کم سن شخص بیٹھا تو اہلِ مصر نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ لیبیا میں ایک شخص اناروس نے سامیٹیکس کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور ایرانی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ عوام نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا اور وہ بہت جلد لشکرِ جرار منظم کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ دریائے نیل کے ڈیلٹا کے لوگوں نے اس کی حمایت کی لیکن وادیِ نیل میں ایرانی حکومت کا نمایندہ ہخامنشی تھا' جس کی فوج اہم مقامات پر قابض تھی' اس لیے وہاں خاموشی رہی۔

اناروس نے ایتھنز میں اپنا سفیر بھیجا اور مصری خودمختاری کو قائم رکھنے کے لیے فوجی مدد مانگی۔ اہلِ ایتھنز خود چاہتے تھے کہ ایران کے مقابلے میں ایک مضبوط متحدہ محاذ قائم کیا جائے اس لیے اناروس کو فوجی مدد دینے پر آمادہ ہو گئے اور اس غرض کے لیے دو سو بحری جہاز بھیجے۔ ہخامنش شاید لیبیا کی بغاوت کو فرو کر دیتا لیکن اہلِ ایتھنز کی مدد کا حال سن کر وہ خاموش ہو رہا۔ آخر اتحادی ڈیلٹا میں پیپریمس کے مقام پر ہخامنش کی لشکر کے مقابلے میں آئے۔ مختصر سی جنگ میں ہخامنش مارا گیا اور ایرانی لشکر نے شکست کھا کر میمفس کا رخ کیا۔ ایتھنز کے بحری بیڑے کو فینیقیوں نے نقصان تو پہنچایا تھا لیکن اہلِ ایتھنز کے حوصلے کچھ ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ انھوں نے میمفس پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا۔ البتہ قلعے پر جو 'قصرِ سفید' کے نام سے موسوم تھا' بدستور ایرانیوں کا قبضہ رہا۔ بہرحال یونانیوں نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

اردشیر ہخامنش کی موت اور ایرانیوں کی ناکامی سے آگاہ ہوا تو اس نے اپنا سفیر تحفے تحائف دے کر لاسدمون بھیجا اور وہاں کے حکمران سے یہ خواہش کی کہ ایتھنز پر فوج کشی کرے تاکہ ایتھنز کے بحری دستے مصریوں کا ساتھ چھوڑ دیں، لیکن انھوں نے اردشیر کی خواہش کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور سفیر کو کورا جواب دے کر لوٹا دیا۔ اب اردشیر نے آشوریا کے حکمران میگا بیز کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ لشکر فراہم کرکے محصور ایرانیوں کو کمک بہم پہنچائے۔ چناں چہ ۴۵۵ ق م میں میگا بیز نے تین لاکھ فوج فراہم کی اور فینیقیا سے تین سو بحری جہازوں کی کمک بھی حاصل ہوگئی۔ میگا بیز قلعۂ سفید کی طرف بڑھا۔ یونانی اتحادی بھی مقابلے میں آئے۔ ایک مختصر سی جنگ میں اناروس زخمی ہوکر گرفتار ہوگیا اور یونانی فوج پسپا ہوکر جزیرۂ پروسوپس میں آگئی اور ایرانیوں کے حملوں کا جواب دیتی رہی۔ اسی اثنا میں ایرانی لشکر نے دریائے نیل کی ایک شاخ کا رخ موڑنے کی کوشش کی جس میں انھیں کامیابی ہوئی۔ یونانی بیڑے کے آس پاس کا پانی خشک ہوگیا۔ آخر مایوس ہوکر انھوں نے اپنے بیڑے کو آگ لگادی۔ ادھر یونان کی پچاس کشتیوں کا بیڑا نیل کے دہانے میں آگیا تھا جسے فینیقیوں نے تباہ کرکے اپنا انتقام لے لیا۔

یونانیوں کی شکست کی وجہ سے مصر کی بغاوت ختم ہوگئی لیکن کچھ محب وطن گوریلا لڑائی لڑتے رہے اور امیسز (Amasis) کے گھرانے کے ایک فرد امان روت کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔[1] جنگی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو اس مہم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یونانیوں کا اگر بڑا لشکر بھی ہوتا تو ضروری نہیں تھا کہ وہ ایرانیوں پر فتح پا سکتا۔ اگر اردشیر پختہ ارادے کا مالک ہوتا تو ایشیائے کوچک کے یونانی مقبوضات پھر حکومتِ ایران کے اطاعت گزار بن جاتے اور یونان کی آزادی پھر خطرے میں پڑ جاتی۔

یونانیوں سے معاہدۂ صلح

مصر کی مدد کرتے ہوئے اہلِ ایتھنز کو نہایت کاری ضرب لگی تھی۔ اس کے فوراً بعد اہلِ ایران نے قبرص کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی۔

اہلِ ایتھنز سپارٹا کے ساتھ صلح کا پانچ سالہ معاہدہ کرکے اہلِ ایران سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں آئے۔ اس جنگ میں ایتھنز والوں کو برتری حاصل ہوئی۔ انھوں نے فینیقیوں کے بحری بیڑے کو تباہ کردیا اور خشکی کی جنگ بھی جیت لی۔

(۱) Sykes, A History of Persia, Vol. 1 P.215

اہلِ ایتھنز نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا سفیر شوش بھیجا کہ شہنشاہ سے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کرے۔ آخر ان شرائط پر معاہدہ ہو گیا کہ حکومتِ ایران یونانیوں کی خود مختاری کو تسلیم کر لے گی اور ہیلس پوانٹ میں ایران کے تجارتی جہازوں کے سوا اور کوئی جہاز داخل نہ ہو گا۔ ادھر یونان کے جو علاقے حکومتِ ایران کے تسلط میں ہیں، وہ اسی کے تسلط میں رہیں گے۔ لیکن قبرص کے حق سے یونانی دست بردار ہو جائیں گے۔

میگا بیز کی بغاوت

میگا بیز خشیارشا کا داماد تھا۔ نقلی بردیا کو اسی نے ہلاک کیا تھا اور پھر مصر کو فتح کرنے میں اس نے بڑا نام پیدا کیا تھا، مصر فتح کر کے اس نے ایتھنز کی بقیہ فوج سے درگزر کیا تھا اور اناروس سے بھی، جس نے لیبیا میں بادشاہت کا دعویٰ کیا تھا، جاں بخشی کا وعدہ کیا تھا۔ چناں چہ وہ انھیں ساتھ لے کر شوش پہنچا اور ان کے لیے شہنشاہ اردشیر سے معافی چاہی۔ شاید انھیں معاف کر دیا جاتا لیکن ہخامنش مصر کی لڑائی میں مارا گیا تھا اور اب اس کی ماں ایمس ٹریس بضد تھی کہ ہخامنش کے قتل کے بدلے میں اناروس اور پچاس یونانیوں کو قتل کر دیا جائے۔ میگا بیز کو یہ کسی صورت میں گوارا نہ تھا کیوں کہ وہ جاں بخشی کا وعدہ کر کے انھیں شوش لایا تھا۔ اناروس اور یونانی یہاں نظر بندوں کی حیثیت میں پانچ سال تک رہے۔ آخر ملکہ ایمس ٹریس نے انھیں قتل کرا کے کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ میگا بیز اس بدعہدی سے سخت برافروختہ ہوا اور آشوریا پہنچ کر اس نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اردشیر نے ایک مصری سپہ سالار ازیریس کو لشکر دے کر بھیجا لیکن اُزیریس لڑائی میں مجروح ہو کر اسیر ہو گیا اور اس کا لشکر پسپا ہو گیا۔ شکست کی خبر پر اردشیر نے بابل کے حکمران منس تان کو بہت بڑا لشکر دے کر آشوریا بھیجا؛ وہ بھی اسیر ہوا اور اس کے لشکر کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ اس پر اردشیر کے بھائی نے کوشش کی کہ میگا بیز کی خطا سے درگزر کیا جائے۔ اس کے علاوہ میگا بیز کی بیوی آمیتس کا اثر و رسوخ بھی کام آیا جو اردشیر کی ہمشیرہ تھی۔ آخر میگا بیز کی خطا معاف کر دی گئی اور اسے بلا بھی بھیجا گیا۔ میگا بیز آیا لیکن اردشیر کا دل اس سے صاف نہ تھا۔ ایک دن شیر کا شکار کرتے ہوئے شیر حملہ کرنے کے لیے اردشیر کی طرف بڑھا۔ میگا بیز نے آگے بڑھ کر شیر پر بھرپور وار کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ اردشیر اس پر بھی برافروختہ ہوا اور اس بہانے سے کہ شیر کو وہ خود مارنا چاہتا تھا، میگا بیز نے اسے کیوں مار ڈالا؟ اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اب کی مرتبہ پھر آمیتس (Amytis) کا اثر و رسوخ کام آیا۔ میگا بیز کی جاں بخشی تو ہو گئی لیکن اسے خلیج فارس میں نظر بند کر دیا گیا۔ آخر اس

کی خطا معاف ہوئی اور اسے دربار میں بلا لیا گیا جہاں وہ زندگی کے آخری لمحے تک وفادار مشیر کی حیثیت میں کام کرتا رہا۔

اردشیر کی زندگی کا آخری دور

اردشیر کی حکومت کا آخری دور امن وامان سے گزرا۔ یونانیوں کی طرف سے حکومتِ ایران مطمئن تھی کیوں کہ ایتھنز اور اسپارٹا والے خود ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے مصروفِ جنگ تھے۔ اسی اثنا میں اردشیر ۴۲۵ ق م میں فوت ہو گیا۔

طوائف الملوکی

اردشیر کی وفات پر اس کا بیٹا خشیارشا ۴۲۵ ق م میں تخت نشین ہوا۔ وہ ۴۵ دن ہی حکومت کر پایا تھا کہ اس کے بھائی سغدیانو نے، جو ایک لونڈی کے بطن سے تھا، اسے شراب کے نشے میں سرمست پا کر ہلاک کر دیا۔ بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے وہ تخت نشین تو ہو گیا لیکن اہلِ پارس سغدیانو کی اس برادر کشی سے سخت ناراض تھے۔ فوج بھی بددل تھی۔ انعام واکرام سے اس نے لوگوں کی تالیفِ قلوب کرنی چاہی لیکن ان کے دلوں سے کینہ دور نہ ہو سکا۔ سغدیانو کو اب سے زیادہ خوف اواکس سے تھا جو بلخ کا حکم ران تھا۔ سغدیانو نے اسے بھی ٹھکانے لگانے کے لیے دربار بلا بھیجا۔ وہ آمادہ بھی ہو گیا لیکن جب اسے سغدیانو کے ارادے کا پتا چلا تو ارادہ بدل دیا۔ آخر لشکر منظم کر کے اواکس نے سغدیانو کے خلاف چڑھائی کی۔ سغدیانو نے مقابلے کی تاب نہ پا کر سرِ اطاعت خم کیا۔ اب یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں مل کر حکومت کریں لیکن یہ بھی ایک چال تھی۔ اس غرض کے لیے جب سغدیانو کو دربار میں بلایا گیا تو اسے اسیر کر لیا گیا اور برادر کشی کی پاداش میں اسے گرم خاکستر میں ڈال دیا گیا۔ سغدیانو کی مدت حکومت ساڑھے چھ ماہ تھی۔

خشیارشا اور سغدیانو کے قتل کے بعد ہخامنشی خاندان کے بعض اور افراد بھی یکے بعد دیگرے قتل ہوئے جس سے پتا چلتا ہے کہ ہخامنشی عہد کا زوال اب شروع ہو گیا تھا۔

داریوش دوم

(۴۲۴ تا ۴۰۴ ق م)

سغدیانو کو راستے سے ہٹا کر اواکس، داریوش دوم کے لقب سے تخت نشیں ہوا۔ یہ شہنشاہ مضبوط قوتِ ارادی سے محروم تھا اس لیے زمام اختیار اس کی بیوی پریتی اور تین خواجہ سراؤں کے

ہاتھ میں تھی۔

داریوش دوم کے عہد میں پے بہ پے شورشیں ہوئیں۔ حکومتِ ایران کے باغیوں کو یونانی فوراً مدد دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ داریوش نے ان شورشوں کو اپنے پیش رووں کی طرح کبھی مردانگی سے فرو نہیں کیا بلکہ روپے پیسے کو آلۂ کار بناتا رہا۔ ان شورشوں کا مختصر سا ذکر حسب ذیل ہے:

پہلی بغاوت داریوشِ دوم کے بھائی آرسی تس نے کی۔ اس کا ساتھ میگا بیز کے بیٹے آرتی فیوس نے دیا۔ یونانی اجیروں کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں۔ انھوں نے دو مرتبہ داریوشِ دوم کی فوجوں کے سپہ سالار اردشیر کو شکست دی۔ اب داریوش نے یونانی اجیروں کو باغیوں سے الگ کرنے کی تدبیر سوچی اور ان پر انعام و اکرام کی بارش کی۔ داریوش کا یہ حربہ کام یاب ہوا اور یونانی اجیر کا ساتھ چھوڑ گئے۔ بالآخر سپہ سالار اردشیر کو فتح ہوئی آرسی تس اور آرتی فیوس اسیر ہوئے اور دونوں کو سغدیانو کی طرح خاکستر کے انبار میں ڈال کر مروا دیا گیا۔

دوسری بغاوت پی سوت نس نے کی۔ یہ لیڈیا کا حکم تھا۔ یونانی اجیروں کی حمایت اسے بھی حاصل ہو گئی۔ داریوش نے بغاوت فرو کرنے کے لیے تسافرن کو بھیجا اور اس سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ بغاوت کو فرو کرنے میں کام یاب ہو گیا تو لیڈیا کی حکومت اسے دے دی جائے گی۔ اس نے بھی روپے پیسے کا لالچ دے کر یونانیوں کو پی سوت نس کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کر لیا۔ یونانیوں کی علاحدگی کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا کہ تسافرن سے مصالحت کے لیے مذاکرہ کرے لیکن تسافرن نے اسے اسیر کر کے داریوش کے پاس بھیج دیا اور اسے بھی خاک ستر میں جلا ڈالا گیا۔ بغاوت کو فرو کرنے کے صلے میں تسافرن کو لیڈیا کی حکومت دے دی گئی۔

تسافرن کا معاہدہ اہلِ اسپارٹا کے ساتھ

ایتھنز اور سپارٹا دو یونانی ملک ایک دوسرے کے حریف تھے اور برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اسی کش مکش میں ایتھنز والوں کو سسلی میں تباہ کن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تسافرن نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اہلِ اسپارٹا کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں مل کر ایتھنز پر حملہ کریں گے۔

یونان کی قدیمی روایت تو یہ تھی کہ جب کسی غیر ملکی کا سامنا کرنا پڑتا تو یونانی ریاستیں اپنے اختلافات کو بھول کر مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرتیں' لیکن اسپارٹا والوں نے اس روایت کو توڑا اور اپنے ہی بھائی بندوں کو نیچا دکھانے کے لیے اہلِ ایران سے معاہدہ کر لیا۔ اس کی پیروی

کرتے ہوئے بعض اور یونانی حکومتوں نے بھی ایرانیوں سے معاہدے کر لیے۔ چالاک تسافرن نے کسی کو مدد دی بھی تو اس قدر کہ کوئی ایک حکومت اتنی طاقت ور نہ ہو جائے کہ اپنے کسی حریف کو فیصلہ کن شکست دینے کے قابل ہو سکے اور طاقت کا توازن کسی ایک کے حق میں ہو جائے۔ تسافرن صرف یہ چاہتا تھا کہ سیاسی چالیں چل کر یونانیوں کو ایک دوسرے سے الجھائے رکھے۔

حالاتِ دربار

داریوشِ دوم کے عہد میں خاندانِ شاہی کے متعدد افراد قتل ہوئے۔ امورِ سلطنت میں حرم شاہی کا عمل دخل بہت تھا۔ خواجہ سرا بادشاہ کے مشیر تھے۔ امورِ سلطنت پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ ترقی پانے کا معیار قابلیت اور فداکاری نہ تھا بلکہ اس بات کی ضرورت ہوتی کہ دربار میں کسی ملکہ یا خواجہ سرا کی حمایت حاصل کی جائے۔ ملکہ پیری ستی پروشات کا حکم اٹل تھا۔ بے یقینی کی حالت طاری تھی۔ نہ سپہ سالاروں کو فوج پر اعتماد تھا' نہ بادشاہوں کو سپہ سالاروں پر بھروسا تھا' اس لیے بادشاہ کو فوجی طاقت کی بجائے مال و دولت پر بھروسا کرنا پڑتا تھا اور شورشوں کو روپے پیسے کے لالچ سے فرو کیا جاتا تھا۔ ذیل کے واقعے سے پتا چلے گا کہ بادشاہ اور اس کا حرم کس پستی میں گر چکا تھا۔

ٹیری ٹکمس کی بیوی آمیس ٹریس تھی جو داریوش کی شہزادی تھی پھر اسے اپنی ہی ایک رشتے دار رخسانہ سے محبت ہو گئی۔ اب وہ شہنشاہ کے خلاف سازش میں مصروف ہو گیا اور یہ بھی چاہا کہ کسی طرح ایمس ٹریس سے چھٹکارا پائے۔ سازش میں اسے کامیابی نہ ہو سکی اور جب راز افشا ہوا تو اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ ملکہ پری ستی پروشات کو ظلم و ستم کا ہاتھ بڑھانے کا موقع مل گیا۔ اس نے پہلے تو سرِعام رخسانہ کے ٹکڑے کرائے' پھر ٹیری ٹکمس کے اعزا کو قتل کرایا۔ یہاں تک کہ اس کی ماں اور بہن بھی اس کے انتقام سے نہ بچ سکیں' انھیں زندہ زمین میں گڑوا دیا گیا۔

کوروشِ اصغر کی ہوسِ اقتدار

داریوشِ دوم کے دو بیٹے ارشک (Arsaces) اور کوروش تھے۔ ارشک اس وقت پیدا ہوا جب داریوش ابھی تخت نشین نہیں ہوا تھا۔ کوروش البتہ تخت نشینی کے بعد پیدا ہوا تھا۔ یہ اپنی ظالم ماں کا چہیتا بیٹا تھا۔ ماں ہی کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کوروشِ اصغر کو ایشیائے کوچک کی حکومت سونپی گئی تھی جہاں اسے مکمل اختیارات حاصل تھے۔ دربار میں کوروش کے مفاد اور حقوق کی حفاظت ملکہ پری ستی کیا کرتی تھی۔

کوروش چاہتا تھا کہ ایشیاے کوچک میں اپنی پوزیشن زیادہ سے زیادہ مستحکم بنائے' اس لیے یونانیوں کا لشکر منظم کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا- اس سلسلے میں ایتھنز کی بجاے اہلِ اسپارٹا اس کے لیے زیادہ مفید ہو سکتے تھے- چناں چہ اس نے اسپارٹا سے تعلق استوار کیے اور انھیں مالی مدد بھی دی-

کوروش کی وجہ سے تسافرن کی پوزیشن کچھ کمزور ہو گئی تھی لیکن اس نے جب یہ دیکھا کہ کوروش بغاوت کے منصوبے بنا رہا ہے تو شہنشاہ داریوش کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا- شہزادہ کوروش کو جواب طلبی کے لیے دربار میں طلب کیا گیا لیکن وہ ۴۰۴ ق م میں اس وقت پہنچا جب داریوش فوت ہو چکا تھا-

اردشیرِ دوم

(۴۰۴ تا ۳۵۸ ق م)

داریوش کی زندگی میں ملکہ پری ستی چاہتی تھی کہ کوروش کو ولی عہد نامزد کیا جاے- اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی لیکن غالباً داریوش نے پہلی مرتبہ ملکہ کی خواہش کو مسترد کیا اور ارشک (Arsaces) کو اپنا ولی عہد نامزد کیا- چناں چہ داریوشِ دوم کی وفات پر ارشک' اردشیرِ دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا-

قدیم مؤرخین اسلام نے اردشیرِ اول' اردشیرِ دوم اور اردشیرِ سوم کو ایک ہی فرد سمجھا ہے- طبری' مسعودی اور ثعالبی ایسے جید مؤرخین نے بھی اپنی تاریخوں میں صرف اردشیر درازدست کا ذکر کیا ہے جو اردشیرِ اول تھا- یہ غلط فہمی ایک ہی نام کی وجہ سے ہوئی- یونانی مؤرخوں نے امتیاز کی غرض سے اردشیر دوم کے نام کے ساتھ منیمون کا اضافہ کیا ہے جس کا مطلب 'سوچ بچار کرنے والا' ہے-

اردشیر دوم کی تاج پوشی کی رسم پاسارگاد میں ادا کی گئی- کوروشِ اصغر کو ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ اردشیر وارث تاج و تخت ہو اس لیے رسمِ تاج پوشی ہی میں اس پر حملہ کر کے اسے ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا لیکن تسافرن نے اس کے فاسد ارادے سے اردشیر کو باخبر کر دیا- اس پر کوروش کو گرفتار کر لیا گیا اور اردشیر نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لیکن ملکہ پری ستی آڑے آئی- نہ صرف اس کی جاں بخشی ہوئی بلکہ اسے پھر ایشیاے کوچک کا حکمران بنا کر بھیج دیا گیا-

کوروشِ اصغر کی جنگی تیاریاں

کوروش اب بھی خاموش نہ بیٹھا اور اپنے تجربہ کار یونانی جرنیل کلارچس کو جانبازوں کا لشکر تیار کرنے پر مامور کیا- اسپارٹا والوں سے بھی اس نے اپنا لشکر بھیجنے کو کہا- اس طرح ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا- اس لشکر میں ایک لاکھ ایشیائی اور تیرہ ہزار یونانی اجیر شامل تھے- ۴۰۱ ق م میں کوروش نے اردشیر کے خلاف لشکر کشی کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں-

فوج کشی سے پہلے کوروش' سارڈ ہی میں تھا کہ تسافرن غیر معمولی فوجی تیاریوں سے کوروش کا ارادہ بھانپ گیا- کوروش نے بظاہر اپنی مہم کا حال مخفی رکھا اور شروع میں یہ ظاہر کیا کہ وہ پسی دیان قبائل کی بغاوت کو فرو کرنے کے ارادے سے فوج کشی کر رہا ہے لیکن تسافرن سمجھتا تھا کہ قبائل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اتنے بڑے لشکر کی ضرورت نہیں- اسے اس مہم سے تشویش ہوئی اور پایۂ تخت پہنچ کر شہنشاہ کو کوروش کی جنگی تیاریوں سے باخبر کر دیا- ہر چند کہ پری ستی نے کہا کہ تسافرن جو کچھ کہتا ہے' محض دشمنی کی بنا پر کہتا ہے لیکن اعیانِ سلطنت اس سے مطمئن نہ ہوئے-

کوروش نے ایران پر لشکر کشی کے لیے کوہستانی راستہ اختیار کیا اور اس کا لشکر کسی تصادم کے بغیر کیلیکیا (Cilicia) کے شہر تارس جا پہنچا- یہاں کوروش نے کیلیکیا کے حکمران کو تحفے تحائف دیے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آگے بڑھنا چاہا لیکن فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور جب یونانی فوج کے جرنیل کلارچس نے انھیں کوچ کا حکم دیا تو انھوں نے اس پر پتھر پھینکے- کوروش نے صورتِ حال بگڑتی دیکھی تو سپاہیوں کی تنخواہیں بڑھانے کا وعدہ کیا جس پر وہ آگے بڑھنے پر آمادہ ہوئے- یہاں کوروش نے یہ ظاہر کیا کہ وہ شام کے حکمران ابراکوما پر حملہ کرنا چاہتا ہے جو دریائے فرات سے گزرنے میں مزاحمت کرے گا لیکن ابراکوما کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ شہنشاہِ ایران کے بھائی کا راستہ روکے- چناں چہ جب وہ شام کے سبزہ زاروں میں سے گزرا تو مخالفت کی ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی- آخر یہ لشکر فرات کے کنارے تھاپسا کا جا پہنچا-

یہاں فوج کو معلوم ہوا کہ کوروش کا ارادہ شاہِ ایران سے لڑنے کا ہے اس لیے فوج میں بددلی پیدا ہو گئی- وہ اس بات سے سخت برافروختہ تھے کہ انھیں دھوکے میں کیوں رکھا گیا- یہاں بھی زر و مال کی ترغیب کام آئی اور فوج آگے بڑھنے پر آمادہ ہو گئی- کوروش کی رفتار اب تیز تر ہو گئی- وہ ایک جواری کی طرح اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینا چاہتا تھا-

کوناسا کی جنگ

۴۰۱ ق م میں کوروش بابل کی حدود میں داخل ہوا اور کوناسا پہنچا' جو بابل سے گیارہ فرسخ کے فاصلے پر تھا- یہاں کوروش کا شہنشاہِ ایران کی فوجوں سے مقابلہ ہوا- لیکن ایرانی تخت و تاج حاصل کرنے کا آرزومند کوروش داؤ ہار گیا- لڑتے لڑتے نیزے کا کاری وار اس پر ایسا پڑا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکا- کوروش کے مرنے کی خبر عام ہوئی تو سپاہِ بے سالار نے مایوسی اور نامرادی کی حالت میں راہِ فرار اختیار کی- دس ہزار یونانی بھی کزنفون (Xenophon) کی قیادت میں یونان واپس پہنچے- یہ وہ یونانی مؤرخ ہے جس نے تاریخِ روما لکھی ہے- اس میں یہ واقعہ بھی تفصیل سے لکھا گیا ہے-

اس جنگ میں اہلِ اسپارٹا نے معاہدۂ صلح کو بالائے طاق رکھ کر کوروش کا ساتھ دیا تھا' اس لیے اب معاہدہ ٹوٹ گیا- ایران نے اسپارٹا کی دوستی سے ہاتھ کھینچ لیا- اب اسپارٹا کے حریف ایتھنز نے ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنا بحریہ ایران کی بحریے میں شامل کر دیا- ادھر ایران نے ایتھنز کو مالی امداد دی جس سے ایتھنز کی شکستہ فصیلیں پھر سے تعمیر ہوئیں اور پھر جب اسپارٹا اور ایتھنز کے مابین جنگ چھڑی تو اہلِ ایران نے اپنے حلیف کی پوری پوری امداد کی جس سے اسپارٹا کا بحری بیڑا بری طرح تباہ ہوا- اہلِ اسپارٹا کو اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آتا تھا کہ ایران سے پھر مصالحت کے لیے گفت و شنید کریں-

صلحِ انتلیسید اس (Antalcidas)

۳۸۷ ق م میں اسپارٹا کا سفیر انتلیسید اس صلح کا پیغام لے کر شہنشاہ اردشیرِ دوم کے دربار میں آیا- صلح کا معاملہ چند سال کھٹائی میں پڑا رہا جس سے یونانی سفیر کو کافی عرصہ شوش میں ٹھہرنا پڑا- آخر ایران و یونان کے مابین صلح ہو گئی جو 'صلحِ انتلیسید اس' کے نام سے موسوم ہے- اس صلح کی شرائط یہ تھیں کہ ایشیائے کوچک' جزیرۂ قبرص اور دوسرے یونانی مقبوضات' جو ایشیا میں تھے' وہ سب ایران کے تسلط میں رہیں گے- یونان کی ریاستیں آزاد اور خود مختار ہوں گی- ان کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیا جائے- یونانی ریاستوں کے مابین اگر کوئی اختلاف ہو گا تو ایران ثالث کے فرائض انجام دے گا- اس صلح نامے کی رو سے ایشیائے کوچک کے بعض ایرانی علاقے جو اب یونان کے قبضے میں تھے' ایران کو واپس مل گئے- اس طرح ایران کا کھویا ہوا وقار پھر بحال ہو گیا- اس صلح سے اسپارٹا بھی فائدے میں رہا کیوں کہ اس کے سب علاقے اسی کے

پاس رہے اور یونان میں اس کی برتری قائم رہی۔

شورشِ مصر

داریوش دوم کے زمانے میں مصر میں حکومت ایران کے خلاف بغاوت ہوئی تھی جسے بادشاہ ایران فرو نہ کر سکا تھا۔ اب آمیرتا (Amyrtaus) مصر کا بادشاہ تھا۔ اس نے ایرانی تسلط سے آزاد رہنے اور اپنی خود مختاری کو قائم رکھنے کی جدوجہد کی۔ اس کی مدت حکومت صرف چھ سال تھی لیکن اسے اس قدر اہمیت حاصل ہوئی کہ اس کا نام فراعنۂ مصر میں شمار ہونے لگا۔

آمیرتا کی وفات کے بعد نیفورود[1] (نفریت) تخت پر بیٹھا اور عہد مندسیا کی بنا ڈالی۔ نفریت نے استقلال مصر کے لیے جدوجہد تیز کر دی اور ایران کے مخالفین جہاں جہاں تھے' ان سے سازباز کی تاکہ مصر کو ایران کے چنگل سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی غرض سے اس نے قبرص' کاریا اور اسپارٹا کے بیرونی علاقوں کے حکمرانوں سے معاہدے کیے اور جنگی تیاریوں کے لیے یونانی اجیروں کی خدمات حاصل کر لیں۔

مصر کی خوش قسمتی تھی کہ کوناکسا کی جنگ کے بعد ایشیائے کوچک کے جنگجو قبائل نے پھر حکومتِ ایران کے خلاف سر اٹھایا۔ قبرص نے بھی آواگورس کی سرکردگی میں ایران کی اطاعت سے منہ موڑ لیا تھا بلکہ یونانیوں اور مصریوں کی پشت پناہی سے کوناکسا ایرانیوں کی مخالفت کا مرکز بن گیا تھا۔

مصر میں نفریت کا جانشین اکارس بنا جس نے ۳۹۰-۳۸۶ ق م میں ایرانیوں کے حملوں کو ناکام بنایا۔ اس نے قبرص کو اناج اور زرکثیر دے کر مدد دی۔ ادھر ایتھنز نے اپنے ایک لائق ترین جرنیل گبریاس کی سرکردگی میں فوجی دستے قبرص بھیجے۔ حالات کچھ مصر کے موافق ہو گئے تھے کہ اتنے میں صلح نامۂ انتلیسید اس طے ہوا' جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اس سے صورت حال مختلف ہو گئی۔ اس صلح نامے کی رو سے ایران کی برتری تسلیم کر لی گئی تھی اور ایران' یونان کا حکم بھی مقرر ہوا تھا۔ اب شہنشاہِ ایران نے یونانیوں سے تقاضا کیا کہ گبریاس کو قبرص سے اور فرناباذ کو مصر کی فوجی قیادت سے الگ کر دیا جائے کیوں کہ یہ دونوں یونانی تھے اور دشمن کی فوج کی کمان کر رہے تھے۔ ایتھنز ایران سے خوف زدہ تھا اس لیے اسے ایران کا یہ مطالبہ ماننا پڑا اور دونوں جرنیل واپس بلا لیے گئے اور فرناباذ ایرانی فوج میں بطور سپہ سالار شامل ہو گیا۔ اب فرناباذ نے یہ

---

(۱) نافرطاس' ابوریحان البیرونی

خواہش ظاہر کی کہ ایتھنز کے بہترین فوجی جرنیل ایفیکرات کو ایران بھیج دیا جائے- چناں چہ وہ بھی ایران آ گیا-

اب مصر کا بادشاہ نکتارب (Nekhtoreb) تھا- اس نے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر ممکن تیاری کی- یونانی اجیروں کی خدمات حاصل کیں' فصیلوں کو مضبوط کیا- دریائے نیل کا ڈیلٹا سات حصوں میں منقسم تھا' جس میں ہر حصے کو دہنہ کہتے تھے- نکتارب نے ساتوں دہنے مستحکم کر لیے تاکہ ایرانی بحریہ دریائے نیل میں داخل نہ ہو سکے- ان دہنوں میں سب سے زیادہ مضبوط دہنہ پلوزیم تھا- فرناباذ کا خیال تھا کہ پلوزیم بہت مستحکم ہے اور اس کی مدافعت بھی پوری پوری کی گئی ہے' یہاں سے گزر کر مصر کی حدود میں داخل ہونا ممکن نہیں اس لیے ایک اور دہنہ مندسیا کی طرف رجوع کیا- فرناباذ اور ایفیکرات نے بحری فوج کے ذریعے یہاں کے قلعے پر حملہ کیا- مصری مقابلے کے لیے قلعے سے باہر آئے اور جنگ کا آغاز ہوا- ایرانی جہازوں کو اور بھی کمک آ پہنچی اور مندسیا چاروں طرف سے گھر گیا- آخر مصری پسپا ہوئے اور قلعے میں پناہ گزیں ہونے کے لیے بڑھے لیکن قلعے کے اندر مصری اور ایرانی دونوں بیک وقت داخل ہوئے جس سے اکثر مصری تہ تیغ ہوئے اور قلعہ تباہ کر دیا گیا- ایفیکرات کو اب یہ معلوم ہوا کہ میمفس میں' جو پایۂ تخت مصر تھا' فوج نہیں- فرناباذ بڑھاپے کی وجہ سے کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اور مزید ایرانی جہازوں کا منتظر تھا تاکہ اطمینان سے مصر پر حملہ آور ہو- ایفیکرات اپنے لیے یہی فوج کافی سمجھتا تھا لیکن فرناباذ یہ سوچنے لگا تھا کہ ایفیکرات خود اپنے لیے میمفس کو مسخر کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ ایفیکرات کی تجویز سے متفق نہ ہوا- اس سے ایرانی لشکر کے یونانی جرنیلوں میں اختلاف ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو کچھ اب تک حاصل ہوا تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا- مصریوں نے ایرانیوں کے تذبذب سے فائدہ اٹھا کر میمفس کو مستحکم کر لیا اور خود مندسیا کی طرف پیش قدمی کی جسے ایرانیوں نے تباہ کر دیا تھا- یہاں انھوں نے ایرانیوں پر متعدد حملے کیے جن سے ایرانیوں کا نقصان نسبتاً زیادہ ہوا- جنگ جاری ہی تھی کہ دریائے نیل میں طغیانی آ گئی- ایرانی یہ محسوس کر کے کہ اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی مفید نتیجہ نہ ہوگا' واپس ہو گئے-

گیلان کی شورش

اسی عرصے میں ایران کے صوبے گیلان میں کادوسی قبیلے نے بغاوت کی- ان کا علاقہ گھنے جنگلات اور ندی نالوں کی وجہ سے دشوار گزار تھا- اردشیر دوم نے بغاوت کو کچلنے کے لیے خود

چڑھائی کی۔ کادوسیوں نے گوریلا جنگ شروع کر دی اور لشکرِ ایوان کی رسد رسانی کا سلسلہ روک دیا جس کی وجہ سے شاہی لشکر کے لیے خاصی پریشانی پیدا ہوگئی۔ آخر باغی سرداروں میں پھوٹ پڑنے کی وجہ سے انھیں مصالحت کرنی پڑی اور اردشیر واپس ہوگیا۔

اردشیرِ دوم کے آخری ایام

اس وقت ایرانی حکومت کی کمزوری واضح تھی۔ جگہ جگہ بغاوتیں ہوتی تھیں جو زر و مال کے ذریعے فرو ہوتی تھیں۔ ادھر یونانیوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے ان کی حالت بھی ابتر ہو چکی تھی اس لیے انھوں نے پھر انتلیسید اس کو شوش بھیجا کہ شہنشاہ ایران سے کوئی مزید فرمان حاصل کرے تاکہ یونان کی باہمی دشمنیاں ختم ہو سکیں۔ اس غرض سے ایتھنز سے بھی سفیر آئے۔ بیش تر اس کے کہ کوئی قدم اٹھایا جاتا اردشیر ۴۶ سال کی حکومت کے بعد ۳۵۸ ق م میں فوت ہوگیا۔

اردشیر کے لواحقین

بعض مورخین کے قول کے مطابق اردشیر کے حرم میں ۳۶۰ بیگمات اور لونڈیاں تھیں۔ ان سے ایک سو پندرہ شہزادے اور شہزادیاں تھیں۔ ان میں سے بیش تر اولاد اردشیر کی زندگی ہی میں فوت ہو چکی تھی۔ تاریخ میں اس کے صرف چار بیٹوں کا نام باقی رہ گیا جن کے نام یہ ہیں:

(۱) داریوش (۲) آریاسپ (۳) اواکس (۴) ارسام۔

اردشیر سوم

(۳۵۸ تا ۳۳۸ ق م)

اردشیر دوم نے اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن اواکس نے باپ کی زندگی ہی میں اسے قتل کرا دیا۔ اسے اب یقین تھا کہ بادشاہ اسی کو اپنا جانشین بنائے گا لیکن اس کے راستے میں ابھی اریاسپ بھی تھا جو نہایت خوش خلق اور نیک اطوار شہزادہ تھا۔ ایرانی امرا اسے بہت پسند کرتے تھے۔ اواکس نے اریاسپ کو بھی راستے سے ہٹانے کا مصمم ارادہ کیا اور نہ صرف اریاسپ کو قتل کرایا بلکہ چھوٹے بھائی ارسام کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اردشیر کو یہ پے بہ پے جو صدمات ہوئے، ایسے نہ تھے کہ وہ برداشت کر سکتا۔ آخر بیٹوں کو اپنی زندگی میں قتل ہوتے دیکھ کر اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔[1]

---

(۱) ایران باستان، ج ۲، ص ۱۱۶۵

اوکس ۳۵۸ ق م میں اردشیرِ سوم کا لقب اختیار کر کے تخت نشیں ہوا اور رسمِ تاج پوشی سے پہلے اس نے خاندان شاہی کے وہ تمام افراد قتل کرا دیے' جو کسی وقت بھی تاج و تخت کے دعوے دار ہو سکتے تھے۔ اس نے اپنے چچا کے ایک سو بیٹوں اور پوتوں کو بھی ایک احاطے میں محبوس کر کے تیروں سے چھلنی کرایا۔ بیگماتِ شاہی اور شہزادیوں کے خون سے بھی اس کے ہاتھ رنگین ہوے اور ایک خونی اعمال نامہ تیار کر کے اس نے رسم تاج پوشی ادا کی۔

داخلی اور خارجی شورشیں

جس حکومت کی بنیاد خون کی لہروں پر کھڑی کی جائے' وہ کتنے دن محفوظ رہ سکتی ہے؟ اس کے عہد میں متعدد داخلی اور خارجی شورشیں بپا ہوئیں۔ سب سے پہلے اردشیرِ سوم نے صوبۂ گیلان کے کادوسی قبیلے کی طرف رجوع کیا جس نے اردشیرِ دوم کے زمانے میں بغاوت کی تھی اور خاطر خواہ طریقے سے اس کی سرکوبی نہ ہو سکی تھی۔ اس مہم کو اردشیر نے سر کر لیا اور کادوسی قبیلے نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے ممالک کی طرف رجوع کرنا چاہا جہاں حکومت ایران کے خلاف بغاوتیں ہو رہی تھیں۔

اردشیر کے باپ کو مصر کی مہم میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اب مصر میں ایران کی حکومت کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی تھی۔ چناں چہ آس پاس کے ایرانی علاقوں میں جہاں کہیں بغاوت کے آثار رونما ہوتے' شاہ مصر نکتانی بو (Nectanebo) انھیں اور ہوا دیتا اور ہر طرح کی مدد کے لیے آمادہ ہو جاتا تاکہ ایرانی تسلط کمزور ہو جائے۔

اردشیر کو یقین تھا کہ دوسرے ممالک کی شورشیں اس وقت تک فرو نہ ہو سکیں گی جب تک مصر کو نیچا نہیں دکھایا جائے گا۔ آخر اس نے مصر پر چڑھائی کی لیکن نکتانی بو کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اس شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ شام' ایشیاے کوچک اور قبرص میں بھی بغاوتیں ہوئیں' یہاں تک کہ اہلِ فینیقیا نے بھی شہنشاہ کی اطاعت سے روگردانی کی۔ وہ تو یہاں تک بڑھے کہ صیدون کے حکم ران ٹینس (Tennes) کی سرکردگی میں شاہی محل کو جلا دیا اور غلوں کے ذخیرے کو بھی خاکستر کر دیا جو مصری مہم کے لیے ایرانیوں نے جمع کر رکھے تھے۔

اردشیر نے اب قبرص کی طرف رجوع کیا اور اس کا یونانی جرنیل قبرص کے باغیوں کی سرکوبی میں کام یاب ہو گیا۔ ایشیاے کوچک میں فریگیا کے حکم ران نے ایتھنز کی حمایت سے بغاوت کی تھی۔ یہ البتہ فرو نہ ہو سکی۔ ادھر ٹینس نے مصر کے بادشاہ نکتانی بو کی مدد سے ایرانیوں کو

سوریہ (شام) میں شکست دی۔

اس شکست کے باوجود اردشیر کے حوصلے پست نہ ہوئے اور تازہ مہم کے لیے از سرِ نو ایک بہت بڑا لشکر فراہم کیا اور خود ہی ڈون پر چڑھائی کی۔ ٹینس مقابلے کی تاب نہ پا کر فرار ہو گیا اور اہلِ سی ڈون نے مدافعت کا خیال ترک کر دیا۔ اردشیر نے یہاں مستعد سرکردہ امرا کو قتل کرایا۔ اہلِ سیڈون نے خود شہر کو آگ لگا دی اور جب اردشیر شہر میں داخل ہوا تو کھنڈرات کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈرات اردشیر نے دفینہ تلاش کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کر کے زرِ کثیر حاصل کیا۔ اس کے بعد فینیقیا اور دوسرے شہروں کے امرا نے اطاعت اختیار کر لی۔

ان پیش قدمیوں کے بعد اردشیر نے مصر کا رُخ کیا اور ۳۴۲ ق م میں مصر پر ایرانیوں کا تسلط ہو گیا۔ اردشیر نے شہر فتح کرنے کے بعد نہایت بے دردی سے اہلِ مصر کا قتلِ عام کرایا، عبادت خانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور قدیم زمانے کے خزانے سمیٹ کر بابل کا رخ کیا۔

اردشیر کی ہلاکت

مصر کو شکست ہو جانے کے بعد اب بغاوتیں کچھ دب گئیں اور اہلِ یونان گروہ در گروہ اردشیر کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے لیکن بعض حکمران ابھی تک خود مختاری کا دم بھرتے تھے۔ اگر زندگی مہلت دیتی تو شاید وہ ان کی طرف بھی متوجہ ہوتا لیکن اس کے معتمد خواجہ سرا باگواس نے اس کی تمام کوششوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ باگواس نے ہر چند کہ حکومت کو مستحکم کرنے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں اور اردشیر کے ہر منصوبے میں شریک رُہا تھا اور بادشاہ کی نظروں میں اس کی بڑی اہمیت تھی لیکن محل سرا کی تمام سازشوں کا محور بھی یہی خواجہ سرا تھا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کی کہ اسے دربار میں اہم مقام حاصل ہے بلکہ اب حکومت کے خواب دیکھنے لگا۔ چناں چہ موقع پا کر اس نے اردشیر کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے وہ ۳۳۸ ق م میں راہیِ ملکِ بقا ہوا۔

داریوشِ سوم

(۳۳۶ تا ۳۳۰ ق م)

اردشیرِ سوم کو مسموم کر کے باگواس خواجہ سرا نے ایک شخص کدومانس (Codomanus) کو تخت نشینی کے لیے انتخاب کیا جو ہخامنشی خاندان کا ایک فرد تھا۔ کدومانس، داریوشِ سوم کا لقب اختیار کر کے ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا۔

داریوشِ سوم کا حسب نسب طبری 'تاریخ الرسل والملوک' میں دارا بن دارا بن بہمن اسفندیار لکھتے ہیں۔ ابوریحان البیرونی [۱] نے داریوش بن اریخ لکھا ہے۔ قدیم داستانوں شاہ نامہ فردوسی میں دارا بن داراب لکھا گیا ہے۔ بعض اسے داریوش دوم کا بیٹا بتاتے ہیں۔ یونانی مورخ [۲] لکھتے ہیں کہ داریوشِ سوم کا نام کدومانس تھا۔ وہ آرسان کا بیٹا اور آستن کا پوتا تھا اور آستن داریوشِ دوم کا بیٹا تھا۔ اردشیرِ سوم نے جب ہخامنشی خاندان کے افراد کا خون بہایا تو داریوشِ دوم کی نسل سے کدومانس بچ گیا تھا۔

حسنِ پیرینا [۳] بعض یونانی مورخین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اردشیر سوم کے زمانے میں کدومانس کا منصب مختلف علاقوں کے رؤسا اور حکم رانوں کو شاہی مکتوب پہنچانا تھا۔ پھر جب اردشیرِ سوم نے گیلان میں کادوسیوں سے جنگ کی تو ان کے بہادر سردار کو کدومانس نے دست بدست لڑائی کر کے ہلاک کیا تھا۔ اردشیر نے اس بہادری کے صلے میں کدومانس کو انعام و اکرام سے نوازا اور آرمینیا کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

باگواس کی ہلاکت

باگواس کو یقین تھا کہ داریوشِ سوم امورِ مملکت اس کے سپرد کر دے گا لیکن عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اس نے باگواس کو عملاً بے دخل کر دیا۔ اس پر وہ داریوش کے قتل کی سازش کرنے لگا۔ داریوش کو معلوم ہوا تو اس نے باگواس کو بلا بھیجا اور زہرِ ہلاہل کا پیالہ' جو صرف اسی غرض کے لیے تیار کیا گیا تھا' اسے پینے کا حکم دیا۔ مجبوراً وہ زہر کا پیالہ پی گیا اور اہلِ دربار کو اس کی سازشوں سے نجات مل گئی۔

داریوش اپنے پیش روؤں سے زیادہ کشادہ دل اور کم ہوس کار تھا۔ اگر حالات معتدل ہوتے تو یہ کام یابی سے حکومت کر سکتا تھا لیکن اسی زمانے میں ایک ایسا طاقتور حریف مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا کہ جب وہ دنیا کو فتح کرنے کے ارادے سے مقدونیہ سے نکلا تو کوئی حکم ران اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ ایک دنیا کو وہ خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ یہ اسکندرِ اعظم تھا جس کے ہاتھوں بالآخر ہخامنشی عہد کا چراغ گل ہوا۔

---

(۱) آثار الباقیہ' ص ۸۹

(۲) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۱۸۸

(۳) ایضاً

مقدونیہ پر ایک نظر

مقدونیہ جزیرہ نمائے بالقان میں واقع ہے۔ اس کی حدود گذشتہ زمانوں میں بدلتی رہی ہیں۔ اسکندرِ اعظم کے باپ فیلقوس دوم (Phillips) کے زمانے میں مقدونیہ کی حدود حسب ذیل تھیں: جنوب کی طرف اُلمپ اور کامبوں کے پہاڑ تھے جو اسے تھیسیلی (Thessely) سے جدا کرتے تھے۔ مشرقی سمت دریائے ستریمون' شمال میں پیؤنیا' مغرب میں ایلیریا اور اپیر (موجودہ البانیا) تھے۔ فیلقوس دوم کے زمانے میں اس کی حدود میں توسیع ہوئی۔ مشرق کی طرف بحیرۂ نس تس جو مقدونیا کو تھریس سے جدا کرتا تھا اور شمال میں پیؤنیا' جو مقدونیہ اور میسیا کے مابین حد فاصل تھی' مقدونیہ کا جزو بنا۔ جنوب کی طرف ساحل بحر اور جزیرہ نمائے کالسدیک یونان سے الگ ہو کر مقدونیہ میں ضم ہوئے اور مغرب میں البانیہ' مقدونیہ کا حصہ بنا۔ مقدونیہ میں وسیع میدان اور بلند پہاڑ ہیں۔ یہاں کی پوری سطح ایک وحدت ہے' برعکس یونان کے' جس کے علاقوں کو قدرت نے خلیجوں کے ذریعے منتشر کر رکھا ہے۔ سطح کی وحدت کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں ایک حکومت قائم ہو؛ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ یہاں پہاڑوں میں بھیڑ بکریاں پالی جاتی تھیں' میدانوں میں کھیتی باڑی اور تجارت خوب ہوتی تھی۔ یہ کانوں کی دولت سے مالا مال تھا۔ کانوں سے سونا' چاندی اور الماس نکالا جاتا تھا۔

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ یہاں دو قسم کے لوگ بستے تھے:

(۱) ہند و یورپی جس میں مختلف قومیں تھیں اور مختلف زبانیں بولتی تھیں۔

(۲) یونانی مہاجر۔

ہند و یورپی اقوام' یونانی مہاجروں کی نسبت تہذیب و تمدن کے اعتبار سے پست تھیں۔ غالباً وہ لوگ پہاڑوں میں رہتے تھے۔ یونانی مہاجر آئے تو انھوں نے میدانوں' بحرالجزائر کے ساحلوں اور خلیج سالونیکا کے کناروں پر بسیرا کیا۔ آخر دونوں قسم کے لوگ جب خلط ملط ہوئے تو یونانی مذہب اور تمدن مروج ہوا۔ اس کے باوجود قدیم یونانی اہلِ مقدونیہ کو اپنے میں سے نہیں سمجھتے تھے' بلکہ انھیں بربر خیال کرتے تھے۔ ان لوگوں کے عادات و اطوار میں بڑی درشتی تھی۔ کوئی شخص جب تک کسی نہ کسی کو قتل نہ کر لیتا' بھلے آدمیوں میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو سکتا' نہ جواں مرد ہی کہلا سکتا۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا رواج عام تھا۔

یورپ میں داریوش اعظم کی لشکر کشی سے پہلے مقدونیہ کی تاریخ کا بہت کم پتا چلتا ہے۔

البتہ داریوشِ اعظم کے زمانے میں مقدونیہ کے روابط یونان کی ساتھ قائم تھے- داریوش جب سکائیوں پر حملہ کرنے کے ارادے سے باسفورس میں سے گزرا تو واپسی پر کچھ لشکر اپنا یورپ میں متعین کر گیا تھا تاکہ وہ تھریس' مقدونیہ اور جزیرہ نمائے بالکان کے تمام جزیروں کو اپنے زیرِ نگیں کر لے- چناں چہ لشکر کو اپنے منصوبے میں نمایاں کام یابی ہوئی- اسی لشکر نے بالآخر امین تاس کو مقدونیہ کی حکومت سونپی' پھر خشیارشا کا زمانہ آیا- یونانیوں کے ساتھ جنگ ہوئی تو اس وقت ایرانی فوجوں کا سردار امین تاس کا بیٹا اسکندر تھا' جو باطن میں یونانیوں کا طرف دار تھا- آخر ۴۸۹ ق م میں جب پلاسکا کی لڑائی ہوئی تو ترا کیا اور مقدونیہ ایران سے الگ ہو گئے- اسکندر خواہ دل سے یونانیوں ہی کا طرف دار تھا لیکن جب ایران کا مشترکہ خطرہ ٹل گیا تو باہمی رقابتیں شروع ہو گئیں- اسکندر اور اس کے جانشینوں کو ایتھنز کے مقبوضات کی وجہ سے' جو بحرالجزائر کے شمال میں تھے' خطرہ لاحق ہو گیا پھر جب فلپ اور پردیکاس کے مابین مقدونیہ کی تخت و تاج کے لیے رقابت ہوئی تو اہلِ ایتھنز نے ان دو بھائیوں کے نفاق سے فائدہ اٹھا کر پردیکاس کا ساتھ دیا اور مقدونیہ کے ساحل پر پہنچ گئے- پردیکاس کو ترا کیا کی طرف سے بھی مدد ملی جس سے وہ مقدونیہ کا تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا (۴۳۲ ق م)- پلوپونس کی جنگ کے موقع پر پردیکاس نے دو رخی اختیار کی- کبھی ایک کا ساتھ دیا' کبھی دوسرے کا- اہل مقدونیہ کا شروع ہی سے یہ عقیدہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو' مقدونیہ طاقت ور ملک بن جائے- اس میں انھیں کام یابی ہوئی اس لیے ان کی خارجی سیاست کی بنیاد خلوص پر مبنی نہ تھی' داخلی سیاست البتہ بڑی فعال تھی- جسے بھی بن پڑا' مقدونیہ کے حکم رانوں نے اس کی بنیاد بہت مستحکم بنا دی- پردیکاس نے یونانی تمدن کو مقدونیہ میں ترقی دی- وہ علم و ادب کی طرف بھی مائل تھا- چناں چہ اس نے متعدد ادبا و شعرائے یونان اپنے دربار سے وابستہ کیے اور ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی- اس کے بعد اس کا بیٹا آرخی لاؤس' جو ایک کنیز کے بطن سے تھا' تخت نشین ہوا- اس نے شاہی خاندان کے ان تمام لوگوں کو قتل کرا دیا جو تخت و تاج کے دعوے دار ہو سکتے تھے' تاکہ کوئی حریف اس کے خلاف کھڑا نہ ہو سکے- اس کے بعد آرخی لاؤس نے وسائل آمد و رفت بہتر کیے' نئے شہر بسائے' لشکر کو منظم کیا' نوجوانوں کی ورزش کے لیے مقابلوں کی رسم شروع کی- شعرا' ادبا اور مصوروں کو دربارِ شاہی میں جگہ دی- آرخی لاؤس فوت ہوا تو مقدونیہ میں داخلی انتشار پیدا ہو گیا- اس کا سبب مقدونیہ کا وہ فرقہ بنا جو یونانیوں سے مخاصمت رکھتا تھا- خانہ جنگیوں میں دس سال کا عرصہ لگ گیا؛ بالآخر اسکندر اول کا پوتا امین تاس سوم تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہوا- اس نے مخالفین کے ساتھ ازدواجی

تعلقات قائم کر کے داخلی انتشار کو ایک حد تک دور کر دیا- اس زمانے میں ایرانی سیاست کی بدولت اہلِ ایتھنز کمزور پڑ گئے اور اہلِ تھیسلی اندرونی اختلافات کا شکار ہو گئے' اس لیے حالاتِ زمانہ مقدونیہ کے موافق تھے-

امین تاس سوم کے بعد اسکندر دوم اس کا جانشین بنا- اس زمانے میں مقدونیہ میں داخلی جھگڑے اٹھ کھڑے ہوے- امین تاس کے داماد بطلیموس نے اسکندر دوم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا- آخر وقتی طور پر یہ جھگڑا یوں طے ہوا کہ دونوں مل کر حکومت کریں لیکن حکومت میں دوعملی زیادہ دیر نہیں چلتی- زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسکندرِ دوم قتل ہوا اور بطلیموس نے تخت و تاج سنبھالا لیکن اس کی حکومت بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیوں کہ امین تاس کے بیٹے پر دیکاس نے اس سے حکومت چھین لی لیکن یہ بھی داخلی جنگ و جدل میں مارا گیا اور اس کی جگہ پر دیکاس کا بھائی' جو امین تاس سوم کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' فلپ دوم کے نام سے ۳۵۹ ق م میں تخت نشین ہوا-

فلپ دوم کی مہمیں

فلپ دوم نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ملکی استحکام کی طرف توجہ دی؛ فوج کو ازسرِ نو منظم کیا' بحری بیڑا تیار کیا اور مقدونیہ کی کانوں سے سونا چاندی نکلوایا' جس سے اسے کثیر مقدار میں دولت ہاتھ لگی- اب وہ فوجی ضروریات سے بے نیاز ہو گیا- چند سالوں کی جدوجہد میں اس نے مقدونیہ کو یونان کی اہم ترین ریاست بنا دیا- اہلِ ایتھنز اور اہلِ طبس اس نئی ابھرتی ہوئی حکومت کے خلاف تھے لیکن مقدونیہ اتنا طاقت ور ہو گیا کہ یہ دونوں حکومتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں-

جنگ کرونیا

۳۳۸ ق م میں اہلِ ایتھنز اور طبسیوں نے مل کر معرکہ' کارزار گرم کیا- کرونیا کے مقام پر ان کی فلپ سے جنگ ہوئی' جس میں شدید مقابلے کے بعد فلپ کو فتح ہوئی- اتحادیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا- طبس کو اپنی خودمختاری سے ہاتھ دھونے پڑے اور وہاں فلپ نے مقدونی فوج متعین کر دی- ایتھنز کے اسیروں کو البتہ رہا کر دیا گیا اور ایتھنز کے حکمرانوں کے ساتھ معاہدہ بھی ہو گیا-

فلپ کی پیش قدمی

فلپ کا ارادہ اب سارے یونان کو زیرِ نگیں کرنے کا تھا- اس نے البانیہ کے قبائل کی سرکوبی کے لیے پے بہ پے حملے کیے اور بالآخر فتح پا کر ان کا قتلِ عام کیا- اس مہم کے بعد اس نے ایمفی پالس پر چڑھائی کی اور اسے مسخر کیا' پھر فوسیا کی طرف پیش قدمی کی اور بالآخر اسے بھی فتح کیا- اب تھریس کی باری آئی اور اسے بھی فتح کیا- البتہ پیرنتس کو مسخر کرنے میں فلپ ناکام رہا- وہ اصل میں درۂ دانیال کو اپنے تسلط میں لانا چاہتا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی تو اس نے یونان کو متحد کرنے کا فیصلہ کیا-

یونانی ریاستوں کی سرداری

کرونیا کی فتح کے ایک سال بعد ۳۳۷ ق م میں یونانی ریاستوں کے کا اجتماع کورنت کے مقام پر ہوا جس میں اسپارٹا کے نمایندوں کے علاوہ اور سب موجود تھے- فلپ نے اس اجتماع میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ایک یونان لیگ منظم کی جائے جو تمام یونانی ریاستوں کو خود مختاری دلائے اور تمام یونانی ریاستیں اس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایران پر حملہ کریں' جو عرصۂ دراز سے یونانیوں کی آزادی کو پامال کر رہا ہے- اس وقت اگرچہ یونانی ریاستوں کو ایران سے کوئی پرخاش نہ تھی لیکن مصلحت وقت کے پیشِ نظر ان سب نے اتفاق کر لیا اور فلپ کو اپنا سردار منتخب کر لیا- ان کا کچھ یہ خیال بھی تھا کہ فلپ کی توجہ ایشیا ہی کی طرف مبذول رہے تو بہتر ہے- فلپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس ہوا اور مملکت ایران پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے میں مصروف ہو گیا-

فلپ کا زمانۂ نشاط

پلوتارک لکھتا ہے کہ فلپ [1] قتل ہونے سے پہلے عیش و عشرت اور معاشقوں میں مشغول ہو گیا- ملکہ اولمپیا' جو اسکندر کی ماں تھی' فلپ کی عیش و عشرت سے سخت کبیدہ خاطر ہوئی- اس کی کبیدگی کا اثر دربار پر پڑا- فلپ اور اس کے بیٹے اسکندر کے مابین بھی شکر رنجی ہو گئی' جس سے ماں بیٹا فلپ سے الگ تھلگ رہنے لگے- پھر فلپ نے ایک نوجوان لڑکی قلوپطرہ سے شادی رچالی- شادی کی ضیافت میں قلوپطرہ کے چچا اتالوس نے حالت سرمستی میں مہمانوں کو خطاب کر کے کہا: ''اہلِ مقدونیا! اب دیوتاؤں کے حضور دعا کرو کہ فلپ کو قلوپطرہ سے وارثِ تخت و تاج

(۱) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۲۱۰

ملے جو حلال زادہ ہو"۔ اسکندر بھی اس ضیافت میں موجود تھا اس نے اتالوس کی بات سنی تو برہم ہو کر بولا "کیا تم سمجھتے ہو میں حلال زادہ نہیں ہوں؟" اور اپنا گلاس اس کے منہ پر دے مارا۔ فلپ اپنی جگہ سے اٹھا اور شمشیر نیام سے نکال کر اسکندر کی طرف بڑھا لیکن مستی یا غلبۂ خشم کی وجہ سے اس کے پاؤں میں لغزش ہوئی اور گر پڑا۔ اسکندر بولا: "اہلِ مقدونیا! یہ ہے کہ وہ شخص جو یورپ سے چل کر ایشیا کا رخ کرنا چاہتا ہے حالاں کہ اس میں اتنی سکت نہیں کہ ایک میز سے اٹھ کر دوسری میز تک پہنچ سکے۔" یہ کہہ کر اسکندر اٹھا اور اپنی ماں کو لے کر مجلسِ ضیافت سے نکل گیا۔ بعد میں اس نے اپنی ماں کو اسپیریا پہنچایا اور خود البانیہ کا رُخ کیا۔

فلپ کا قتل

فلپ نے اپنی فتوحات کی خوشی میں جشن عظیم برپا کیا۔ ایک وسیع میدان میں قومی کھیلوں کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے اہلِ مقدونیہ جوق در جوق جمع ہوئے۔ اب بادشاہ مقدونیہ کا انتظار تھا کہ وہ رونق افروز ہو کر کھیلوں کی رسم افتتاح ادا کرے۔ آخر بادشاہ سفید لباس میں ملبوس نمائش گاہ میں وارد ہوا۔ محافظوں کو اس نے دور ہٹا دیا تاکہ یونانیوں کو معلوم ہو کہ بادشاہ کو ان کی محبت اور خلوص پر پورا بھروسا ہے۔ اتنے میں ایک شخص پوزانیا (Pausania) آگے بڑھا اور فلپ کے سینے میں خنجر بھونک دیا جس سے وہ گر پڑا اور وہیں جان دے دی۔

فلپ کے قتل کے متعلق قیاس آرائیاں

بعض مورخین کا خیال ہے کہ فلپ کے قتل میں اسکندر کا ہاتھ تھا لیکن اسکندر اپنے باپ کے متعلق اس قسم کا خیال اپنے ذہن میں بھی نہ لا سکتا تھا' جس کی زندگی کا مقصد یونان کو سربلند کرنا تھا اور اپنے واحد حریف ایران کو نیچا دکھانا تھا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے اولمپیا نے اپنے بے وفا شوہر سے انتقام لینے کے لیے اس قسم کی سازش سے اتفاق کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اسے خیال آیا ہو کہ اس کے بیٹے کی جانشینی خطرے میں نہ پڑے۔ دیودور[1] لکھتا ہے کہ قلوپطرہ کے چچا اتالوس نے پوزانیا سے' جو فلپ کا معتمد خاص تھا' نامناسب سلوک کیا جس سے فلپ کو سخت رنج ہوا لیکن اتالوس لشکر لے کر ایشیا روانہ ہونے والا تھا اور وہ بادشاہ کا خسر بھی تھا اس لیے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوئی' البتہ فلپ نے پوزانیا کا منصب بڑھا کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔ اس سے پوزانیا کا غصہ فرو نہ ہوا اور اس نے اتالوس اور فلپ سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔

---

(۱) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۲۰۸

فلپ کا کردار

فلپ مقدونیہ کا عظیم بادشاہ تھا۔ اس نے سالوں کی جدوجہد سے ملک کا وقار بڑھایا اور اسے یونان کی اہم ترین ریاست بنا دیا۔ یونان کی مہموں سے فارغ ہو کر اب وہ ایشیا کو فتح کرنا چاہتا تھا لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی۔ بہر حال اس نے یونانیوں کو محبِ وطن بنایا' قومیت کی روح پھونکی اور وطن کی حفاظت کے نام پر اہلِ یونان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔

اسکندرِ اعظم

(۳۳۶ تا ۳۲۳ ق م)

داریوش ہخامنشی خاندان کا بدبخت تاجدار تھا جس کا مقابلہ ایک ایسے بادشاہ سے ہوا جس کے سامنے دنیا کا کوئی حکمران نہ ٹھہر سکا۔ بالآخر اسی کے ہاتھوں ہخامنشی عہد کا چراغ گل ہوا۔ یہ اسکندر اعظم تھا۔ پیشتر اس کے کہ مملکت ایران پر اسکندر کی پیش قدمی کا ذکر کیا جائے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے ابتدائی حالات مختصر طور پر بیان کیے جائیں۔

ولادتِ اسکندر کے مختلف افسانے

دنیا کی قدیم اور عظیم شخصیتوں کی ولادت کے متعلق عموماً طرح طرح کے افسانے مشہور ہو جاتے ہیں۔ اسی قسم کے افسانوی دھندلکے اسکندر اعظم کی ولادت پر بھی چھائے ہوئے ہیں۔ بعض قدیم[1] مورخ مشہور ملکی روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یونان کے قدیم دیوتا 'زیوس' کی روح نے اسکندر اعظم کی شکل میں جنم لیا تھا۔ فردوسی نے 'شاہنامہ' میں بتایا ہے کہ اسکندر' ایرانی بادشاہ داریوش کا بیٹا تھا' جس نے فیلقوس (فلپ) کی شہزادی سے شادی کی تھی' لیکن کسی وجہ سے ناراض ہو کر اسے الگ کر دیا اور وہ ایران سے نکل کر مقدونیہ اپنے والد کے گھر آ گئی۔ یہاں اس کے بطن سے اسکندر نے جنم لیا۔ اسکندر سن شعور کو پہنچا تو اسے حسب نسب کا پتا چلا۔ آخر اس نے ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے ایشیا کی مہم کا آغاز کیا کیوں کہ وہ اپنے آپ کو اس کا حقیقی وارث سمجھتا تھا۔ ابن اثیر نے اسے اسکندر ذوالقرنین سے تعبیر کیا ہے۔ نظامی گنجوی نے بھی 'سکندر نامہ' میں اسے اسکندر ذوالقرنین ہی بتایا ہے لیکن تاریخ مقدونیہ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ سکندر نام کے تین بادشاہ مقدونیہ میں ہوئے ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا

(۱) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۲۱۴

ہے۔ اسکندر اعظم کے نام سے شہرت حاصل کرنے والا اسکندر سوم تھا۔

اسکندر کا عالم طفولیت

اسکندر کا باپ فیلقوس بہت عاقل اور پیش بیں شخص تھا۔ وہ مقدونیہ کو دنیا کی عظیم سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ اسے امید تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں یہ کام نہ کر سکا تو اس کا بیٹا اسکندر اس آرزو کی تکمیل کرے گا' اس لیے اس نے اسکندر کی تربیت پر خاص توجہ دی۔ ایک دانش مند لیونیدس (لیونی وس) کو اس کا نگران خاص مقرر کیا گیا کہ اس کی پرورش و تربیت کا خاطر خواہ انتظام کرے [1]۔ اسکندر کچھ بڑا ہوا تو فیلقوس نے حکیم ارسطو کو خط لکھا' جس کا مضمون بحوالۂ یونانی مؤرخین یہ ہے: ''مجھے دیوتاؤں نے ایک فرزند عطا کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں اگر آپ اس کی تربیت کریں تو وہ ناخلف نہ بنے گا اور میرے بعد میرے عظیم کام کا بوجھ اٹھائے گا''۔ آخر حکیم ارسطو شاہی دربار میں آیا اور اسکندر کی تربیت اسے سونپ دی گئی۔ ارسطو نے صرف' نحو' طبیعیات اور فلسفے کے علوم اسے سکھائے اور اپنے شاگرد کی تخت نشینی تک وہ دربار ہی سے وابستہ رہا۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسکندر کی ہوش مندی کا ستارہ بچپن ہی میں اس کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ اس کے لڑکپن کے بعض واقعات مؤرخین نے لکھے ہیں' ان میں سے دو ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

تھیسلی [2] کا ایک باشندہ فیلونی' اپنا گھوڑا 'بوسفالس' شاہ فیلقوس کے لیے لے کر آیا اور تیرہ ٹیلنٹ (ہمارے تین ساڑھے تین ہزار روپے) قیمت طلب کی' مگر جب اس کا امتحان کرنے میدان میں لائے تو اس نے وہ شرارت شروع کی کہ کسی کے قبضے میں نہ آیا۔ کوئی ذرا بھی چڑھنے کا ارادہ کرتا تو وہ الف ہو جاتا' دولتیاں جھاڑتا اور فیلقوس کے آدمیوں کو پاس نہ آنے دیتا۔ آخر سب نے تھک ہار کر اسے چھوڑ دیا کہ یہ کسی کام کا نہیں۔ اسکندر قریب ہی کھڑا تھا' کہنے لگا: ''افسوس ہے اپنی کم ہمتی اور نادانی سے ایسا اچھا گھوڑا کھو رہے ہو۔'' پہلی دفعہ تو فیلقوس نے کوئی توجہ نہ کی' لیکن جب اس نے بار بار یہی فقرہ دہرایا' تو فیلقوس اس کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ''کیا تم ان سے بہتر سواری جانتے ہو؟ جس گھوڑے کو وہ قابو میں نہ لا سکے' تم لے آؤ گے؟'' اسکندر نے جواب دیا ''بے شبہ میں اس گھوڑے کو ٹھیک کر سکتا ہوں۔'' فیلقوس نے کہا

(۱) تاریخ کامل' ایران ج ۱' ص ۲۱

(۲) پلوتارک' مشاہیر یونان و روما' ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی' ص ۹۵

"اور جو نہ کر سکے تو اس گستاخی کا جرمانہ؟" اسکندر نے جواب دیا "گھوڑے کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔" آخر اس نے زین تھام کر گھوڑے کا منہ سورج کی طرف کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سمجھ گیا تھا کہ اصل میں گھوڑا اپنی پرچھائیں دیکھ دیکھ کر بھڑکتا ہے۔ پھر تھوڑی دور تک باگ پکڑے پکڑے اس کے ساتھ گیا اور ایک ہی دفعہ اچھل کر پیٹھ پر جا بیٹھا۔ تھوڑی سی دیر میں اس کی اچھل کود موقوف ہو گئی۔ اسکندر جب گھوڑے سے اتر آیا تو باپ نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرطِ مسرت سے کہا: "بیٹا مقدونیہ تیرے لیے بہت چھوٹی ہے' تجھے اور کوئی سلطنت چاہیے جو تیری بلند ہمتی کے لیے موزوں ہو۔"[1]

ایک مرتبہ باپ کی عدم موجودگی میں اسے شاہ ایران کے سفیروں کی مہمان داری کرنے کا اتفاق ہوا تو اپنی باتوں سے اور خاطر تواضع سے انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ خاص کر جو سوالات اس نے پوچھے' نہایت معقول تھے۔ مثلاً اس نے اندرون ایشیا کے وسائل آمد و رفت اور بعد مسافت کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں۔ وہاں کے حکمرانوں کے حالات سے آگاہی حاصل کی۔ ان کی فوجی طاقت اور ان کے دوستوں اور دشمنوں کے معاملات سے واقفیت حاصل کرنی چاہی۔ غرض اس کے سوالات نے ایرانی سفیروں کو دنگ کر دیا۔

اسکندر نے اپنے لڑکپن میں جنگ کا پہلا تجربہ پیرنتھس کے مقام پر کیا تھا۔ اس کے باپ نے جب کرونیا کی جنگ لڑی تو فوج کے ایک بازو کی کمان اسکندر ہی کے سپرد تھی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

اسکندر کی تخت نشینی

اسکندر بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ جہاں اس نے باپ کی مملکت حاصل کی وہاں ایران کے یونانی مقبوضات اور ایران پر حملہ کرنے کے ارادے بھی ورثے میں پائے۔

ایران پر حملہ کرنے سے پہلے وہ اپنے باپ کی طرح تمام یونانی ریاستوں کی قیادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض اور بھی داخلی امور تھے' جنھوں نے اسکندر کو کچھ عرصہ الجھائے رکھا۔

اسکندر کی سوتیلی ماں قلوپطرہ کے بطن سے ایک لڑکا تھا۔ قلوپطرہ کا چچا اتالوس سازشوں کا جال بچھا دینا چاہتا تھا کہ اسکندر کی بجائے قلوپطرہ کے بیٹے کی تخت نشینی کے لیے راہ ہموار

---

(۱) پلوتارک' مشاہیر یونان و روما' ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی' ص ۹۷

کرے۔اس لیے وہ ایشیاے کوچک روانہ ہوا۔ اسکندر بھی اس سے بے خبر نہ تھا۔اس نے اپنے ایک جاں نثار ساتھی ہکاتہ کو ایشیاے کوچک بھیجا کہ اتالوس کو' جیسے بھی بن پڑے' مقدونیہ واپس لاے اور اس میں کام یاب نہ ہو تو اسے قتل کر دے۔

ایتھنز کے حکم ران کو بھی اس ابھرتی ہوئی سلطنت کا وجود نا گوار گزرتا تھا۔اس نے اپنا ایلچی ایشیاے کوچک میں اتالوس کے پاس بھیجا تا کہ اس سے مل کر اسکندر کے خلاف کوئی متحدہ اقدام کیا جا سکے۔آس پاس کے علاقوں میں بھی اس نے اسکندر کے خلاف راے عامہ کو ابھارا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیلقوس نے جو فوجی دستہ طبس (Thebes) میں مقرر کیا تھا' اسے اہلِ طبس نے نکال باہر کیا۔ ادھر پلوپونس کے لوگوں نے اعلان کیا کہ وہ اسکندر کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔مقدونیہ کے بعض ساحلی علاقوں میں بھی اسکندر کے خلاف علمِ بغاوت بلند ہوا۔ اسکندر نے شروع میں تھیسلی (Thessely) کا رُخ کیا اور اہلِ تھیسلی کو اپنا ہم نوا بنانے میں کام یاب ہو گیا۔آخر انھوں نے اسکندر کے حق میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکندر کو یونان کی متحدہ افواج کا سپہ سالار بنا دیا جاے۔اس کے بعد انھوں نے سمندر کے ساحلی علاقوں کی حمایت حاصل کر کے تھرموپولی کا رُخ کیا۔یہاں یونانی ریاستوں کے نمایندوں کا اجلاس منعقد ہوا۔اس میں اسپارٹا کے علاوہ تمام یونانی ریاستوں کے نمایندے شامل ہوے' جن کو اسکندر نے ہم نوا بنالیا تھا۔اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اسے یونان کی متحدہ افواج کی قیادت سپرد کر دی جاے۔

اس فیصلے کے بعد اسکندر نے اُن ریاستوں کی طرف پیش قدمی کرنی چاہی جو اسکندر کے خلاف تھیں۔ایتھنز اور طبس میں اسکندر کی مقبولیت کی اطلاع پہنچی تو وہ سخت فکر مند ہوے۔ ایتھنز کے حکم ران نے اسکندر کے خلاف جو قدم اُٹھاے تھے واپس لے لیے بلکہ اپنا سفیر اس کے پاس بھیج کر اپنی ارادت کا اظہار بھی کیا۔ایتھنز کے حکم ران نے اتالوس کو بھی باز رکھنے کے لیے اپنا ایلچی ایشیاے کوچک بھیجا لیکن اسکندر کا معتمد رفیق ہکاتہ اسے قتل کرنے میں کام یاب ہو چکا تھا۔اس کے بعد اسکندر نے شمالی ہمسایوں کی طرف متوجہ ہونے کی لیے دوسرے ہی سال بالکان کی ریاستوں کی طرف پیش قدمی کی اور ان کی اطاعت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا۔

طبس کی تباہی

۳۳۵ ق م میں اسکندر نے طبس کا رُخ کیا' جہاں کے حکم ران نے اسکندر کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور مقدونی فوج کے دستوں کو ریاست سے نکال باہر کیا تھا۔اسکندر نے طبس کا

شہر بوتیا فتح کر کے طبس کے حکمران کو صلح کے لیے نہایت نرم شرائط پیش کیں، لیکن اس نے صلح کی شرائط مسترد کر دیں۔ آخر اسکندر نے طبس پر حملہ کیا اور اس پر فتح پا کر چھ ہزار طبسی باشندے تہہ تیغ کیے اور تیس ہزار اسیر کر لیے گئے۔ اسکندر کا غصہ ابھی فرو نہیں ہوا تھا۔ چناں چہ اس نے مندروں کو چھوڑ کر تمام شہر تباہ کرا دیا اور طبسی حکومت کا یکسر خاتمہ ہو گیا۔ اس سخت گیری سے اسکندر یونان کے طول و عرض میں ہیبت پھیلانا چاہتا تھا، جس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ طبس کی تباہی کی خبر یونان بھر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ یورپ سے نکل کر جب اس نے ایشیا کا رُخ کیا تو جہاں جہاں اس نے مقدونی حکومت قائم کی تھی، کہیں شورش نہ ہوئی۔

اسکندر کی پیش قدمی کو روکنے کا اقدام

ایران کی ہخامنشی سلطنت میں اگرچہ زوال کے آثار ظاہر ہو چکے تھے لیکن داریوش سوم ایک آزمودہ کار بادشاہ تھا، جس نے ایران کے داخلی حالات کو بگڑنے نہ دیا۔ ایشیائے کوچک کے ایرانی مقبوضات کے حکمران اس کے وفادار تھے۔ یونانی پیشہ ور سپاہیوں کی کثیر تعداد اس کی حامی تھی۔ انھی پیشہ ور سپاہیوں پر موقوف نہیں، ایشیائے کوچک کی تمام آبادی داریوش کی اطاعت گزار تھی۔ اس کے علاوہ ایران کا بحری بیڑا ابھی بہت مستحکم تھا۔

داریوش سوم کو جب فیلقوس کے قتل کی خبر ملی تھی اور یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کا جانشین ایک نوعمر شخص ہے، تو وہ کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن اسکندر کی فتوحات کی صدائیں بہت جلد ایران کے کوہساروں میں گونجنے لگیں اور جب داریوش کو اطلاع ملی کہ اہلِ یونان نے ایران کے خلاف لشکر کشی کرنے کے لیے اسکندر کو قائد تسلیم کر لیا ہے تو اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور یونان کے اور پچاس ہزار پیشہ ور سپاہیوں کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ بحری جہازوں میں اضافہ کیا۔ یونانی سپاہیوں کے سپہ سالار ممنون کو مقرر کیا، جس کے بزرگ مصر کے خلاف ایرانی جنگوں میں نمایاں خدمات انجام دے چکے تھے۔ اسے داریوش نے میسیا کے مشہور شہر سیزیک (Cyzique) کو مسخر کرنے کے لیے بھیجا۔ ممنون ہیلس پوائنٹ کے ساحل کے بلندترین پہاڑ ایڈا سے گزر کر شہر سیزیک پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر کے مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اسی اثنا میں ایک مقدونی سردار پارمینین (Parmenyon) اسکندر کے انتظار میں ایشیا میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ ایشیائے کوچک کے شہر گری نیم (Griniam) پر حملہ کر کے اس پر قابض ہو گیا اور اہلِ شہر کو غلام بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے شہر پیتان کا محاصرہ کیا لیکن جونھی کہ ممنون وہاں پہنچا مقدونیوں نے شہر کا محاصرہ ترک

کر دیا۔ اسی اثنا میں ایک مقدونی سردار کالاس نے تراود کے مقام پر ایرانیوں سے جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ واقعات ۳۳۵ ق م کے ہیں جب اسکندر ابھی مقدونیہ ہی میں تھا۔[1]

ایشیائی مہم کا آغاز

۳۳۴ ق م میں اسکندر نے ایشیا کو فتح کرنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اس مہم کا آغاز اگرچہ حقیر سا تھا اور جو منصوبے اسکندر نے بنائے تھے' ان کے لیے ساز و سامان بھی ناکافی تھا۔ تاہم اسکندر نے اس وقت تک اپنے سپاہیوں اور ساتھیوں کو وطن سے نکلنے کی اجازت نہ دی جب تک ان کے وسائل آمدنی معلوم نہ کر لیے۔ جن کے وسائل معقول نہ تھے' ان کو اسکندر نے اپنی املاک دے دیں' یہاں تک کہ اس کی جائیداد اور زمینیں سب تقسیم ہو گئیں۔ اسکندر کے ایک مشیر ہردکاس نے پوچھا "اپنے لیے بھی کچھ رکھیں گے یا نہیں" تو اسکندر بولا "مرے لیے امید بہت کافی ہے؟" اسکندر کی فوج میں تیس ہزار پیادہ اور پانچ ہزار سوار شامل تھے۔ ان میں نصف تعداد اہل مقدونیہ کی تھی اور بقیہ نصف فوج اہلِ تھیسلی اور آس پاس کے قبائل پر مشتمل تھی۔ یہ فوج اگرچہ مختصر سی تھی لیکن سب کے سب آزمودہ کار اور جاں نثار تھے۔

اسکندر اعظم نے لشکر کے ساتھ ہیلس پوائنٹ کا رُخ کیا۔ دیوی دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں دیں اور جو سورما مدفون تھے' نذریں نیازیں دے کر ان کی یاد تازہ کی اور ہیلس پوائنٹ کو عبور کر گیا۔

اسکندر ساحل کے ساتھ ساتھ شمالی جانب بڑھتا گیا تاکہ اپنے بحری بیڑے سے دور نہ رہے۔ بحری بیڑا اس کا کمزور تھا۔ ایتھنز والوں نے اسکندر کو کافی تعداد میں جہاز نہیں بھیجے تھے' مبادا یہی بحری طاقت ان کے خلاف استعمال ہو۔ آخر اسکندر اعظم یورپ کی آخری سرحد پر آ پہنچا۔

دریائے گرانیک کے کنارے پہلی جنگ

شاہ ایران یہ چاہتا تھا کہ لیڈیا' فریگیا اور کاپادوکیا کے ایرانی سردار ہیلس پوائنٹ کے ساحل پر جمع ہو جائیں اور اسکندر کو سرزمینِ ایشیا پر پاؤں نہ رکھنے دیں لیکن وہ وقت پر اکٹھے نہ ہو سکے۔ اس وقت ممنون نے یہ تجویز پیش کی کہ شہر اور دیہات جلا دیے جائیں اور راستے میں اسکندر کو جو رسد مل سکتی ہے' اسے ضائع کر دیا جائے۔ دوسری طرف یورپ میں بھی ایک محاذ جنگ کھولا

(۱) پلوتارک: مترجم سید ہاشمی فرید آبادی' مشاہیر یونان و روما' ص ۱۱۱

جائے اور ایران کی کچھ بری اور بحری فوجیں مقدونیہ پہنچا دی جائیں' لیکن ایرانی سرداروں نے ممنون کی تجاویز سے اتفاق نہ کیا۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ گرانیک کے کنارے صف آرائی کریں' جو ایشیائے کوچک کا مشہور دریا ہے اور بحیرۂ مارمورا میں گرتا ہے۔ چناں چہ دریا کے ایک کنارے پر ایرانی فوجیں آ گئیں۔ ادھر یونانی بھی بڑھے چلے آتے تھے۔ انھوں نے دریا کے دوسرے کنارے پر خیمے ڈالے۔ دو متحارب طاقتوں کے درمیان اب صرف دریا حائل تھا۔ ایرانی منتظر تھے کہ اہلِ یونان دریا کو عبور کریں۔ کہا جاتا ہے کہ دریا بہت گہرا تھا' دوسرے کنارے کی ڈھلوان بڑی ناہموار تھی۔ ساری فوج کا اس پر ایک دم چڑھنا آسان نہ تھا۔ اسکندر کے جرنیل پارمینو نے مشورہ دیا کہ آج دیر ہو چکی ہے' کل علی الصبح پیش قدمی کی جائے تو مناسب ہو گا۔ اسکندر بولا:

''پارمینو! دریائے گرانیک سے ڈرنا درۂ دانیال کی توہین ہے' جسے ہم نے بلا تامل عبور کر لیا تھا۔''[1] یہ کہہ کر اسکندر تیرہ سو سوار دستے ساتھ لے کر دریا میں کود پڑا۔ سامنے سے ایرانیوں کا جم غفیر ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ ادھر پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا اور بڑھنے نہ دیتا تھا۔ اسکندر راستہ نکالنے پر اڑ گیا اور سخت جدوجہد کر کے کنارے جا لگا۔ کچھ فوج دریا عبور کر چکی تھی' کچھ دریا کے پاٹ میں تھی کہ سامنے سے ایرانی ٹوٹ پڑے۔ اسکندر کو اتنی مہلت نہ تھی کہ وہ صف آرائی کر سکتا۔ ایرانیوں کے نعروں کا شور قیامت برپا کر رہا تھا اور نیزے تانے ہوئے ایک ایک سوار ایک ایک سوار پر آ گرا۔ اسکندر کا نیزہ لڑتے لڑتے ٹوٹ گیا تو اس نے دوسرا نیزہ لے کر داریوش کے داماد مہرداد (Mithradates) پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ گھوڑے سے نیچے آ گرا۔ اسی اثنا میں رزاسس نے اسکندر پر پُر زور حملہ کیا اور اس کا نیزہ اسکندر کی زرہ سے گزر کر اس کے شانے میں آ لگا۔ پیچھے سے لیڈیا کے ایرانی حاکم سپہرداد نے خنجر سے اسکندر پر وار کیا لیکن کلیتوس مقدونی نے لپک کر تلوار کے وار سے سپہرداد کا ہاتھ قطع کر دیا۔ اتنے میں اسکندر کی اور سوار فوج بھی دریا کو عبور کر کے آ پہنچی اور تازہ دم مقدونی' ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑے جس سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ جنگ میں کئی نامور سردار کام آئے اور ان کی سوار فوج پسپا ہو گئی۔ پھر پیادہ فوج آگے بڑھی لیکن وہ بھی مقدونیوں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔

اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ ایرانیوں نے اس جنگ میں بڑی ہمت دکھائی اور جب تک ایک ایک سردار نے جان نہ دے دی' مقدونی لشکر کو فتح نہ ہو سکی۔ غیرت وحمیت کا یہ عالم تھا کہ فریگیا کے حاکم نے شکست کی خبر سنی تو اپنا خنجر سینے میں بھونک کر خودکشی کر لی۔

(۱) پلوتارک: مشاہیر یونان وروما' ص ۱۱۲

جنگِ گرانیک کے اثرات

اس جنگ میں ایشیائے کوچک کے ایرانی مقبوضات کے تمام والی کام آ ئے تھے' اس لیے وہاں کے باشندوں نے یکے بعد دیگرے اسکندر کی اطاعت کر لی۔ اسکندر نے اپنے سالار کالاس کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے لیڈیا کے شہر سارڈ کا رُخ کیا جہاں کا حاکم شہرداد تھا۔ اس کے قائم مقام مترین نے نہایت بزدلی دکھائی اور روسائے شہر کو ساتھ لے کر اسکندر کے استقبال کو آیا اور شہر کے خزانے اس کے حوالے کر دیے۔

شہر سارڈ پر قبضہ اسکندر کے لیے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ یہاں کا قلعہ بہت مستحکم تھا۔ اس کے اِردگرد ناقابل تسخیر تین فصیلیں تھیں۔ یہاں آ کر ایرانی فوجیں متحد ہو جاتیں تو محاصرہ بہت طول پکڑتا۔ سارڈ کے حاکم شہرداد نے تین اہم اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے رکھے تھے' وہی حاکمِ علاقہ تھا' وہی فوجوں کا سالار اور وہی دبیر اعلا۔ اسکندر نے اب یہ تینوں اہم اختیارات الگ الگ کر کے مختلف افسروں کے سپرد کر دیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکندر نے اپنے تسلط کو مستقل کرنا چاہا تھا۔

گرانیک کی جنگ میں جو یونانی کام آئے ان کی قربانی کی یادگار قائم کرنے کے لیے اسکندر نے حکم دیا کہ ان کے مجسمے مقدونیہ کے شہروں میں نصب کیے جائیں تاکہ اہلِ یونان کو معلوم ہو سکے کہ جن لوگوں نے یونان کے لیے جانیں دی ہیں' یونان انھیں فراموش نہیں کر سکتا۔ اس نے مالِ غنیمت کا بہت ساز و سامان مختلف ریاستوں میں بھجوایا۔ تین سو زرہ بکتر اہلِ ایتھنز کے لیے بھیجے اور ہر ایک پر یہ کندہ کرایا کہ یہ زرہ بکتر اسکندر پسر فیلقوس اور یونانیوں نے' جن میں لاسدیمونی شامل نہ تھے' ایشیا میں بسنے والوں سے لڑائی میں چھینے۔

ایشیائے کوچک کے دوسرے ایرانی مقبوضات

سارڈ پر قبضہ ہونے کے بعد اسکندر نے اب ایشیائے کوچک کے دوسرے ایرانی مقبوضات کی طرف رجوع کرنا چاہا کہ اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لے اور پھر اطمینان سے مشرق کی سمت بڑھے۔ افیسس (Ephesus) کے حاکم نے خود ہی سرِ تسلیم خم کر لیا۔ قریب ہی کا دوسرا شہر میلیتس (Miletus) کافی مستحکم تھا۔ گرانیک کی بچی کھچی ایرانی فوج یہاں ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔ اسکندر نے میلیتس کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے لوگ بہت حوصلہ مند تھے کیوں کہ ممنون نے مزید فوج شہر کی حفاظت کے لیے بھیج دی تھی۔ میلیتس کی فوج نے

ابتدائی حملوں کا بہادری سے مقابلہ کیا- آخر اسکندر نے قلعہ شکن منجنیقوں سے دیواروں میں شگاف کر دیے اور مقدونی لشکر قلعے کے اندر داخل ہو گیا- شہر میں لوٹ مار ہوئی اور اکثر اہالی شہر اسیر ہوئے لیکن ان میں جس قدر یونانی تھے' انھیں آزاد کر دیا گیا بلکہ انھیں اسکندر نے اپنی فوج میں شامل کر لیا اور غیر یونانیوں کو غلام بنا کر شہر بہ شہر فروخت کرا دیا-[1]

ہالی کارناسس کی تسخیر

ملیتس کی فتح کے بعد یونانی فوج کا ہدف ہالی کارناسس (Hali Carnassus) تھا جو ایرانی مقبوضہ کاریا کا مشہور شہر تھا- اس کے قدرتی محل وقوع نے اسے نہایت محفوظ مقام بنا دیا تھا- اس کے علاوہ یہاں دو نہایت مضبوط قلعے بھی تھے- یہ شہر ممنون کا صدر مقام تھا' جو داریوش کی طرف سے ان مقامات کا حاکم' تھا اور ایران کا بحری بیڑا اس کے ماتحت تھا- ممنون نے اس کے استحکام کے لیے غیر معمولی اقدامات کر رکھے تھے اس لیے ہالی کارناسس کو مسخر کرنا آسان نہ تھا-

ہالی کارناسس کے اردگرد ایک بہت بڑی خندق بھی تھی جس کی چوڑائی تیس ہاتھ اور گہرائی پندرہ ہاتھ تھی- مقدونیوں کے لیے اس خندق کو عبور کرنا بہت دشوار تھا- چناں چہ اسے پر کرنے کا فیصلہ ہوا اور نہایت عرق ریزی سے اسے پر کرا دیا گیا' پھر دیوار کو بھی منجنیقوں کے ذریعے قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈال دیے- مقدونی لشکر نے قلعے میں داخل ہونا چاہا لیکن ممنون کی موجودگی کی وجہ سے ایرانی لشکر قوی دل تھا اور تازہ دم فوج کی کمک بھی بدستور مل رہی تھی- اس لیے انھوں نے قلعے کی حفاظت کے لیے جانیں لڑا دیں- دن بھر نہایت خونریز لڑائی ہوئی' لیکن یونانی قلعہ فتح نہ کر سکے- رات کے وقت ممنون مقدونی پاسبانوں کو غافل پا کر قلعے سے باہر آیا اور دشمن نے قلعہ شکنی اور محاصرے کے لیے جو تعمیرات کھڑی کی تھیں' انھیں آگ لگا دی- اس موقع پر شدید لڑائی ہوئی جس میں طرفین کا بہت جانی نقصان ہوا- آخر ممنون نے امرائے لشکر سے مشورہ کرنے کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ شہر کو آگ لگا دے اور خود فوج سمیت دو مضبوط قلعوں میں پناہ گزین ہو جائے- اس لڑائی میں اسکندر کے سپاہی کثیر تعداد میں کام آئے- اس لیے اس نے ان قلعوں کو مسخر کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا- ہالی کارناسس سے اسکندر نے اپنے شادی شدہ سپاہیوں کو رخصت دی اور ان کو کہا گیا کہ موسم بہار میں واپس آ جائیں اور زیادہ سے زیادہ رنگروٹ ہم راہ لائیں-

---

(1) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۱۶۳

اسکندر اب لشکر لیے ساحلِ بحر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور پمفیلیا کے متعدد شہر مسخر کر لیے تاکہ ان مقامات سے ایران کو بحری امداد نہ مل سکے- اس مہم سے فارغ ہو کر اسکندر پھر شمالی جانب پسیڈیا (Pisidia) کی طرف بڑھا' جہاں اسے پہاڑی قبائل کا سامنا کرنا پڑا- ان قبائل کو پسپا کر کے اسکندر نے فریگیا کا رُخ کیا اور اسے مسخر کر کے وہاں اپنا نظام حکومت قائم کیا- فریگیا کے دارالسلطنت گورڈیم میں وہ سپاہی جو رخصت پر گئے ہوئے تھے' مع نئے سپاہیوں کے چار ہزار کی تعداد میں یونانی لشکر سے آ ملے-

گورڈیم میں اسکندر کو ایک پیشین گوئی لے آئی تھی- پیشین گوئی یہ تھی کہ 'گوڈیس دیوتا کے رتھ کے رسے جو شخص کھول لے گا' ایشیا کا تاج اسی کے سر پر رکھا جائے گا- اسکندر تو ہم پرست تھا- وہ گرہیں کھولنا چاہتا تھا اس لیے رتھ کی طرف بڑھا- مقدونی اور یونانی یہ دیکھنے کے لیے کہ اسکندر گرہیں کھولنے میں کام یاب ہوتا ہے یا نہیں' اس کے اردگرد جوق در جوق جمع ہو گئے- رتھ کا جوآ کچھ اس طرح باندھا گیا تھا کہ اس کا سرا نہیں ملتا تھا- آخر اسکندر جب رسوں کا سرا معلوم نہ کر سکا تو تلوار سے گرہیں کاٹ دیں اور کہا "رسے کو کھولنے کا ایک یہ طریقہ بھی ہے-"(۱)

ممنون کی وفات

اسکندر ساحل بحر کے تمام علاقے فتح کر چکا تو ممنون نے باقی فوج کو جمع کیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ مقدونیہ اور یونان میں محاذ جنگ قائم کیے جائیں تاکہ ایشیا پر مقدونی لشکر کا دباؤ کم ہو جائے- چناں چہ اس نے کیوس (Cios) پر حملہ کر کے اسے مسخر کر لیا- اس کے بعد ممنون نے جزیرۂ لس بس کا رخ کیا اور اس جزیرے کے تمام مشہور شہر سوائے مٹی لین (Mytilene) کے فتح کر لیے- اب وہ مٹی لین کی طرف متوجہ ہوا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا- راستے میں ہی بیمار ہو گیا اور کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر فوت ہو گیا (۳۳۳ ق م)- اس کی وفات سے شہنشاہ ایران کو ناقابل تلافی نقصان ہوا-

اسکندر نے آگے بڑھنے سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ لس بس جزیرے میں جہاں جہاں ایرانی فوج کے دستے موجود ہیں' وہاں سے انھیں نکال باہر کیا جائے تاکہ یونان میں کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے- چناں چہ اس نے ایک سپہ سالار کو فوج دے کر جزیرے میں بھیجا اور ایرانی فوج کے دستوں کو ٹھکانے لگا دیا گیا-

(۱) پلوتارک: مشاہیر یونان و روما' ص ۱۱۵

کیلیکیا کے در بند سے اسکندر کا عبور

ممنون کی موت کو اسکندر نے اپنے لیے فال نیک سمجھا اور کیلیکیا (Cilicia) کا رُخ کیا- یہ شہر پل سے تقریباً ڈیڑھ فرسنگ کے فاصلے پر تھا' جس کو پار کر کے شہر میں داخل ہوئے تھے- پل بہت تنگ تھا اور چار آدمی ایک ساتھ بمشکل اس پر سے گزر سکتے تھے- یہاں کا حاکم ارسان تھا جسے دربار ایران نے متعین کیا ہوا تھا- ارسان نے پل کی حفاظت کرنے کی بجائے شہر کو آگ لگا کر اسے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تا کہ اسکندر یہاں سے رسد وغیرہ حاصل نہ کر سکے-

اسکندر کی بیماری

کیلیکیا میں ایک چشمہ تھا' جو 'چشمہٗ سیدنوس' کے نام سے موسوم تھا- اس کا پانی پہاڑ کی بلند چوٹی سے نیچے گرتا تھا- اس کے اردگرد سرسبز درخت تھے- اس کا پانی گرمیوں میں بھی نہایت سرد ہوتا تھا- اسکندر نے شدتِ گرما کی وجہ سے چاہا کہ اس چشمے میں نہا لے- چشمے میں اترتے ہی اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی- ملازموں نے اسے باہر نکالا تو اس پر موت کا سکوت طاری تھا- مرض کا نہایت شدید حملہ ہوا تھا- اب یونانی اس کی زندگی سے ناامید ہو رہے تھے- انھیں یہ بھی رنج تھا کہ اس کی موت کے بعد دنیا کیا کہے گی کہ اسکندر نہ کسی نیزے کی نوک سے مرا نہ تیر کی انی سے' چشمے میں نہا کر راہیِ ملک بقا ہوا-

اسکندر کی بیماری نے طول پکڑا- طبیبوں کو سخت پریشانی تھی- کوئی دوا ان کی کارگر نہ ہوتی تھی- آخر جب حالت نازک ہو گئی تو حکیم فیلقوس نے ایک دوا تیار کی- یہ دوا نہایت تیز تھی اور خطرے سے خالی نہ تھی- اس کے دو ہی نتیجے ہو سکتے تھے؛ صحت یا موت- ٹھیک اسی وقت ایک قاصد مقدونی سپہ سالار پارمینو کا رقعہ لے کر اسکندر کے پاس آیا؛ لکھا تھا 'فیلقوس سے خبردار رہنا' یہ شخص داریوش سے مل گیا ہے اور زرِ کثیر کے لالچ میں تمھاری جان لینے پر آمادہ ہے[1]-'' اس رقعے کو پڑھ کر اسکندر نے اسے تکیے کے نیچے رکھ دیا- اتنے میں فیلقوس دوا بنا کر لایا- اسکندر نے بڑے اطمینان سے دوا پینی شروع کی اور ساتھ ہی پارمینو کا خط نکال کر فیلقوس کے ہاتھ میں دے دیا- یہ منظر بھی قابلِ دید ہو گا کہ ادھر اسکندر دوائی پی رہا تھا' جس کے متعلق اسکندر کو محتاط رہنے کی اطلاع دی گئی تھی اور ادھر فیلقوس اس اطلاع کو پڑھ رہا تھا- دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر مختلف جذبات کے ساتھ-

---

(۱) ... ایران باستان' ج ۲' ص ۱۳۸۹

بہر حال تقدیر کو یہ منظور نہ تھا کہ ایک عظیم فاتح جو ایشیا کو فتح کرنے کے ارادے سے مقدونیہ سے چلا تھا' اب ایشیا کے دروازے پر پہنچ کر دم توڑ دے- آخر فیلقوس کی دوائی پینے سے وہ اٹھ بیٹھا اور فدائیوں کی جان میں جان آئی-

داریوش اور اسکندر ایسوس کے میدان میں

اسکندر کی فتوحات روز بروز بڑھ رہی تھیں لیکن کوئی ایسی فیصلہ کن جنگ نہ ہوئی تھی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یونانی لشکر کا مقابلہ کرنا اب ایرانیوں کے بس کی بات نہیں- ایسی لڑائی ۳۳۳ ق م میں ایسوس (Assus) کے میدان میں ہوئی-

ایسوس' کیلیکیا کا اہم ترین شہر تھا- داریوش ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا- داریوش کی فوج میں ایک مقدونی اِمین تاس ملازم تھا- اس نے داریوش کو مشورہ دیا کہ وہ پہاڑیوں اور تنگ میدانوں میں اپنی فوج کو نہ لے جائے کیوں کہ فوج کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو' ایسے مقامات پر قلیل التعداد دشمن کو بھی مغلوب کر لینا آسان نہیں- داریوش نے اس مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور کیلیکیا کی طرف کوچ کر کے اسکندر کے عقب میں' یعنی ایسوس آ پہنچا- اسکندر کو اطلاع ملی تو اس نے لشکر کے سالاروں کو جمع کیا اور کہا: ''جنگ کا دیوتا تمھارے ساتھ ہے- یہی وجہ ہے کہ وہ داریوش کے لاتعداد لشکر کو ایک تنگ میدان میں لے آیا تھا' جو پہاڑ اور سمندر کے درمیان واقع ہے- یہاں ایرانی لشکر کی کثرت کام نہ دے سکے گی-''[1]

اسکندر ایسوس پہنچ گیا- اس کی انتہائی آرزو تھی کہ کسی تنگ میدان میں ایرانی لشکر سے آمنا سامنا ہو- اس کی آرزو آخر پوری ہو گئی- لیکن وہ انتہائی فکر مند اور بے چین تھا کیوں کہ صرف ایک رات باقی تھی- صبح کو وہ جنگ ہونے والی تھی جس کے نتیجے پر اسکندر کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا کہ وہ ایشیا کا تاج پہنے گا یا ناکام رہ کر جان دے دے گا- اپنی فتوحات تو ایک ایک کر کے اس کے سامنے آتی تھیں لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ کل فتح وظفر کی نسیم کس کے پرچم کو لہرائے گی-

صبح طلوع ہوئی؛ ایسوس کے میدان میں' جس کے شمال میں پہاڑ اور جنوب میں خلیج اسکندرون ہے اور وسعت بمشکل دو میل ہو گی' ایشیا اور یورپ کے دو طاقت ور لشکروں کا آمنا سامنا ہوا-

اسکندر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کی صفوں کے سامنے آیا اور یہ پر سوز اور جذباتی

(۱) کنت کورٹ' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۳۰۹

تقریر کی: ''ہم وطنو! یورپ میں تم نے جس جس مقام پر قدم رکھا' فتح و نصرت نے تمھارا خیر مقدم کیا- اب تم ایشیا کی سرزمین پر آئے ہو- ایشیا اب تمھیں کام یابی کا تاج پہنانے کو تیار ہے- یہ ملک تھریس یا البانیہ نہیں کہ تم اپنی قوتوں کو پہاڑوں میں صرف کرتے رہو- یہ دنیائے مشرق ہے' جہان کی زمینیں سرسبز اور جہان کی دولت فراواں ہے- یہ دنیا اب تمھیں ورثے میں ملے گی- تمھیں یاد ہے' داریوش اعظم اور خشیارشا نے تم سے آب و خاک طلب کی تھی- ایرانیوں نے تمھارے معبدوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی- تمھارے آباواجداد کی دولت لوٹی تھی- تمھاری تقدیر کا فیصلہ دربارِ ایران میں ہوا کرتا تھا- آگے بڑھو اور ان عورتوں کے زیور اتار لو-''(۱)

(اشارہ ایرانی سرداروں کی طرف تھا جو گلوں میں ہار پہنے ہوئے تھے)

دونوں طرف سے حملے کے بگل بجنے لگے- ایرانیوں کے فلک شگاف نعروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین تھرا رہی ہے- ایرانی لشکر کی تعداد چھ لاکھ بتائی گئی ہے لیکن اتنے کثیر لشکر کا بہت بڑا حصہ میدان میں گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکا- تیروں کی بوچھاڑ اس طرح ہو رہی تھی جیسے فضا میں ٹڈی دل چھایا ہوا ہو- لشکر ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو نیزوں کے وار ہونے لگے' پھر تلوار پر تلوار پڑنے لگی- تنگ میدان میں فوجوں کی کثرت تھی' اس لیے کسی کا کوئی وار خالی نہ جاتا تھا- ہر فدا کار فتح کے خیال میں بڑھ بڑھ کر وار کر رہا تھا- داریوش کے بھائی نے دیکھا کہ اسکندر خود داریوش کے چہار اسپہ رتھ کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنے سواروں سمیت اسکندر پر حملہ کیا اور اسکندر کے متعدد ساتھیوں کو مار گرایا- ادھر اسکندر نے داریوش کے محافظوں کو تہ تیغ کیا- گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی' کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے- داریوش کے گھوڑوں کو زخم آئے تو بری طرح بدکے- داریوش نے یہی مناسب سمجھا کہ میدان سے نکل جائے- چناں چہ ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کی اور دریائے فرات کو عبور کر کے ایران کی سرحد پر جا پہنچا- ایرانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی- کچھ پیادہ بھاگ رہے تھے' کچھ دشمن کے تیروں کا نشانہ بن رہے تھے' آخر میدان اسکندر کے ہاتھ رہا- کہا جاتا ہے (۲) کہ اس جنگ میں ایرانی فوج کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے لیکن بعض مؤرخین اس تعداد کو بہت مبالغہ آمیز بتاتے ہیں (۳)

(۱) پلوتارک: مشاہیر یونان و روما' ص ۱۱۱

(۲) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۲۵۲

(۳) راجرز' اے ہسٹری آف اینشنٹ پرشیا' ص ۲۹

مقدونی لشکر نے ایرانیوں کی لشکر گاہ کو غارت کیا اور کروڑوں کا مالِ غنیمت اسکندری فوج کے ہاتھ لگا۔ البتہ داریوش کا شاہی خیمہ جس میں پرشکوہ ساز و سامان اور سونے چاندی کی افراط تھی' اسکندر کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

اسکندر نے گھوڑے سے اترتے ہی اسلحہ اتارا اور یہ کہہ کر غسل خانے میں جانا چاہا کہ لاؤ اب لڑائی کا گرد و غبار داریوش کے حمام میں صاف کریں۔ یہاں اس نے سونے چاندی کے مٹکے' لوٹے اور عطر دان دیکھے جو صنعت کاری کا نہایت عمدہ نمونہ تھے' پھر عود و عنبر کی خوشبو سونگھی جس سے حمام مہک رہا تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر وہ ایک وسیع شامیانے میں آیا جس میں سینکڑوں زرق برق کرسیاں درباریوں کے لیے بچھی تھیں۔ پلٹ کر اس نے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا ''بادشاہی اسی کا نام ہے۔''[1] داریوش کی ملکہ اور دو شہزادیاں شاہی خیمے میں تھیں' جن کی حرمت اور عزت میں اسکندر نے کسی قسم کا فرق نہ آنے دیا۔ ان کی حفاظت کے لیے خاص معتمد مقدونی افسر مقرر کیے گئے۔

فتح کے دوسرے دن اسکندر نے جنگ میں نمایاں کام کرنے والوں کو دل کھول کر داد دی اور ان پر انعام و اکرام کی بارش کی۔ زخمیوں کے دلوں پر ہمدردی کی مرہم رکھی اور مرنے والوں کو شاہانہ اعزاز سے الوداع کہی۔

اس فتح سے اسکندر کو یقین ہو گیا کہ داریوش کی فوج اب کہیں بھی مقدونی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ یہ لڑائی حقیقت میں فیصلہ کن تھی۔ یہ ایک فال تھی ایشیا کو فتح کرنے کی۔

تسخیرِ شام

اسکندر نے اپنے سردار پارمینو کو تھیسلی کی سوار فوج کے ہمراہ دمشق بھیجا کہ وہاں جو خزانہ داریوش نے بھیج دیا تھا' اسے اپنے تصرف میں لے لے۔ پارمینو نے دمشق کو مسخر کر لیا اور شاہی خزانے پر قابو پالیا۔ اس کے بعد وہ شام کی طرف متوجہ ہوا جس کی حدود عرب سے مصر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دمشق کی تسخیر کی خبر سنی تو شام کے تمام علاقوں کے سرداروں نے اسکندر کی اطاعت اختیار کر لی۔

فینیقیا کی طرف پیش قدمی

دمشق فتح ہوا اور شام کی تمام علاقوں کے سرداروں نے' جو شاہ ایران کی طرف سے

---

(۱) پلوٹارک' مشاہیر یونان و روما' ص ۱۱۲

متعین کیے گئے تھے' اطاعت اختیار کر لی-۳۳۲ ق م میں اسکندر بحیرۂ روم کی ساتھ ساتھ فینیقیا کی طرف بڑھا' جو داریوش کی بحری طاقت کا مرکز تھا- داریوش اس وقت بابل میں تھا- اس نے چاہا کہ اسکندر کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرے- ایک مراسلہ دے کر اپنا سفیر اسکندر کے پاس بھیجا- اس میں دوستانہ روابط قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی اور ملکہ اور دو شہزادیوں کو بابل بھیج دینے کی استدعا کی- مراسلے میں ایران اور مقدونیہ کے قدیمی مراسم کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ملوکانہ روابط قائم کرنے کی خواہش ایک بادشاہ' بادشاہ ہی سے کرسکتا ہے- یہ ایک پروقار خواہش تھی اور ایک پروقار انداز میں اس کا اظہار کیا گیا تھا- اسکندر نے اس کے جواب میں غرور و نخوت سے بھرا ہوا جواب اپنے سفیر کے ہاتھ بھیجا- مراسلے [1] کا مضمون حسب ذیل ہے:

''تمھارے آبا و اجداد مقدونیہ اور یونان میں غارت گری کرتے رہے حالاں کہ کسی نے انھیں آزار نہیں پہنچایا تھا- تم نے میرے باپ کے مخالفین کو کمک بھیجی- تم نے سازشوں کو ابھار کر میرے باپ کو قتل کرایا اور اس کے متعلق لوگوں کو مراسلے لکھ لکھ کر فخر کا اظہار کیا- تم نے ایرانی آئین کو بالائے طاق رکھ کر ایران کا تخت و تاج حاصل کیا اور خود اپنی رعایا پر ظلم کیے- تم نے مجھ سے جنگ کرنے کے لیے یونانیوں کو رشوتیں دیں- تم نے چاہا کہ یونان کے امن و امان کو تباہ کر دو' جو میری وجہ سے اہلِ یونان کو نصیب ہوا- میں نے تمھارے خلاف تلوار اٹھائی ہے کیوں کہ تم نے عداوت کا آغاز کیا ہے- اب میں نے تم پر فتح پائی ہے اور تمھاری مملکت کے اہم ترین علاقوں پر یونانی علم لہرایا ہے اور اور تم مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے ہو- تمھاری مملکت پر دیوتاؤں نے اب مجھے اختیار دیا ہے- ایشیا کا مالک اب میں ہوں- تم میرے پاس آ کر خراجِ عقیدت ادا کرنے کی خواہش کرو- اگر تمھیں یہ خدشہ ہو کہ تمھارے ساتھ ناروا سلوک ہوگا تو تم اپنے رفقا کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں ان سے عہد و پیماں کروں- اس کے بعد تم میرے دربار میں چلے آنا اور اپنی ملکہ اور شہزادیوں کی رہائی یا کسی اور بات کے لیے استدعا کرنا- تمھاری یہ استدعا قبول کر لی جائے گی اور جو بھی انصاف کا تقاضا ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا- آئندہ مجھے جو مراسلہ بھیجو تو یہ سمجھ کر بھیجنا- اگر میرے ایشیا کا بادشاہ ہونے میں کوئی شبہ ہو تو ٹھہرو' میرے ساتھ جنگ کرو' فرار اختیار نہ کرنا کیوں کہ تم جہاں بھی جاؤ گے' میں تمھارے پیچھے آؤں گا-

---

(۱) کنت کورث' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۳۱۲

ٹائر کی تسخیر

فینیقیا کا اہم ترین شہر ٹائر (Tyre) ایک جزیرے پر واقع تھا اس کے اردگرد بہت اونچی دیواریں تھیں۔ یہاں 'ملکات' دیوتا کا مجسمہ تھا۔ اسے اسکندر اپنے بزرگوں میں شمار کرتا تھا۔ اس نے ٹائر کے حکمران سے دیوتا کے حضور عقیدت پیش کرنے کی اجازت چاہی لیکن وہ رضامند نہ ہوا۔ اس نے پیغام بھیجا کہ ٹائر کی حکومت غیر جانب دار ہے۔ اس شہر میں وہ نہ ایرانیوں کو داخل ہونے کی اجازت دے گا' نہ یونانیوں کو۔ اسکندر نے یہ جواب سن کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ سات دن تک جاری رہا۔ تیز رفتار اسکندر کو فتح کے انتظار میں کافی دیر لگی۔ اسکندر کے انجینئروں نے پانی کی تہہ سے اٹھا کر ایک بہت بڑا مچان بنایا' جس کی تعمیر میں اہلِ ٹائر نے طرح طرح کی مزاحمت کی۔ اسکندر نے آس پاس سے جہاز فراہم کیے' یہاں تک کہ ایران کا بحری بیڑہ بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دو سو ساٹھ جنگی جہازوں کے ذریعے ٹائر کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ پھر دیوار شکن منجنیقوں سے دیواروں میں شگاف کر دیے۔ اسکندر شہر میں داخل ہو گیا اور قتلِ عام کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں آٹھ ہزار شہری قتل ہوئے اور بقولِ پلوتارک ۳۳۲ ق م تیرہ ہزار غلام بنا کر بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔[1]

ٹائر کے محاصرے کے دوران داریوش نے پھر اپنا سفیر اسکندر کے پاس بھیجا اور اب کی دفعہ یہ استدعا کی کہ اس کی ایک شہزادی سے اسکندر شادی کر لے اور خاندان کے دوسرے افراد کو واپس کر دے۔ نیز یہ بھی کہلایا کہ فرات سے ادھر کے علاقوں پر اسکندر کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔

داریوش کی پیش کش کا ذکر اسکندر نے اپنے مشیروں سے کیا۔ پارمینو نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر میں اسکندر ہوتا تو ان شرائط کو قبول کر لیتا اور خطرات کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کرنے کی طرف توجہ دیتا۔ اسکندر بولا: ''اگر میں پارمینو ہوتا تو میں بھی یہی رائے دیتا لیکن میں اسکندر ہوں' اس لیے میرا جواب مختلف ہے۔'' غرض اسکندر نے داریوش کو یہ جواب دیا کہ اگر وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے تو اس کے ساتھ ہر قسم کی مروت کی جا سکے گی اور اگر یہ نہیں تو وہ اس کا تعاقب کرے گا۔

اسی زمانے میں داریوش کی ملکہ فوت ہو گئی تو اسکندر کو بہت رنج ہوا کہ دشمن سے اچھا سلوک کرنے کا ایک موقع کم ہو گیا۔ بہرحال ملکہ کی تجہیز و تکفین شاہانہ تزک و احتشام سے کر کے

(۱) پلوتارک' مشاہیر یونان و روما' ص ۱۳۳

اسکندر نے اس کی تلافی کر دی۔

اسکندر تباہ حال ٹائر سے نکل کر جنوبی سمت بڑھا اور جہاں جہاں سے گزرا لوگوں نے سر اطاعت خم کیا' یہاں تک کہ وہ غزہ پہنچ گیا۔ غزہ' ٹائر سے ۱۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا شمار فلسطین کے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ غزہ کا حاکم ایک خواجہ سرا باطیس تھا جسے شاہِ ایران نے مقرر کیا تھا۔ اس نے اطاعت سے روگردانی کی تو اسکندر نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور دیوار شکن منجنیقوں سے دیواروں میں شگاف پیدا کیے۔ اسکندر کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور یہاں بھی قتلِ عام کرایا گیا۔ باطیس سے سرکشی کا شدید انتقام لیا گیا۔ اسے گھوڑا گاڑی سے باندھ کر فصیل کے اردگرد گھسیٹا گیا یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا۔ یہاں سے غزہ کے قدیمی خزانے اسکندر کے ہاتھ لگے اور اسے ایک اور بحری مرکز بھی مل گیا۔

اس پیش قدمی سے شام' فینیقیا' فلسیا' غرض کہ بیش تر ساحلی علاقہ اسکندر کے تسلط میں آ گیا۔ اب اسکندر نے اس صحرا میں قدم رکھا' جو مصر تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ پورا علاقہ مملکتِ ایران میں شامل تھا۔ اہلِ مصر ایرانیوں سے خوش نہ تھے۔ اسکندر کی آمد سے انھیں امید ہوئی کہ وہ ایران کے چنگل سے رہائی پا لیں گے۔ چناں چہ انھوں نے پلوزیم اور ممفس ایسے مشہور شہروں کے دروازے اسکندر کے لیے کھول دیے۔ پھر پورے مصر نے اطاعت اختیار کر لی۔ اسکندر نے کوروش اعظم کی پیروی کرتے ہوئے مصر کے معبدوں کا پورا پورا احترام کیا' اہلِ مصر کی تالیفِ قلوب کی' پیشواؤں کی آزادی برقرار رکھی اور اپنی آمد کی یاد میں ایک نیا شہر بسایا جو اسکندریہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اسکندر ایک مصری کو اپنی حکومت کا نمایندہ مقرر کر کے خود واپس ٹائر آ گیا اور یہاں وہ قلب ایران تک پہنچنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

داریوش کی جنگی تیاریاں

داریوش نے جب دیکھا کہ اسکندر کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھانے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو سمجھ لیا کہ جنگ کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں اس لیے جنگی تیاریوں کا حکم دیا۔ سرداروں کو بابل بلوایا۔ باختر کے حکم ران کو حکم دیا کہ لشکر لے کر بابل پہنچے۔ اسے خیال تھا کہ اسکندر کو بہتر اسلحہ کی وجہ سے فتح حاصل ہوئی تھی اس لیے اسلحہ کی تیاری پر اس نے خاص توجہ دی۔ تیر اور نیزے گلی کوچوں میں بننے لگے' دو سو جنگی رتھ تیار کیے گئے اور پوری مملکت کے وسائل جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیے گئے۔ ایران کی عزت بچانے کے لیے لاتعداد لشکر جمع ہوا۔ یہ لشکر کلہ قدیم کے

میدان سے گزر کر نینوا کے میدان میں پہنچا اور اربیل کے مقام پر خیمہ زن ہوا- یہ ایک وسیع میدان تھا' جو داریوش نے محض اس لیے منتخب کیا کہ ایرانی لشکر جرار کو مردانگی کے جوہر دکھانے کے لیے کھلی جگہ میسر آ سکے-

یہاں داریوش نے اسکندر کی آمد آمد کی خبر سن کر اپنے ایک سردار ساتردیات کو ایک ہزار سوار دے کر بھیجا' پھر ایک اور سردار مازہ کو چھ ہزار فوج دے کر روانہ کیا کہ مقدونی لشکر کو فرات عبور نہ کرنے دیں اور بین النہرین کے علاقوں کو غارت کر دیں تا کہ مقدونی لشکر رسد حاصل نہ کر سکے-

اسکندر بین النہرین میں

اسکندر کو خبر ملی کہ داریوش نے کثیر تعداد میں لشکر تیار کر لیا ہے- اسے یقین نہ آتا تھا کہ ایسوس کی شکست کے بعد داریوش کوئی بڑا لشکر فراہم کر سکے گا- بہر حال وہ فینیقیا سے روانہ ہوا اور گیارہ دن کی مسافت طے کر کے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گیا- یہاں پر اس نے پل تعمیر کرایا اور بغیر کسی مزاحمت کے فرات کو عبور کر لیا- ایرانی سرداروں' ساتردیات اور مازہ کو اس بات پر مامور کیا گیا تھا کہ اسکندر کو فرات پر روکیں لیکن انھیں جنگ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور پیچھے ہٹ آنے میں ہی عافیت دیکھی- اسکندر نے اب دجلہ کی طرف جانا مناسب نہ سمجھا کیوں کہ ایرانیوں نے سب فصلیں جلا ڈالی تھیں اور علاقہ شدید گرم تھا' اس لیے وہ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ شمالی سمت بڑھنے لگا یہاں تک کہ آرمینیا کے پہاڑوں کے قریب آ پہنچا- وہاں سے مشرق کا رُخ کر کے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور گوگمل میں قیام کیا' جو نینوا کے کھنڈرات کے قریب واقع تھا- یہ مقام اربیل سے سات میل دور تھا- یہاں جو جنگ ہوئی' اسے مؤرخین جنگ اربیل لکھتے ہیں- بعض اسے جنگ گوگمل کہتے ہیں-

جنگ اربیل

ایرانی مؤرخ حسن پیرینا' رومی مؤرخ کنت کورٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس مقام پر مقدونی لشکر کو خدشہ لاحق تھا- مقدونی سردار بھی ہراساں تھے کہ مبادا یہ فتوحات شکست میں نہ بدل جائیں- اس صورت میں اگر مازہ ان پر حملہ کر دیتا جسے داریوش نے اس غرض کے لیے مامور کیا تھا' تو مقدونی لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑتا' لیکن مازہ کو جب ایک بلند مقام ٹھہرنے کو ملا تو وہ اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ اسکندر کے حملے سے بچ رہے گا- اسکندر اپنے ساتھیوں کے خوف و ہراس سے آگاہ

ہو چکا تھا- اس نے یہ کہہ کر ان کے حوصلے بندھائے: ''دشمن ابھی دور ہے' وہ کہیں بھی تمھارے بڑھتے ہوئے قدم نہیں روک سکا' وہ اب بھی تمھارے نیزوں کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا-'' اگرچہ اسکندر کی تقریر سن کر مقدونی لشکر نے اسلحہ ہاتھوں میں لے کر اٹھایا' لیکن انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ رات خندقوں میں گزاری جائے جو اہلِ لشکر نے حفاظت کے لیے کھودی تھیں- صبح ہوئی تو مازہ بلند چوٹی کو چھوڑ کر داریوش کی سمت چل پڑا اور اس مقام پر اسکندر کا لشکر اٹھ آیا-

اب دو متحارب لشکر ایک دوسرے سے سات میل دور خیمہ زن تھے- ان کے درمیان اگرچہ سلسلۂ کوہ حائل تھا لیکن ایرانی لشکر نشیب میں صاف صاف نظر آ رہا تھا- اسکندر جب پہاڑی راستہ طے کر کے آگے بڑھا تو اسے ایرانی لشکر حد نگاہ تک پھیلا ہوا نظر آیا- سپاہیوں کے زرہ بکتر چمک رہے تھے- ایرانی سردار اپنے لشکر کے سامنے گھوم رہے تھے- سپاہیوں کے نعرے گونجتے سنائی دیتے تھے- گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازوں سے خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا- اسکندر بھی فکر مند تھا- اس نے مشورے کے لیے مشیروں کو طلب کیا- پارمینو نے رائے دی کہ رات کے وقت دشمن پر حملہ کرنا مناسب ہو گا- دلیل یہ دی کہ ایرانی لشکر میں مختلف علاقوں کے لوگ جمع ہیں- ان کے تمدن جدا اور زبانیں مختلف ہیں- یک جہتی ان میں نہیں- اگر رات ہی رات میں حملہ کر دیا گیا تو ہمارے لشکر کی فتح یقینی ہے- لیکن اگر رات کو حملہ نہ کیا گیا تو صبح کے وقت مقدونیوں کو دیو ہیکل سکائیوں' باختریوں اور لمبے لمبے بالوں والے وحشیوں سے سابقہ پڑے گا اور ساتھ ہی یہ جگہ کیلیکیا کے تنگ میدانوں کی طرح نہیں- یہاں ہمیں کھلے میدان میں دشمن کا سامنا کرنا ہو گا- دوسرے سرداروں نے بھی پارمینو کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا ''فتح حاصل کرنے کی یہی صورت ہے کہ رات ہی کے وقت دشمن پر حملہ کیا جائے-'' اسکندر نے جواب دیا ''میں اس رائے سے متفق نہیں' میں راہزنوں کی طرح رات کی تاریکی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا' اور پھر یہ کون جانتا ہے کہ ایرانی بھی رات کو غافل نہ ہوں اور کسی شب خون کے منتظر ہی ہوں اس لیے لڑائی کے لیے صبح ہی کا انتظار کرنا ہو گا-'' اسکندر خود بھی متفکر تھا- اس نے اپنے پروہت کو بلایا اور اسے دعا پڑھنے کو کہا' پھر قربانی کی رسم ادا کی اور اپنے خیمے کو لوٹ آیا-

دونوں لشکر شام تک ایک دوسرے کے حملے کے منتظر رہے- صبح ہوتے ہی مقدونی لشکر کی صفیں آراستہ ہوئی- ادھر ایرانی لشکر نے صفیں باندھیں- داریوش نے قلب لشکر میں جگہ لی- اس کے آس پاس شاہی خاندان کے افراد تھے- یونانی پیشہ ور سپاہیوں کی دو ڈویژنیں داریوش کے دائیں بائیں تھیں- سامنے پاسبان گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار تھے- رتھوں کی چمک آنکھوں میں

چکا چوند پیدا کر رہی تھی۔ دائیں اور بائیں بازوؤں میں مختلف علاقوں کے سپاہی متعین تھے۔ ایرانی لشکر کی تعداد کا اندازہ مؤرخین ایک لاکھ بتاتے ہیں۔ اسکندر کے لشکر میں ۴۰ ہزار پیادہ اور سات ہزار سوار تھے۔ بایاں بازو (پارمنین) کی کمان میں تھا۔ دائیں بازو کی کمان اسکندر خود کر رہا تھا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ نقارچیوں نے نقارے بجائے۔ نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ ایرانیوں نے جنگ کا آغاز رتھوں کے ذریعے کیا جن میں مسلح نیزہ بردار سوار تھے۔ بڑی بڑی درانتاں رتھوں کے ساتھ نصب تھیں۔ رتھوں کے ذریعے ایرانیوں نے دشمن پر شدید حملہ کیا۔ بعض رتھ سوار سپاہی مقدونی لشکر کی صفوں تک بھی پہنچ گئے اور ان کے سر کاٹ کاٹ کر گرائے۔ نیزے ڈھالوں پر پڑتے تو بڑی مہیب آوازیں نکلتیں' جن سے رتھوں کے گھوڑے بدک بدک جاتے اور ایرانی لشکر میں انتشار پیدا کرنے کا سبب بنتے تھے۔ رفتہ رفتہ دونوں طرف سے لشکر حملہ کرتے اور بڑھتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے' آخر دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ مقدونی لشکر کا دایاں بازو ایرانی لشکر کے بائیں بازو پر ٹوٹ پڑا جس میں اب داریوش بھی موجود تھا۔ اس وقت داریوش کے اِردگرد ایک ہزار ممتاز سوار تھے' جن میں بیش تر اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر مقدونی لشکر نے دباؤ ڈال کر ایرانی صفوں میں شگاف ڈال دیے۔ اتنے میں تیروں کی بوچھاڑ داریوش کے رتھ کے گھوڑوں پر ہوئی۔ نیزوں نے بھی گھوڑوں کی ٹانگوں کو چھلنی کیا۔ گھوڑے زمین پر آرہے۔ رتھ چلانے والا بھی نیزے کی ضرب سے نیچے آ گرا۔ داریوش اب اپنے آپ کو بے بس پاتا تھا۔ اس نے پھر ایک مرتبہ اپنی جان بچانے کے لیے راہِ فرار اختیار کی۔ گرد وغبار اس قدر اڑ رہا تھا کہ دشمن کی نگاہیں بھاگتے ہوئے داریوش کو نہ دیکھ سکیں۔ داریوش کے فرار ہونے کی خبر ایرانی لشکر میں پھیلی تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ایرانی صفیں بکھرنے لگیں۔ مقدونی لشکر نے پے بہ پے حملے کرکے داریوش کے لشکر کے مرکزی حصے کا صفایا کر دیا لیکن مقدونیوں کے لیے ابھی خطرہ باقی تھا۔ پارسی اور ہندی سواروں نے تیزی سے بڑھ کر اسکندر کی جگہ لے لی' جو اس کے آگے بڑھنے سے خالی ہوئی تھی اور مقدونی لشکر کے بائیں بازو پر لگاتار حملے کرکے ان کا صفایا کیا۔ پارمنین ان کا مقابلہ نہ کر سکا تو اس نے کمک حاصل کرنے کے لیے اسکندر کے پاس سپاہی بھیجے۔ بائیں بازو کی محفوظ فوج کے سپاہی مدد کو بڑھے اور ایرانی لشکر پر شدید حملہ کیا۔ اس سے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اسکندر نے بھاگنے والوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور رفقا کی سوار فوج لے کر

پارمنین کی طرف بڑھا- اب ایرانی لشکر بالکل بے بس تھا- ایرانی یکے بعد دیگرے کٹ کٹ کر گر رہے تھے- لڑائی کے طول پکڑنے سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ داریوش چھ ہزار سواروں اور تین ہزار پیادہ فوج کو ساتھ لے کر اربیل سے ہوتا ہوا میڈیا کی طرف نکل گیا اور فاتح کی دسترس سے باہر ہو گیا-

بابل میں اسکندر کا ورود

فاتح اسکندر داریوش کے تعاقب میں اربیل آیا- لاشوں کی بد بو اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ اسکندر نے اربیل ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا- یہاں سے فتح مند لشکر نے قدیمی تہذیب کے مرکز بابل کا رُخ کیا- بابل کا حکم ران مازہ واپس پہنچ چکا تھا- اس نے اسکندر کے آنے کی خبر سنی تو استقبال کو بڑھا اور اظہارِ اطاعت کیا- بابل کے عوام اور مذہبی پیشواؤں نے سرِ تسلیم خم کیا- اسکندر کی خوشی کا اندازہ کرنا ممکن نہیں کہ یہ قدیمی شہر جو اپنے تمدن اور استحکام کی وجہ سے عالم گیر شہرت رکھتا تھا' بغیر جنگ کے اس کے تصرف میں آ گیا- اس نے مازہ اور اس کے کنبے کو طرح طرح کی عنایات سے نوازا اور شہر میں وارد ہوا- اسکندر کو دیوتاؤں کے مجسموں سے بڑی عقیدت تھی- یہاں اس نے بیل دیوتا پر ہاتھ رکھ کر حکم دیا کہ ہخامنشی بادشاہ خشیارشا نے جن معبدوں کو نقصان پہنچایا تھا' انھیں پھر سے تعمیر کرایا جاے- اس کے احکام سے اہلِ بابل بہت خوش ہوے اور اسکندر کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا- یہاں اسکندر نے اپنی فتح کے جشن مناے جن میں سپاہیوں نے گھوڑ دوڑ کے فن کے کمالات پیش کیے اور طرح طرح کی کھیلیں ہوئی- دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں بھی دی گئیں-

یونان میں اسکندر کی فتوحات کا ردِ عمل

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے حالات پر نظر ڈال لی جاے: اسکندر یونان کا سپہ سالارِ کل تھا- اس کی فتوحات سے یونان ہی کا نام بلند ہوا تھا لیکن اسکندر کا ہمہ گیر تسلط یونانیوں کو دل سے پسند نہ تھا- وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایشیائی مہموں میں داریوش کو فتح ہو- اسکندر سے ان کی نفرت اور ایران کی طرف داری کی خواہش اکثر یونانیوں کے کردار سے واضح ہوتی ہے- اسکندر اس صورتِ حال سے بے خبر نہ تھا- اسے یہ بھی یقین تھا کہ یونان صرف اسی وقت تک خاموش ہے جب تک اسے ایران کے مقابلے میں فتح حاصل ہو رہی ہے: جونھی کسی میدان میں

اسے پسپا ہونا پڑا' اس کے ہم وطن ضرور اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں گے۔

یونانی' ایران کے ہمسائے تھے۔ صدیوں سے ایران کے ساتھ ان کے روابط قائم تھے۔ یونانیوں کے داخلی معاملات میں ایرانی بادشاہوں کا عمل دخل بھی انھیں ناگوار نہ گزرتا تھا کیوں کہ شہنشاہ کی طرف سے ان کے خزانوں میں برابر دولت پہنچتی رہتی تھی۔ دوسری طرف یونانیوں کو یہ خیال بھی تھا کہ اگر اسکندر کا تسلط مستقل ہو گیا تو ان کی خود مختاری قائم نہ رہ سکے گی۔ یونان میں طبس کا علاقہ ایران کا سب سے زیادہ طرف دار تھا۔ چناں چہ موقع ملتے ہی اسکندر نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یونانیوں[1] کو یہ بھی یقین تھا کہ اگر اسکندر نے ایران کو فتح کر بھی لیا تو یونان تنہا اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس خیال سے تھریس میں اسکندر کے خلاف شورش کے آثار پیدا ہوئے' ممنن نے لشکر فراہم کیا اور اسکندر کے خلاف بغاوت کر دی۔ مقدونیہ میں اینٹی پیٹر' اسکندر کا نائب السلطنت تھا۔ اسے شورش کی خبر ہوئی تو اس نے تھریس (ترا کیا) کی طرف پیش قدمی کی۔ ادھر اسپارٹا والے' جنھوں نے کبھی اسکندر سے تعاون نہیں کیا تھا' موقع کی تلاش میں تھے کہ اسکندر کے خلاف کوئی محاذ قائم کریں۔ لاسدمونیون کا حکم ران خود لشکر لے کر تھریس کی مدد کے لیے آیا۔ ادھر اسکندر کے اتحادی اینٹی پیٹر کی مدد کو آ گئے۔ یونانی' یونانیوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ لاسدمونیون کا حکم ران آثر لیس جنگ میں مارا گیا۔ اسکندر مخالفین نے شکست کھائی اور شورش فرو ہو گئی۔

شوش میں اسکندر کا ورود

بابل میں اسکندر نے چندے آرام کیا۔ اس عرصے میں اس نے بابل کے خزانے لشکر پر نچھاور کیے اور انھیں اجازت دی کہ کچھ عرصہ آرام و راحت میں بسر کریں۔ اس کے بعد اسکندر شوش کی طرف متوجہ ہوا' جو داریوش کا سرمائی صدر مقام تھا۔ اسکندر پہاڑوں کے نشیب و فراز سے ہوتا ہوا بیس دن کی مسافت طے کر کے شوش پہنچ گیا۔ یہ شہر اسکندر کا ایک سردار پہلے مسخر کر چکا تھا۔ یہاں سے اسکندر کو خزانہ اور دیوتاؤں کے پیتل کے مجسمے بھی ملے' جو ہخامنشی بادشاہ خشیارشا ایتھنز سے اٹھوا لایا تھا۔ اسکندر نے اپنی فتح کی یاد میں یہ مجسمے ایتھنز واپس بھیج دیے اور دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں دیں۔ یہاں اسکندر کا اُن محلات میں بھی گزر ہوا جو داریوش اعظم اور اس کے جانشین نے بنوائے تھے۔ ایران کے عظیم بادشاہوں کے یہ محل اُب اسکندر کے قبضے میں تھے' جن

---

(۱) کنت کورث' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۴۰۳

کے نقش و نگار اور جن کی عظمت کو دیکھ دیکھ کر اسکندر انگشت بدنداں رہ گیا۔

شوش میں ایک مقدونی لشکر کا سالار آمنتاس (Amyntas) مقدونیہ سے پندرہ ہزار کا لشکر لے کر اسکندر کے پاس پہنچ گیا۔ اسکندر نے اپنے لشکر کو از سرِ نو ترتیب دیا۔ نئی تنظیم کے لیے اس نے ایک بورڈ قائم کیا جس نے لشکر کے سرداروں اور سپاہیوں کے ریکارڈ کا معائنہ کیا اور ان کی سفارشات پر بہترین خدمات بجالانے والوں کو ترقیاں دیں اور انعام و اکرام سے نوازا۔

اب پری پولس (تخت جمشید) پر فوج کشی کا فیصلہ ہوا۔ یہ ہخامنشی خاندان کا مرکزی مقام تھا۔ پری پولس کی عظمت کی داستانیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔ اسکندر چاہتا تھا کہ اس عظیم شہر میں فاتحانہ داخل ہو کر ہخامنشی عہد کا چراغ اپنے ہاتھوں سے گل کرے اور اس کی بجائے ایران میں یونانی دور کی قندیل روشن کرے۔ پری پولس کو شاید اسکندر ؛بابل اور شوش کی طرح آسانی سے مسخر کر لیتا لیکن راستہ نہایت دشوار گزار تھا۔ پہاڑوں کا طویل سلسلہ حائل تھا' جس کی اونچائی بعض مقامات پر چودہ ہزار فٹ تھی۔ سردیوں کا موسم تھا' راستہ بہت تنگ تھا جو برف سے اٹا ہوا تھا۔ درے دشوار گزار تھے' چھوٹے بڑے دریا بھی حائل تھے' جنھیں لشکر کو عبور کرنا تھا۔ داریوش کو یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ اسکندر موسمِ سرما کی شدت میں فوج کشی کرے گا لیکن اسکندر نہیں چاہتا تھا کہ داریوش کو جنگ کی تیاریوں کی زیادہ مہلت دے۔ اس لیے تمام مشکلات کے باوجود اس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اہواز کے قریب دریائے کارون کو عبور کر کے اسکندر نے وہ راستہ اختیار کیا جو شوش اور تختِ جمشید کو ملاتا ہے۔ راستے میں اوکسیانی قبائل حائل تھے' جنھوں نے آج تک شہنشاہِ ایران کو خراج نہیں دیا تھا' بلکہ جب شہنشاہ کی سواری ان علاقوں سے گزرتی تو وہ محصول طلب کیا کرتے تھے۔ اسکندر سے بھی انھوں نے راستہ عبور کرنے کا محصول مانگا۔ اسکندر نے جواب دیا کہ اگر تم مال و دولت کے آرزومند ہو تو میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ لیکن وہ محصول لینے پر مصر تھے۔ آخر اسکندر نے ان کے دیہات پر حملہ کیا اور وہ مقابلے کی تاب نہ لا کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے اور مقدونی لشکر کا کوچ بلاخطر جاری رہا۔

اب اسکندر نے فوج کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ پارمنین کو حکم ملا کہ سامانِ لشکر اور محاصرہ کرنے والی فوج کو لے کر اسی پہاڑی راستے پر بڑھتا جائے گا اور اسکندر خود تیر اندازوں' نیزہ بازوں اور رفقا کو ساتھ لے کر ایک مختصر' مگر دشوار گزار راستے سے چل پڑا۔ ایک سو تیرہ میل کا سفر طے کر کے پانچویں دن اسکندر 'دروازۂ پارس' تک جا پہنچا' جسے 'دروازۂ شوش' بھی کہتے تھے۔ آج کل یہ 'قلعۂ سفید' کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں شہنشاہِ ایران نے سات سو سوار اور چالیس

ہزار پیادہ فوج متعین کر رکھی تھی- اس کی کمان آریو برزین کے سپرد تھی جس پر داریوش کو پورا پورا بھروسا تھا- 'دروازۂ پارس' ایران کی سطح مرتفع میں داخل ہونے کی گزرگاہ تھی- یہاں کا قلعہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا- اس لیے قلعے کی حفاظت کرنا تو آسان تھا لیکن اس تک پہنچنا مشکل تھا- اسکندر اگر چاہتا تو بہبہان کے راستے سے بھی تختِ جمشید تک پہنچ سکتا تھا جہاں سے پارمینین اپنا لشکر لیے ہوئے گزر رہا تھا- لیکن اسکندر یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ اس کے عقب میں آریو برزین ایک مسلح لشکر لیے بیٹھا ہو- ادھر اسکندر تختِ جمشید پہنچے' ادھر آریو برزین شوش پر حملہ کر دے اور کیے دھرے پر پانی پھیر دے-

اسکندر 'دروازۂ پارس' تک آ پہنچا- اس قلعے کی دیواریں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں جن میں دراڑیں ڈالنا آسان نہ تھا- مقدونی لشکر جب قلعے کے قریب آیا تو اہلِ قلعہ نے بڑے بڑی چٹانیں اوپر سے لڑھکانا شروع کیں' جو مقدونیوں کے اوپر آ گریں' جن سے متعدد سپاہی ہلاک ہوئے- اس کے علاوہ انھوں نے تیر اندازی بھی کی- مقدونی لشکر کے سپاہی بغیر مقابلہ ہی مر رہے تھے- ان کی کوشش اب یہ تھی کہ جلد از جلد ایرانی فوج تک پہنچنے کا کوئی راستہ ملے اور حریف سے دست بدست لڑائی کر سکیں- چٹانوں سے لپٹ لپٹ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے میں جونہی پھسلتے' گر کر جان کھو دیتے- اسکندر نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں سے لوٹ جائے- اتنے میں ایک چرواہے نے مدد کی اور اس کی رہنمائی سے پہاڑوں کی تنگ گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے دو راتوں کی مسافت طے کر کے وہ ایرانیوں کے عقب میں آ پہنچے- صبح ہوئی تو مقدونی لشکر کے بگلوں کی آواز پہاڑوں میں گونجنے لگی- یہ فوج اچانک سر پر آ پہنچی تھی جس سے آریو برزین حیران و ششدر رہ گیا- وہ اپنی فوج میں نظم و ترتیب قائم نہ کر سکا اور تمام ایرانی فوج مقدونیوں کے ہاتھوں کٹ کٹ کر مر گئی-

تختِ جمشید اور پاسارگاد

اسکندر کی اس کامیابی نے اب تختِ جمشید جانے کا راستہ صاف کر دیا- تختِ جمشید کو یونانی پری پولس کہتے ہیں- بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ ہخامنشی عہد میں اس کا نام 'پارس' تھا- بہر حال اس قدیم شہر کو اب تختِ جمشید کہا جاتا ہے-

اسکندر' آریو برزین کی فوج کا قلع قمع کر چکا تو اس نے تختِ جمشید کا رُخ کیا- اس خیال سے کہ تختِ جمشید کا خزانہ اُٹھا نہ لیا جائے' سوار فوج کو ساتھ لے کر رات بھر سفر کرتا رہا- صبح

ہوئی تو دریائے کور پر آ پہنچا- یہاں اس نے پل بندھوایا اور دریا کو عبور کر کے تختِ جمشید پہنچ گیا اور شہر کا قدیمی خزانہ حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا- مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ خزانہ اتنا بڑا تھا کہ اسے اٹھانے کے لیے دس ہزار خچر اور پندرہ ہزار اونٹوں سے کام لیا گیا[1]- اس میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ نسلاً بعد نسل ایشیا کے ہر گوشے سے دولت ایران کے بادشاہوں کے پاس آئی اور یہاں جمع کی گئی- تختِ جمشید کی پوشیدہ دولت خزانوں سے باہر نکلی تو اس کا متمدن دنیا پر غیر معمولی اثر ہوا-[2]

''اب اسکندر تختِ جمشید میں کھڑا تھا جو ہخامنشوں کا اصلی وطن تھا- یہاں کوروش اعظم نے آلِ ماد کی حکومت ختم کی تھی- اب وہ عظیم تاج دار یہیں ایک سادہ مگر پُر وقار مقبرے میں مدفون ہے- یہاں اس کے جانشینوں نے پہاڑ کاٹ کاٹ کر بے مثل شاہی محلات تعمیر کرائے تھے- ایک ایرانی بادشاہ نے ایتھنز کو جلایا تھا' اسکندر نے ان محلات کو آگ لگا کر کھنڈرات میں تبدیل کر دیا- یہ اس نے قصداً کیا تاکہ ہخامنشی حکومت کے خاتمے کا اعلان ہو جائے-''[3]

پلوتارک نے آتش زنی کی کیفیت بہ الفاظ ذیل بیان کی ہے: مقدونی لشکر میں جو عورتیں تھیں' ان میں بطلیموس (جو بعد میں مصر کا حکم ران مقرر ہوا) کی محبوبہ تائیس بھی تھی[4]- اس نے اسکندر سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''میرا جی تو اس وقت ٹھنڈا ہو گا جب میں تمھاری آنکھوں کے سامنے اس رفیع الشان محل کو آگ لگا دوں جس کے بنانے والے نے کبھی ایتھنز کو جلا کر راکھ کر دیا تھا''- اس کی بات سن کر اسکندر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک جلتی ہوئی شمع اس کے ہاتھ میں دے دی- اس کے پیچھے پیچھے سب یونانی مشعلیں جلائے' رقص کرتے ہوئے دوڑے اور محل کے دروازوں اور چھتوں کو آگ لگا دی- گویا اس طرح مقدونیوں نے یونانیوں کا انتقام سرزمینِ ایران میں پہنچ کر لیا- تختِ جمشید کے بعد اسکندر پاسارگاد کی طرف گیا اور اس پر بھی قابض ہو گیا-

ہمدان کی تسخیر

تختِ جمشید اور پاسارگاڈ سے چل کر اسکندر پندرہ دن میں ہمدان پہنچا' جسے یونانی

---

(۱) پلوتارک' مشاہیر یونان وروما' ص ۱۴۴

(۲) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۲' ص ۲۶۰

(۳) آر- ڈبلیو راجرز' اے ہسٹری آف اینشنٹ پرشیا' ص ۳۳۶

(۴) [illegible]

اکبتانا لکھتے ہیں۔ یہ شہنشاہِ ایران کا گرمائی صدر مقام تھا۔ یہ بہت قدیمی شہر ہے اور کوہِ الوند کی مشرقی سمت ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہمدان کے قریب ایک پہاڑی ہے جو 'مصلیٰ' کے نام سے موسوم ہے۔ اس پہاڑی پر قدیم ہمدان کے آثار آج بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کراسو دریا کے ذریعے آب پاشی ہوتی تھی۔ یہاں بھی بادشاہوں نے خزانہ رکھا ہوا تھا' جو بغیر کسی مقابلے کے اسکندر کے ہاتھوں میں آ گیا۔ یہاں تین سڑکیں آ کر ملتی تھیں: ایک بابل سے آتی تھی' دوسری شوش سے اور تیسری نینوا سے۔ راستے میں اسکندر کو معلوم ہوا تھا کہ داریوش تیسری جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے لیکن یہاں پہنچ کر سنا کہ وہ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں کی طرف چلا گیا ہے۔

ہمدان میں اسکندر نے تھیسیلی اور یونانی سوار فوج کو ملازمت سے سبک دوش کر دیا اور انھیں مال و متاع کے انبار دے کر رخصت کیا۔ ان کی بجائے نئے پیشہ ور یونانی سپاہی فوج میں شامل کر لیے۔ ہمدان کا خزانہ اسکندر نے جوں کا توں رہنے دیا اور چھ ہزار مقدونی سپاہیوں کا لشکر ہمدان میں متعین کر دیا۔ اس طرح ہمدان کو فوجی اہمیت حاصل ہو گئی۔

داریوش کا تعاقب

ہمدان سے اسکندر اپنے حریف کے تعاقب میں نکلا اور گیارہ دن کی مسافت طے کر کے رے آیا' جس کے کھنڈرات تہران کے جنوب میں کچھ فاصلے پر اب بھی نظر آتے ہیں۔ بارھویں دن اس کا گزر دروازۂ بحیرۂ خزر سے ہوا لیکن پتا چلا کہ داریوش یہاں سے بھی کہیں نکل چکا ہے۔ اب اسکندر کو اس کے ہاتھ آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ وہاںؒ سے اسکندر واپس رے آ گیا اور پانچ دن قیام کرنے کے بعد تہران سے مشہد جانے والی سڑک پر روانہ ہوا۔ دورانِ سفر میں اسے معلوم ہوا کہ بلخ کے حکم ران بسوس' رخج اور سیستان کے حکم ران برازنت اور ایرانی سوار فوج کے سپہ سالار بربزن' تینوں نے مل کر داریوش کو اسیر کر لیا ہے۔ اسکندر منزل بہ منزل بڑھتا ہوا وہاں پہنچا' جہاں ان ایرانیوں نے رات بسر کی تھی۔ یہاں سے وہ برق رفتاری کے ساتھ ان کے تعاقب میں اور آگے بڑھا اور ایک مختصر راستہ اختیار کر کے شام ہونے سے پہلے پہلے اُن ایرانیوں کے قریب آ پہنچا۔ بسوس کو اسکندر کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے آخری ہخامنشی تاج دار کو ہلاک کر دیا۔

آخر اسکندر اس مقام پر پہنچا' جہاں وہ رتھ موجود تھا جس میں داریوش کی خون آلود لاش پڑی تھی۔ رتھ چلانے والا اپنے بادشاہ کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ داریوش کی لاش بے گور و کفن پڑی دیکھی تو اسکندر کو رنج ہوا اور اپنا سرخ لبادہ اُتار کر شہنشاہ ایران کی لاش پر ڈال دیا۔

دار یوش کی موت پر ہخامنشی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دار یوش کس مقام پر قتل ہوا لیکن اے۔ ڈبلیو۔ راجرز یونانی مؤرخین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دار یوش کو سمنان اور شہرود کی درمیانی وادی میں جولائی ۳۳۰ ق م میں قتل کیا گیا۔[1]

جدید ایرانی محققین لکھتے ہیں کہ دار یوش دامغان کے قریب قتل ہوا۔ اسکندر کے حکم سے دار یوش کی لاش کو پورے پورے تزک و احتشام کے ساتھ تختِ جمشید بھیج دیا گیا جہاں شاہانہ آداب و رسوم کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین ہوئی۔

اسکندر نے اہلِ پارت (خراسان) میں سے ایک مقتدر شخص کو پارت اور گرگان کا حکم ران مقرر کیا اور ایک مقدونی سردار کو اس کا نائب مقرر کر کے خود بسوس کی تلاش میں نکلنا چاہا۔

خراسان اور گورگان کی تسخیر

ہخامنشیوں کا وارث اور مملکتِ ایران کا بادشاہ اب اسکندر اعظم تھا۔ سلطنت ایران کی توسیع کی اگر خواہش تھی بھی تو وہ اس کے سرداروں کے ذریعے پوری ہو سکتی تھی لیکن آرزو اور فتح ان دو چیزوں سے اس کی زندگی عبارت تھی۔ لشکر کی یلغار، تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی بوچھار اس کے لیے خون گرم رکھنے کا بہانہ تھیں اس وقت وہ دامغان کے علاقے میں تھا جہاں دار یوش کے خون کے آخری قطرے گرے تھے۔ یہاں سے اب ماژندران پر حملہ کرنے کے لیے کوچ شروع ہوا۔ اسکندر کا مقصد گورگان کو مسخر کرنا تھا۔ یہاں اس نے فوج کو تین حصوں میں منقسم کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ علاقہ زیرِ نگیں کیا جا سکے۔ مختصر مگر دشوار گزار راستہ اس نے خود اختیار کیا اور بحیرۂ خزر تک جا پہنچا۔ یہاں اس کے استقبال کو ہر کینیا گورگان کا حکم ران آیا اور اظہارِ اطاعت کیا ماژندران کے حکم ران نے بھی سر اطاعت خم کیا۔

بحیرۂ خزر کے کنارے اسکندر نے کچھ عرصہ آرام کیا، دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں دیں اور کھیلوں کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد اسکندر نے پارت خراسان کا رُخ کیا اور کوہ البرز کی جنوبی سمت ہوتا ہوا تہران سے مشہد آنے والی سڑک پر آیا۔ شہرود کے مقام پر باقی لشکر بھی اس سے آ ملا۔ یہاں اسکندر کو بتایا گیا کہ دار یوش کے قاتل بسوس نے اردشیر کا لقب اختیار کر کے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ سن کر اسکندر نے اپنا راستہ بدل لیا اور عازم بلخ ہوا جہاں کا بسوس حکم ران تھا۔ بلخ جانے کے لیے اسکندر نے افغانستان کا راستہ اختیار کیا۔ راستے میں اسے

(1) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, P 341

یہ بھی معلوم ہوا کہ ایریا کے حکم ران ستی برزین نے اطاعت سے روگردانی کی ہے اور مقدونی جرنیل اور اس کے محافظ دستے کو تہ تیغ کر کے بسوس سے جا ملا ہے۔ نیز ارتا کونا میں لشکر جمع کر رکھا ہے۔ اسکندر ستر میل کی مسافت طے کر کے ارتا کونا پہنچا' باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور اپنا کوچ جاری رکھا۔ ہرات کے آس پاس اسکندر نے ایک اور نیا شہر اسکندریہ بسایا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسی اسکندریہ ہی کا موجودہ نام ہرات ہے۔

تسخیرِ بلخ

بسوس کو اسکندر کے حملے کا خیال تھا اس لیے اس نے مقابلے کی ہر ممکن تیاری کی۔ علاقے کے بیش تر شہروں کو تباہ کر دیا تا کہ اسکندر کو رسد نہ مل سکے۔ ۳۲۸ ق م میں اسکندر بلخ پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے کابل کے شمالی جانب ہوتا ہوا کوہِ ہندوکش کے درۂ پنج تیر سے گزرا۔ اس راستے پر لشکر کو بھوک' پیاس' برف باری اور بیماری غرض کہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ آخر اسکندر بغیر کسی مزاحمت کے بلخ کی حدود میں داخل ہوا جو زرتشت کا وطن ہونے کی وجہ سے ایرانیوں کا متبرک مقام تھا۔ اسکندر نے کچھ عرصہ بلخ کے شہر ساکا میں آرام کیا۔ پھر آگے بڑھا تو سامنے دریائے جیحوں تھا۔ یہ غالباً سب سے بڑا دریا تھا جو اسکندر کو عبور کرنا پڑا۔ یہاں جو کشتیاں تھیں بھی' وہ بسوس نے جلا ڈالی تھیں۔ لکڑی کم یاب تھی اور پل بنانا ممکن نہ تھا اس لیے اسکندر نے کھالوں میں گھاس بھر کر ان سے کشتیوں کا کام لیا اور تیر کر اسکندر کا لشکر جیحوں سے پار ہو گیا۔ بسوس کے حلیف اسکندر کی آمد سے سخت ہراساں ہوئے اور بسوس کا ساتھ چھوڑ گئے اور اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس سے مصالحت کی فکر کرنے لگے۔ آخر انھوں نے بسوس کو اسیر کر کے اسکندر کے حوالے کر دیا اور خود معافی حاصل کر لی۔ اسکندر نے بسوس کو ہمدان بھیج دیا جہاں مادیوں اور ایرانیوں کی کونسل نے بغاوت کے جرم میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔

اسکندر نے بلخ کے دارالحکومت سمرقند میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اب یہ پورا صوبہ اسکندر کے تسلط میں آ گیا۔ بلخ سے اسکندر کو عمدہ نسل کے گھوڑے ملے جن کی فوجی مقاصد کے لیے بہت ضروری تھی۔

اسکندر بلخ مسخر کرنے کے باوجود مطمئن نہ تھا۔ اس نے سنا ہوا تھا کہ کوروش اعظم اس سے بھی آگے گیا تھا۔ چناں چہ یہاں سے وہ مشرق کی طرف بڑھا اور جیکسارٹس (سیر دریا) پر جا ٹھہرا۔ یہاں اس نے آخری اسکندریہ شہر بسایا' جو آج کل خجند کے نام سے موسوم ہے۔

سپٹامن کی بغاوت

اتنے میں خبر ملی کہ سپٹامن نے علم بغاوت بلند کر کے سمرقند کی فوج کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ اب اسکندر کو دوگونہ مشکلات کا سامنا تھا۔ جیکسارٹس (سیر دریا) کے پار سکیتی قبائل نے بھی للکارا تھا' جن کو کوروشِ اعظم زندگی کے آخری دور میں سر نہ کر سکا تھا۔ اسکندر نے پہلے یہی مناسب سمجھا کہ سکیتوں سے دو دو ہاتھ کرے۔ سیر دریا کو بھی سکندر کے لشکر نے دریائے جیحوں کی طرح عبور کیا اور سکیتوں پر حملہ کر کے ان کے سیکڑوں آدمی مار گرائے۔ کچھ مقدونی سپاہیوں کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ آخر سکیتوں کے سردار نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اسکندر نے تمام سکیتی قیدی' جو اسیر کر لیے گئے تھے' لوٹا دیے۔ یہ آخری سرحد تھی جہاں کوروشِ اعظم پہنچا تھا۔ اب اسکندر کی سرحد بھی اتنی ہی تھی جتنی کوروشِ اعظم کے زمانے میں مملکت ایران کی تھی۔

اسکندر جب سکیتوں سے مصالحت کی گفت و شنید کر رہا تھا' اس وقت سپٹامن اسکندر کی فوج سے مصروفِ پیکار تھا لیکن بالآخر سغدیانہ کے فوجی دستوں کے سالار نے اسے شکست دی اور بعض سکیتوں نے ہی سپٹامن کا سر کاٹ کر اسکندر کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد بلخ اور سغدیانہ میں کسی کو شورش بپا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

۳۲۸ ق م کا موسمِ سرما اسکندر نے نوتاکا میں بسر کیا جو سمرقند دریائے جیحوں کے درمیان ایک شاداب علاقے میں واقع تھا۔

سردیوں کا موسم ختم ہونے کے بعد موسمِ بہار میں اسکندر نے بدخشاں کے پہاڑی قبائل کو سر کر کے اپنی فتوحات مکمل کر لیں۔

اسکندر کا ہندوستان میں ورود

ایران کے مشرقی صوبے فتح کرنے اور نظم و نسق قائم کرنے میں اسکندر کو دو سال لگے۔ اسے اب قدیم ایرانی بادشاہوں کی پوری مملکت حاصل تھی لیکن اس کی مہم پسند طبیعت اسی پر قانع نہ تھی۔ اب اس نے مکمل تیاری کر کے ہند کی جانب باگیں اٹھائیں۔ ہندوستان کی کشش اس لیے بھی تھی کہ داریوشِ اعظم نے پنجاب' سندھ اور مکران فتح کر کے انھیں مملکت ایران میں شامل کیا تھا۔ اس لیے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر کوہ ہندوکش کو عبور کیا اور اسکندریہ (موجودہ قندھار) آیا' یہاں سے نکاتا پہنچا۔ یہاں کے حکمران ٹیکسیلس نے اسکندر کا خیر مقدم کر کے اظہار اطاعت کیا۔ کچھ دیر قیام کرنے کے بعد اسکندر نے ہیپا ئچن کو لشکر کے بڑے حصے کے ساتھ درۂ خیبر

کی طرف روانہ کیا اور خود وادیِ سوات کے راستے پشاور کا رُخ کیا- راستے میں کئی مقامی قبائل کو زیر کیا- متعدد گاؤں محاصرے میں لے کر فتح کیے- ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں یونانیوں کا کافی نقصان ہوا- خود اسکندر کو بھی کندھے اور گھٹنے پر زخم آئے-

ہیپا تچن لشکر لیے ہوئے اٹک کے مقام پر آ پہنچا جہاں دریائے سندھ کی چوڑائی نسبتاً کم تھی- یہاں اس نے اسکندر کے آنے سے پیشتر کشتیوں کا پل تعمیر کر لیا- اسکندر اٹک پہنچا تو ٹیکسیلس سات سو سوار فوج سونے چاندی کی تھیلیاں' ہاتھی' بیل اور بھیڑیں اسکندر کی خدمت میں پیشکش کرنے کے لیے وہاں آ گئی- انھوں نے ٹیکسیلس کی طرف سے ٹیکسلا کا شہر' جو اس زمانے میں پنجاب کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا' اسکندر کو نذر کیا- اس شہر کی عظمت اب بھی کھنڈرات سے ظاہر ہوتی ہے جو اٹک اور راولپنڈی کے مابین واقع ہیں اور سیاحوں کی دل چسپی کا مرکز بنے ہوئے ہیں- اسکندر ٹیکسلا آیا تو یہاں بڑے تزک و احتشام سے اس کا خیر مقدم کیا گیا-

راجا پورس سے جنگ

اسکندر نے کچھ مقدونی دستے ٹیکسلا میں متعین کیے اور باقی فوج کے ساتھ ۳۲۶ ق م میں دریائے ہیداسپس (سندھ) کا رُخ کیا- سندھ کو عبور کرنے کے بعد یہ کوچ کرتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے آ کر رکے- جہلم کا راجا پورس اسکندر کی آمد سے بے خبر نہ تھا- اس نے یونانی پیش قدمی کو روکنے کے لیے جہلم کے دوسرے کنارے پر بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا تھا' جس میں سوار فوج کے لیے ہاتھی بھی تھے- اسکندر کے لیے اب صورتِ حال کچھ ناموافق تھی- راستے میں دریائے جہلم حائل تھا جس میں طغیانی آئی ہوئی تھی- اسکندر کے گھوڑوں کو ہاتھیوں کا سامنا کبھی نہیں ہوا تھا- یہ بھی اس کے لیے ایک مشکل تھی- بہرحال مشکلات میں گھر کر اسکندر کا ذہن زیادہ کام کرتا تھا- وہ پورس کا شبہ دور کرنے اور غلط تاثر دینے کی غرض سے دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف بڑھتا گیا اور ستر میل کی مسافت طے کر کے ایک مقام پر کشتیوں کے ذریعے فوج پار اُتاری- پورس کے جاسوس کو معلوم ہوا تو انھوں نے پورس کو صورت حال سے آگاہ کیا- پورس نے اپنے بیٹے کو دو ہزار فوج دے کر بھیجا جس میں رتھ سوار بھی شامل تھے- یہاں مختصر سی لڑائی کے بعد ہندوستانی لشکر کو پسپا ہونا پڑا اور پورس کا بیٹا لڑتا ہوا مارا گیا-

آخر پورس سے بڑی لڑائی ۳۲۶ ق م میں چیلیانوالہ کے مقام پر ہوئی جہاں پورس کی فوجیں حملہ آور کے انتظار میں صف بستہ تھیں- آگے پورس کے ہاتھی فصیل بنے کھڑے تھے-

اسکندر نے یہ فیصلہ کیا کہ سامنے سے حملہ کرنے کی بجائے بائیں بازو کی سوار فوج پر حملہ کیا جائے چناں چہ یونانی لشکر بائیں بازو کی طرف بڑھا۔ پورس کے دستے کمک کے لیے آگے آئے۔ یونانیوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ ہندوستانی فوج کے دستوں نے پیچھے ہٹ کر ہاتھیوں کے عقب میں پناہ لی۔ دوسری مرتبہ پھر یہ لشکر حملے کے لیے آگے بڑھا لیکن یونانی انھیں دھکیلتے ہوئے بہت دور تک چلے گئے۔ لڑائی کا ہنگامہ تیز تر ہوا تو پورس کے ہاتھی پے بہ پے زخموں کی وجہ سے بے قابو ہو گئے اور خود اپنی ہی فوج میں گھس گئے جس سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مقدونیوں نے لگاتار حملے کر کے ہندوستانی لشکر کو پسپا کر دیا۔ پورس بہادری کے ساتھ اس وقت تک لڑتا رہا جب تک لشکر نے فرار اختیار نہ کیا۔ آخر پورس اسیر ہو گیا۔

اسکندر کے حکم سے پورس کو پیش کیا گیا تو دونوں کے مابین ذیل کے سوال و جواب ہوئے جن سے ہماری تاریخ کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔

''اب تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟'' اسکندر نے پوچھا۔

''وہی سلوک جو بادشاہ' بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں'' پورس نے جواب دیا

''تم کچھ اور بھی چاہتے ہو؟'' اسکندر نے سوال کیا۔

''اس کا جواب بھی میرے پہلے جواب میں شامل ہے'' پورس نے کہا۔

اسکندر' پورس کی دلیرانہ گفت گو سے خوش ہوا اور نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ اس کا ملک اسی کو سونپ دیا۔

یونانی لشکر اگرچہ فتح یاب ہوا تھا لیکن اب ان میں پہلا سا جوش اور امنگ نہ تھی۔ کچھ اس وجہ سے کہ اس لڑائی میں اہلِ یونان کا بھی کافی جانی نقصان ہوا تھا۔ اب وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ جنگوں کا لامتناہی سلسلہ کبھی ختم بھی ہوگا' کچھ وطن کی یاد بھی انھیں ستاتی تھی۔ وہ دیوتاؤں کے حضور التجائیں کرتے تھے کہ اسکندر کے دل میں آگے بڑھنے کا خیال نہ آئے۔

راجا پورس پر فتح پانے کے بعد اسکندر نے چناب اور راوی کو عبور کیا۔ جہاں جہاں فوج کے قدم پڑھتے تھے' وہاں کے لوگوں کو یا تو مغلوب کر لیا جاتا تھا یا وہ خود سر اطاعت خم کر دیتے تھے۔ آخر اسکندر دریائے بیاس کے کنارے آپہنچا اور فوج کو کچھ دیر آرام کرنے کو کہا۔ اسکندر کا ارادہ یہاں سے آگے بڑھنے کا تھا لیکن لشکر میں بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ یونانی اب کھلم کھلا بددلی کا اظہار بھی کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اسکندر کی گرفت لشکر پر ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ اب وہ اس بات پر بھی آمادہ تھے کہ اسکندر کا کوچ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں۔ لشکر کے سرداروں نے

صورتِ حال سے اسکندر کو آگاہ کر دیا- اس نے ہر چند اپنے ساتھیوں کو ختم نہ ہونے والی جدوجہد کی اہمیت بتائی لیکن وہ اسکندر کی والہانہ امنگوں کا ساتھ نہ دے سکے- چند دن اس نے لشکر سے الگ تھلگ رہ کر گزارے کہ شاید آگے بڑھنے کا خیال انھیں آجائے لیکن وہ واپس جانے پر اڑے ہوئے تھے- اس طرح وہ فاتح اعظم، جسے ایشیا اور یورپ کا کوئی حکم ران شکست نہ دے سکا، اپنے ہی آدمیوں سے مات کھا گیا- آخر اس نے واپسی کا حکم دے دیا- لشکر نے واپسی کی خوشی میں بہت بڑا جشن منایا، فتوحات کی یاد میں قربانیاں دیں اور اسکندر پر اپنی وفاداری کا اظہار کیا-

کوچ شروع ہوا- لشکر نے لاہور کے قریب دریائے راوی کو عبور کیا- پھر وزیر آباد سے کچھ آگے بڑھ کر چناب سے پار اُترے اور دریائے سندھ کی راہ لی- سندھ کے کنارے پہنچ کر کچھ عرصہ قیام کیا- یہاں اسکندر نے بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم دیا- بیڑہ تیار ہو گیا- آٹھ ہزار سپاہی بیڑے میں سوار ہوئے اور امیر البحر نیارکس نے سندھ کو عبور کر کے بیڑہ بحرِ ہند میں ڈال دیا جو کافی عرصے کے بعد ایران کی بندرگاہ عباس پر جا لگا-

سندھ سے ایران کو واپسی

اسکندر بقیہ لشکر لے کر بلوچستان آیا- پھر صحرائے لوت عبور کر کے سیرجان سے ہوتا ہوا پاسارگاد آیا- یہاں اسکندر نے اپنی فتوحات کی یاد میں بہت بڑے جشن منعقد کیے- دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں دیں اور طرح طرح کی کھیلوں کا اہتمام کیا-

اسکندر مقبرۂ کوروش پر

پاسارگاد میں ہخامنشی عہد کا بانی، ایران کا عظیم فاتح کوروش اعظم دفن ہے- اسکندر اس کا مقبرہ دیکھنے کے لیے گیا- آریان لکھتا ہے: "یہ[1] مقبرہ پاسارگاد کے باغوں کے عین وسط میں واقع ہے- اس کے آس پاس ہرے بھرے درخت ہیں- پاس ہی ندیاں بہتی ہیں- مقبرے کی عمارت بہت مختصر ہے، جو پتھر کی بڑے بڑے ٹکڑوں کو ہموار کر کے بنائی گئی ہے- بڑی بڑی چھ سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے تک پہنچتے ہیں مقبرے کا دروازہ بہت تنگ ہے- اس میں کوروش اعظم کا جسدِ فانی سونے کے تابوت میں ڈال کر ایک میز پر، جس کے پائے سونے کے ہیں، رکھا گیا ہے- مقبرے کی حفاظت مغوں کے ایک خاندان کو سونپی گئی ہے، جو اس خاندان کے لیے باعثِ افتخار ہے- بادشاہِ وقت کے حکم سے ان مغوں کو بکری، آٹا اور شراب روزانہ مہیا کی جاتی ہے- مقبرے پر

(۱) ایران باستان، ج ۲، ص ۱۸۷۱

ایک کتبہ تھا جس کا مضمون یہ ہے: ''اے فانی انسان! میں کمبوجیہ کا بیٹا کوروش ہوں- میں نے پارس کی حکومت کی بنا ڈالی اور ایشیا کو فتح کیا- اس مقبرے کو دیکھ کر حسد نہ کر-'' اسکندر نے دیکھنا چاہا کہ اب اس مقبرے میں کیا ہے- قبر کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ لاش تو میز پر جوں کی توں موجود ہے لیکن سونا نکال لیا گیا ہے- اسکندر کے حکم سے ریشمی چادریں لاش پر ڈال دی گئیں- تابوت کی مرمت کرا کے مقبرے کا دروازہ پتھروں سے چن دیا گیا اور اوپر اسکندر کی ''مہر لگا دی گئی-

مملکت ایران کی شورشیں

اسکندر عین وقت پر ایران واپس آیا تھا- مملکت کے مختلف صوبوں میں ہل چل ہو رہی تھی- بلخ میں تو کھلی بغاوت پھیلی ہوئی تھی- میڈیا کے فوجی سالاروں نے لوٹ کھسوٹ شروع کر رکھی تھی- حکمران لشکر فراہم کر کے خود مختاری کا دم بھرنے لگے تھے- ہارپالس' جو شاہی خزانے کا محافظ تھا' موقع پاتے ہی زرِ کثیر لے کر کیلیکیا چلا گیا- داریوش کے مقبرے کی بے حرمتی کی گئی تھی- کلیومینس نے مصر میں اودھم مچا رکھا تھا- کرمانیا اور میڈیا میں تخت و تاج کے دعوے دار پیدا ہو رہے تھے- گویا وہ مملکت جو بزورِ شمشیر قائم ہوئی تھی' اب اس کے ٹکڑے ہو رہے تھے- اسکندر نے سخت گیری اختیار کر کے ان شورشوں کو فرو کیا اور پھر مرکزی حکومت مستحکم کی-

شوش میں اسکندر کی فتوحات کی یاد منانے کے لیے جشنِ عظیم منعقد ہوا جس میں ایران اور ایشیا کے مختلف علاقوں کے امرا شریک ہوئے- اسکندر نے یہاں اس خیال سے کہ ایران اور یونان کے تعلقات استوار ہو جائیں' اجازت دے دی کہ یونانی ایران میں شادیاں کر لیں- اسکندر نے خود داریوش کی شہزادی برسین سے شادی کر لی اور ہیپا ستین داریوش کی دوسری شہزادی دری پتی کو اپنے حلقۂ زوجیت میں لے آیا-

ایشیائے کوچک کو واپسی

۳۲۴ ق م کے موسم بہار میں اسکندر نے لشکر کو دجلہ کے راستے اوپیس بھیجا اور خود ایران کے نشیبی علاقوں کی واقفیت حاصل کرنے کے لیے دریائے کارزون سے خلیج فارس تک کا بحری سفر کیا- پھر دجلہ کی راہ سے اوپیس آ گیا جو بغداد کے قریب واقع تھا- یہاں دونوں لشکر مل گئے- اس سفر میں کئی مہینے لگے- آخر ۳۲۴ ق م کے موسم گرما میں یہ سفر مکمل ہوا- اوپیس میں اسکندر کو نہایت ناخوش گوار صورت پیش آئی- یہاں اس نے اعلان کیا کہ جو یونانی بیمار ہیں یا وطن

واپس جانا چاہتے ہیں' انھیں انعام واکرام دے کر واپس بھیج دیا جائے گا- اس اعلان سے غلط فہمی پیدا ہو گئی- اہلِ مقدونیہ یہ سمجھے کہ اسکندر اب اپنے ہم وطنوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے اور اپنے اردگرد مادیوں اور پارسیوں کو جمع کرنا چاہتا ہے- اس بات سے اہلِ مقدونیہ کے شبہے کو اور بھی تقویت ہوئی کہ ایرانیوں کو باقاعدہ لشکر میں شامل کرنے کے لیے فوجی تربیت دی جا رہی ہے- یونانی بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے- اسکندر کو صورتِ حال معلوم ہوئی تو اس نے یونانیوں کو بلا کر ان کے سامنے نہایت تہدید آمیز تقریر کی جس کا لب لباب یہ تھا کہ اگر تم یونان واپس جانا چاہو تو چلے جاؤ' تمھارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں- یہ تقریر کرنے کے بعد اسکندر شاہی محل میں چلا گیا اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ اس کے پاس آ سکے- دو دن کے بعد اس نے ایرانی سرداروں کو بلایا اور ایرانی لشکر منظم کرنے کا حکم دیا- یونانیوں کے لیے اب کوئی چارۂ کار نہ تھا- نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی مثال ان پر صادق آتی تھی- آخر سب یونانی اوپیس کے شاہی محل کے سامنے آئے- اسکندر باہر نکلا تو انھوں نے اپنے ہتھیار زمین پر دے مارے اور کہا: ''یہ ہتھیار لیں اور ہمیں باغی سمجھ کر جو چاہیں سزا دیں-'' اسکندر نے موقع کی نزاکت محسوس کر کے بڑی التفات آمیز تقریر کی اور دس ہزار یونانیوں کو واپس جانے پر آمادہ کر لیا- جن لوگوں نے واپسی کی تیاری کی' انھیں اسکندر نے مال و دولت کے انبار اور نادر اشیا دے کر رخصت کیا-

سفرِ میڈیا

اسکندر نے اب میڈیا کا رُخ کیا- ہمدان پہنچا تو ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوا- یہاں ہپاچن بعارضۂ بخار مبتلا ہوا اور کچھ عرصہ صاحبِ فراش رہ کر راہیِ مالکِ بقا ہوا- وہ اسکندر سے ہمیشہ قریب رہا اور مرتے دم تک وفاداری اور جاں نثاری میں فرق نہ آنے دیا- وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے حد ذہین اور دلیر بھی تھا- اسکندر نے یہاں اسے شاہی اعزاز سے دفن کیا- اسکندر کو عزیز ترین دوست کی وفات کا انتہائی صدمہ تھا جسے وہ زندگی بھر نہ بھلا سکا- غم غلط کرنے کے لیے اس نے موسم سرما میں لرستان کے سلسلۂ کوہ کا رُخ کیا' جہاں کے کوسائی قبائل نے سر اطاعتِ خم نہیں کیا تھا- جن قبائل کا کوئی مرکزی مقام نہ تھا- ہمیشہ حرکت میں رہتے تھے- یہی وجہ ہے کہ ان کے خلاف مہم عموماً کامیاب نہ ہوتی تھی- اسکندر نے شدتِ سرما کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ مشکل کے وقت یہ قبائل فوراً ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے ہیں' ان پر حملہ کیا- یہ حملہ بھی حسبِ معمول کامیاب رہا اور قبائل سر جھکانے پر مجبور ہو گئے- یہ اسکندر کی زندگی کی آخری مہم تھی-

سفرِ بابل

عظیم فاتح اب عازم بابل ہوا- اثنائے راہ میں کشتیاں تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ بحرۂ خزر کی حدود معلوم کی جائے- اسکندر کی فاتحانہ واپسی کی خبر آناً فاناً ایشیا اور یورپ میں پھیل گئی- اکثر ممالک میں خوشی کا اظہار کیا گیا- قرطاجنہ' لیبیا' حبشہ' اطالیہ اور گال نے مبارک باد کے لیے اپنے سفیر بھیجے- اس ہمہ گیر خیر مقدم نے اسکندر کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی- اسکندر بابل پہنچا تو وہاں کے روحانی پیشواؤں نے اسکندر سے شہر میں داخل نہ ہونے کی استدعا کی اور بتایا کہ یہاں اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے- اسکندر اگرچہ توہم پرست تھا لیکن روحانی پیشواؤں کی تنبیہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ فاتحانہ شان سے ایشیا کے قدیمی دارالسلطنت میں داخل ہوا-

اسکندرِ اعظم کی وفات

بابل پہنچنے کے بعد بھی اس عظیم فاتح کی مہم پسند طبیعت کو تسکین نہ ہوئی اور عرب کی مہم پر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں- اہلِ فینیقیا کو حکم ہوا کہ ایک طاقت ور بیڑا اس مہم کے لیے تیار کریں- اسی اثنا میں اس نے فرات تک کا سفر کیا اور بابل کے لیے جہازوں کی گودی کی تعمیر شروع کرائی- انھی تیاریوں میں' شاید فرات کی ناخوش گوار آب و ہوا کے اثر سے اسکندر العارضۂ بخار مبتلا ہوا- مرض رفتہ رفتہ شدید صورت اختیار کرتا گیا لیکن جب تک وہ بول سکا' جنگی تیاریوں کا حکم دیتا رہا- آخر بیماری غالب آئی' قوتِ گویائی سلب ہو گئی اور یہ عظیم فاتح تیس سال کی عمر میں' جب کہ وہ اپنی عظمت کے انتہائی عروج پر تھا' دنیائے فانی کو خیر باد کہہ گیا- اس کی وفات ۳۲۳ ق م میں ہوئی-

ہخامنشی عہد کی تہذیب و تمدن پر ایک نظر

ہخامنشی بادشاہوں کی مذہبی رواداری

ہخامنشی بادشاہوں کو کشور کشائی کی آرزو تو تھی لیکن وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مفتوح اقوام کے مذہب کی حرمت برقرار رکھی جائے اور ان کے قدیمی تمدن کی شان و شوکت میں فرق نہ آنے پائے- کوروشِ اعظم نے ہمیشہ مفتوح اقوام کے دیوتاؤں اور معبدوں کا احترام کیا- اس کے فرمانوں میں جہاں کہیں معبدوں کا نام آیا' بڑے احترام سے ان کا ذکر کیا اور معبدوں کو جس حکم ران نے تباہ کیا' انھیں از سرِ نو تعمیر کرایا- اس نے اہلِ بابل کے آداب دین

اور رسومِ مذہبی کو بھی اپنایا۔

کمبوجیہ جب تک مصر میں رہا' اہلِ مصر کے رسوم و عادات کا احترام کرتا رہا۔ ہخامنشی بادشاہوں کی رواداری کا اس بات سے بھی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے ایشیاے کوچک کے حکم رانوں کو اختیار دیا تھا کہ خود سکے جاری کریں۔ چناں چہ ان سکوں پر وہ اپنے مقدس دیوتاؤں کی شبیہیں ڈھالتے تھے۔

خشیارشا نے البتہ ایتھنز فتح کر کے اسے آگ لگائی تھی اور وہاں کے معبد کو بھی جلایا تھا لیکن ہیرودوت لکھتا ہے کہ خشیارشا نے ایتھنز کو محض انتقام لینے کے لیے جلایا تھا کیوں کہ اہلِ ایتھنز نے سارڈ کے مقدس جنگل کو آگ لگائی تھی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خشیارشا' بابل کے دیوتا مردوک کا مجسمہ ایران اٹھوا لایا تھا' جس کے ہاتھ کو تھام کر بابل کے بادشاہ اپنی بادشاہت کا اعلان کیا کرتے تھے۔ ہیرودوت نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ بابل نے حکومتِ ایران کے خلاف تیسری مرتبہ بغاوت کی تھی اور خشیارشا نے چاہا تھا کہ بابل میں بغاوتوں کا سلسلہ ختم ہو اور کوئی شخص اپنے آپ کو بادشاہ نہ کہے' اس لیے وہ مجسمۂ مردوک کو ایران لے آیا۔

ہخامنشی بادشاہ مفتوح اقوام کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے' برعکس رومیوں کے جن کی تاریخ مغلوب اقوام پر ظلم و ستم سے بھری پڑی ہے۔ خود اسکندر کا یہ حال تھا کہ اس نے طبس' ہالی کارنس' صور اور غزہ کے شہروں کو تباہ و برباد کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو غلام بنا کر بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قصور ان کا یہ تھا کہ وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

تشکیلِ حکومت

قدیم ایران کا نظامِ حکومت چار قسم کی حکومتوں پر مشتمل تھا: ایک گھر کی حکومت ہوتی تھی' جس میں گھر کا بزرگ حاکم خانہ ہوتا تھا' پھر گاؤں کی حکومت تھی' جس کا مکھیا حاکم دیہہ ہوتا تھا' تیسری حکومت قبیلے کی تھی' جس کا سردار حاکمِ قبیلہ سمجھا جاتا تھا اور چوتھی حکومت ملک کی تھی۔

ہخامنشی عہد میں سات خاندان' جن کی اپنی بڑی بڑی جاگیریں تھیں' بہت ممتاز تھے۔ ان کو بادشاہ کی طرف سے خاص رعایات حاصل تھیں۔ انھی سات خاندانوں میں ہخامنشی بادشاہوں کا اپنا خاندان بھی تھا۔ ان میں سے شاہی خاندان کا سردار بادشاہ کو تاج پہنانے کی رسم ادا کیا کرتا تھا۔

ان خاندانوں کے سرداروں کو ذیلی حکم ران کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ کچھ

اور حکم ران بھی تھے؛ مثلاً ف ایشیاے کوچک کے فرماں روا- یہ شہنشاہِ ایران کے ماتحت تھے- ان کی نگرانی بادشاہ اپنے نائبوں کے ذریعے کرتا تھا- ان کے علاوہ ہخامنشی بادشاہ بعض امرا کو موروثی جاگیر عطا کر کے نئے حکم ران بھی مقرر کرتا تھا- ان حکم رانوں کو امتیازی حقوق حاصل ہوتے تھے- بعض صورتوں میں بادشاہ انھیں ٹیکس وغیرہ سے مستثنٰی کر دیتا تھا' یعنی وہ مالیہ وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کرانے کی بجاے خود اپنے پاس رکھ سکتے تھے-

صوبوں کے حکم ران عموماً شاہی خاندان یا باقی چھ مقتدر خاندانوں سے نام زد کیے جاتے تھے- شاہی خاندان کے جو افراد حاکم مقرر کیے جاتے' انھیں شاہ کا لقب اختیار کرنے کا حق حاصل تھا- اشکانیوں کے عہد میں صوبوں کی حکومتیں بادشاہتیں کہلاتی تھیں اس لیے اسلامی مؤرخین نے اس زمانے کو 'طوائف الملوکی' کا نام دیا ہے- یہ بڑی حد تک درست ہے- بادشاہ کی ایک مجلس مشاورت ہوتی تھی' جس کے اراکین شاہی خاندان اور باقی چھ خاندانوں کے مقتدر امرا ہوتے تھے-

ہخامنشی عہد کے مؤسس کوروشِ اعظم (۵۴۹ تا ۵۲۹ ق م) نے حکومت کو کامیاب بنانے کے لیے یہ طریق کار اختیار کیا کہ میڈیا' بابل' لیڈیا اور خراسان میں اپنے والی مقرر کیے' جو براہِ راست بادشاہ کو جواب دہ ہوتے تھے- بعد کے ہخامنشی بادشاہوں میں سے داریوشِ اعظم (۵۲۱ تا ۴۸۵ ق م) نے اس خیال سے کہ اس طریق حکومت میں مختلف علاقوں کے والیوں کو بہت اقتدار حاصل ہو جاتا ہے' جس سے وہ خود مختاری کا دم بھرنے لگتے ہیں' مختلف ممالک کو صوبوں میں تقسیم کر دیا- ہر صوبے کا حکم ران 'ساتراپ'[1] یا والی کہلاتا تھا- اس نسبت سے صوبے کو 'ساتراپی' کہتے تھے- ہر صوبے میں والی کے علاوہ میرِ لشکر اور دبیر خصوصی (چیف سیکریٹری) بادشاہ مقرر کرتا تھا- یہ سرکاری عہدے دار اپنے فرائض میں ایک دوسرے سے آزاد تھے اور صوبے کے حالات سے براہِ راست مرکزی حکومت کو باخبر رکھتے تھے- اس طرح یہ تینوں حکام ایک دوسرے کے ہم نوا نہیں ہونے پاتے تھے- اس لیے بغاوت کا منصوبہ بننے کا امکان بھی بہت کم ہوتا تھا- مفتوحہ ممالک میں وقتاً فوقتاً نگران بھی بھیجے جاتے تھے جن کے ہم راہ فوجی دستے ہوتے تھے- یہ نگران

---

(۱) ساتراپ: داریوش اعظم نے جب ایران کی حکومت سنبھالی تو داوریش کو بلخ کا حکم ران مقرر کیا- اس نے اپنے لیے شترا پادا کا لقب اختیار کیا- یونانی زبان میں یہ لفظ آیا تو ستراپس بن گیا- انگریزی میں یہی لفظ ستراپ (Satrap) لکھا جانے لگا- A.W.Rogers A Hostory of Ancient Persia, p.105

آزادانہ تحقیقات کرنے اور سزا دینے کے مجاز بھی تھے۔ والیوں یا دوسرے حکام کی ناقابل اعتراض روش سے بادشاہ کو آگاہ کرتے تھے۔ ان کے علاوہ خفیہ کام کرنے والے الگ متصدی بھی مامور کیے جاتے تھے' جو بادشاہ کو حالات سے باخبر رکھتے تھے۔

صوبوں کی تعداد چوبیس سے تیس تک تھی۔ یہ تعداد سیاسی حالات کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ صوبوں میں مرکزی حیثیت میڈیا کو حاصل تھی۔ دوسرے صوبوں میں پارس کو امتیازی حیثیت حاصل تھی کیوں کہ یہ ہخامنشی خاندان کا گہوارہ تھا۔ اہلِ پارس ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے لیکن جب اس صوبے سے بادشاہ کا گزر ہوتا تو اہلِ پارس تحائف پیش کیا کرتے تھے۔ ہر صوبے کے لیے جداگانہ ٹیکس تشخیص کیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس کا کچھ حصہ نقدی کی صورت میں لیا جاتا تھا' کچھ اجناس کی شکل میں۔ سب سے زیادہ ٹیکس بابل پر عاید تھا' اس سے کم مصر پر اور سب سے کم مکران پر۔ حکم رانوں کے اخراجات صوبوں کے ذمے تھے۔ صوبوں[1] کے والی عموماً شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے۔ شاہی خاندان کا کوئی فرد اس عہدے کا اہل نہ ہوتا تو بادشاہ کسی قابلِ اعتماد شخص کو والی مقرر کر کے کسی شاہزادی سے اس کی شادی کر دیتا تھا تاکہ قرابت داری کی وجہ سے والی حکومت کی وفاداری میں فرق نہ آنے پائے۔

بادشاہ کے فرامین لے جانے اور جوابات لانے کے لیے ہرکارے مقرر تھے' جو تمام اہم راستوں پر شب و روز حرکت کرتے رہتے تھے۔ جن والیوں کے متعلق خبر ملتی کہ مرکزی حکومت کے خلاف شورش پر آمادہ ہیں' انھیں فوراً معزول کر دیا جاتا' یا میرِ لشکر کے توسط سے مروا دیا جاتا۔

بادشاہ کا ذاتی محافظ دستہ ہوتا تھا جو شروع میں دو ہزار سواروں اور دو ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ بعد میں ان کی تعداد بڑھا کر دس ہزار کر دی گئی۔ یہ فوج "سپاہِ جاویدان" کہلاتی تھی۔ تمام اہم مراکز پر فوج مقرر کر دی جاتی تھی۔ سیاسی نظام وہی تھا جو بابل اور میڈیا کے قدیم بادشاہوں کا تھا' البتہ کوروش اعظم اور داریوشِ اعظم نے اس نظام کو زیادہ مکمل اور پختہ تر بنا دیا۔[2]

بادشاہ

بادشاہ کو قومی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ وہ مختارِ کل ہوتا تھا۔ وہ ایک دفعہ جو

---

(۱) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, P. 113

(۲) Christen son, (Arthur), History of Iran during the reign of Saranids, p.7

قانون بنالیتا' اسے کبھی بدلتا نہ تھا- ملک کی خوش حالی اور بدحالی کا انحصار بادشاہ کے دم سے تھا- کوئی منتظم' مدبر اور طاقت ور بادشاہ ہوا تو ملک خوش حال ہو گیا- نااہل' عافیت پسند اور کمزور بادشاہ کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی تو ملک کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا- بادشاہ قومی اور ملکی روایات کی ہمیشہ پیروی کرتا تھا- اسے امور سلطنت میں امرا سے مشورہ بھی کرنا پڑتا تھا- بادشاہ ایک مرتبہ جو فیصلہ دے دیتا' اس سے منحرف نہ ہوتا تھا- عوام بادشاہ کے احترام کی خاطر جھک کر زمین تک لگ جاتے تھے اور اس کے پاؤں پر بوسہ دیتے تھے- اس کے باوجود ہخامنشی بادشاہوں کو ظل اللہ نہیں سمجھا جاتا تھا- یہ مرتبہ ایرانی بادشاہوں کو اسکندر کے بعد ملا- بالآخر ساسانی بادشاہوں کو ظل اللہ کہنے لگے-

بادشاہوں کے کھانا کھانے کے خاص آداب تھے- بادشاہ خود تنہا کھانا کھاتا تھا ملکہ البتہ بادشاہ کے ساتھ بیٹھ سکتی تھی اس موقع پر مادر ملکہ کو ملکہ پر فوقیت ہوتی تھی- پلوتارک لکھتا ہے: ''میز پر سب سے مقدم مادر ملکہ ہوتی تھی' اس کے بعد بادشاہ بیٹھتا تھا' آخر میں ملکہ مملکت بیٹھتی تھی-'' بقول مؤرخ مذکور اردشیر دوم نے اپنے بھائیوں کو بھی بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی اجازت دے دی تھی- شاہی دسترخوان بہت وسیع تھا- کتزیاس لکھتا ہے کہ ایک دن میں پندرہ ہزار آدمی بادشاہ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے-[1]

بادشاہ کے فرمانوں اور مراسلوں پر اس کی مہر ثابت ہوتی تھی' صوبوں کے حکمران اس مہر کی بہت تعظیم کرتے تھے-

عہدِ ہخامنشی میں' جیسے کہ پہلے ذکر آیا ہے' پارس میں سات ممتاز خاندان تھے' جن کو خاص امتیازی حقوق حاصل تھے- ان خاندانوں کے سربراہوں کو امورِ سلطنت میں بھی عمل دخل ہوتا تھا- یہ جب چاہتے' بادشاہ سے ملاقات کر سکتے تھے' سوائے اُس وقت کے جب بادشاہ حرم سرا میں ہوتا- یہ امرا شہزادگان کہلاتے تھے- بادشاہ شادی کے لیے عموماً انھی امرا کے خاندانوں سے لڑکی منتخب کرتا تھا- بادشاہ کی مجلسِ مشاورت بھی انھی امرا پر مشتمل ہوتی تھی-

بادشاہ کا لباس اور وضع

ہخامنشی بادشاہوں نے آلِ ماد کا سا لباس اختیار کیا- بادشاہ گراں بہا ارغوانی رنگ کا لباس پہنتا تھا- لباس کا اہم حصہ جبہ ہوتا تھا، جو پیچھے سے لٹکتا رہتا تھا- بادشاہ کا تاج بلند ہوتا تھا-

(۱) ایران باستان' ج ۱' ص ۱۱۶۱

تختِ جمشید کی ابھرواں شبیہوں سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہ کانوں میں بالیاں پہنتے تھے' گلے میں طلائی ہار اور زنجیریں بھی ہوتی تھیں- پیٹی سونے کی ہوتی تھی- ڈاڑھیاں لمبی اور بال گھنگھریالے تھے- شاہی عصا کے سرے پر سونے کا بنا ہوا سیب ہوتا تھا- بادشاہ کے عقب میں بلند مرتبے کا کوئی شخص کھڑا رہتا تھا اور اس کے ساتھ ایک شخص مگس رانی کرتا تھا-

امن و صلح کے زمانے میں بادشاہوں کا شغل شکار ہوتا تھا- چناں چہ اس زمانے کی دیواروں کو درندوں' ہرنوں' گورخروں' خرگوشوں اور پرندوں وغیرہ سے زینت دی جاتی تھی-

ضعیف النفس بادشاہوں کے زمانے میں خواجہ سراؤں کو بہت اقتدار حاصل ہوا' یہاں تک کہ وہ بادشاہ گر ہو گئے- ہخامنشی عہد کے زوال کا ایک سبب خواجہ سراؤں اور بیگمات کا امورِ سیاست میں عمل دخل تھا-

معاشرے میں عورتوں کا درجہ

ہخامنشی عہد میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا- امرا کی عورتیں پردے میں رہتی تھیں- کہیں باہر نکلتیں تو عماریوں میں' جن پر پردے چھوڑ دیے جاتے تھے- پردے کا یہاں تک اہتمام کیا جاتا تھا کہ اس زمانے کے مجسموں یا اُبھرواں تصویروں میں کسی عورت کی شبیہ نظر نہیں آتی- لڑکیاں خونی رشتے کے مردوں سے میل جول نہ رکھ سکتی تھیں- شادی ان عورتوں سے بھی کر لی جاتی تھی جن سے اسلام کی رو سے شادی کرنا حرام ہے- امرا کے ہاں عورتوں کے لیے کام کاج کرنا کسرِ شان سمجھا جاتا تھا- دیہاتی اور خانہ بدوش لوگوں کی عورتیں البتہ بے پردہ رہتی تھیں ان کی زندگی امرا کی عورتوں کے لیے باعث رشک تھی-

ملکہ

بادشاہ کی ملکہ حرم سرا میں مختارِ کل ہوتی تھی- اسے تاج پہننے کا اختیار حاصل تھا- محل میں سب کام اس کی مرضی سے انجام پاتے تھے- بادشاہ کی دوسری بیگمات پر اس کی حکومت ہوتی تھی- اسے کثیر تعداد میں سالانہ وظیفہ ملتا تھا- کوئی ملکہ ہوشیار ہوتی تو اس کا دربار پر بھی اثر ہوتا تھا- ملکہ مختار ہونے کے باوجود مادرِ ملکہ کے زیر اثر ہوتی تھی- محل میں خواجہ سرا کام کرتے تھے- کوئی بادشاہ فضول خرچ اور عشرت پسند ہوتا تو خواجہ سراؤں کو من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تھا- اس صورت میں ان کا اثر تباہ کن ہوتا تھا-

قانون

سلطنت کے قوانین خود بادشاہ امرائے سلطنت کے مشورے سے بناتا تھا- قانون جب بن جاتا تو وہ اٹل ہوتا تھا- اس کی سختی سے پابندی ہوتی تھی- جرائم کی سزائیں بہت کڑی تھیں- قتل، زنا اور بغاوت ایسے جرائم کی سزا موت ہوتی تھی- سزا کے خوف سے کوئی شخص اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا-

مالیات

مالیہ مختلف علاقے کے حاکم وصول کرتے تھے- اس کے لیے داریوشِ اعظم سے پہلے کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا- داریوشِ اعظم نے مالیات کا نظام قائم کیا- اس کی رو سے جنس یا نقدی کی صورت میں مالیے کی مقدار معین کر دی گئی- اس سے مالیہ وصول کرنے میں آسانی ہوگئی-

داریوشِ اعظم وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے ایران میں سونے چاندی کے سکے رائج کیے- اس زمانے کے سکوں کے ایک طرف تیرانداز کی شبیہ ہے جس کا ایک گھٹنا زمین پر ہے اور ہاتھوں سے وہ کمان کا چلہ چڑھا رہا ہے-

لشکر

صوبوں کے والیوں کا فرض تھا کہ وہ فوج رکھیں اور اپنے علاقوں میں کسی قسم کی بدامنی نہ ہونے دیں- راستوں کو پرامن اور محفوظ رکھیں تاکہ تجارتی کارواں بلاخوف و خطر آجا سکیں- ملک کے اہم قلعوں کی حفاظت کے لیے مستقل طور پر فوج مقرر کی جاتی تھی- ہنگامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف اقوام اور قبائل سے لشکر جمع کیا جاتا تھا لیکن اس کی ضرورت اُس وقت پڑتی تھی جب بادشاہ کسی خارجی حکمران کے خلاف لشکر کشی کرنا چاہتا تھا- حسبِ ضرورت یونانی پیشہ ور سپاہیوں کو بھی وقتی طور پر ملازم رکھ لیا جاتا تھا- بادشاہ کی اپنی محافظ فوج تھی جس میں دس ہزار جانباز تھے- کوئی جانباز کم ہو جاتا تو اس کی جگہ کسی دوسرے سے پر کی جاتی- اس لیے اس فوج کو 'سپاہ جاویدان' کہتے تھے- انھیں اعلا قسم کے اسلحہ سے مسلح کیا جاتا تھا-

بحریہ

آلِ ماد کی حکومت کے زمانے میں ایران کی کوئی بحریہ نہ تھی کیوں کہ یہ سمندروں تک نہیں پہنچ پائے تھے- ہخامنشیوں نے یونانی نوآبادیوں کو فتح کرنے کے بعد ان کے بحری بیڑوں کو

اپنے تصرف میں لے لیا۔ ایرانیوں کے بحریے کو تقویت اُس وقت حاصل ہوئی جب بابل کی فتح کے بعد فینیقیا کا الحاق ایران سے ہوا۔ مصری بحری بیڑا بھی ایرانی بحریہ میں شامل تھا لیکن مصریوں پر ایرانی بادشاہوں کو زیادہ بھروسا نہ تھا۔ کشتیاں وغیرہ تیار کرنا اور مہیا کرنا فینیقیوں کی ذمے داری تھی۔ اس کے علاوہ ایشیائے کوچک یعنی کاریہ' سواحلِ دار دانل اور بوسفورس میں بھی کشتیاں تیار کی جاتی تھیں۔

ایران کی کشتیاں تین قسم کی ہوتی تھیں۔ پہلی قسم اُن کشتیوں کی تھی جن میں ملاحوں کی تین صفیں ہوتی تھیں اس لیے یونانی انھیں تری رم کہتے تھے۔ ان میں بیٹھنے کی بھی تین صفیں ہوتی تھیں۔ یہ جنگی کشتیاں تھیں۔ دوسری قسم دراز کشتیوں کی تھی یہ کشتیاں گھوڑوں اور سواروں کا ساز و سامان لے کر جاتی تھیں۔ تیسری قسم چھوٹی کشتیوں کی تھی۔ یہ سامان خورد و نوش لے جانے کے لیے مخصوص تھیں۔

امیر البحر مادیوں یا پارسیوں میں سے بنائے جاتے تھے کیوں کہ انھیں بادشاہ اپنے میں سے سمجھتے تھے۔

نظامِ مواصلات

ہخامنشی عہد میں راستوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی کیوں کہ اگر راستے سہل العبور نہ ہوتے تو اتنی وسیع مملکت میں نظم و نسق قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔ اسی بات کے پیش نظر داریوشِ اعظم نے آمد و رفت میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے نظامِ مواصلات کو بہتر بنایا۔ اس کے حکم سے ایک طویل سڑک بنائی گئی جو سارڈ سے شوش تک جاتی تھی۔ یہ سڑک پندرہ سو میل لمبی تھی۔ اس کے علاوہ متعدد سڑکیں اور بھی بنائی گئیں جو مقبوضہ ممالک کے اہم مقامات کو ملاتی تھیں۔

ہیروڈوٹس نے ذکر کیا ہے کہ ایک شاہ راہ ایشیائے کوچک میں شہر افس سے شروع ہو کر سارڈ تک جاتی تھی۔ سارڈ سے گزر کر یہ شاہ راہ فریگیا کو جاتی تھی' پھر یہی شاہراہ دریائے ہالیس تک پہنچ کر آگے کاپادوکیا تک بڑھتی تھی۔ ہالیس کے پل پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اور راستے کی حفاظت کے لیے وہاں فوج متعین تھی۔ یہی شاہراہ کاپادوکیا سے گزر کر کیلیکیا تک پہنچتی تھی۔ کیلیکیا میں دو پل تھے: ایک 'معبر کیلیکیا' کہلاتا تھا اور دوسرا 'معبر شام'۔ ان پلوں پر بھی قلعے تعمیر کیے گئے تھے اور دونوں قلعوں میں فوج متعین تھی۔ اس طرح اس گزرگاہ کی لمبائی چار سو پچاس فرسنگ تھی۔ ہر چار فرسنگ کے فاصلے پر ایک مسافر خانہ تھا جو مسافر خانے پہاڑوں کے بیچ میں تھے وہاں بھی

فوج رکھی جاتی تھی - یہ مسافت کارواں ایک سو گیارہ دن میں طے کرتے تھے -[1]

دوسرا راستہ بحری تھا' اس کی بھی بڑی اہمیت تھی - یہ راستہ ایران کے مشرقی علاقوں کو مغربی ممالک سے ملاتا تھا - بحری راستے کے ذریعے کشتیاں بحرالجزائر اور بحر مغرب سے گزر کر بحیرۂ احمر تک چلی جاتی تھیں اور باب المندب سے گزر کر بحیرۂ عمان میں پہنچتی تھیں - اس بحری راستے سے پارس' خوزستان اور دوسرے علاقوں کے روابط مغربی ممالک سے استوار ہوئے - اندرونِ ایران اہم شہروں کو سڑکوں کے ذریعے ملا دیا گیا تھا -

داریوشِ اعظم کی خواہش تھی کہ مصر کو سلطنت کے باقی حصوں کے ساتھ ملا دیا جائے - جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے' اس کا ذریعہ یہ تھا کہ نہر کے ذریعے دریائے نیل کو بحیرۂ احمر سے ملا دیا جاتا - چناں چہ ایک ماہر یونانی انجینئر سکیلاس کو اس کا جائزہ لینے پر مامور کیا گیا - جائزہ مکمل ہوتے ہی داریوشِ اعظم کے حکم سے نہر کھودنے کا کام شروع ہو گیا - بالآخر نہر مکمل ہو گئی - اس نہر کے کنارے جگہ جگہ کتبے لگائے گئے تھے' جن کے بعض ٹکڑے موجودہ زمانے میں برآمد ہوئے ہیں - ایک کی عبارت کا مضمون حسب ذیل ہے:

"میں ایرانی ہوں - ایران سے چل کر میں نے مصر فتح کیا - مصر کے دریائے نیل سے میں نے یہ نہر نکالنے کا حکم دیا تاکہ ایران کے ساحلِ بحر سے اسے ملا دیا جائے - آہورامزدا کے فضل سے نہر کھودی گئی - میرے حکم سے جہاز مصر سے چل کر ایران آنے جانے لگے - بس یہی میرا مقصد تھا -"[2]

ڈاک خانے

ہخامنشی بادشاہوں نے سڑکوں کے ساتھ ساتھ ڈاک خانوں کا نظام بھی قائم کیا جسے اہلِ ایران چاپار خانہ کہتے ہیں - ہر چار فرسنگ پر مسافر خانے کے ساتھ ڈاک خانہ بھی تھا - ایک تیز رفتار سوار مرکزی حکومت کے فرمان اور مراسلے لے کر ایک ڈاک خانے تک آتا تھا - یہاں سے دوسرا سوار ڈاک کو اگلے ڈاک خانے تک پہنچاتا تھا' جہاں سوار اس کا منتظر ہوتا تھا - اسی طرح ڈاک لے جانے والے ہرکارے شب و روز حرکت میں رہتے تھے اور ڈاک منزلِ مقصود تک پہنچتی جاتی تھی - یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ ڈاک کا یہ نظام داریوش اعظم نے قائم کیا تھا - اگر بہت جلد

(۱) Rogers, A.W, A History of Ancient Persia, P. 12

(۲) بیرو دوتس' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۴۹۲

پیغام پہنچانا ہوتا تو کسی بلند مقام پر آگ جلائی جاتی جس کے شعلے دور دور تک اٹھتے تھے- مردونیا نے جب ایتھنز کو فتح کیا تھا تو آگ کے شعلوں ہی کے ذریعے خشیارشا کو اطلاع ہوئی تھی جو اس وقت سارڈ میں مقیم تھا-

مذہب

قدیم اطلاعات سے پتا چلتا ہے کہ عہد ہخامنشی کے ایرانی، خدا کی وحدانیت پر اعتقاد رکھتے تھے- آہورا مزدا ان کے نزدیک خالق کائنات تھا- اپنے اقتدار اور حکومت کو وہ آہورا مزدا کی عنایت سمجھتے تھے- داریوش اعظم نے اپنی فتوحات یا کسی کارنامے کی سرگزشت برقرار رکھنے کے لیے جو کتبے کندہ کرائے ان میں بات بات پر آہورا مزدا کا احسان مانا ہے- آہورا مزدا کا تصور انسانی فہم سے بالا تھا اس لیے وہ آگ کو مظہرِ خداوندی سمجھتے اور اس کی پرستش کرتے تھے- اس غرض کے لیے اہم مقامات پر آتش کدے بنائے گئے جن کے ساتھ اخراجات پورے کرنے کے لیے جاگیریں مختص کر دی گئیں-

اگرچہ قدیم ایرانی باشندے آفتاب کے معتقد تو تھے لیکن آفتاب کی پرستش پانچویں صدی قبل مسیح کے آخر میں شروع ہوئی- یہ لوگ آفتاب کی قسم کھاتے اور جنگ کے موقع پر آفتاب سے مدد مانگتے تھے- اس زمانے میں آگ اور آفتاب کے علاوہ پانی، ہوا اور روشنی کو بھی مقدس سمجھتے تھے' یہاں تک کہ انھیں بھی ایزدیت کا درجہ دیا گیا اور ان سب کے نام پر جانوروں کی قربانیاں دی جاتی تھیں جو کسی مغ یعنی آتش پرستوں کے روحانی پیشوا کی موجودگی میں ہوتی تھیں- قربانیاں دینے کے لیے ضروری تھا کہ پاک لباس پہنے جائیں اور کسی پاک اور بلند جگہ پر' جہاں کی ہوا پاک و صاف ہو' قربانیاں دی جائیں- زمین ان کے نزدیک مقدس تھی اور اسے آلودہ کرنا ممنوع تھا' اس لیے یہ اپنے مردوں کو موم میں لپیٹ کر زمین میں دفن کرتے تھے- یہ موم گویا مردے اور زمین کے مابین حائل ہو جاتی تھی-[1]

کسی مجرد ہستی کا مجسمہ بنانا بھی ممنوع تھا لیکن پہلا بادشاہ اردشیر دراز دست تھا جس نے یونانیوں کی طرح ناہید کا مجسمہ بنوایا اور اس کے لیے پہلی مرتبہ معبد بھی بنوایا- یہ یونانیوں کا اثر تھا کیوں کہ اس نے بابل میں بہت عرصہ قیام کیا تھا- ہخامنشی عہد کے اواخر میں اور اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانے میں مذہب کی اصلی صورت قائم نہ رہی اور رفتہ رفتہ اس میں بدعتیں

(۱) ہیروڈوٹس' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۵۹۱

بھی شامل ہوتی گئیں۔ اس کے ذمے دار مغ تھے جو مذہب میں غیر ضروری باتیں شامل کرتے جاتے تھے۔

مغ

مادیوں کا ایک قبیلہ تھا جس کے سپرد مذہبی امور ہوتے تھے۔ اس قبیلے کے افراد 'مغ' کہلاتے تھے اور روحانی پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ مغوں کے بغیر کوئی مذہبی رسم ادا نہیں کی جا سکتی تھی۔ کوئی دوسرا شخص مغوں کا پیشہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ مغ کوئی اور پیشہ اختیار کرنا چاہتے تو ان کے لیے کوئی پابندی نہ تھی۔

مذہبی کتاب 'اَوستا'

ہخامنشیوں کے مذہب کے متعلق یونانی تاریخوں سے' جو انگریزی کے توسط سے ہمیں ملتی ہیں' کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔ پہلوی کی کتابوں میں اس قدیم مذہب کے متعلق البتہ کافی مواد ملتا ہے لیکن یہ کتابیں بھی ساسانی عہد میں لکھی گئی تھیں۔ زرتشتیوں کی مقدس کتاب 'اوستا' کا ایک حصہ 'دین کرت' ہے۔ اس[1] سے پتا چلتا ہے کہ گشتاسپ یا دارا پسر دارا نے اوستا کے دو نسخے بیلوں کی بارہ سو کھالوں پر سنہری حروف میں لکھوائے تھے۔ ایک نسخہ گنج شاگاں میں رکھا گیا تھا اور دوسرا نسخہ استخر کے شاہی خزانے میں محفوظ تھا۔ اسکندرِ اعظم نے جب ۳۳۰ ق م میں محلات شاہی کو نذرِ آتش کیا تو دوسرا نسخہ جل کر راکھ ہو گیا۔ پہلا نسخہ جو گنج شاگاں میں تھا وہ بھی اسکندر نے نکلوایا۔ اس میں مذہب' طب اور نجوم کے متعلق جو کچھ تھا' یونانی میں ترجمہ کرایا۔ آخر اسے بھی جلا دیا گیا۔ اشکانی عہد میں بلاش شاہ نے ان یادداشتوں کے ذریعے' جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھیں' اوستا کو مرتب کرایا لیکن اس کی تکمیل اردشیر بابکان کے زمانے میں ایک فاضل موبد تنسر نے کی۔ شاپور اول ساسانی کو طب اور نجوم سے متعلق جو مواد ہند و یونان سے حاصل ہوا وہ بھی اس میں شامل کیا۔ شاپور دوم کے زمانے میں آذربد پسر مہر سپند نے یہ ثابت کیا کہ یہ اوستا صحیح ہے۔ پس اسے قبولِ عام کی سند ملی (صحتِ اوستا اس طرح ثابت ہوئی کہ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہخامنشی دور میں ایرانیوں کا مذہب زرتشتی تھا یا نہیں۔ اس کے جواب میں قدیم ماخذوں سے کچھ پتا نہیں چلتا۔ یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ ایرانی آریاؤں اور

---

(۱) [illegible] ۱۵۱۶

ہندی آریاؤں کا مذہب شروع شروع میں ایک ہی تھا- پھر زرتشت کا مشرقی ایران میں ظہور ہوا تو اس نے نیا مذہب پیش کیا- یہ مذہب مقامی تھا اور طویل عرصے تک اسے مقامی حیثیت ہی حاصل رہی- آخر یہ مذہب اطرافِ ایران میں بھی پھیل گیا اور ساسانیوں کے عہد میں ایران کا رسمی مذہب بن گیا- لیکن یہ کہیں سے پتا نہیں چلتا کہ ہخامنشیوں کا مذہب بھی زرتشتی تھا-

اخلاق و عادات

یونانی مورخین نے ہخامنشی عہد کے ایرانیوں کے اخلاق و عادات پر روشنی ڈالی ہے:
ہیروڈوٹس اپنے زمانے میں ایران کے حالات سے بخوبی آگاہ تھا- اس کا بیان بحوالہ حسن پیرینا ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

''ایرانی اپنی پیدائش کے دن کا بڑا احترام کرتے ہیں- اس دن پر تکلف کھانے پکاتے ہیں- امرا کے ہاں گائے، گھوڑے اونٹ وغیرہ کے کباب بنائے جاتے ہیں- غربا بھی اس تقریب کو اپنی حیثیت کے مطابق شان و شوکت سے مناتے ہیں- ایرانیوں کے ہاں قسم قسم کے کھانے پکتے ہیں- شراب کے بہت متوالے ہیں- اکثر شراب پی کر شور کرتے ہیں- یہ لوگ زمین کو پاک سمجھتے ہیں اس لیے تھوک زمین پر نہیں پھینکتے - حفظِ مراتب کا انھیں بہت پاس ہے- ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو چومتے ہیں- جنہیں بزرگ سمجھتے ہیں ان کے ہاتھ بھی چومتے ہیں- ہمسائے سے بہت اچھا سلوک کرتے ہیں- یہ لوگ دوسروں کی عادتوں کو بہت جلد اختیار کر لیتے ہیں-

ایرانیوں کے نزدیک بہترین صفت یہ ہے کہ اولاد زیادہ پیدا کی جائے جو شخص سب سے زیادہ اولاد پیدا کرتا ہے' بادشاہ اسے انعام و اکرام سے نوازتا ہے- بچوں کو پانچ سال سے بیس سال تک صرف تین کام سکھائے جاتے ہیں؛ تیر اندازی، سواری اور راست بازی- شام کے وقت نوجوانوں کا مشغلہ درخت لگانا' گھاس کی جڑیں کاٹنا اور اسلحہ وغیرہ صاف کرنا ہے- یہ باقاعدہ ورزش کرتے ہیں- مل مل کر دوڑیں لگاتے ہیں جو سب سے آگے نکل جاتا ہے' بادشاہ کی طرف سے اسے انعام ملتا ہے- نوجوان زینت کے لیے گلے میں سونے کے ہار پہنتے ہیں-''(۱)

ایرانیوں کے نزدیک جس بات کا کرنا ممنوع تھا' اس کو زبان پر لانا بھی عیب تھا وہ جھوٹ تھا جھوٹ کو بدترین عیب سمجھا جاتا تھا- قرض لینا ان کے نزدیک شرم ناک فعل تھا کیوں کہ اس کی وجہ سے کبھی کبھی جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے-

(۱) حسن پیرینا' ایران باستان' ج ۲' ص ۱۵۳۴

اگر کسی ایرانی کو جذام (کوڑھ) کا مرض لاحق ہو جاتا تو وہ کسی کے ساتھ میل جول نہیں رکھ سکتا تھا' کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ یہ مرض گستاخیوں کی سزا ہے' جو اس نے آفتاب کی شان میں کی ہیں- کوئی ایرانی غیر ملکی اس مرض میں مبتلا ہو جاتا تو اسے شہر بدر کر دیا جاتا- سفید کبوتروں کو ملک میں نہیں رہنے دیتے تھے- ان کے خیال میں یہ مرض سفید کبوتروں سے پیدا ہوتا تھا- پانی ان کے نزدیک سرچشمۂ حیات تھا اس لیے اسے مقدس سمجھتے تھے- ندی کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اس لیے اس میں گندگی نہیں گراتے تھے' یہاں تک کہ اس میں ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے-

دادوری

ہخامنشی عہد میں عدل و انصاف کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی- مملکت میں اہلِ دیانت داور (منصف) مقرر کیے جاتے تھے جو تنازعوں کا فیصلہ کرنے سے پہلے خود معاملات کی چھان بین کیا کرتے تھے اور کسی کا حق تلف نہیں ہونے دیتے تھے- جن صوبوں کے اپنے قوانین اور مخصوص رسوم ہوتی تھیں' ان کا احترام کیا جاتا اور انھی کے پیش نظر فیصلہ دیا جاتا تھا- بابل سے جو تختیاں برآمد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کمبوجیہ پسر کوروش' بابل کے معاملات وہاں کے آئین کے مطابق طے کرتا تھا- یہی صورت مصر اور فلسطین میں بھی اختیار کی جاتی تھی- یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اگر تنازعہ بہت بڑھ جاتا تو صوبوں کے حکم ران یا مرکزی حکومت بھی دخل دیتی تھی لیکن عموماً ایسا نہیں ہونے پاتا تھا- کیوں کہ بادشاہ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ صوبوں میں داخلی امن برقرار رہے اور مالیہ وصول ہوتا رہے- اس لیے ان کے اندرونی معاملات میں بادشاہ دخل دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا- مصری یادگاروں سے پتا چلتا ہے کہ خانوادوں کے حقوق' کاہنوں' معبدوں اور اداروں کے قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی تھی- تبادلے، سندیں اور دوسرے معاملات مصری زبان ہی میں ضبط میں لائے جاتے تھے-

داور سے اوپر دیوانِ عالی تھا جسے تمام داوروں پر فوقیت حاصل تھی- دیوان عالی کا اختیار بادشاہ یا اس کے کسی نائب کو حاصل ہوتا تھا جو مقدمات کی چھان بین خود کرتا اور فیصلہ سناتا تھا- سیاسی نوعیت کے مقدمات یا وہ مقدمات جن کا تعلق امن عامہ سے ہوتا' ان کا فیصلہ صوبائی حکم ران کرتا تھا- ایسے مقدمات مرکزی حکومت کے زیر غور آتے تو ان کا فیصلہ بادشاہ خود کرتا تھا- ان مقدمات میں سخت سزائیں دی جاتی تھیں- کوئی شخص اگر کسی سنگین جرم کا پہلی بار مرتکب ہوتا تو اسے موت کی سزا نہیں دی جاتی تھی- یہ طریقہ قدیم ایران کی خصوصیت رہا ہے- اگر کسی سے بدی کا

ارتکاب ہوتا تو اس کے سابقہ کردار کو دیکھا جاتا- اگر کوئی نیکی اس نے کی ہوتی تو مقدمے کا فیصلہ سناتے وقت اسے بھی پیش نظر رکھا جاتا ایک مرتبہ ایشیائے کوچک میں ہتسیہ نے بغاوت کی تھی' اس جرم میں اس کا سر کاٹ کر داریوش اعظم کے پاس بھیج دیا گیا- داریوش نے حکمران کی سخت سرزنش کی کیوں کہ اس باغی نے درۂ ڈینیوب کی مہم میں داریوش کی نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں- داریوش نے حکم دیا کہ اس کا سر دھو کر احترام کے ساتھ دفن کر دیا جائے- خود منصف اگر کسی بے قاعدگی کا مرتکب ہوتا تو اس کی کھال اتار کر اس کی مسند انصاف پر ڈال دی جاتی تا کہ اس کا جانشین فیصلہ سناتے وقت اس کھال پر نظر ڈال لے-

ہخامنشی عہد کا فن تعمیر اور حجاری

ہخامنشی بادشاہوں نے مشرق قدیم پر تسلط کرنے کے بعد ایران' بالخصوص صوبۂ پارس میں عظیم الشان محل تعمیر کرائے' جو ان کی عظمت اور ثروت کے مظہر تھے-

ایران میں پتھر فراواں ہے- خاکستری' زرد' سیاہ' مرمر غرض کہ ہر رنگ اور ہر قسم کا پتھر دستیاب ہوتا ہے اس لیے بادشاہ اپنی پسند کے مطابق محلاتِ شاہی میں مختلف رنگوں کے پتھر استعمال کراتے تھے- ان کے محل جاہ وجلال کا مظہر ہوتے تھے- ہخامنشی عہد کی معماری اور حجاری کچھ اسی دور سے مخصوص تھی' کیوں کہ جونہی یہ دور ختم ہوا' یہ فن بھی ختم ہو گیا- سیلوکی دور کی عمارتوں میں یونانی رنگ غالب تھا- اشکانی دور میں جو عمارتیں بنیں' ان کا ہخامنشی محلات سے دور کا تعلق بھی نہ تھا- ساسانی دور میں جو محلات تعمیر ہوئے' وہ بھی ہخامنشی محلات جیسے نہ تھے- اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فن ہخامنشی دور ہی سے منسوب تھا-

ہخامنشیوں سے پہلے بھی فن معماری' حجاری کے صاحب کمال موجود تھے- قدیم ہمدان کا شاہی محل ان کے فن کا ایک نادر نمونہ تھا- اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ دور کی معماری و حجاری سے ہخامنشیوں نے یہ فن اخذ کیا لیکن محض اخذ نہیں کیا بلکہ اس فن کی حدود وسیع کیں- اس میں آشور' ایشیائے کوچک' مصر اور یونانی اثرات اور دوسرے فنی اثرات کو مجموعی شکل میں پیش کیا-

ہخامنشی بادشاہ اپنی عمارتیں بلند مقامات پر بنواتے تھے- ان کے پہلو میں سیڑھیاں بناتے تھے جو عمارتوں تک پہنچاتی تھیں- دروازوں' سیڑھیوں اور دہلیزوں پر ابھرواں تصویریں بناتے تھے- اس فن میں انھوں نے آشوریوں کی تقلید کی پھر ہخامنشیوں نے پتھروں کے ساتھ اینٹیں بھی استعمال کرنی شروع کیں تا کہ کام کی رفتار تیز تر ہو سکے- اینٹوں کا استعمال بھی انھوں

نے آشوریوں سے سیکھا کیوں کہ وہ لوگ پتھر نہ ہونے کی وجہ سے اینٹوں سے عمارتیں بناتے تھے- بس فرق یہ تھا کہ دروازوں' سیڑھیوں اور دہلیزوں میں ہخامنشیوں نے خالصتاً پتھر استعمال کیا جو زمانے کی دست برد سے محفوظ رہا' ان کے علاوہ عمارتوں کے باقی حصے مٹ گئے-

وہ چیزیں جو آشوریوں کے ہاں نہیں لیکن ہخامنشیوں نے استعمال کی ہیں' وہ ستون ہیں- ستونوں کو ہخامنشی عمارتوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے' یہاں تک کہ خشیارشا کے محل کے ایک سو ستون تھے' جن میں سے متعدد اب بھی کھڑے ہیں- ستون سازی میں انھوں نے مصریوں کی تقلید کی پھر ہخامنشی پہاڑوں کے پہلو چیر کر ان میں مقبرے بنانے لگے جن پر آرایش بھی نظر آتی ہے- یہ خیال انھوں نے مصریوں کے زیر زمین معبدوں سے لیا لیکن ان باتوں میں بھی ہخامنشیوں کی انفرادیت قائم ہے- ان کے ستون مصریوں سے کم و بیش اڑھائی گنا لمبے تھے- ان کے سروں پر عجیب الخلقت جانوروں کی شبیہیں نظر آتی ہیں- کہیں انسانوں کی شبیہیں ہیں' کہیں دو بیل پیٹھ جوڑے کھڑے ہیں جو مصری ستونوں میں نہیں- ہخامنشی ستونوں کا درمیانی فاصلہ بھی مصریوں کی نسبت زیادہ ہے-

ہخامنشی محلات کی دیواروں پر کاشی کے آثار اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں- اس میں انھوں نے بابل سے استفادہ کیا کیوں کہ بابل کے فن کار کاشی کاری میں یکتا تھے- ایرانیوں نے یہاں بھی اپنی انفرادیت سے کام لیا اور محلات کے دروازوں اور دہلیزوں پر پیتل' تانبے اور سونے چاندی کے منقش پترے چڑھائے-

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہخامنشیوں کی اپنی صنعت کون سی تھی اور اس فن میں ان کی ذاتی تخلیق کیا تھی؟ مختلف ممالک کا فن تعمیر مختلف تھا لیکن یہ ممالک اب ایرانی بادشاہوں کے زیر نگیں تھے اور ایرانی مملکت کا جز بن گئے تھے اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اتنے مختلف تمدنوں کے ہوتے ہوئے ایران کے فن معماری میں کوئی وحدت نظر آتی- جس طرح ہخامنشی بادشاہوں نے دو سو سال تک مشرق قدیم کی تمام ملتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا اور انھیں ایک وحدت بنا دیا اسی طرح ایرانی فنکاروں نے مختلف ملتوں کی صنعتوں کو ملا ملا کر اپنے ذوق اور سلیقے سے اسے نئی شکل میں پیش کیا- یہ عمارتیں نہ آشوری تھیں' نہ مصری اور نہ یونانی بلکہ ایرانی سانچے میں ڈھل کر ایرانی ہوگئیں- مختلف فنون کے امتزاج سے ایک خصوصی فن وجود میں آیا جو مختلف اقوام کی صنعتوں میں ممتاز ہوگیا- ان جیسے وسیع و عریض ہال کمرے' کشادہ دہلیزیں' بلند و بالا ستون' ابھرواں تصویریں' جن میں ہخامنشیوں کا قومی کردار اب بھی جھلکتا نظر آتا ہے' اپنی نظیر آپ تھیں-

قدیم صنعتیں اور کتبے

ہخامنشی عہد کے قدیم ترین آثار پارساگاد میں ملتے ہیں' جو کوروش اعظم کے زمانے میں فارس اور ایران کا پایۂ تخت تھا- پازارگد کی توجیہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ پہلے اس کا نام پارس گرد تھا- حسن پیرنیا لکھتے ہیں کہ قدیم ایران کے بعض شہروں کے ناموں کی ترکیب لفظ گرد سے ہوتی تھی- جیسی بروگرد، داراب گرد، لاس گرد وغیرہ- اسی طرح اس شہر کا نام بھی پارس گرد تھا جو رفتہ رفتہ پارساگد اور پھر پازارگد ہو گیا- یہ شہر شیراز کے شمال مشرقی سمت ۱۸ فرسنگ کے فاصلے پر ہے اور پہاڑوں کی وادی میں واقع ہے- اس کے کھنڈرات سے پتا چلتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی بڑا شہر آباد تھا-

آثار پاسارگاد

پاسارگاد کے آثار کوروش اعظم کی عظمت کا پتا دیتے ہیں- سب سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر ایک ہموار مسطح مقام نظر آتا ہے جسے 'تختِ سلیمان' کہتے ہیں- اس کی شکل ایک متوازی الاضلاع کی سی ہے- اس کی لمبائی تین سو فٹ ہے- اس کی تعمیر میں سفید پتھروں کے بڑے بڑے ہموار ٹکڑے استعمال کیے گئے ہیں- یہاں کوئی سیڑھی نہیں نہ کسی اور عمارت کے آثار ہی ہیں-

آگے بڑھیں تو کسی شخص کی شبیہہ ایک ہموار پتھر پر نظر آتی ہے جس کے بازوؤں کے ساتھ پر لگے ہیں- اسے دیکھ کر یہ قیاس ہوتا ہے کہ اس شبیہہ کے ذریعے انسانی فہم و شعور کو مجسم کیا گیا ہے- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کوروشِ اعظم کی خیالی شبیہہ ہے- یہ شخص کھڑا ہے' اس کے دائیں بازو میں خم ہے' ایک ہاتھ اوپر کو اٹھا ہوا ہے' اس کے سر پر تاج ہے جو مصری بادشاہوں کے تاج جیسا ہے- لباس اس کا ایلامی ہے اور ڈاڑھی پارسیوں جیسی ہے- یہاں کبھی ایک کتبہ بھی تھا جس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ تھی:

''اے ابن آدم! میں کوروش ہوں' کمبوجیہ کا فرزند' جس نے ایرانی حکومت کی تاسیس کی- میں ایشیا کا بادشاہ ہوں- تمھیں میری اس یادگار پر حسد نہ ہونا چاہیے-'' یہ کتبہ تو اب موجود نہیں لیکن قدیم سیاحوں نے جو اس کی تصویریں لی تھیں، وہ ضرور تاریخوں میں نظر آتی ہیں- کوروش کی شبیہ اب کچھ فرسودہ ہوتی جا رہی ہے-

۲- کوروشِ اعظم کا مقبرہ دشت مرغاب کے نزدیک واقع ہے- یہ پروقار مقبرہ ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل ہے جو سفید پتھر کی چھ سیڑھیوں کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے- مقبرے کی

دیواریں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہیں- اس کا دروازہ بہت تنگ ہے- انسان اس میں سے جھک کر بہ مشکل گزر سکتا ہے- اندر کا حصہ دس فٹ پانچ انچ لمبا اور سات فٹ چھ انچ چوڑا ہے- اونچائی اس کی چھ فٹ دس انچ ہے- اس مقبرے کی ہیئت عورتوں کے سے مقبرے کی ہے اس لیے اہلِ ایران بہت طویل عرصے تک اسے 'مرقد مادر سلیمان' سمجھتے رہے-

مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ مقبرہ شروع میں ایک احاطے کے اندر واقع تھا لیکن احاطے کی دیواریں اب موجود نہیں، صرف ان کے آثار نظر آتے ہیں- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک حوض بھی تھا- یونانی مؤرخین کا بیان ہے کہ یہاں ایک باغ تھا اور مقبرہ درختوں میں گھرا ہوا تھا- مقبرے کے قریب ایک عمارت بھی تھی- یہاں مغوں کا خاندان رہتا تھا جو مقبرے کی حفاظت کرتا تھا اور ہر روز قربانی دیتا تھا- مقبرے کے ان پاسبانوں کو روزانہ ایک بکری، آٹا اور شراب مہیا کی جاتی تھی اور ایک گھوڑا قربانی کے لیے بھیجا جاتا تھا- سکندر اعظم بھی اس عظیم تاج دار کی آخری آرام گاہ کو دیکھنے آیا تھا جس کی سرگزشت پہلے بیان کی جا چکی ہے-

۳- مقبرۂ کوروش کے نزدیک دو آتش کدے ہیں- یہاں ایک مکعب پتھر کا قطعہ ہے جو دو ٹکڑوں کو ملا کر بنایا گیا ہے- یہ 'تختِ طاؤس' کے نام سے موسوم ہے-

۴- پروفیسر ہرتسفلڈ نے ۱۳۰۷ ہجری میں ایک مجسمہ زمین سے برآمد کیا ہے جو بہت ناقص حالت میں ہے- اس پر یہ کلمات درج ہیں: ''میں شہنشاہ کوروش ہوں-''[1]

آثارِ بیستون

بیستون ایک پہاڑ کا نام ہے جو کرمان شاہ سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر سرِ راہ واقع ہے- یہ وہی پہاڑ ہے جس میں فسانۂ فرہاد کی صدائے بازگشت اب بھی سنائی دیتی ہے- یاقوت نے اسے بہتان لکھا ہے- یونانی مؤرخ اسے بغستان یعنی خداؤں کا گھر لکھتے ہیں- یہاں ایک پہاڑ ہے جس کی بلندی چار ہزار فٹ ہے- اس کے نیچے کبھی چشمے بہتے تھے- قدیم زمانے میں یہاں کارواں آ کر ٹھہرا کرتے تھے- داریوش اعظم نے یہ بلند پہاڑ اپنے کتبوں کے لیے انتخاب کیا تھا تا کہ آنے جانے والے لوگ ان کتبوں کو دیکھیں اور بلندی کی وجہ سے یہ لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں-

ان کتبوں کا مضمون پڑھنے میں مشہور مستشرق رالنسن نے بڑی کاوش کی- آخر اسے کامیابی ہوئی جس سے پتا چلا کہ یہ داریوشِ اعظم کے آثار ہیں- یہاں ایک ابھرواں تصویر ہے

(1) Sykes, Percy (Sir), A History of Persia, Vol 1, P. 180

جس میں نو باغی اور نقلی بردیا یعنی گاوماتا مغ دکھائے گئے ہیں- داریوش کھڑا ہے اور اس کے سر پر فروہر کا سایہ ہے- داریوش نے آہورا مزدا کی تقدیس کے لیے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا ہوا ہے- اس کا بایاں پاؤں گاوماتا مغ کے سینے پر ہے جو چت لیٹا ہوا ہے- داریوش کے عقب میں دو پاسبان ہیں- باغیوں کے ہاتھ بندھے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے قطار میں کھڑے ہیں- یہاں دو کتبے ہیں جن میں باغیوں کا تعارف کرایا گیا ہے-

بیستون پہاڑ پر متعدد کتبے ہیں- ان میں سے بعض کے مضامین درج ذیل ہیں:

''میں داریوش' شاہ بزرگ' شاہِ شاہاں' شاہِ ممالک' وشتاسپ کا بیٹا اور ارسام ہخامنشی کا پوتا ہوں-''

''...... یہ ممالک ہیں جو میرے زیرِ نگیں ہیں- آہورا مزدا کی عنایت سے میں ان کا بادشاہ ہوں- ممالک یہ ہیں: پارس، خوزستان، بابل، آشور، مصر، جزائر دریا، سپرد (لیڈیا)، یونیہ (یونان)، ماد، ارمن، کاپادوکیا، پارت (خراسان)، زرنگ (سیسان)، ہرات، خوارزم، باختر، سغد، گندار، سکائیا، ست گوید، رخج (کابل)، مکیا-''

''ان ممالک میں جو شخص دوست تھا اسے میں نے نوازا' جو دشمن تھا اسے کیفرِ کردار کو پہنچایا- آہورا مزدا کی عنایت سے ان ممالک میں میرے قوانین نافذ ہیں- میں جو حکم دیتا ہوں وہ بجالاتے ہیں-

اس وجہ سے آہورا مزدا نے میری مدد کی اور دوسرے خداؤں نے بھی کہ میں اور میرا خاندان نہ دشمن ہے نہ دروغ گو، نہ بے انصاف- میں نے حق و انصاف کے مطابق حکومت کی- نہ کسی شخص کو آزردہ کیا، نہ کسی ضعیف کو ستایا- وہ شخص جس نے میرے خاندان کی حمایت کی، وہ میری حمایت میں آ گیا-''

آثار استخر

استخر صوبۂ فارس کا ایک قدیم شہر ہے جو مرودشت کے زرخیز میدان میں واقع ہے- اس کے اب صرف کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں- اس کے قدیم نام کے متعلق بہت کچھ تحقیق ہوئی ہے- بعض محققین کا بیان ہے کہ ہخامنشی عہد میں اس کا نام بھی پارس ہی تھا- موجودہ نام (استخر) اسے اسلامی دور میں دیا گیا-

استخر، پاسارگاد سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے- ایک طویل سلسلۂ کوہ ان دونوں

کے مابین حائل ہے۔ استخر ہخا منشیوں کا پایۂ تخت تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات اب ہخامنشی دور کی عظمت کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تختِ جمشید

شیراز کے کھنڈرات سے پانچ میل کے فاصلے پر سلسلۂ کوہ میں ایک مسطح میدان ہے جو 'تختِ جمشید' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مقام ہموار سطح سے چالیس فٹ کی بلندی پر ہے۔ لمبائی اس کی پندرہ سو تیئس فٹ اور چوڑائی نو سو بیس فٹ ہے۔ یہ بھی 'تختِ سلیمان' کی طرح سفید پتھروں کے ہموار ٹکڑوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی وسعت اور صنعت گری دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے' تخت جمشید کی سطح پر پہنچنے کے لیے متعدد سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں اتنی کھلی ہیں کہ ان پر دس سوار بآسانی آجا سکتے ہیں۔ داریوشِ اعظم نے اس میدان کے اوپر شاہی محل تعمیر کرایا، جس کا نام 'تاچارا' تھا۔ ایک اور محل 'اپادانا' بھی اس نے شروع کرایا تھا لیکن زندگی نے مہلت نہ دی۔ آخر تعمیرات کا یہ کام اس کے بیٹے خشیارشا کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔

قصرِ اپادنا

آثار سے پتا چلتا ہے تختِ جمشید میں جس قدر عمارتیں تعمیر ہوئیں ان سب میں ممتاز قصر اپادنا تھا۔ ۲۵۰۰ سال طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج بھی اپادنا کے کھنڈرات اپنے اندر بڑی دل چسپی اور عظمت رکھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

ان آثار کو دیکھ کر انسانی تخیل محل کی تصویر بنانے میں تو شاید کام یاب ہو سکے لیکن اس پر کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی اور کتنے کاریگروں اور مزدوروں نے کام کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ داریوش کے ایک کتبے سے اتنا پتا چلتا ہے کہ اس محل میں جو نیلے رنگ کا پتھر استعمال ہوا وہ شمالی ترکستان کے شہر سغدیانہ سے لایا گیا تھا، جو یہاں سے دو ہزار میل دور ہے۔ محل کی کھدائی میں شکاگو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کیمیر ون نے ایک مٹی کی لوح برآمد کی ہے، جس میں یہ درج ہے کہ سازوسامان' کاریگر اور مزدوروں کو ان کی استعداد کے مطابق چاندی، شراب اور گوشت کی صورت میں معاوضہ دیا جاتا تھا۔

اپادانا کی کھدائی سے ۱۹۳۳ء میں سونے کی دو تختیاں بھی برآمد ہوئی ہیں جو اب تہران کے نادرات کے عجائب خانہ ''ایرانِ باستان'' میں رکھی گئی ہیں۔ ان پر خط میخی میں جو عبارت درج ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ عمارت داریوش کے حکم سے تعمیر ہوئی۔

اس کھدائی سے سونے کے کچھ پترے بھی نکلے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ محل کے دروازوں پر سونے کے کچھ پترے چڑھے تھے- کچھ رنگین ٹائلیں بھی دست یاب ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ محل کے درودیوار پر ٹائلوں کا کام بھی ہوا تھا- سونے کے پترے اور ٹائلیں بھی عجائب خانہ 'ایرانِ پاستان' میں محفوظ ہیں-

اپادانا کی کرسی سطح میدان سے چار گز اونچی ہے- اس تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں- اس محل کا ایوان عام ۶۵ گز مربع اور اس کے ستون بہتر (۷۲) تھے جن میں سے بعض جوں کے توں کھڑے ہیں اور بعض کے کچھ حصے گر چکے ہیں- محل کی سیڑھیاں جو کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں' اب بھی موجود ہیں- ان پر طرح طرح کی ابھرواں تصویریں ہیں- ان تصویروں میں مختلف ممالک کے نمایندے تحائف لاتے ہوئے دکھائے گئے ہیں- ایک تصویر میں گھوڑے رتھ کھینچ رہے ہیں، ایک تصویر میں کوئی شاہ سوار گھوڑے پر بیٹھا ہے- کہیں داریوش اپنے سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہے-

قصرِ تاچارا

تختِ جمشید میں سب سے اونچی عمارت قصرِ تاچارا کی تھی، جو داریوش کا ذاتی محل تھا- اس کے بعض دروازوں کی سنگین محرابیں اور ستون اب تک قائم ہیں- ان پر غیر معمولی مخلوق کی تصویریں نہایت مہارت سے بنائی گئی ہیں- یہاں تک کہ ان کی حرکات بھی نمایاں نظر آتی ہیں- یہ تصویریں عظیم الجثہ جانوروں کی ہیں لیکن سر ان کے انسانوں کے سے ہے- معلوم ہوتا ہی ایرانی فنکاروں نے انسانی قوت کو ظاہر کرنے اور داریوش کے محل کو عظیم تر بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دی تھیں- دروازے کے ایک ستون کی تصویر جس پر فنا یا تخریب کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا' خاص طور سے قابلِ دید ہے- اس میں ایک غضب ناک شیر پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہے اور داریوش اعظم کی تلوار اس کے سر میں پیوست ہے-

ایوانِ صد ستون

تخت جمشید پر آخری وسیع و عریض آثار خشیارشا کے ایوانِ عام کی ہیں- ایوان کے پہلو میں شہنشاہ کی پروقار شبیہ نظر آتی ہے-

ایوان مربع شکل کا تھا جس کا طول اور عرض ۲۲۵ فٹ ہے- اس کے وسیع دروازی پر بیلوں کی اُبھرواں تصویریں ہیں جن کے اگلے بازوؤں کے اوپر پر دکھائے گئے ہیں- پھر ان کے

اوراوپر تین زبانوں، یعنی قدیم فارسی، ایلامی اور آشوری میں کتبے کندہ کیے گئے ہیں جن کا مضمون یہ ہے: میں خشیارشا ہوں، بادشاہِ اعظم شاہ شاہان' مختلف زبانیں بولنے والی اقوام کا بادشاہ' فرزند داریوش ہخامنشی- میں نے آہورامزدا کی عنایت سے یہ ایوان بنایا ہے جس میں تمام اقوام کے نمایندوں کی تصویریں ہیں- یہ آثار اس عظیم عمارت کے ہیں جسے یونانیوں نے اسکندر کی موجودگی میں جلتی ہوئی مشعلوں سے نذر آتش کر کے بہیمانہ رقص کیا تھا- اس کی بنیادیں جو ہزاروں من مٹی کھودنے سے ظاہر ہوئی ہیں' ان سے پتا چلتا ہے کہ آگ نے اس عمارت کو بنیادوں تک جلا دیا تھا- یہی آگ بڑھتے بڑھتے دوسری ملحقہ عمارتوں تک پہنچی-

جیسا کہ اس ایوان کے نام سے ظاہر ہے' اس کے ایک سے ستون تھے جو دس کی متوازی قطاروں میں نصب تھے- ان میں اب ایک بھی باقی نہیں' صرف ان کے آثار نمایاں ہیں جن سے ستونوں کی گنتی کی جا سکتی ہے- ایوان کی کچھ دیواریں زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ گئی ہیں جن پر ابھرواں تصویریں کندہ ہیں- ایک تصویر میں شہنشاہ کو ارواح خبیثہ سے لڑتے دکھایا گیا ہے- بعض تصویروں میں پارسی اور ماد حکام دکھائے گئے ہیں جو اپنے شہنشاہ کو خراجِ ارادت پیش کرنے آرہے ہیں- ایک تصویر میں اٹھائیس مقبوضہ ممالک کے حکمران سونے کا تخت سروں پر اٹھائے ہوئے ہیں جن کے اوپر فروہر یعنی آہورامزدا کی علامتی تصویر ہے-

قصرِ ہادیش

ایوانِ صد ستون کے ساتھ خشیارشا کا رہائشی محل تھا جو' پادیش' کے نام سے موسوم تھا- اس پر آگ کے شعلوں کا بہت زیادہ اثر ہوا کیوں کہ تصویروں کے نقوش تک پگھل کر مٹ گئے ہیں- بعض آثار محل کے وسطی ہال کے کمرے' شاہ نشین، ملکہ کے کمرے اور متعدد دوسرے کمروں کی نشاندہی کرتے ہیں- ایک اندرونی دیوار پر خشیارشا کی اُبھرواں شبیہہ ہے' جس پر اس کا نام کندہ ہے- یہاں ایک بہت بڑی سیڑھی بھی موجود ہے' جو قصر ہادیش کو قصر تاچارا سے ملاتی تھی-

تخت جمشید کے عقب میں تین تہہ خانے بھی تھے جواب تک موجود ہیں- پروفیسر ہرٹسفلڈ نے ۱۹۲۴ء میں ان کھنڈرات کا کھوج لگا کر ایک رپورٹ مرتب کی تھی جواب کتابی صورت میں چھپ گئی ہے- اس کا ترجمہ آقائی مینوی نے کیا ہے-(۱)

(۱) Prof. Hertzfeld. Rapport Surletat actuel deruines de Persepolis et proporsitions pouer leur conservation Berlin 1928

تختِ جمشید کے کتبے

تختِ جمشید میں داریوشِ اعظم، خشیارشا اور اردشیر سوم کے متعدد کتبے موجود ہیں۔ داریوش کے کتبے قدیم فارسی، آشوری اور ایلامی زبانوں میں ہیں۔ مضمون ان کے بھی کم وبیش وہی ہیں جو پاسار گاد کے کتبوں کے ہیں:

داریوش کہتا ہے: ''آہورامزدا مع دوسرے خداؤں کے میری مدد کرے۔ آہورامزدا اس مملکت کو دشمن، قحط اور جھوٹ سے محفوظ رکھے۔ کوئی بدخواہ دشمن، خشک سالی اور جھوٹ اس مملکت میں نہ آنے پائے۔ یہ عنایت میں آہورا مزدا اور دوسرے خداؤں سے مانگتا ہوں۔ بادشاہت مجھے آہورامزدا اور دوسرے خداؤں نے دی ہے۔''

خشیارشا کا کتبہ: خشیارشا کہتا ہے: ''آہورامزدا کے فضل سے یہ ستون میں نے بنائے ہیں' جو تمام ملکوں کی نمایندگی کرتے ہیں۔ پارس میں بعض اور خوبصورت چیزیں بھی میں نے اور میرے باپ داریوش نے بنائی تھیں۔ ہر خوش منظر عمارت جو نظر آتی ہے' وہ ہم نے بنائی ہے۔''(۱)

اردشیر سوم کا کتبہ: ''خدائے بزرگ و برتر آہورامزدا ہے' جس نے یہ زمین بنائی، جس نے یہ آسمان بنایا، جس نے انسان پیدا کیے اور ان کے لیے خوشیاں مہیا کیں۔ مجھ کو، کہ اردشیر سوم ہوں' بادشاہ بنایا۔ میں سب بادشاہوں میں یکتا ہوں۔''

نقشِ رستم

نقشِ رستم، حسین کوہ پر ایک مقام کا نام ہے جو تختِ جمشید سے ۳/۴ فرسنگ کے فاصلے پر پلوار ندی کے قریب واقع ہے۔ یہاں کی عظیم الشان لنگراشی کو دیکھ کر قدیمی باشندے حیران رہ جاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ رستم اور صرف رستم ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے اس لیے اس کا نام ہی 'نقشِ رستم' رکھ دیا۔ یہاں چند مقبرے ہیں جو پہاڑوں کے پہلو کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ یہ سب ایک ہی طرح کے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں۔ دو مقبروں کے سامنے کے حصے محلاتِ شاہی کے جھرو کے معلوم ہوتے ہیں جو اندر سے بند ہیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا ایوان ہے جس کے چار ستون ہیں۔ ستون کے اوپر بیلوں کے سروں جیسے سر بنائے گئے ہیں۔ ایوان کے اوپر اُبھرواں تصویریں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

بادشاہ تین پایوں کے ایک تخت پر کھڑا ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں کمان ہے، جو

(۱) ایران باستان' ج ۲' ص ۱۵۹۵-۱۶۱۰

زمین پر لگی ہے- دایاں ہاتھ اس کا آتش کدے کی طرف دراز ہے جو عبودیت کی علامت ہے- اس کے سر اُوپر فروہر خدا کا سایہ ہے- پیچھے سورج چمکتا نظر آ رہا ہے- یہاں اٹھائیس آدمیوں کی اُبھرواں تصویریں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر تین قطاروں میں کھڑے ہیں- سروں پر انھوں نے تختِ شاہی اٹھا رکھا ہے- نیچے ان کے نام کندہ ہیں- یہ اُن ممالک کے حکمران ہیں جن کو شہنشاہ ایران نے فتح کیا تھا- اس تختِ شاہی کی ایک اُبھرواں تصویر تختِ جمشید میں بھی ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے- یہاں بھی داریوشِ اعظم کے کتبے ہیں- ان کا مضمون بھی کم و بیش تخت جمشید کے کتبوں کا سا ہے-

ان تینوں مقبروں میں ایک تو متعین ہو چکا ہے کہ یہ داریوش کا مقبرہ ہے کیوں کہ اس پر اس کا کتبہ موجود ہے- باقی دو مقبروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ خشیارشا اور اردشیر دراز دست کے ہیں-

یہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے جس میں نو قبریں ہیں- مقبروں کے بالمقابل ایک برج ہے- اس کے بارے میں محققین کے بیانات میں اختلاف ہے- آج کل اس برج کو "کعبۂ زرتشت" کہتے ہیں- پروفیسر زارہ [1] کا خیال ہے یہاں ایک آتش کدہ بھی تھا جہاں ہخامنشی حکومت کے جھنڈے رکھے جاتے تھے- نقشِ رستم (حسین کوہ) کے مغربی نشیب میں بھی دو آتش کدے موجود ہیں-

آثارِ شوش

ہخامنشی بادشاہوں کا سرمائی دارالسلطنت شوش تھا جہاں انھوں نے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا- قلعے کی عمارتیں داریوشِ اعظم اور اردشیر نے بنوائی تھیں- ان عمارتوں کے ستون خشیارشا کے محل کے ستونوں جیسے ہیں- دیواروں پر کاشی کاری ہوئی تھی جو اب بھی کہیں کہیں موجود ہے- کاشی کاری پر چھ مسلح سپاہیوں کی تصویریں ہیں، جو اوپر نیچے دو قطاروں میں کھڑے ہیں- نیزے انھوں نے زمین پر رکھے ہوئے ہیں، گویا سلامی دے رہے ہیں- کاشی کاری کی رنگ آمیزی حیرت انگیز ہے- اس کے نمونے پیرس کے عجائب خانہ لوور میں محفوظ ہیں-

شوش کے کتبے

علمائے فرانس [1] نے یہاں سے کھدائی کر کے کچھ کتبے نکالے ہیں- معلوم ہوتا ہے یہ

---

(۱) صنایع ایران قدیم ... ص ۱۴۰

بیستون اور نقشِ رستم کے کتبوں کے بعد کندہ کرائے گئے تھے، کیوں کہ ان کے مضمون قدرے مفصل ہیں- یہ کتبے تاریخ، صرف ونحو اور لسانیات کے اعتبار سے اہم سمجھے جاتے ہیں- کتبے خاک رس اور مرمر پر تین زبانوں یعنی قدیم فارسی، ایلامی اور آشوری میں ہیں- یہ کتبے اُس محل کے نیچے کندہ تھے جو داریوش نے بنوایا تھا- اردشیر اول کے زمانے میں محل جل گیا- اردشیر دوم کے زمانے میں اسے از سر نو تعمیر کرایا گیا- کتبے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے- یہ ٹکڑے ۱۸۹۸ء سے ۱۹۲۸ء تک کی کھدائی میں رفتہ رفتہ برآمد ہوتے رہے- مطلب سمجھنے کے لیے انھیں بڑی زحمت سے جوڑا گیا- بعض کتبے تو مکمل ہو گئے، بعض ایک آدھ ٹکڑا نہ ملنے کی وجہ سے نامکمل رہ گئے- دو کتبوں کے مضمون ذیل میں درج کیے جاتے ہیں-

داریوش کہتا ہے: ''آہورامزدا تمام خداؤں سے بزرگ و برتر ہے- اس نے مجھے پیدا کیا- اس نے مجھے بادشاہ بنایا- اس نے یہ عظیم مملکت جس میں خوش وضع نوجوان اور اعلا نسل کے گھوڑے ہیں، مجھے عطا کی- میرا باپ وشتاسپ اور دادا ارسام دونوں زندہ تھے کہ آہورامزدا نے اپنے فضل سے یہ عظیم مملکت مجھے دی- آہورامزدا نے اس ملک کے گھوڑے اور عالی نژاد نوجوان مجھے بخشے اور اس سرزمین کا مجھے بادشاہ بنایا- اسی وقت سے میں آہورامزدا کی پرستش کرتا ہوں- آہورامزدا میری توانائی کا محافظ ہے- مجھے جو حکم دیتا ہے اسے سرانجام دیتا ہوں- میں نے جو کچھ کیا ہے اُس کے فضل سے کیا ہے-

محل میں ریت بھرنے اور عمارت بنانے کا کام اکدی معماروں نے کیا- لکڑی جو استعمال ہوئی، سدرہ[1] سے لائی گئی جس کے نام سے یہاں کا پہاڑ موسوم ہے- ایبرناریوں[2] نے یہ لکڑی بابل، کرسا اور یونان میں سے لاکر شوش پہنچائی- میش مکن[3] لکڑی جو استعمال میں آئی، گندار سے لائی گئی- سونے کا کام جو ہوا اس کے لیے سونا سارڈ اور باختر (بلخ) سے منگوایا گیا- لاجوردی پتھر سغد سے آیا- چاندی مصر سے لائی گئی-- اُبھرواں نقوش والے پتھر یونان سے آئے- ہاتھی دانت جو بروئے کار لایا گیا، کوش، ہند اور رخج (کابل) سے منگوایا گیا- مرمر کے ستون آفرودی سیاس اوگی[4] نامی شہر سے آئے-''

---

(۱) سدرہ کوہ لبنان (بپارسی قدیم لبنانہ) ایران باستان' ص ۱۶۰۶

(۲) ایبرناری' ماوراالنہر' ایران باستان' ص ۱۶۰۶

(۳) میش مکن: چوب بلوط' ایضاً

(۴) آفریدی سیاس کاریہ کا شہر تھا' جسے داریوش نے اوگی ہی کا نام دیا

ان کتبوں کے علاوہ شوش کے خرابے سے خشیارشا، اردشیر دوم اور اردشیر سوم کے کتبے ملے ہیں۔ کرمان، الوند اور ہمدان سے بھی بعض کتبے دریافت ہوئے ہیں۔ یہاں سے کتبۂ سویز بھی ملا ہے جو اُس نہر کی یاد میں کندہ ہوا تھا جس کے ذریعے دریائے نیل کو بحیرۂ احمر سے ملایا گیا تھا۔

آثار فیروز آباد، سروستان و فراش آباد

فیروز آباد:

شیراز سے جنوبی سمت بیس فرسنگ کے فاصلے پر اور کازروں سے تقریباً دس فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ایک قدیم عمارت کے کھنڈرات ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کا طول ½۱۰۳ میٹر اور عرض ½۵۵ میٹر ہے۔ اس عمارت میں داخل ہونے کا بڑا دروازہ شمالی سمت واقع ہے۔ عمارت کا ایک وسیع و عریض کمرہ ہے جس کی چھت محرابی ہے۔ یہ کمرہ ایک بڑے ایوان کے ذریعے باہر کی فضا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ایوان کی لمبائی ۲۷ میٹر اور چوڑائی ۱۲ میٹر ہے۔ اس کمرے کے دائیں اور بائیں طرف دو محرابی چھت والے کمرے ہیں جن میں چھوٹے آراستہ و پیراستہ طاقچے ہیں۔ ان کمروں کے عقب میں تین کمرے مربع شکل کے ہیں۔ ہر ایک کے اوپر گنبد ہے۔ ہر گنبد کا پہلو ۱۳ میٹر اور سطح زمین سے اونچائی ۲۲ میٹر ہے۔ بڑے کمرے کے آگے کا احاطہ ۲۹ مربع میٹر ہے۔ کمروں کی دیواریں ¾۳ میٹر اور باقی دیواریں دو سے تین میٹر چوڑی ہیں۔ ساری عمارت میں سرخ چونا گچ استعمال کیا گیا ہے۔ دیواروں پر گچ کا پلستر ہے۔ تمام طاق نیم دائرے کے ہیں لیکن بڑے کمرے کے طاق اور گنبد بیضوی ہیں۔

سروستان:

یہ شہر شیراز کے جنوب مشرق میں اُس سڑک کے کنارے واقع ہے جو شیراز سے داراب کو جاتی ہے۔ یہاں بھی قدیم آثار دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک قدیمی عمارت، جس کے کھنڈرات موجود ہیں، فیروز آباد کی عمارت سے ملتی جلتی ہے لیکن اس سے قدرے چھوٹی ہے۔

فراش آباد:

فیروز آباد کی مغربی سمت تین فرسنگ کے فاصلے پر ایک وادی میں چھوٹی سی قدیمی عمارت ہے جو بڑی خستہ حالت میں ہے، اس لیے اس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔[1]

---

(۱) ایران باستان، ج ۲، ص ۱۶۱۸

فیروز آباد، سروستان اور فراش آباد کی عمارتوں کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ ساسانی دور میں تعمیر ہوئی لیکن دیولافو (Dieulafoy) نے ۱۸۸۰ء میں یہ عمارتیں خود دیکھی تھیں اور تخت جمشید اور شوش کی عمارتوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کر کے یہ رائے قائم کی تھی کہ یہ عمارتیں ہخامنشی دور کی ہیں۔

ہخامنشی دور کی زبان

ہخامنشیوں کی زبان قدیم فارسی تھی۔ سنسکرت اور اوستائی زبان ایک ہی زبان کی شاخیں تھیں جو تین یا چار ہزار ق م میں بولی جاتی تھیں لیکن ان کا اب کوئی نشان باقی نہیں۔ قدیم فارسی کا نمونہ کوروش اعظم اور داریوش اعظم کے کتبوں کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ مشہور مستشرقین گروٹ فنڈ، لاسن اور سرہنری رالنسن نے قدیم فارسی کا کھوج لگانے میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کتبوں میں کم وبیش چار سو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ داریوش کے کتبوں سے علما اس زبان کا فرہنگ اور صرف ونحو تیار کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ خشیارشا اور دوسرے ہخامنشی بادشاہوں کے کتبے بھی یوں تو محفوظ ہیں لیکن یہ داریوشِ اعظم کے کتبوں کی طرح مفصل نہیں اور ان کے الفاظ بھی وہی ہیں جو داریوش کے کتبوں میں موجود ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ زبان روزمرہ کی زبان تھی یا صرف بادشاہوں کی؟ زبان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شوکت الفاظ پائی جاتی ہے جو صرف بادشاہوں ہی کی زبان ہو سکتی ہے۔ عام بول چال کی زبان سادہ ہوگی۔

قدیم فارسی اب صرف کتبوں کی صورت میں موجود ہے، جن میں ہخامنشی فتوحات کا مختصر بیان، شاہی فرامین اور ملکی ومذہبی امور سے متعلق بعض تحریریں[1] ہیں۔

کتبوں کے مضامین

کتبوں کے مضامین قریب قریب ایک سے ہیں۔ ان میں یزدان پاک اور بعض دوسرے خالقوں کے بعد بادشاہ کا نام اور اس کے حسب نصب اور فتوحات کا ذکر آیا ہے۔ جھوٹ اور ناپاکی کی مذمت اکثر کتبوں میں کی گئی ہے۔ بعض کتبوں میں حکومت کے طریق کار کا بھی ذکر ہے۔

(۱) بدخشانی، مقبول بیگ (مرزا) ادب نامہ ایران، ص ۱۶۷

ادبیات

ادبیات سے عمدہ اور فصیح نظم و نثر مراد ہے۔ اگرچہ یہ تعریف ان کتبوں پر صادق نہیں آتی لیکن ان کی زبان میں اتنا شکوہ ہے کہ انھیں فارسی ادب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کتبے قدیمی ایرانی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کتبوں کے مطالعے کے بغیر قدیم فارسی کی تاریخ جاننا ممکن نہیں۔

رسم الخط

قدیم فارسی کا رسم الخط میخی (Cuniform Script) کہلاتا ہے۔ خطِ میخی بابل و نینوا میں رائج تھا۔ ایرانیوں نے انھی کے ہاں سے یہ رسم الخط لے کر اپنایا اور اسے ترقی دی۔

ہخامنشی بادشاہوں کی تحریریں خط میخی ہی میں ہیں۔ یہ تحریریں چٹانوں' سکوں، برتنوں، ترازوؤں' نگینوں اور مختلف آلات پر دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس عہد کے بعض کتبے قدیم فارسی کے علاوہ ایلامی اور آشوری زبانوں میں بھی ہیں لیکن رسم الخط ان کا بھی میخی ہی ہے۔ پارسی خط میخی، بابلی، ایلامی اور آشوری خطِ میخی ہی ہے۔ پارسی خطِ میخی، بابلی' ایلامی اور آشوری خطِ میخی سے نسبتاً آسان ہے کیوں کہ اس میں صرف ۴۲ علامتیں ہیں جو میخ کی شکل کی ہیں، برعکس دوسری زبانوں کے کہ جن کی علامتیں ان سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ یہ میخیں عمودی اور افقی دونوں صورتوں میں استعمال ہوئی ہیں۔ خطِ میخی بائیں طرف سے دائیں طرف کو لکھا جاتا تھا۔

بابِ ششم

سیلوکی دور

(۳۳۰ تا ۲۴۱ ق م)

اسکندر کی جانشینی کا مسئلہ

اسکندر کی وفات پر اس کی اولاد میں سے کوئی ایسا فرد نہ تھا جو تخت و تاج کا وارث قرار دیا جا سکتا۔ اسکندر کی ملکہ رخسانہ (Rexona) امید سے تھی اور وہ اس بات کی منتظر تھی کہ بیٹا پیدا ہو اور وہ وارثِ تخت و تاج بنے۔ اسکندر کی دوسری بیوی ستا تیرا، داریوش سوم کی بیٹی تھی جس کے ساتھ اسکندر اعظم نے اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے شادی کی تھی۔ اسکندر کی تیسری بیوی برسین تھی، جو داریوش سوم کے سپہ سالار ممنون کی بیوہ تھی۔ وہ یہ جھوٹا دعویٰ کر رہی تھی کہ ہراکلیس اس کے بطن سے ہے اور اسکندر کا جائز وارث ہے لیکن اس کے دعوے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ اسکندر کی غیر عقدی بیویوں میں سے تین بیٹے تھے لیکن وہ ایرانی اور مقدونی آئین کے مطابق جائز وارث نہ تھے۔ اس لیے امرائے سلطنت میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اسکندر کا جانشین بننے کا حق دار سمجھنے لگا۔ چناں چہ اسکندر کا کفن میلا بھی نہ ہوا تھا کہ تخت کے دعوے دار طالع آزمائی کرنے لگے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) پردیکاس (۲) فلپ اریدیس (Arrhidaeus) (۳) اینٹی گونس
(۴) اینٹی پیٹر (۵) بطلیموس (۶) سیلوکس (۷) کسانڈر (۸) یومی نس

پردیکاس دربار اسکندر کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے فیلقوس اور اسکندر اعظم کی مہموں میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔ فلپ اریدیس اسکندر کا سوتیلا بھائی تھا مگر ایک رقاصہ کے بطن سے تھا۔ اینٹی گونس فریگیا کا حکم ران، اسکندر کا معتمد سپہ سالار اور کافی با اثر سردار تھا۔ بطلیموس کو اسکندر نے مصر کا حکم ران مقرر کیا تھا۔ سیلوکس ایک تنومند نوجوان تھا جس نے اسکندر کی تمام جنگوں میں بڑی جاں بازی سے حصہ لیا تھا۔ ہند کی جنگ میں سوار فوج کی کمان اسی کے سپرد تھی۔ یومی نس اسکندر کا دبیر خصوصی تھا اور ایشیا میں اسکندر کے خاندان کی نمائندگی اسی کے سپرد تھی۔ اینٹی پیٹر اسکندر کا بہادر اور وفادار سردار تھا۔

جانشینی کا مسئلہ جنگ کے بغیر طے ہوتا نظر نہ آتا تھا، اس لیے یہ فیصلہ ہوا کہ اسکندر کے تمام سپہ سالاروں، مشیروں، دوستوں اور اعیانِ سلطنت کو مشاورت کے لیے بلایا جائے- ان سب کی مجلس منعقد ہوئی، جس میں سب امیدواروں نے اپنے اپنے حقوق پیش کیے- باہمی مشاورت کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ رخسانہ کے بطن سے وارثِ تخت کے تولد کا انتظار کیا جائے اور سردست حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے مجلسِ مشاورت قائم کر دی جائے اور اسکندر کے سوتیلے بھائی فلپ اریدیس کو سربراہ مقرر کیا جائے- پیادہ فوج کے سالار بھی فلپ اریدیس کے حق میں تھے؛ چناں چہ اسی پر بظاہر اتفاق رائے ہو گیا- یہ شرط بھی تسلیم کر لی گئی کہ پردیکاس کو نائب السلطنت بنایا جائے جسے مرتے وقت اسکندر اعظم نے اپنی مہر سپرد کی تھی-

متفقہ فیصلے کی رو سے مصر کی حکومت بدستور بطلیموس کے پاس رہی- سوریہ کی حکومت لامیدن کو، میڈیا کی حکومت پی تون کو، کاپادوکیا کی حکومت اومن کو اور کیلیکیا کی حکومت اینٹی اوگس کو دی گئی- آذربائیجان کا حکمران آذر باد کو، خراسان کا حکمران پوکستاس کو بنایا گیا اور بابل کا حکمران سیلوکس کو مقرر کیا گیا-

پردیکاس چاہتا تھا کہ تمام مفتوحہ ممالک کی وحدت ایک مرکز کے تخت برقرار رہے لیکن بطلیموس نے اپنی خودمختاری کی تیاری شروع کر دی- ادھر پردیکاس نے نائب السلطنت کا منصب سنبھالتے ہی اینٹی پیٹر، جو اسکندر کا گماشتہ تھا، اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کی بیٹی سے شادی کر لی- پھر شاہی خاندان سے ناطہ جوڑنے کے لیے اسکندر اعظم کی بہن قلوپطرہ سے شادی رچائی تاکہ تخت و تاج حاصل کر سکے-

پردیکاس کی وفات

حکومت کو جب معلوم ہوا کہ مصر کا حکمران بطلیموس خودمختار ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہے تو پردیکاس نے مصر پر فوج کشی کی لیکن دریائے نیل کو عبور نہ کر سکا اور اسے فوج کی شوریدہ سر سپاہیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا-

یونانی وحدت طوائف الملوکی کی صورت میں

سیلوکس بابل میں اپنی حکومت قائم کرتے ہی اپنا اقتدار بڑھانے میں مصروف ہو گیا- پی تون کو جب دوبارہ میڈیا کا حکمران مقرر کر کے بھیجا گیا تو اس نے بھی ہاتھ پاؤں پھیلانے چاہے اور خراسان پر قبضہ کرنے کی تیاری کرنے لگا- خراسان کے حکمران پوکستاس کو معلوم ہوا تو

اس نے آس پاس کے علاقوں سے لشکر فراہم کر کے پی ٹون کو مار بھگایا، جس کے لیے اب اس کے سوائے اور کوئی صورت نہ تھی کہ بابل جائے اور سیلوکس سے کمک حاصل کرے۔

انتیا گوس اور یومی نس کی جنگ

یومی نس، اسکندر اعظم کے زمانے میں اُس کا دبیرِ خصوصی تھا اور اب بھی ایشیائے کوچک میں گماشتہ کی حیثیت میں وفاداری کے ساتھ شاہی خاندان کی نمایندگی کر رہا تھا۔ انتیا گوس کو اس کی نمایندگی ناگوار گزری، چناں چہ اس نے یومی نس کے خلاف لشکر کشی کی لیکن یومی نس نے اسے ۲۸۶ ق م میں دندان شکن جواب دیا اور انتیا گوس کا پادوکیا کے قلعے میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گیا۔

انتیا گوس کے خطرناک عزائم

اس عرصے میں شاہی خاندان کے حقوق کا محافظ انیٹی پیٹر چل بسا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کے ایک فوجی رفیق پولی پرچن کو اس کا جانشین بنا دیا گیا۔ اس طرح انیٹی پیٹر کا بیٹا کسانڈر جانشینی کے حق سے محروم ہو گیا، جس کا اسے سخت رنج ہوا اور وہ انتقامی کارروائی کرنے کے لیے انتیا گوس سے جا ملا۔

انتیا گوس شکست کھانے کے بعد بابل میں سیلوکس سے آملا۔ اب دونوں کی نظریں شوش پر لگی ہوئی تھیں۔ چناں چہ سیلوکس نے انتیاس گوس کو شوش پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے شوش پر فتح پالی۔ پھر دریائے کارون کو عبور کر کے آگے بڑھنا چاہا لیکن یومی نس اس کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھا اور انتیا گوس کو پسپا کر دیا۔ کسی دوسرے میدان میں پھر دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اب کی دفعہ یومی نس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ غداری کی اور خود ہی اسے اسیر کر کے انتیا گوس کے حوالے کر دیا۔ انتیا گوس نے اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

انتیا گوس کے ارادے خطرناک تھے۔ چناں چہ اس نے پی ٹون کو دوستانہ بات چیت کے لیے اپنے پاس بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا۔ اسی طرح خراسان کے حکمران پوکستاس کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا۔ انتیا گوس اب فاتحانہ شان سے شوش اور ہمدان کے خزانے لاد کر بابل لے آیا۔ اب اس کا منصوبہ سیلوکس کو ہلاک کرنے کا تھا۔ سیلوکس اس کے ارادے کو بھانپ گیا اور بابل سے نکل کر مصر پہنچ گیا اور بطلیموس کے ہاں پناہ لی۔

سیلوکس کی حکومت

سیلوکس نے مصر کے حکم ران کی مدد سے ایران کا رُخ کیا اور میڈیا فتح کر کے مشرقی علاقوں کو اپنے تسلط میں لے لیا- نو سال کی جدوجہد کے بعد ۳۰۲ ق م میں اس کی حکومت ایک طرف دریائے جیکسارٹس (سیحون) تک پھیلی اور دوسری طرف پنجاب کی سرحد تک- سیلوکس نے اب ہند پر چڑھائی کرنی چاہی جہاں چندر گپت کی حکومت تھی- سیلوکس نے پیش قدمی بھی کی لیکن بالآخر یہ سوچ کر کہ جنگ میں اس کے لیے بہت زیادہ خطرات ہوں گے، چندر گپت سے مصالحت کر لی اور پانچ سو ہاتھیوں کے عوض ہندوکش تک کے یونانی مقبوضات چندر گپت کے حوالے کر دیے اور دوستانہ روابط استوار کرنے کے لیے اپنی لڑکی چندر گپت سے بیاہ دی- سیلوکس نے اپنے عہد حکومت میں مملکت کو ۷۲ ولایتوں میں تقسیم کیا- دجلہ کے کنارے اس نے سیلوکیہ شہر بسایا اور اسی شہر کو اپنا دارالسلطنت بنایا جو بابل سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا-

انتیا گوس اور بطلیموس کی جنگ

انتیا گوس نے کاپادوکیا سے، جہاں کا وہ حکم ران تھا، مصر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے بیٹے ڈیمیٹریس کو قبرص پر، جو مملکت مصر میں شامل تھا، لشکر کشی کرنے کی لیے بھیجا- بطلیموس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بحری بیڑا لایا لیکن بطلیموس کو پسپا ہونا پڑا- اسے یہ نقصان بھی ہوا کہ بحری بیڑے کا بیشتر حصہ دشمن کے قبضے سے چلا گیا- اس فتح پر انتیا گوس کے حوصلے بڑھے تو اس نے مصر پر دھاوا بول دیا لیکن بطلیموس نے اسے شکست دی-

اپسس کی جنگ

انتیا گوس کی ہمت اس شکست سے پست ہوگئی- ادھر کمانڈر کسانڈر اور لسی میکس نے ۳۰۱ ق م میں انتیا گوس کے خلاف ایشیائے کوچک میں فوجیں اتار دیں- انتیا گوس نے اپنے بیٹے ڈیمیٹریس کو یونان سے واپس بلا لیا، جہاں اس نے مہم شروع کر رکھی تھی- ادھر سیلوکس نے ۳۰۲ ق م کے اواخر میں کاپادوکیا پر چڑھائی کی- ۳۰۱ ق م میں کسانڈر اور لسی میکس کی فوج بھی سیلوکس سے آملی اور اپسس کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی- ڈیمیٹریس ابھی پہنچا نہ تھا کہ انتیا گوس لڑتا لڑتا مارا گیا-

شاہی خاندان کی تباہی

ادھر ایک نظر شاہی خاندان پر بھی ڈال لینی چاہیے کہ اسکندر کے بعد اس پر کیا گزری-

اسکندر اعظم کی ملکہ رخسانہ نے ستاتیرا کو دھوکے سے اپنے ہاں بلایا اور اسے قتل کر کے ایک کانٹا دور کر دیا۔ رخسانہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا لیکن اینٹی پیٹر کے سوا کوئی اسے بچانے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ اینٹی پیٹر نے اپنے بیٹے کسانڈر کی بجائے اپنا جانشین اپنے فوجی رفیق کو بنا دیا تھا، اس لیے اس کے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور اب وہ اپنا لشکر لے کر انتیا گوس سے جا ملا تھا۔ اسکندر کی مادر ملکہ اولپیاس نے فلپ اریدیس کو، جو اسکندر کے بعد تخت نشیں ہوا تھا، دھوکے سے مروا ڈالا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کا دستِ ظلم کچھ ایسا دراز ہوا کہ اینٹی پیٹر کے متعدد لواحقین کو بھی قتل کرا ڈالا لیکن ذلت سے خود بھی نہ بچ سکی؛ کسانڈر نے سنگ باری کرا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا اور نوجوان رخسانہ اور اس کے نومولود بیٹے کو قید کر لیا، جہاں وہ کئی سال تک اسیری کی حالت میں رہے۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ عوام میں اس کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگی ہیں تو اس نے اسکندر کے بیٹے کو ۳۱۱ ق م میں ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اسکندر کے لواحقین میں سے جہاں کہیں بھی کوئی تھا، کسانڈر نے مروا دیا، تاکہ تخت و تاج کا کوئی دعوے دار باقی نہ رہے۔ اسکندر کے خاندان کا خاتمہ کر کے کسانڈر تخت مقدونیہ پر متمکن ہوا۔

۲۹۷ ق م میں کسانڈر اور اس کا ایک لڑکا فلپ فوت ہو گئے۔ پھر اس کے دو اور بیٹے بیک وقت مقدونیہ کے حکم ران بنے۔ ۲۹۳ ق م میں وہ دونوں ڈیمیٹریس کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب خود ڈیمیٹریس تختِ مقدونیہ پر بیٹھا۔ اس نے حکومت مستحکم کر کے ایشیا کو چک کی مہم کے لیے تیاریاں شروع کر دیں اور لشکر لے کر کیلیکیا کا رُخ کیا۔ سیلوکس بھی اس کے ارادے سے غافل نہ تھا۔ وہ بھی لشکر لے کر کیلیکیا پہنچ گیا۔ دونوں کے مابین خُونریز جنگ ہوئی جس میں ڈیمیٹریس کو شکست ہوئی اور وہ اسیر ہو کر سیلوکس کے ہاتھوں مارا گیا۔

سیلوکس کا قتل

سیلوکس ۲۸۱ ق م میں مقدونیہ کا تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے ہیلس پوانٹ کو عبور کر کے آگے بڑھا ہی تھا کہ بطلیموس کے بیٹے کیرانس نے عین اُس وقت جب کہ انتیا گوس عبادت میں مصروف تھا، اُسے ہلاک کر دیا۔

سیلوکس کے جانشین

سیلوکس کے بعد اس کا بیٹا انتیا گوس اول ۲۸۱ ق م میں تخت نشیں ہوا اور بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۲۶۱ ق م میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا انتیا گوس دوم اس کا جانشین بنا۔

اس کے زمانے میں ایران نے ایک بار پھر انگڑائی لی اور خودمختاری حاصل کرنے کے لیے ۲۵۶ ق م میں بلخ، سغد اور مرو تین علاقے متحد ہو گئے اور سیلوکی حکومت کا جوا اتار پھینکا۔ ان تینوں علاقوں کو متحد کرنے والا دیودوٹس تھا جو خود یونانی نژاد تھا۔ اس نے ایک نئی حکومت قائم کی جو باختری و یونانی حکومت کے نام سے موسوم ہوئی۔ بعد میں یہ تینوں علاقے خراسان میں شامل ہو گئے۔

بلخ کی خودمختاری کے چھ سال بعد ۲۵۰ ق م میں اہل خراسان نے ارشک نامی ایک شخص کی سرکردگی میں سیلوکیوں کے تسلط سے نجات حاصل کر کے خودمختاری حاصل کر لی۔

سیلوکس دوم

انٹی اوکس ۲۴۶ ق م میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا سیلوکس دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

سیلوکس دوم نے خراسان کا رُخ کیا، جو چار سال سے خودمختار ہو چکا تھا۔ خراسان کا حکمران ارشک اس کے مقابلے کو آیا لیکن سیلوکس کے کثیر لشکر کے سامنے اس کا بس نہ چلا اور پسپا ہو کر دشت کویر کی طرف نکل گیا لیکن جلد ہی بلخ کے بادشاہ دیودوٹس سے کمک حاصل کر کے واپس لوٹ آیا۔ سیلوکس نے یہ دیکھ کر کہ اسے کمک مل گئی ہے اور اب اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، شام کا رُخ کیا اور ۲۲۷ ق م میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

سیلوکس کے عہد میں تقریباً تمام ایشیائے کوچک سیلوکیوں کے تسلط سے نکل گیا۔ جنوبی شام بھی آزاد ہو گیا۔ ایران میں آذربائیجان، خراسان اور بلخ خودمختار ہو گئے۔ اب ایران میں ان کا تسلط صرف ہمدان اور استخر تک محدود تھا۔

سیلوکس سوم

سیلوکس دوم کے بعد اس کا بیٹا سیلوکس سوم تخت نشین ہوا۔ اس کی مدت حکومت ۲۲۶ تا ۲۲۳ ق م قائم رہی۔ اس نے ایشیائے کوچک کو پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور پرگام کے حکمران آبیاس کے خلاف فوج کشی کی لیکن سازش کا شکار ہو کر مارا گیا۔

انتیاگوس سوم

سیلوکس سوم کے بعد اس کا بھائی انتیاگوس سوم کی لقب سے تخت نشیں ہوا۔ اس نے ۲۲۳ سے ۱۸۷ ق م تک حکومت کی۔ اس کا ذکر اشکانی حکومت کے دوران میں آئے گا۔

☆ ☆ ☆

باب ہفتم

اشکانی دور

(۲۴۹ ق م تا ۲۲۶ء)

ایران میں سیلوکیوں کی حکومت کے دوران اشکانیوں نے ۲۴۹ ق م میں ایک نئی قومی حکومت قائم کی جو ایران کی چوتھی قدیمی حکومت تھی۔

اشکانی حکومت ایران کے صوبۂ پارت میں تشکیل ہوئی، جسے آج کل خراسان کہا جاتا ہے۔ اس علاقے کو داریوشِ اعظم نے کوہ بیستون، تختِ جمشید اور نقش رستم کے کتبوں میں 'پرتو' کہا ہے اور یونانی مورخ اُسے 'پارتھیا' لکھتے ہیں۔

تاریخ ایران کے ارمنی[1] مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ پارت کو 'پہل شاہستان' بھی کہتے تھے۔ غالباً اسی نسبت سے وہاں کے باشندوں کو پہلوی یا پہلوانی کہنے لگے۔ پروفیسر براؤن[2] کا خیال ہے کہ 'پرتو' رفتہ رفتہ لفظی تبدیلی سے 'پرہاو' بنا پھر 'پرہاو' سے 'پہلاو' ہوا۔ اسی نسبت سے وہاں کے لوگ پہلوی کہلائے اور وہاں کی زبان بھی پہلوی کے نام سے موسوم ہوئی۔

پارت یا خراسان کی حدود اس زمانے میں کچھ مختلف تھیں۔ اس علاقے کے مشہور شہر دامغان، شاہرود، جوین، سبزوار، نیشاپور، مشہد، ترشیز اور تربتِ حیدری تھے۔

قدیم جغرافیہ دان پارت کا حدودِ اربعہ یہ بتاتے ہیں: اس کے شمال میں خوارزم اور مرو، مشرق کی طرف سیستان اور ساگارتی اور مغرب کی طرف گرگان ہے۔

پارت کے قدیم باشندے

پارتیوں کے حسب نسب کے سلسلے میں اگر قدیم جغرافیہ دانوں اور مورخوں کی طرف رجوع کیا جائے تو ذیل کی باتوں کا پتا چلتا ہے:

جسٹن کے قول کے مطابق اہلِ پارت سکائی قبائل کی نسل سے تھے۔ اسٹرابون کا خیال

---

(۱) حسن پیرنیا 'ایران باستان' ج ۳' ص ۱۸۳

(۲) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۷۹

ہے کہ پارتی سکائی قبیلے کی ایک شاخ ہیں جو داہی (Dahae) میں رہتے تھے۔ یہ لوگ داہی کو چھوڑ کر خوارزم آئے جو خراسان کے شمال میں ہے۔ پھر یہ خراسان پہنچ گئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

علمائے جدید کا خیال ہے کہ اہلِ پارت پہلوی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ پہلوی شمالی اور پہلوی جنوبی میں کچھ فرق ضرور تھا لیکن یہ ایک دوسرے سے مختلف نہ تھیں۔ پہلوی زبان وہی ہے جو قدیم آریاؤں کی زبان تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ پارتی آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے وہ غیر ملکی نہ تھے۔

خاندان اشکانی

خاندانِ اشکانی کا مورث اعلا ارشک تھا، جس نے اشکانی حکومت کی تاسیس کی۔ بعد میں اس سلسلے کے تمام حکم ران ارشک کے نام کو جاویدانی بنانے کے لیے اپنے نام کے ساتھ ارشک کے لقب کا اضافہ کرتے رہے۔ اس لیے یہ خاندان ارشکانیاں کے نام سے موسوم ہوا اور رفتہ رفتہ ارشکانی نے اشکانی کی شکل اختیار کر لی۔

سر پرسی سائیکس[1] کا خیال ہے کہ ان لوگوں کا اصلی وطن آساک تھا اور اسی نسبت سے یہ لوگ اشکانی کہلائے لیکن ایرانی مؤرخ حسن پیرینا[2] کی یہ رائے ہے کہ ارشک سے اشک بن جانا زیادہ صحیح اور قدرتی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اشکانیوں کو ارشک ہی سے منسوب کرتے ہیں۔

ارشک کون تھا؟ کس زمانے میں ہوا؟ پارت کیسے آیا؟ ان کے متعلق جو روایات ہمارے سامنے ہیں، ان میں یہ روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ارشک اور تیرداد (Tiridates) دو بھائی تھے اور فریاپتیوس (Phriapites) کے بیٹے تھے۔ بلخ اُن کا وطن تھا۔ ڈیوڈوٹس نامی ایک شخص کو سلوکیوں نے بلخ کا حکم ران مقرر کیا تھا۔ اس نے بلخ، سغد اور مرو کو متحد کر کے سلوکی حکومت کا جوا اتار پھینکا اور اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اسی زمانے میں ارشک اور تیرداد بلخ سے چل کر پارت کے حکم ران فریک لس کے پاس آ گئے۔ فریک لس نے کچھ عرصہ انھیں اپنے ہاں مہمان رکھا لیکن آخر کسی نامناسب سلوک کی وجہ سے دونوں بھائی اس کے خلاف ہو گئے۔ محافظوں کو ساتھ ملا کر اسے ہلاک کر دیا اور اہلِ پارت کو

---

(1) A History of Persia, Vol. 1, P, 306

(۲) حسن پیرینا' ایران باستان' ج ۳' ص ۱۸۴

یونانیوں کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی لیے ابھارنے لگے۔

تاریخِ اشکانیاں کا پس منظر

اس زمانے کی تاریخ واضح نہیں ہے۔ ایرانی مورخوں نے ہخامنشیوں کی تاریخ تو مقامی ذرائع سے مرتب کی لیکن اشکانی عہد کی تاریخ کی طرف انھوں نے توجہ نہیں دی۔ اولین مسلم مؤرخین نے اشکانی عہد کو محض طوائف الملوکی کا نام دیا ہے۔ حتمی طور پر کہا نہیں جا سکتا کہ ایران نے اس دور کی کوئی تاریخ مرتب کی یا نہیں۔ اشکانیوں کی جانشین حکومت ساسانیوں کی تھی، جنھوں نے اشکانیوں کا خاتمہ کیا تھا، اس لیے اگر کوئی تاریخ لکھی بھی گئی ہو تو ممکن ہے حکومت کی اس تبدیلی کی وجہ سے وہ محفوظ نہ رہ سکی۔

سائیکس [1] لکھتے ہیں: ''پارت کے تاریخی حالات اس وقت روشنی میں آے جب وہاں کے حکم رانوں کا تصادم شام اور روم کی حکومتوں سے ہوا۔ اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ان کے حالات پر روشنی نہیں پڑتی۔ ان کی تاریخ کا انحصار صرف ان چند سکوں پر ہے جو دست یاب ہو چکے ہیں۔ اولین اشکانی عہد کی تاریخ صرف ایک ہے جو جسٹن نے لکھی ہے لیکن یہ بہت مختصر ہے اور اس کے بیانات میں تصادم پایا جاتا ہے۔ عرب اور ایرانی مؤرخین سے ان کے کچھ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ پہلی صدی عیسوی کے آخر تک اشکانی حکم رانوں کے سکوں پر سال بھی درج نہیں ہوتا تھا۔ ان کی شبیہیں ضرور ہوتی تھیں۔ آخری سالوں پر البتہ سال درج ہیں جن سے کچھ تاریخی شہادت ملتی ہے۔

بہرحال زمانۂ جدید کے مؤرخین کو جو وسائل دست یاب ہو سکے، ان کے پیشِ نظر انھوں نے اشکانیوں کی تاریخ مرتب کی ہے۔ اسے ''ایرانِ باستان' کے مؤلف حسن پیرینا نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دولت اشکانیاں کی تاسیس پارت میں ہوئی لیکن حکومت کے شروع میں پورا ایران ان کے تسلط میں نہ آ سکا۔

۲۔ حکومت کو استحکام حاصل ہونے کے کافی عرصے بعد اشکانی حکم ران سیلوکیوں کا خاتمہ کرنے میں کام یاب ہوے۔

۳۔ اردشیر بابکان کے ہاتھوں اشکانی حکومت زوال پذیر ہوئی۔

---

(۱) A History of Persia, Vol.1, P. 306

اشکانی عہد کے مؤسسین

اشکِ اول (Arsaces) اور تیرداد نے پارت کے علاقے میں آزادیِ وطن کی تحریک چلائی، اہلِ ایران کو یونانی حکومت کے خلاف ابھارا اور بالآخر اشک ایرانی حکومت قائم کرنے میں کام یاب ہو گیا لیکن بادشاہت کا باقاعدہ آغاز اشک کے بھائی تیرداد نے کیا۔

اشک اول

(۲۴۹ تا ۲۴۷ ق م)

اہلِ پارت نے اشکانی عہد کی ابتدا کا سال ۲۴۹ ق م بتایا ہے۔ یہ شاید اشکِ اول (Arsaces) کی پہلی فتح کا سال ہے جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اشک اور اس کے بھائی تیرداد نے پارت کے حکم ران فریکلیس (Pherecles) کو قتل کر دیا تھا۔ اس زمانے میں ایران کا سلوکی بادشاہ انتیاگوس (Antiochus) تھا جس کی کمزوری کی وجہ سے سلوکیوں کی حکومت متزلزل ہو رہی تھی۔ بلخ کے علاقے میں جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، ڈیوڈوٹس خود مختار حکومت قائم کر کے سلوکیوں سے آزاد ہو گیا تھا۔ ادھر آذربائیجان کے حکم ران نے بھی سلوکیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ انتیاگوس نے آذربائیجان کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے فوج کشی کی لیکن کام یابی نہ ہو سکی اور آذربائیجان آزاد ہو گیا۔

انتیاگوس فوت ہوا تو اس کا بیٹا انتیاگوس دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ بہت عیش پسند حکم ران تھا۔ اس کے عہد میں ایرانی مقبوضات شام اور ایشیائے کوچک میں بغاوتیں ہوئیں۔ انھیں فرو کرنے کی تو انتیاگوس دوم نے کوشش کی لیکن آذربائیجان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اس حکم ران کے عہد میں اشک نے علم آزادی بلند کر کے پارت کو یونانیوں سے آزاد کرا لیا تھا۔ پارت میں آزاد اشکانی حکومت قائم ہو گئی لیکن داخلی شورشوں نے اشک کو پریشان رکھا۔ آخر وہ اپنے ہی نیزہ بردار کے ہاتھوں زخم کھا کر ۲۴۷ ق م میں مارا گیا۔

اشک دوم یا تیرداد

(۲۴۷ تا ۲۱۴ ق م)

اشک کی وفات پر اس کے بھائی تیرداد (Tiridates) نے 'اشک دوم' کا لقب اختیار کر کے ۲۴۷ ق م میں پارت کی حکومت سنبھالی۔ اس وقت یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پارت کی بنیاد

پر ایران کی کوئی مستحکم حکومت قائم ہو سکے گی یا نہیں لیکن اشکِ دوم کے طویل عہد حکومت میں اس کے لیے اسباب مہیا ہو گئے۔

اشکِ دوم کے عہد میں مصر میں بطلیموس دوم تخت نشین ہوا اور ایشیاے کوچک کے ایرانی مقبوضات میں پیش قدمی کی۔ ایشیاے کوچک میں انتیا گوس دوم کا بھائی سیلوکس دوم حکم ران تھا۔ بطلیموس نے اسے شکست دی اور انطا کیہ پر قابض ہو گیا پھر آگے بڑھ کر فرات تک کا علاقہ سیلوکیوں سے لے لیا۔ اب وہ فرات کو عبور کر کے آگے بڑھا اور سیلو کی مقبوضات ایک ایک کر کے فتح کر لیے۔ چناں چہ عراق، آشور، بابل، شوش، پارس اور میڈیا بطلیموس کے تسلط میں آ گئے۔ اب وہ بلخ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا تھا لیکن اسے مصر کی داخلی شورشوں کی خبر نے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

اشک دوم مصر کے حکم ران کی یلغاروں کی وجہ سے سخت ہراسان تھا۔ اس کی واپسی کی خبر سنی تو مطمئن ہو گیا اور اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے گرگان کی طرف بڑھا اور اسے سیلو کی حکومت سے آزاد کرا کے اپنی مملکت کا جزو بنا لیا۔

انتیا گوس دوم کا پارت پر حملہ

انتیا گوس دوم نے اپنے بھائی سیلوکس دوم کے ساتھ مل کر ۲۳۷ ق م میں پارت پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی اور بلخ کے آزاد حکم ران ڈیوڈوٹس سے معاہدہ کر کے اسے بھی پارت پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ ادھر اشکِ دوم نے دریاے جیحوں اور سیحوں کے مابین بسنے والے سکائی قبائل سے کمک مانگی۔ سکائیوں نے اپنا لشکر اشک کے پاس بھیج دیا۔ عین اس وقت ڈیوڈوٹس فوت ہو گیا۔ اشک نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ڈیوڈوٹس کے بیٹے سے رابطہ قائم کیا اور دونوں نے انتیا گوس سے مقابلہ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ آخر جب تصادم ہوا تو سیلوکس نے راہ فرار اختیار کی۔

سیلوکس دوم شکست کے باوجود مایوس نہ ہوا۔ پارت کو فتح کرنے کا خیال بدستور اس کے دل میں موجزن تھا لیکن انتیا گوس سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور پارت کا خیال سیلو کی حکم ران کو دل سے نکال دینا پڑا۔

اشکانیوں کا پایۂ تخت

اشکِ دوم کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو اس نے داخلی معاملات کی طرف توجہ دی۔

مدافعت کے لیے اس نے مشہور مقامات پر قلعے تعمیر کرائے اور کئی نئے شہر بسائے۔ پایۂ تخت بنانے کے لیے اس نے گرگان کے علاقے میں ایک نیا شہر بسایا جو 'دارا' کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شہر پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کے اِردگرد چشمے بہتے تھے، اس لحاظ سے یہ شہر بہترین سیرگاہ بھی تھی۔ اس شہر کی اہمیت اشکِ دوم کی وفات کے بعد بھی کم نہ ہوئی۔ بعض اور اشکانی حکم رانوں نے بھی اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔

اشکِ دوم کی وفات

اشک دوم اشکانی حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے بعد ۲۱۴ ق م میں عالمِ پیری میں فوت ہوا۔ اشکانی سلسلے کا یہ پہلا حکم ران ہے جس نے ہخامنشیوں کے نقشِ قدم پر چل کر شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کی وفات پر اشکِ سوم یا اردوان اول تخت نشیں ہوا۔

انتیاگوس سوم

انتیاگوس دوم کے بعد انتیاگوس سوم (۲۲۴ تا ۲۱۳ ق م) نے سیلوکی حکومت سنبھالی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اس کی ناتجربہ کاری کے باعث ممکن تھا کہ کوئی شورش پیدا ہوتی لیکن اس کا چچازاد بھائی ایکاس جو سوریہ (شام) کا حکم ران تھا، وفادار رہا اور جب انتیاگوس سوم اپنے پایۂ تخت بابل سے چل کر سوریہ آیا تو وہاں کے مقدونی باشندوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس وفاداری کے صلے میں انتیاگوس نے ایکاس کو پورے اختیارات دے کر ایشیائے کوچک کا حکم ران بنا دیا۔ ادھر مولان کو، جو میڈیا کا حکم ران تھا اور اس کے بھائی کو، جو پارس کا حکم ران تھا، دجلہ سے پرے پرے پورے اختیارات دے دیے۔ اس زمانے میں سوئے اتفاق سے انتیاگوس ایک بددیانت اور حاسد وزیر ہرمیاس کے زیرِ اثر تھا۔ میڈیا اور پارس کے حکم ران اس سے سخت ناخوش تھے۔ انہوں نے ۲۲۱ ق م میں حکومت سیلوکیا کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ انتیاگوس کے ایک قابل سپہ سالار اپی گین نے مشورہ دیا کہ وہ خود ان کے خلاف فوج کشی کرے لیکن ہرمیاس نے اسے یہ کہہ کر باز رکھا کہ بادشاہ تو ہمیشہ بادشاہوں سے جنگ کیا کرتے ہیں۔ چناں چہ ایک نااہل شخص کو فوج دے کر باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا لیکن اس نے بھاری نقصان اٹھا کر شکست کھائی۔ انتیاگوس کا منصوبہ مصر پر چڑھائی کرنے کا تھا لیکن اس شکست کی وجہ سے اس نے خود میڈیا کا رُخ کیا اور بغاوت کو کچلنے میں کام یاب ہو گیا۔ مولان اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر لی۔

میڈیا کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد انتیاگوس سیلوکیہ آیا جہاں کی شورش ہرمیاس نے فرو کی اور اب وہ سیلوکیہ کو ظلم وستم کا نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن انتیاگوس اس کے منصوبے سے متفق نہ تھا- چناں چہ اس نے اہلِ سیلوکیہ سے نرمی کا سلوک کیا- یہاں سے انتیاگوس نے آذربائیجان کا رُخ کیا اور زاگروس کے سلسلۂ کوہ کو عبور کر کے آذربائیجان پہنچ گیا- وہاں کے ایرانی حکم ران نے انتیاگوس کی شرائط قبول کر کے مصالحت کر لی-

اس اثنا میں ہرمیاس جو انتیاگوس کو ہلاک کرنے کی سازش کر رہا تھا، خود ایک سازش کا شکار ہو کر مارا گیا اور حکم ران نے اس کے برے اثرات سے نجات پالی- اب انتیاگوس نے ایشیاے کوچک کا رُخ کیا جہاں کا حکم ران ایکاس خود بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا- شاید وہ ہاتھ پاؤں مارتا لیکن فوج نے اس کا ساتھ نہ دیا- آخر اس نے اپنے منصوبے سے ہاتھ اٹھا لیا-

اب انتیاگوس نے شام پر لشکر کشی کی کیوں کہ بحری راستے پر اہلِ شام کا قبضہ تھا- اسے وہ اپنے جنگی منصوبوں کے لیے ضرور حاصل کرنا چاہتا تھا- مصر کے حکم ران کو پتا چلا تو وہ مصریوں اور پیشہ ور یونانیوں کی فوج کے ساتھ مقابلے کو آیا- رفیا کے مقام پر خوں ریز جنگ ہوئی جس میں انتیاگوس کو پسپا ہونا پڑا-

۲۱۶ ق م میں انتیاگوس نے ایکاس سے نپٹنے کے لیے ایشیاے کوچک کے پایۂ تخت سارد کا محاصرہ کیا- اہلِ سارڈ نے سازش کر کے ایکاس کو اسیر کر لیا اور انتیاگوس کے کیمپ میں پہنچا دیا جہاں اسے فاسد ارادوں کی سزا مل گئی-

اشک سوم یا اردوانِ اول

(۲۱۴ تا ۱۹۶ ق م)

اشکِ دوم کے بعد اس کا بیٹا اردوان اول (Artba)، اشکِ سوم کے لقب سے ۲۱۴ ق م میں تخت نشیں ہوا- اس نے انتیاگوس سوم کو ایشیاے کوچک کی مہم میں مصروف دیکھا تو اپنی مملکت کو وسیع کرنا چاہا- پہلا قدم اس نے میڈیا کی طرف اٹھایا اور اسے مسخر کر لیا' پھر گرگان کے پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا کردستان پہنچا اور سارے علاقے کو مطیع کر لیا- اس کے بعد وہ ہمدان، کلدہ اور بین النہرین کو بھی اپنے تسلط میں لے آیا-

انتیاگوس نے اشکانیوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لیے لشکرِ کثیر فراہم کیا جو قدیم مؤرخین کے قول کے مطابق ایک لاکھ پیادہ اور بیس ہزار سواروں پر مشتمل تھا- اس نے ایشیاے

کوچک کے مقبوضات واپس لینے کے لیے لشکر کشی کی۔ پہلی منزل اس کی آرمیدیا تھی' جسے اس نے ۲۰۹ ق م میں فتح کر لیا پھر میڈیا کا رُخ کیا؛ وہاں اشکِ سوم نے مدافعت کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔ چناں چہ اس کا دارالسلطنت ہمدان بآسانی اس کے تسلط میں آ گیا۔ یہاں[۱] اس نے لوٹ مار کی اور اناہیتا دیوی کے معبد کے خزانے کو بھی لوٹا اور معبد کو بھی نقصان پہنچایا۔

اس عرصے میں اشک سوم کے ہاتھ سے میڈیا نکل چکا تھا۔ اس نے چاہا کہ جیسے بھی بن پڑے انتیاگوس سوم کا راستہ روکے۔ چناں چہ[۲] اس نے کاریزوں (زیر زمین کھودی ہوئی نہروں) کو پتھروں سے بھروا دیا تاکہ دشمن کو پانی نہ مل سکے اور وہ لوٹ جانے پر مجبور ہو جائے۔ بعض مقامات کے پانی کو اس نے زہر آلود بھی کرنا چاہا لیکن انتیاگوس بڑی برق رفتاری سے چلا آ رہا تھا۔ بیش تر اس کے کہ اشک سوم پانی کو ضائع کر دیتا، وہ شہر صددر (Hecatompylus) پہنچ گیا اور اسے مسخر کر لیا۔ انتیاگوس کا خیال تھا کہ اشکانی حکم ران مرعوب ہو کر سراطاعت خم کر دے گا لیکن اشک سوم ہر قیمت پر اپنی مملکت کی مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ وہ اب سکائی قبائل سے کمک حاصل کرنے کے لیے ہر کینیا (گرگان) پہنچا اور کمک حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ انتیاگوس بھی اس کے تعاقب میں بڑھا چلا آیا اور کوہ البرز کی دشوار گزار راہوں کو عبور کرتا ہوا گرگان کے قریب آ پہنچا۔ انتیاگوس کا لشکر راستے کی دشواریاں برداشت کرنے کے بعد اب کچھ شکستہ دل تھا اس لیے اسے گرگان میں کام یابی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ بہر حال جنگ تو ہوئی لیکن طول پکڑ گئی۔ انتیاگوس نے یہی مناسب سمجھا کہ اشک سوم سے مصالحت کرے۔ چناں چہ اس نے اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ اگر وہ انتیاگوس کو بلخ پر حملہ کرنے میں مدد دے تو وہ اشکِ سوم کی خود مختاری کو تسلیم کر لے گا۔ اس شرط پر صلح ہو گئی۔ اشک سوم نے اسے مدد دی، اس کے متعلق تاریخیں خاموش ہیں۔ بہر حال جب انتیاگوس نے بلخ پر حملہ کیا تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور بلخ کے حکم ران یوتی دیموس (Euthydemus) کے آگے، جس نے ڈیوڈوٹس کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت کا علم لہرایا تھا، مصالحت کا ہاتھ بڑھانا پڑا۔ اشکِ سوم کا بھی ارادہ تھا کہ بلخ فتح کرے لیکن اسے زندگی نے مہلت نہ دی اور وہ ۱۹۶ ق م میں راہیِ ملک بقا ہوا۔

بلخ سے انتیاگوس سکندر اعظم کے نقش قدم پر چلا اور ہندوکش کو عبور کر کے کابل کا رُخ کیا پھر درۂ خیبر سے گزر کر پنجاب میں داخل ہوا۔ راجا اشوک کے جانشین نے اسی میں عافیت

---

(۱) پولی بیوس: ایران باستان: ص ۲۲۱۰

(۲) ایضاً

دیکھی کہ سیلوکی حکم ران سے مصالحت کر لے- چناں چہ زر کثیر اور ہاتھیوں کا تحفہ پیش کیا جسے اس نے قبول کرلیا- اس خیر مقدم کے بعد انتیا گوس نے ہند پر دست درازی تو نہ کی، البتہ سرحدوں کو پامال کرتا ہوا ہلمند دریا کے کنارے کنارے سیستان جا پہنچا اور صحرائے لوت کو عبور کر کے نرم شیر آیا اور سردیوں کا موسم کرمان میں بسر کیا- یہاں سے اس نے خلیج فارس کا رخ کیا اور گرتا کو مسخر کر کے اپنی مہم کو ختم کر دیا-

اشکِ چہارم (فریاپت)

(۱۹۶ تا ۱۸۱ ق م)

اشکِ سوم کی وفات پر اس کا بیٹا فریاپتیوس (Phriapatrius) اشکِ چہارم کے لقب سے تخت نشیں ہوا اور پندرہ سال تک امن وامان سے حکومت کی- کوئی اہم واقعہ اس کے دور میں رونما نہیں ہوا-

حالاتِ بلخ پر ایک نظر

ہر چند کہ ہند پر سیلوکس اول کے حملے کا ذکر کیا جا چکا ہے لیکن واقعات میں تسلسل قائم کرنے لیے اس کا یہاں اعادہ کرنا نامناسب نہ ہوگا-

اسکندر کی وفات کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اہلِ ہند نے مقدونی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مقدونی حکام ہند کے جن جن علاقوں میں مقرر کیے گئے تھے، قتل کر دیے گئے- چندر گپت نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہند کے بیش تر علاقے فتح کر لیے اور ان سب پر مشتمل ایک وسیع سلطنت کی تشکیل کی-

سیلوکس اول نے یہ سن کر ہند پر چڑھائی کی لیکن اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس مہم میں سخت خطرناک حالات سے دو چار ہونا پڑے گا اور اسی میں مصلحت سمجھی کہ چندر گپت سے مصالحت کر لے- چندر گپت بھی چاہتا تھا کہ حملہ ٹل ہی جائے تو بہتر ہے- چناں چہ اس نے پانچ سو ہاتھی سیلوکس کو پیش کیے جنھیں اس نے قبول کر لیا اور سندھ کے پار کے علاقے، سیستان، شمالی افغانستان اور بلوچستان پر چندر گپت کا حق تسلیم کر لیا-

سیلوکس کی یہ مصلحت بلخ کے یونانیوں کو سخت ناگوار گزری' چوں کہ ان علاقوں پر اسکندر اعظم کی وفات کے بعد سے یونانی تسلط قائم چلا آتا تھا، سیلوکس کی مصالحت سے ہند سے یونانیوں کا تعلق ختم ہو گیا- انھیں اب یہ بھی خدشہ تھا کہ چندر گپت بلخ کی طرف پیش قدمی کرے گا اور بلخ سے

بھی یونانیت کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔ آخر جب انتیاگوس سوم بلخ کے حکم ران یوتی دیموس سے معاہدۂ صلح کر کے ہند کی طرف بڑھا تو انھیں امید ہو گئی کہ اگر وہ سیلوکی علاقے واپس لینے میں کام یاب ہو گیا تو یونانیت کے اثرات ہند میں پھر سے قائم ہو جائیں گے لیکن اسے بھی سیلوکس کی طرح ہند کے حکم ران سے مصالحت کر کے ناکام لوٹنا پڑا جس سے بلخ کے حکم ران یوتی دیموس کو سخت مایوسی ہوئی۔ آخر یہ ادھورا کام یوتی دیموس کے ہاتھوں سرانجام ہوا۔ یوتی دیموس نے جنوبی سرحدوں کو عبور کر کے ہند پر چڑھائی کی اور مشرقی افغانستان کو فتح کر کے بلخ کی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے ڈیمیٹر یوس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور سندھ سے آ کر پنجاب پر قابض ہو گیا۔

جسٹن نے ڈیمیٹر یوس کو ہند کا بھی بادشاہ لکھا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ۲۰۶ تا ۱۸۵ ق م کا زمانہ حکومتِ بلخ کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس وقت بلخ کی حکومت بلخ، سغد، مرو، کوہ پاراپامیر (شمالی افغانستان) سیستان اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھی۔ بلخ کی بڑھتی ہوئی قوت سے حکومتِ پارت کو اندیشہ لاحق تھا اس لیے اشکِ سوم اور اشکِ چہارم کو بلخ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔[1]

اشکِ پنجم (فرہادِ اول)

(۱۸۱ تا ۱۷۴ ق م)

اشکِ چہارم پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۱ ق م میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا فرہاد اول (Phraetes) اشکِ پنجم کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔

ماردقبائل کے خلاف لشکر کشی

اشکِ چہارم نے حکومت سنبھالتے ہی ماردقبائل کی طرف توجہ کی جو دریائے آمل کے آرپار رہتے تھے اور اشکانی سلطنت کی سرحدوں پر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ ماردقبائل کے خلاف اشک چہارم کی جنگ کئی سال جاری رہی۔ اس جنگ سے سیلوکی بالکل بے تعلق رہے، حالاں کہ ماردقبائل سیلوکی سلطنت میں آباد تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ سیلوکی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ انتیاگوس سوم نے رومیوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی تھی۔ اس کا اثر اس کے جانشین پر بھی تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مشرق میں خطرات سے دوچار ہو۔

---

(۱) ایران باستان، ص ۲۲۱۵-۲۲۱۶

ماردو قبائل کے علاقے کو فتح کر کے اشکِ پنجم رے کی طرف متوجہ ہوا جو بحیرۂ گرگان اور اور میڈیا کے درمیان واقع تھا۔ داریوشِ اعظم نے کتبۂ بیستون میں رے کو ارگ ظاہر کیا ہے اور 'اوستا' میں بھی اس کا یہی نام لکھا ہے۔

رے کو مسخر کرنے کے بعد اشکِ پنجم زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا، بیمار ہو گیا۔ بیماری نے شدت اختیار کی تو موت اسے قریب نظر آنے لگی۔ بیٹے اس کے خورد سال تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی عمر کے بچے کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت دے، اس لیے اس نے اپنے بھائی مہرداد کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

جسٹن نے مہرداد کی نامزدگی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے: اشکِ پنجم نے اپنے بیٹوں کو تخت و تاج سے محروم کر کے اپنے بھائی مہرداد کو جانشین نامزد کیا کیوں کہ وہ ایک بہادر اور زیرک شخص تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ سلطنت کا مفاد اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے اس نے وطن کے مفاد کو بیٹوں کے مفاد پر ترجیح دی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس کا یہ فیصلہ درست تھا۔ پارت اس وقت دو حکومتوں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک سلوکیوں کی حکومت تھی اور دوسری طرف بلخ کی۔ دونوں حکومتیں پارت کی دشمن تھیں اس لیے پارت کے لیے ایک عاقل، تجربہ کار اور دلیر حکمران کی ضرورت تھی۔

اشکِ ششم (مہرداد اول)

(۱۷۴تا۱۳۶ق م)

مہرداد اول (Mithradates) ۱۷۴ق م اشکِ ششم کے لقب سے تخت نشیں ہوا۔ اس وقت اشکانی سلطنت محدود سے علاقے میں تھی جس میں پارت سے ماردو قبائل کا علاقہ اور دوسری طرف رے تک کا علاقہ شامل تھا۔ اشکِ ششم نے اپنے چونتیس سالہ دورِ حکومت میں اشکانی سلطنت کو اتنا مستحکم اور وسیع کیا کہ بعد میں یہی سلطنت روم کی حریف اور ہم سر بنی۔ اشکانی سلطنت کی توسیع کے ذکر سے پہلے ایشیائے کوچک کے حالات پر نظر ڈال لینی چاہیے۔

سیلوکی خاندان

انتیاگوس پے بہ پے شکستیں کھانے کے بعد ۱۸۸ق م میں فوت ہو گیا۔ ان شکستوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے کوچک سیلوکیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ادھر آرمینیا نے سیلوکیوں کا جوا اتار

پھینکا- ایران کے دوسرے صوبے جو ابھی تک سیلوکیوں کے تحت تھے، وہ بھی آزاد ہو گئے- ان شکستوں کے باوجود سوریہ اور کیلیکیا ان کے ہاتھ آ گئے-

انتیاگوس سوم کی وفات پر سیلوکس چہارم تخت نشین ہوا- وہ حکومتِ روم کو جنت کا ہرجانہ ادا کرنے کے لیے رعایا سے بالجبر روپیہ وصول کرتا رہا جس سے حکومت کا وقار گر گیا- بہر حال اس نے حکومت کے چودہ سال امن و امان سے گزارے- اس کی حکومت بے وقار حکومت سمجھی جاتی تھی- آخر سیلوکس چہارم اپنے وزیر کے ہاتھوں ۱۷۶-۱۷۵ ق م میں قتل ہوا-

سیلوکس چہارم کے بعد اس کا بھائی انتیاگوس چہارم ۱۷۵ ق م میں تخت نشیں ہوا، جو کئی سال سے یرغمال کے طور پر روم میں زندگی گزار رہا تھا-

انتیاگوس چہارم کی فتح مصر

انتیاگوس چہارم بے حد فضول خرچ اور مجموعۂ اضداد شخص تھا- بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر ذہین تھا اور بعض اسے دیوانہ بتاتے ہیں- بہر حال اس نے اپنی دانش مندی سے یونان کو جنگی تاوان کی قسطیں ادا کر دیں جو سیلوکیہ حکومت کے ذمے واجب الادا تھیں اور آیندہ کے لیے یونان کے دشمنوں سے کوئی سروکار نہ رکھا-

اسی اثنا میں مصر کے حکمران بطلیموس پنجم نے اپنی ملکہ قلوپطرہ (جو انتیاگوس سوم کی بیٹی تھی) کے جہیز کے سلسلے میں سیلوکی حکومت سے سل سوریہ کا مطالبہ کیا- یہ مطالبہ بالآخر جنگ کا باعث بنا- بطلیموس نے سل سوریہ کی طرف فوجیں بڑھائیں- ادھر انتیاگوس نے لشکر کشی کی- مصریوں اور سیلوکیوں کی یہ جنگ چار سال تک جاری رہی- آخر انتیاگوس کو فتح ہوئی- اس مہم میں اسے زرِ کثیر ہاتھ لگا- اس کے بعد اس نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا- اس میں بھی اسے کامیابی ہوئی- اب وہ مصر پر بھرپور حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن یونانی مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ کر کے اسے واپس آنے پر مجبور کر دیا اور اسے فتح کیے ہوئے علاقے بھی چھوڑنے پڑے-

یہودیوں سے جنگ

اس ناکامی کے بعد انتیاگوس نے یہودیوں کے شہر فلسطین پر حملہ کیا اور ان کے معبد کو لوٹ لیا- یہودی مذہب سے اُسے انتہائی نفرت تھی اس لیے وہ ملتِ یہود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا- اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ فلسطین میں یونانیوں کو لا بسائے- یہودی اپنے مذہب و ملت

کو بچانے کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور ایک طویل جنگ کے بعد اپنی آزادی کو برقرار رکھنے میں کام یاب ہو گئے۔ یہودی مذہب سے نفرت اور بیزاری جواب شروع ہوئی، وہ انتیا گوس کے بعد بھی جاری رہی اور پچاس سال تک لگاتار یونانیوں اور یہودیوں کا تصادم ہوتا رہا۔[1]

انتیا گوس کی مشرقی مہم اور وفات

انتیا گوس کو اب یقین تھا کہ وہ مغربی ممالک میں کوئی جارحانہ مہم جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس کی فضول خرچیوں کی وجہ سے خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ دولت حاصل کرنے کی خواہش سے اس نے اب مشرق کا رُخ کیا۔ پہلا حملہ اس نے آرمینیا پر کیا لیکن اہلِ آرمینیا نے خراج ادا کر کے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ پھر اس نے میڈیا کا رُخ کیا اور بغیر کسی جنگ کے ہمدان پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اب وہ فرستان پہنچا اور وہاں کے مندروں کے خزانوں پر ہاتھ ڈالے لیکن وہاں کے پہاڑی قبائل نے اس کو اور اس کے لشکر کو لرستان سے نکال باہر کیا۔ اس ذلت آمیز شکست سے وہ پاگل ہو گیا۔ بالآخر ۱۶۴ ق م میں دنیا سے رخصت ہوا۔

انتیا گوس پنجم اور ڈیمٹر ئیس

انتیا گوس چہارم کی وفات پر انتیا گوس پنجم تخت نشیں ہوا۔ اس کی عمر بعض مؤرخین نو سال بتاتے ہیں اور بعض بارہ سال۔ لیزیاس اس کے نائب السلطنت تھا۔ اس نوعمر بادشاہ کے پردے میں فی الحقیقت وہ خود حکم ران تھا۔ وہ نہایت بد دیانت اور نااہل شخص تھا جس کی وجہ سے ملک میں افراتفری مچ گئی۔ اس اثنا میں سیلوکی کا بیٹا ڈیمٹر یوس جو روم میں بطور یرغمال رہتا تھا، خفیہ طور پر روم سے نکل کر فینیقا آیا اور تخت و تاج کا دعوئ کیا۔ یہاں فوج اور عوام نے اس کا خیر مقدم کیا اور ۱۶۲ ق م میں سیلوکی تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا۔

ڈیمٹر یوس کا بابل میں بھی پر جوش خیر مقدم ہوا اور حکومتِ روم نے اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا لیکن اس کا بھی ایک حریف پیدا ہو گیا۔ اسکندر نامی ایک شخص نے انتیا گوس چہارم کا بیٹا ہونے کا جھوٹا دعوئ کیا۔ مصریوں نے اس کی حمایت کی۔ رومیوں نے بھی ڈیمٹر یوس کا ساتھ چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا۔ وہ ڈیمٹر یوس کے مقابلے میں آیا۔ پہلی مرتبہ ڈیمٹر یوس کو فتح ہوئی لیکن دوسرے حملے میں وہ پسپا ہو گیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔ سیلوکی خاندان کا یہ آخری فرد تھا جس کی

---

(۱) پولی بیوس' ایران باستان' ص ۲۲۲۱

موت کے بعد سلیوکیوں کا ستارہ زوال میں آ گیا۔

میڈیا کی خود مختاری

اشکِ ششم کے زمانے میں میڈیا کا سیلوکی حکم ران ٹی مارچس تھا۔ وہ اس ارادے سے روم گیا تاکہ یونانی حکومت اسے خود مختار بادشاہ تسلیم کر لے۔ یہاں اس نے ایرانی خزانوں کا روپیا بے دریغ خرچ کیا اور یونانی حکومت نے اسے بادشاہ میڈیا تسلیم کر لیا۔ بادشاہت کا فرمان حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنی مملکت وسیع کرنی چاہی اور شام پر چڑھائی کر دی لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔

حالات بلخ

صفحاتِ گذشتہ میں یہ ذکر آ چکا ہے کہ بلخ کے حکم ران یوتی ڈیموس اور اس کے بیٹے ڈیمیٹر یوس نے اپنی مملکت سغد سے لے کر رخج تک اور ہری رود سے دریائے سندھ کے دہانے اور پنجاب تک وسیع کر لی تھی لیکن یہ وسعت زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی کیوں کہ ڈیمیٹر یوس کے زمانے میں اس کا ایک حریف یوکر یٹیڈس (Eucratidas) پیدا ہوا اور بلخ کے شمالی علاقے میں اپنی حکومت قائم کر لی، جس کی وجہ سے بلخ کی حکومت دو حصوں میں بٹ کر کمزور ہو گئی۔ یوکر یٹیڈس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ رخج اور زرنگ (سیستان) اور پنجاب کو اپنے تسلط میں لانے کے لیے تیاری کرنے لگا۔ پنجاب اب ڈیمیٹر یوس کی سلطنت کا حصہ تھا۔ چناں چہ دونوں یونانی حکم ران ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئے جس میں ڈیمیٹر یوس کو شکست ہو گئی اور یہ علاقے اس کے حریف نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے، لیکن اس کا انجام بخیر نہ ہوا۔ جسٹن لکھتا ہے کہ جب فتح مند لشکر واپس آیا تو اس کے بیٹے نے جو باپ کی مہم میں شریک رہا تھا، اسے قتل کر دیا۔ اس قتل کو اس نے چھپایا نہیں بلکہ اپنے رتھ کے پہیوں کو اس کے خون سے رنگین کیا جیسے کہ اس نے کسی دشمن کو مارا ہو۔ اس وحشت ناک فعل کے بعد یونانیوں اور بلخیوں میں لڑائیوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا، جس سے یونانی حکومت کمزور ہو گئی۔[1]

اشکِ ششم کی فتوحات

بلخ کے داخلی خلفشار نے اشک کی لیے موقع پیدا کر دیا کہ وہ مغرب و مشرق میں پیش

(۱) ایران باستان، ص ۲۲۲۳

قدمی کرے۔ پہلے اس نے مشرقی مہموں کی طرف توجہ دی تا کہ مغربی ممالک کی طرف رجوع کرنے سے پہلے مشرقی ممالک کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ چناں چہ اس نے پہلا حملہ بلخ پر کیا اور اسے فتح کر کے پارت کی سلطنت میں شامل کر لیا۔

میڈیا کی تسخیر

بلخ پر تسلط قائم کرنے کے بعد اس نے میڈیا کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں بہت خوں ریز جنگ ہوئی۔ بالآخر اشکِ ششم فتح یاب ہوا اور میڈیا بھی سلطنت پارت کا جزو بن گیا۔ یہاں کی حکومت اس نے باکاسیس کے سپرد کی اور گرگان کی شورش فرو کرنے کی طرف رجوع کیا۔

گرگان کی شورش

اہلِ گرگان کو ہخامنشی عہد میں کچھ امتیازات حاصل تھے لیکن اشکانی حکومت میں ان سے یہ امتیازات چھن گئے جس کی وجہ سے وہ ناراض تھے۔ چناں چہ انھوں نے اپنی خودمختاری کے لیے علم آزادی بلند کیا لیکن اشکِ ششم نے انھیں مہلت نہ دی اور فوراً گرگان پہنچا اور ان کی سرکوبی کر کے شورش کو فرو کر دیا۔

تسخیر خوزستان

میڈیا کو فتح کرنے اور گرگان کی شورش فرو کرنے کے بعد اشک ششم نے ایلام (خوزستان) کا رُخ کیا جو میڈیا کا ہمسایہ ملک تھا۔ یہ وہی ملک ہے جسے داریوشِ اعظم نے بیستون، نقشِ رستم اور تختِ جمشید کے کتبوں میں خووج کا نام دیا ہے۔ اُس میں سیلوکیوں کی حکومت تھی۔ اشکِ ششم نے خوزستان پر حملہ کر کے اُسے بھی فتح کیا اور مملکت پارت کا جزو بنا لیا۔ یہاں اس نے اشکانی خاندان کے ایک فرد کامناسکیر کو حکمران مقرر کیا۔

پارس و بابل کی تسخیر

خوزستان کی فتح کے بعد اس نے پارس پر چڑھائی کی اور اسے بھی مسخر کیا، پھر بابل کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر کے دونوں کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔ اب اشکانی حکومت پارت، بلخ، میڈیا، خوزستان، پارس، بابل، سیستان اور شمالی افغانستان تک پھیل گئی۔ یہ فتوحات اشک ششم نے ۱۶۴ سے ۱۴۰ ق م تک حاصل کیں۔

فتوحات کے بعد اشکِ ششم پارت واپس چلا گیا اور بیس سال تک اپنی حکومت کو مستحکم

کرنے میں مشغول رہا۔(۱)

سیلو کی حکومت سے جنگ

سیلو کی حکومت داخلی خانہ جنگیوں کی وجہ سے کمزور اور مجبور تھی۔ مشرقی مقبوضات ایک ایک کر کے ہاتھ سے جاتے رہے لیکن وہ کچھ نہ کر سکی۔ اب پارت کی ابھرتی ہوئی حکومت سے اسے سخت تشویش ہوئی اور ہر قیمت پر اس نے اشکِ ششم کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے چاہے۔

ڈیمیٹر یوس اس وقت اپنے حریف تری فون سے برسرِ پیکار تھا لیکن اس کے باوجود اس نے پارت کے خطرے کو زیادہ اہمیت دی اور داخلی دشمنی کو خیر باد کہہ کر اشک ششم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ لشکر جو اس نے تیار کیا اس میں بقول جسٹن بلخی پارسی اور خوزستانی بھی شامل تھے۔ اسے یقین تھا کہ بلخ اور اس کے علاوہ جہاں جہاں کے یونانی، اشکانیوں کے تسلط میں آگئے ہیں اس کا ساتھ دیں گے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اس نے جب مشرقی علاقے میں قدم رکھا تو یونانی جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہوے۔ اس صورت حال سے اشکِ ششم نے یہ اندازہ کیا کہ اس متحدہ طاقت کا مقابلہ اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے اس نے ڈیمیٹر یوس کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی چال چلی۔ ڈیمیٹر یوس اس کے فریب میں آ گیا اور ہراول دستوں سے نکل کر اشک ششم کی ملاقات کے لیے تنہا آگے بڑھا۔ جوں ہی قریب آیا اشکِ ششم نے اسے اسیر کر لیا اور حالتِ اسیری میں اسے شہر بہ شہر پھرایا۔ ڈیمیٹر یوس کی ابلہ فریبی کا حال سن کر اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ یونانیوں کی پسپائی کے بعد اشکِ ششم نے اپنے حریف کے ساتھ مروت کا سلوک کیا اور اسے گرگان کے محل شاہی میں جگہ دی۔ جہاں سے اشکِ ششم کے جانشین کے عہد میں اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن اسے پھر گرفتار کر لیا گیا۔

اشکِ ششم اب سوریہ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا تھا لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور وہ کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۱۳۶ ق م میں فوت ہو گیا۔

اشکِ ششم کے اڑتیس سالہ دورِ حکومت میں پارتی حکومت کو بہت وسعت ہوئی۔ گرگان، بلخ، مرو، خوارزم، ہرات، زرنگ (سیستان)، رخج (قندھار) پنجاب، ماردین قبائل کا علاقہ، رے، میڈیا، خوزستان، پارس اور بابل اس کے حلقۂ اقتدار میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ تمام شاہراہوں پر جو دریاے جیحوں اور بحیرۂ خزر سے بابل کو جاتی ہیں، اس کا قبضہ ہو گیا۔

(۱) ایران باستان، ص ۲۲۳

اشکِ ہفتم (فرہاد دوم)

(۱۳۶ تا ۱۲۷ ق م)

مہرداد اول کی وفات پر اس کا بیٹا فرہاد دوم، اشکِ ہفتم کے لقب سے ۱۳۸ ق م میں تخت نشین ہوا- مہرداد اول کا منصوبہ شام کو فتح کرنے کا تھا لیکن زندگی نے اس کو مہلت نہ دی- یہ بیڑا اب اس کے بیٹے فرہاد دوم نے اٹھایا-

ڈیمیٹر یوس اب بھی اشکانی حکومت کا اسیر تھا- فرہاد دوم نے اس کے آرام و آسائش کے لیے شاہانہ انتظامات کیے تھے لیکن ڈیمیٹر یوس اسیری میں مطمئن نہ رہ سکتا تھا- ایک دن موقع پر کا گرگان سے نکل بھاگا لیکن اس کا تعاقب ہوا اور وہ پھر گرفتار ہو گیا اور اسے پھر گرگان بھیج دیا گیا-

فرہاد دوم کی سیلوکیوں سے جنگ

انتیاگوس پنجم کے بعد انتیاگوس سیڈیٹس ششم کے لقب سے ۱۳۸ ق م میں سیلو کی تخت و تاج سنبھالا- اس نے فلسطین کے یہودیوں کے خلاف سخت گیرانہ پالیسی ترک کر دی اور ان کی پوری پوری دل جوئی کی جس سے وہ پھر سیلو کی حکومت کے اطاعت شعار بن گئے-

۱۳۰ ق م میں انتیاگوس سیڈیٹس ششم نے اپنے حریف فرہاد دوم سے جنگ کرنے کے لیے لشکر جرار فراہم کیا اور بین النہرین کی طرف بڑھا- یہاں اس کا بھی ڈیمیٹر یوس کی طرح پرتپاک خیرِ مقدم ہوا اور یونانی جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے- اس نے فرہادِ دوم کے خلاف پے بہ پے تین لڑائیاں لڑیں جن میں انتیاگوس کو فتح ہوئی اور وہ میڈیا اور بابل کو آزاد کرانے میں کام یاب ہو گیا- اس وجہ سے بعض علاقوں نے اشکانی حکومت سے روگردانی کی اور پارت کی حکومت کا حلقہ سمٹ کر پھر محدود ہو گیا- اب پھر ایسے آثار پیدا ہو رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا انتیاگوس ششم اپنے آباء کی تاریخ کو دہرائے گا، لیکن اس کے لشکر میں کچھ بد دلی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کی پیش قدمی رک گئی- اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر فرہاد دوم نے مصالحت کی پیش کش کی، لیکن انتیاگوس نے بہت سخت شرائط پیش کیں- پہلی شرط یہ تھی کہ حکومت پارت صرف پارت تک محدود رہے گی- دوسرے علاقوں سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو گا- دوسری یہ کہ تاوان جنگ ادا کرنے کی بجائے اس کے بھائی ڈیمیٹر یوس کو اس کے حوال کیا جائے-

فرہاد دوم نے اس وقت یہ چال چلی کہ ڈیمیر یوس کو آزاد کر دیا اور اپنی فوج دے کر بھیجا

کہ شام پر قبضہ کر لے اور اس طرح انتیا گوس کا ایک حریف پیدا ہو جائے لیکن جب یہ فوج میڈیا پہنچی تو اہلِ میڈیا نے انتیا گوس کے اشارے سے اس پر حملہ کر دیا۔ فرہاد کمک لے کر ہمدان آیا جہاں انتیا گوس ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ ہمدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ انتیا گوس کی فوج بد دلی سے لڑی اور فرہاد فتح یاب ہو گیا۔ انتیا گوس لڑتا لڑتا زخمی ہوا۔ آخر اسیری کی ذلت سے بچنے کے لیے ایک چٹان سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔

فرہاد نے انتیا گوس کی لاش چاندی کے صندوق میں بند کر کے شاہانہ اعزاز کے ساتھ شام بھیج دی۔ بعض[1] مؤرخین فرہاد کی اس رواداری کو اس کی جواں مردی پر محمول کرتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اس کا ارادہ شام کو مسخر کرنے کا تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ وہاں کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائے۔ انتیا گوس کی موت سے سیلوکی حکومت کو زوال شروع ہو گیا۔

ڈیمیٹر یوس کی وفات

ڈیمیٹر یوس لشکر لیے ہوئے شام پہنچ گیا اور تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا لیکن اس کی حکومت چند ہی دن کی مہمان تھی۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہ تھا کہ انطاکیہ اور بعض دوسرے شہروں میں شورشوں نے سر اٹھایا، جنھیں فرو کرنے کے لیے وہ صور پہنچا لیکن شورش پسندوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی موت سے گویا سیلوکی تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی گئی۔

سکائی قبائل کا پارت پر حملہ

جس زمانے میں فرہاد انتیا گوس سے جنگ کر رہا تھا اس وقت اس نے سکائی قبائل کو کمک کے لیے بلایا تھا۔ سکائی پہنچ تو گئے لیکن دیر میں۔ اس وقت جنگ ختم ہو چکی تھی۔ سکائیوں نے معاوضہ طلب کیا۔ فرہاد نے جواب دیا کہ سکائی جنگ میں حصہ نہیں لے سکے اس لیے وہ کسی معاوضے کے حق دار نہیں۔ سکائی اس جواب سے برہم ہوئے اور پارت میں لوٹ مار شروع کر دی۔ فرہاد خود سکائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پارت آیا۔ اس وقت فرہاد کے ساتھ ان یونانیوں کا لشکر تھا جو انتیا گوس کی موت کے بعد اسیر کر لیے گئے تھے۔ اسے یہ خیال نہیں تھا کہ جو لوگ اس کے ہاتھوں اسیر ہوئے تھے وہ اب کیوں اس کا ساتھ دیں گے۔ چناں چہ جب یونانیوں نے دیکھا کہ اشکانی سکائیوں کے دباؤ میں آئے ہوئے ہیں تو وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر سکائیوں سے جا ملے

(۱) جشنِ ایرانِ باستان، ص ۲۲۴۱

جس سے نہ صرف اشکانیوں کو شکست ہوئی بلکہ فرہاد بھی جنگ میں مارا گیا۔

اشکِ ہشتم (اردوانِ دوم)

(۱۲۷ تا ۱۲۴ ق م)

فرہادِ دوم کی وفات پر اس کا چچا اردوانِ دوم، اشکِ ہشتم کے لقب سے ۱۲۷ ق م میں تخت نشیں ہوا جو فریاپت کا بیٹا تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ فرہادِ دوم کا کوئی بیٹا تھا یا نہیں یا اگر تھا تو ممکن ہے چھوٹی عمر کا ہو۔ بہر حال بقول جسٹن 'مہستان' یعنی مجلس امرا نے اردوان دوم کو تخت نشیں کیا۔

سکائیوں کی لوٹ مار کے بعد اب اشکانی حکومت کو دوگونہ مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک تو خدشہ تھا کہ کہیں یونانی، سکائیوں کے ساتھ مل کر پارت میں اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہ کریں اور اگر کریں تو ان کا سدباب کرنے کے لیے بابل سے کمک آنے کی کوئی توقع نہ تھی کیوں کہ بابل اگرچہ اشکانی حکومت ہی کے تحت تھا لیکن وہاں کا حکم ران ہرمیاس بہت جفا جو اور بددیانت شخص تھا۔ اس نے اپنے طرزِ عمل سے اہلِ بابل کو اشکانیوں کا دشمن بنا دیا تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ ایران کی شمال مشرقی طرف سے ایک اور خطرہ رونما ہوا تھا۔ یہ خطرہ یوئیچی قبائل کا تھا جو وسط ایشیا یا چین کی حدود سے نکل کر سیل بے پایاں کی مانند جنوب اور مغرب کی طرف بڑھے چلے آتے تھے۔ ان کی حرکت اور پیش قدمی کی وجہ سے دنیا میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ جہاں جہاں سے گزرے مقامی قبائل کو ان کے لیے جگہیں خالی کرنی پڑیں۔ کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا صفایا ہوا اور نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان کی مہموں کا تعلق تاریخ کے مختلف ادوار اور بعض دوسرے ممالک سے ہے، اس لیے یہاں صرف اسی واقعے کا ذکر کرنا ہوگا جس کا سامنا اشکِ ہشتم کو کرنا پڑا۔

اشکِ ہشتم (اردوانِ دوم) نے طخاری قبائل پر جو سکائیوں ہی کی ایک شاخ تھے، چڑھائی کی جن سے اشکانی حکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس مہم میں لڑتے لڑتے اردوان دوم کے بازو پر زخم آ گیا، جو بالآخر اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا اور لشکر ہمت ہار کر لوٹ آیا۔ قبائلیوں سے جنگ کرنے میں یہ دوسرا اشکانی بادشاہ ہلاک ہوا تھا اس حکومت کا مستقبل چنداں روشن نہ تھا لیکن اردوانِ دوم کی وفات پر ایک ایسا شخص تخت نشیں ہوا، جس کا شمار ایران کے نامور بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اشکانی حکومت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔

(اشکِ نہم (مہر داد دوم))

(۱۲۴ تا ۸۸ ق م)

اردوانِ دوم کی وفات پر مہر دادِ دوم اشکِ نہم کے لقب سے ۱۲۴ ق م میں تخت نشیں ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے بزرگوں میں سے دو بادشاہ شمالی قبائیلیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اس لیے اس نے سب سے پہلے سکائیوں کی طرف پیش قدمی کی اور انھیں مغلوب کر کے زیرِ نگیں کیا۔ اس طرح مہر داد دوم نے اشکانی خاندان کی پیشانی پر جو کلنک کا ٹیکا لگا ہوا تھا وہ اس فتح سے دھو ڈالا۔ اس کے بعد سکائیوں کو ایرانی حدود میں داخل ہونے کا حوصلہ نہ ہوا اور اپنی یلغاروں کے لیے کمزور علاقوں پر نظر ڈالی اور اس علاقے میں جا گھسے جو اب افغانستان کہلاتا ہے۔

سکائیوں سے فارغ ہو کر مہر داد دوم نے مشرقی جانب پیش قدمی کی اور ہمالیہ تک کا علاقہ اشکانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس علاقے میں اشکانی شہزادے یکے بعد دیگرے حکمران ہوے۔ ان کے عہد کے سکے دست یاب ہو چکے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ علاقہ کبھی اشکانیوں کے زیرِ تسلط رہا تھا۔[1]

مشرقی مہم کے بعد مہر داد دوم نے آرمینیا کا رُخ کیا۔ پیش تر اس کے کہ اس مہم کا ذکر کیا جاے، آرمینیا کا تاریخی پس منظر مختصر طور پر بتا دینا مناسب ہوگا۔

آرمینیا

ایرانی مؤرخ حسن پیرینا لکھتے ہیں کہ آرمینیا قدیمی روایات اور داستانوں کی رو سے کبھی دنیا کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ یہاں چار بڑے دریا، دجلہ، فرات، ارس اور کور بہتے تھے۔ طوفانِ نوح کے بعد یہ ملک بنی نوع انسان کا گہوارۂ دوم سمجھا جاتا تھا۔ اہلِ آرمینیا نے اپنے مورثِ اعلا کا نام 'ہائیکا' بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ اُس شخص کا بیٹا تھا، جس کا نام توریت میں 'تجرمہ' آیا ہے۔ ہائیکا کی نسبت سے وہ اپنے آپ کو ہائیک اور آرمینیا کو ہائیستان کہتے تھے۔

ہائیکا کے خاندان سے ایک شخص آرام نامی تھا جس نے آرمینیا کی حدود کو وسیع کیا۔ اہلِ آرمینیا یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آرام کا بیٹا 'آرای' ملکہ آشور 'سمیرا میس' کے خلاف جنگ کرتا ہوا مارا گیا تو آشوریوں نے آرمینیا کو اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا پھر وہ وقت بھی آیا جب بابل کے

---

(۱) سائیکس، اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۳۳۵

حکم رانوں نے اسے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔(۱)

قدیم تاریخوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اس وقت آرمینیا کے بادشاہ ہائیک دوم نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس مہم میں جو یہودی اسیر کر کے آرمینیا لائے گئے ان میں 'شامبات' نامی ایک یہودی کا بھی کنبہ تھا۔ شامبات کے بیٹے کا نام باگارات تھا۔ اہلِ آرمینیا لکھتے ہیں کہ اس کنبے کے افراد بہت دانش مند تھے اس لیے انھوں نے بڑے بڑے رتبے حاصل کیے' پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ یہی لوگ چھٹی صدی عیسوی میں آرمینیا اور گرجستان کے بادشاہ بنے۔

چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط میں ہائیک کے خاندان کا ایک فرد ٹیگرینس نامی تخت نشین ہوا تو اُس نے آرمینیا کو غیر ملکیوں کے تسلط سے آزاد کرایا لیکن ٹیگرینس کے بعد جلد ہی آرمینیا کو اپنی آزادی کھو کر پارس کی مملکت میں شامل ہونا پڑا۔

انتیاگوس دوم نے ایران اور اس کے گردونواح پر حملہ کیا تو آرمینیا سلوکیوں کی حکومت کے تسلط میں آیا۔ پھر جب اشکانی بادشاہ مہرداد اول نے اپنے علاقے ماد، خوزستان اور بابل سلوکیوں سے واپس لے لیے تو آرمینیا بھی اشکانیوں کی مدد حاصل کر کے آزاد ہو گیا، کیوں کہ وہاں کا حکم ران ایک اشکانی شہزادہ 'وال ارشک' تھا جو اشکانیوں ہی کا قرابت دار تھا۔ وال ارشک نے ۱۵۰ سے ۱۲۸ ق م تک حکومت کی۔ اس کا حلقۂ اقتدار کوہ قفقاز سے نصیبین تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا آرداشش یا آرتاواسدس تخت نشیں ہوا جو مہرداد دوم کا ہم عصر تھا۔

مہرداد دوم اور آرمینیا

مہرداد دوم کے زمانے میں آرداشش نے اشکانیوں کی بالادستی کو ختم کر کے خود مختار ہونا چاہا، اس لیے مہرداد دوم نے ۱۰۰ ق م میں آرمینیا پر حملہ کیا۔ آرداشش نے شکست کھائی۔ آخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ آرداشش کا بیٹا ٹیگرینس (Tigranes) اشکانی حکومت کے پاس بطور یرغمال رہے گا۔

آرداشش کی وفات پر ٹیگرینس کو آرمینیا کی حکومت ملی اور اس نے اپنی فراست سے ایک مستحکم حکومت قائم کی جو خلیج ایسوس سے بحیرۂ خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔

(۱) ایران باستان' ص ۲۲۶۷

پانٹس میں مہرداد ششم کی حکومت

اسی زمانے میں ایک شخص مہرداد ششم نامی، جس کا اشکانی حکم رانوں سے تعلق نہ تھا، افق سیاست پر نمودار ہوا- یہ شخص دعویٰ کرتا تھا کہ باپ کی طرف سے اس کا حسب نسب ہخا منشیوں سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے سیلوکیوں کے ساتھ- اسے پانٹس میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرنے میں کام یابی ہوگئی- پانٹس میں بحیرۂ اسود کے جنوبی ساحل کا علاقہ شامل تھا جو باطوم تک پھیلا ہوا تھا پھر اس نے رفتہ رفتہ بحیرۂ اسود کے مشرقی اور شمالی علاقے بھی فتح کر لیے اور اپنی سلطنت کو وسعت دے کر باسپورس کی وسیع تر سلطنت تشکیل کرنے میں کام یاب ہوگیا- یہاں سے اسے نہ صرف غلہ اور خراج حاصل ہوتا تھا، بلکہ فوجی مقاصد کے لیے نوجوان بھی ملتے تھے- اب ملک گیری کی ہوس میں اس نے آرمینیا کا رُخ کیا اور آرمینیا کو چک کو فتح کر لیا- آخر ٹیگرینس اور مہرداد ششم کے مابین صلح کا معاہدہ طے ہوگیا جس کی رو سے آرمینیا کو چک پر، جس کی سرحد پارت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، مہرداد ششم کا حق تسلیم کر لیا گیا- ٹیگرینس نے اپنی بیٹی قلوپطرہ کی شادی مہرداد کے ساتھ کر کے معاہدۂ دوستی کو اور بھی استوار کر لیا- اب مہرداد ششم ادھر روم کا حلیف تھا اور اُدھر آرمینیا کے ساتھ اس کے روابط مستحکم ہو گئے تھے، جو اشکانی حکومت کو گراں گزرے کیوں کہ آرمینیا اشکانی حکومت کے زیر اثر تھا-

مہرداد ششم نے اسی توسیع پر اکتفا نہ کی- اب اس نے پفلیگونیا کو فتح کیا اور کاپادوکیا کو اپنے تسلط میں لانا چاہا- مہرداد ششم کی بڑھتی ہوئی طاقت پر پہلے تو حکومتِ روم کے لیے تشویش پیدا ہوگئی اور یونانی سینٹ نے اپنے فوجی سالار لوسیس سلا کو کاپادوکیا بھیجا کہ مہرداد کی پیش قدمی کو روکے اور پفلیگونیا کی حکومت اس کے سابقہ حکم ران کو دلا دے-

اس صورت حال میں اشکانی حکم ران مہرداد دوم اور حکومتِ روم دونوں کا مفاد مشترک تھا- مہرداد دوم ٹیگرینس اور مہرداد ششم کے گٹھ جوڑ سے یہ سخت برافروختہ تھا کیوں کہ ٹیگرینس اشکانی حکم ران ہی کی مدد سے آرمینیا کا حکم ران بنا تھا اور اس کے عوض اپنا کچھ علاقہ مہرداد دوم کو دینے کا معاہدہ کیا تھا، لیکن بعد میں وہ اس معاہدے سے منحرف ہوگیا اور اب ایک اشکانی علاقے پر جو اربیل اور نینوا کے قریب واقع تھا، تاخت وتاراج بھی کی-

مہرداد ششم کو حکومت یونان کے نمایندے کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی- اس لیے کاپادوکیا سے دست بردار ہوگیا- سلا یہاں سے اور آگے بڑھ کر دریائے فرات تک آ گیا- یہ

پہلا موقع تھا کہ لشکرِ روم کے قدم دریاے فرات تک پہنچے اور فرات کا کنارا رومی سلطنت کی آخری سرحد قرار پایا۔

پارتیوں اور یونانیوں کا ارتباط

ان حالات کے پیش نظر مہرداد دوم نے جب دیکھا کہ یونانی سینٹ نے لوسیس کو کاپادوکیا بھیجا ہے تو اس نے آرباز وس کو اپنا سفیر بنا کر سلا کے پاس بھیجا تا کہ پارت اور روم کے مابین دفاعی معاہدہ ہو جائے۔ سلا، آرباروس کے ساتھ ایسا کوئی معاہدہ نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اسے یونانی سینٹ کی طرف سے اس امر کا کوئی اختیار حاصل نہیں لیکن اس کے باوجود دونوں حکومتوں کے مابین جو تعلقات تھے وہ برقرار رہے اور پہلی مرتبہ دو بڑی طاقتوں کو ارتباط پیدا کرنے کا خیال آیا۔

ادھر آرباز وس جب سفارت سے ناکام لوٹا تو اس خیال سے کہ اس نے اشکانی حکومت کا نقطۂ نظر ٹھیک طور پر پیش نہیں کیا تھا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

سلا نے یہ علاقے فتح تو کر لیے تھے لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا کیوں کہ جوں ہی وہ ان علاقوں میں یونانی حکم ران مقرر کر کے لوٹا مہردادِ ششم نے اسے نکال باہر کیا اور ان علاقوں پر پھر خود مسلط ہو گیا۔ یونانی سینٹ نے پھر ۹۰ ق م میں ایک رومی افسر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور مہرداد ششم نے پھر اس کی خواہش پر سر تسلیم خم کر دیا۔

اشکانیوں سے چینیوں کا ارتباط (۱۲۰ تا ۸۸ ق م)

ادھر پہلی مرتبہ اشکانی حکم ران مہردادِ دوم کو جمہوریۂ یونان سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کا خیال آیا ادھر حکومت چین نے اولین بار اپنا سفیر ایران بھیجا۔

چینی علما اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۴۰ ق م تک چین کو مغربی ممالک کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ تھیں۔ خاندان ہن کو چین میں اقتدار حاصل ہوا تو انھوں نے کئی مرتبہ اپنے سفیر پارت بھیجے۔ چینی سفیروں نے پارت کے متعلق جو تاثرات پیش کیے ہیں، حسب ذیل ہیں:

''یہاں چاول، گندم اور انگوروں کی بیلوں کی کاشت ہوتی ہے۔ شہروں کے اردگرد فصیلیں بنائی گئی ہیں۔ یہ ایک عظیم ملک ہے۔ یہاں چاندی کے سکے رائج ہیں جن پر حکم رانوں کی شبیہیں ہوتی ہیں۔ اہلِ پارت چمڑے کے دونوں طرف لکھ کر تاریخی واقعات منضبط کر لیتے ہیں۔''(۱)

اشکِ دہم (سنتروک)

(۸۶ تا ۶۷ ق م)

مہرداد دوم کی وفات کے بعد ۸۸ تا ۶۷ ق م کی ایرانی تاریخ پر دھند لکا چھایا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہرداد کی وفات سے اُرداول کی تخت نشینی تک تین بادشاہوں نے حکومت سنبھالی۔ان کے نام یہ ہیں: (۱) سنتروک (۲) فرہاد سوم (۳) مہرداد سوم۔

مہرداد دوم کی وفات پر پارت کی مملکت کچھ عرصہ بادشاہ کے بغیر رہی۔ آخر سنتروک نامی سردار جسے بعض مؤرخین فرہادِ دوم کا بھائی لکھتے ہیں اور بعض اشکِ ششم کا بھائی ظاہر کرتے ہیں، تخت نشیں ہوا۔ (۲)

سنتروک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اشکانی شہزادہ تھا۔ جس زمانے میں اشکانی حکمران کو سکائیوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی، سنتروک سکائیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا تھا اور طویل عرصے تک اسے رہائی حاصل نہ ہو سکی۔ آخر سکائیوں نے ہی اشکانی تخت و تاج حاصل کرنے میں اس کی مدد کی اور اپنا لشکر دے کر اسے پارت بھیجا جہاں اسی (۸۰) سال کی عمر میں وہ اشکانی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سنتروک نے جب پارت کی حکومت سنبھالی اس وقت پارت کے گرد و پیش کے حالات حسب ذیل تھے:

مہرداد دوم نے اربازوس کو یونانی سپہ سالار کے پاس بھیج کر دفاعی معاہدہ کرنا چاہا تھا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل تھی کہ اشکانی حکومت اپنے آپ کو آرمینیا کے بادشاہ ٹیگرینس کے مقابلے میں کمزور پاتی تھی۔

ٹیگرینس کا خسر مہرداد ششم تھا جو پانٹس کا بادشاہ تھا۔ یہ ہر حالت میں اس کی حمایت کرنا چاہتا تھا۔ ٹیگرینس خود بھی جنگ جو اور بہادر شخص تھا۔ اس نے آرمینیا کے آس پاس کے علاقے فتح کر کے آرمینیا میں شامل کیے پھر آرمینیائے کوچک کے بادشاہ آرتانس کو شکست دے کر اسے بھی جزو مملکت بنایا۔ اس کے بعد کردستان اور آشور تک اپنی سلطنت کی توسیع کی، پھر آذربائیجان کو مسخر کیا۔ ٹیگرینس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ یونانیوں کے داخلی تنازعوں سے فائدہ

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ص ۳۳۹

(۲) ایران باستان' ص ۲۲۷۶ و ۲۲۷۷

اٹھا کر کیلیکیا، سوریہ اور فینیقیا کو بھی مسخر کر لیا- یہ فتوحات اسے ۸۵ تا ۷۴ ق م میں حاصل ہوئیں- ٹیگرینس کی فتوحات کی وجہ سے آرمینیا، جو پہلے ایک چھوٹی سی ریاست تھا، اب وسیع سلطنت بن گیا اور ٹیگرینس نے شہنشاہ کا لقب اختیار کر لیا- چناں چہ اس کے سکوں پر یہی لقب کندہ ہوتا تھا-

۸۸ تا ۶۹ ق م پارت کی حکومت کو کوئی اہمیت حاصل نہ رہی- اس عرصے میں حکومت روم کی لڑائیاں پانٹس اور آرمینیا کے خلاف ہوتی رہیں- سنتروک سے پہلے اگرچہ اشکانی حکمران بادشاہ پانٹس (مہرداد ششم) کا حلیف تھا لیکن سنتروک نے غیر جانب دار رہنا مناسب سمجھا- وہ سوچتا تھا کہ اگر مہردادِ ششم کو رومیوں کے مقابلے میں فتح ہو جاتی ہے تو وہ ٹیگرینس کو پارت پر حملہ کرنے میں ضرور مدد دے گا- رومیوں کا ساتھ وہ اس لیے نہ دینا چاہتا تھا کہ ایشیا کے حکمران سرزمین مشرق میں رومیوں کے داخلے پر سخت فکر مند تھے- اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر رومیوں کو فتح ہو گئی تو وہ بھی ضرور پارت کا رُخ کریں گے- سنتروک نے دونوں حریفوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا لیکن حقیقت میں وہ حالات کا رُخ دیکھ رہا تھا- لوکولوس کو، جو رومی لشکر کا سپہ سالار تھا، سنتروک کا یہ کردار پسند نہ آیا اس لیے اس نے یہ ارادہ کیا کہ مہردادِ ششم اور ٹیگرینس سے جنگ کو ملتوی کر کے پارت پر چڑھائی کرے- چناں چہ اس نے اشکانی علاقے لس بن پر حملہ کیا اور اسے محاصرے میں لے لیا- محاصرے نے بہت طول پڑا- لوکولوس نے مایوس ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور واپسی اختیار کی-

اس اثنا میں بوڑھا سنتروک راہیِ ملک بقا ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا فرہاد سوم تخت نشین ہوا-

مہردادِ ششم اور رومیوں کی جنگ

رومیوں کی جنگوں کی تفصیل بیان کرنا کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا لیکن اس کا اثر ایران کی ہم عصر حکومت پر بھی پڑتا ہے اس لیے ضمناً ذکر کیا جاتا ہے:

مہرداد ششم جو کئی بار رمیوں کے سامنے سر اطاعت خم کر چکا تھا' اب اس قدر قوی ہو چکا تھا کہ اس نے رومیوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے چاہے- رومیوں کے ساتھ اس کی جنگوں کا آغاز ۸۹ ق م میں ہوا اور یہ سلسلہ ۶۶ ق م تک جاری رہا- مہرداد ششم نے رومیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پرگام پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا- یہاں جو اطالوی باشندے مقیم تھے' ان کا قتل عام کرایا- مقتولین کی تعداد اسی ہزار بتائی جاتی ہے- اس کے بحری بیڑے نے ڈیلاس اور پیرس کو

فتح کیا-اس جنگ میں ایتھنز نے مہرداد کا ساتھ دیا-بعض اور یونانی ریاستوں نے بھی ایتھنز کی تقلید کی-سلاتیس ہزار کا لشکر جرار لے کر ایتھنز پر ٹوٹ پڑا اور اسے فتح کر لیا-سلا کے پاس صرف پندرہ ہزار فوج باقی تھی-اس کا مقابلہ اب مہرداد سے کرونیا کے مقام پر ہوا جس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے-اس جنگ میں رومیوں نے انتہائی نظم وضبط کا مظاہرہ کیا اور مہرداد کو تباہ کن شکست کا سامنا کرنا پڑا-آخران شرائط پر مصالحت ہوگئی کہ مہرداد تاوان جنگ ادا کرے اور ستر جنگی کشتیاں یونانیوں کے حوالے کر دے-اس طرح مہرداد کی رومیوں سے پہلی جنگ کا خاتمہ ہوگیا-

مہرداد کی رومیوں سے دوسری جنگ چنداں اہم نہ تھی-تیسری جنگ نے البتہ طول پکڑا-

اشکِ یازدہم (فرہادسوم)

(۶۷ تا ۶۰ ق م)

سنتروک ۶۷ ق م میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا فرہادسوم، اشکِ یازدہم کے لقب سے تخت نشیں ہوا-

یونانی جرنیل پمپے ایشیائے کوچک میں داخل ہوا تو اس نے فرہادِسوم سے گفت وشنید کی اور یہ پیش کش کی کہ اگر وہ آرمینیا کے خلاف رومیوں سے اتحاد کرے تو کارڈوئین اور آذربائیجان جو ٹیگرینس نے اپنی مملکت کا جزو بنا لیے تھے، فرہادِسوم کو مل جائیں گے-فرہاد نے اس پیش کش کو قبول کر لیا-اس زمانے میں ٹیگرینس کا بڑا بیٹا اشکانی دربار میں بطور یرغمال رہ رہا تھا اس لیے آرمینیا پر حملہ کرنے کے لیے اس نے راستہ ہموار پایا-اس نے ٹیگرینس کے بیٹے کو ساتھ لے کر آرمینیا پر چڑھائی کی-ٹیگرینس آرمینیا کے دارالحکومت ارتاکساتا سے نکل بھاگا اور پہاڑوں کی راہ لی-فرہادسوم نے یہ خیال کر کے کہ مہم تقریباً سر ہو چکی ہے، ارتاکساتا کے محاصرے کا کام ٹیگرینس کے شہزادے کے سپرد کیا اور خود لوٹ گیا-فرہاد کا وہاں سے کوچ کرنا تھا کہ ٹیگرینس پھر لوٹ آیا اور حملہ آوروں کو نکال باہر کیا-اس موقع پر پمپے آگے بڑھا اور ٹیگرینس سے اپنی شرطیں منوا کر اسے اپنا دست نگر بنا لیا-فرہاد آذربائیجان کا علاقہ اشکانی سلطنت میں شامل کر چکا تھا-اب اس نے کارڈوئین کو اپنے تصرف میں لینے کے لیے پیش قدمی کی لیکن پمپے کے قائم مقام نے اسے گھسنے نہ دیا بلکہ یہ متنازعہ فیہ علاقہ ٹیگرینس ہی کو واپس دے دیا گیا-رومیوں نے فرہادِسوم سے یہ صریحاً وعدہ شکنی کی تھی-ادھر پمپے نے فرہادسوم کو شہنشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ

سے ایرانیوں کے دلوں میں رومیوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی- پمپے اب پارت پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا لیکن رومی سینٹ نے پمپے کو حملۂ پارت کی اجازت نہ دی- پمپے کو بھی یہ خیال تھا کہ پارت پر حملہ کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے ناکامی ہو اور اس کی فتوحات پر پانی پھر جائے، اس لیے بھی اس نے پارت پر حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا- اس لیے اس نے آرمینیا اور پارت کا جھگڑا طے کرنے کے لیے ثالث مقرر کر دیے اور خود واپس چلا گیا-

مہرداد ششم کی خودکشی

مہردادِ ششم پمپے سے شکست کھانے کے بعد کثیر لشکر فراہم کرنے میں مصروف تھا- اس کا ارادہ اٹلی پر حملہ کرنے کا تھا- لیکن اس کا بیٹا فارنیسس اس مجنونانہ مہم کے خلاف تھا، چناں چہ اس نے علمِ بغاوت بلند کیا اور لشکر نے اس کا ساتھ دیا- بوڑھا مہرداد اراد ے کی شکست پر سخت بددل ہوا اور ۶۳ ق م میں اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو زہر دے کر ہلاک کر دیا' پھر خود بھی زہر کا پیالہ پی کر راہی ملکِ عدم ہوا اور اس طرح رومیوں کے طاقت ور حریف کا خطرہ ٹل گیا- رومیوں نے اس کی موت کی خوشی میں بہت بڑا جشن منایا-

اشکانی بادشاہ فرہادِ سوم کی ہلاکت

فرہادِ سوم کو اس کے دو بیٹوں نے ۶۰ ق م میں زہر دے کر ہلاک کر دیا- مؤرخین نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی- یہ وہ پہلا اشکانی بادشاہ ہے جو خود اپنے بیٹوں کے ہاتھوں مارا گیا- اس وحشیانہ اقدام کے بعد اشکانی خاندان میں پدر کشی اور برادر کشی کا سلسلہ شروع ہو گیا-

اشک دوازدہم (مہرداد سوم)

(۶۰ تا ۵۵ ق م)

مہرداد سوم اپنے باپ کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے اشکانی تخت و تاج کا وارث بنا اور اشک دوازدہم کا لقب اختیار کیا-

حملۂ آرمینیا

مہردادِ سوم حکومت سنبھالتے ہی آرمینیا پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گیا- وہ چاہتا تھا کہ کردستان کا علاقہ، جو آرمینیا کے حکم ران نے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا،

واپس لے۔ اس نے حملہ کر کے کردستان کو مسخر کر لیا۔

مہر دادِ سوم کی تخت و تاج سے محرومی

دارالحکومت سے دور ہونے کی وجہ سے مہر داد کا بھائی آرد، امرائے سلطنت کو اپنا ہم نوا بنا کر خود تخت نشیں ہو گیا۔ مہر داد کو اس بد عہدی کی خبر ملی تو نہایت برق رفتاری سے لشکر لیے ہوئے پارت آ پہنچا۔ اُرد مقابلے کی تاب نہ لا کر پارت سے نکل بھاگا۔ مہر داد نے پھر پارت کی حکومت سنبھالی اور ان لوگوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا جو اُرد کی تخت نشینی کے منصوبے میں شامل تھے۔ اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنی ہیبت دلوں پر بٹھانے کے لیے اکثر لوگوں کو نشانۂ ستم بنایا، جس سے اعیانِ سلطنت اور عوام سخت برگشتہ خاطر ہوئے۔ آخر انھوں نے اسے تخت و تاج سے دست برداری پر مجبور کر دیا اور پارت کی حکومت اُرد کو سونپ دی گئی۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ مہر داد کو میڈیا اور کلدہ (عراق عرب) کی حکومت سونپ دی گئی۔ اس سے وہ مطمئن نہ ہوا۔ آخر اس نے علم بغاوت بلند کیا لیکن اُرد نے فوج کشی کر کے اسے شکست دی۔ مہر داد بھاگ کر شام پہنچا اور وہاں کے رومی حکمران گبینی نیوس کے ہاں ۵۵ ق م میں پناہ لی اور مدد کی درخواست کی۔ گبینی نیوس اس کو مدد دینے پر آمادہ ہو گیا، لیکن سوئے اتفاق کہ مصر کا حکمران بطلیموس سیزدہم بھی گبینی نیوس کے پاس آیا، جسے امرائے مصر نے تخت و تاج سے محروم کر دیا تھا۔ اس نے مدد حاصل کرنی چاہی اور اس مدد کے عوض پچیس لاکھ پونڈ کی رقم پیش کی۔ اس زرِ کثیر کی پیش کش ایسی نہ تھی کہ گبینی نیوس اسے قبول نہ کرتا۔ آخر مہر داد کو اس کے حال پر چھوڑ کر لشکرِ کثیر لے کر بطلیموس کے ساتھ چل پڑا۔ مہر داد کسم پرسی کے عالم میں بابل کے قریب عرب قبائل کی پناہ میں آ گیا۔ عربوں سے مدد حاصل کر کے اس نے بابل اور سلوکیہ کو فتح کر لیا اور بابل میں اقامت اختیار کر لی۔

اُرد کے سپہ سالار سورنا نے بابل پر چڑھائی کی۔ مہر داد نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور اسیر ہو کر مارا گیا۔

اشک سیزدہم (اُرد اول)

(۵۵ تا ۳۷ ق م)

مہر داد سوم کے بعد اس کا بھائی اُرد اول، اشکِ سیزدہم کے لقب سے ۵۵ ق م میں تخت نشیں ہوا۔

اُرد وہ پہلا ایرانی بادشاہ ہے جس کے عہد میں حکومت ایران، حکومت روم کے ساتھ

کھلم کھلا جنگ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس جنگ کی سرگزشت بحوالہ پلوتارک ذیل میں درج کی جاتی ہے:

روم کی داخلی حالت

اس زمانے میں سلطنت روما تین رومی سپہ سالاروں میں منقسم ہو کر رہ گئی تھی۔ پمپے کو، جس کا ذکر آچکا ہے، ہسپانیہ کی حکومت ملی تھی۔ پولیو سیزر نے گالوں (فرانسیسیوں) کی مملکت فتح کی تھی۔ چناں چہ وہاں کی حکومت اس کے سپرد تھی۔ سوریہ (شام) کی حکومت جس کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے، کریس نے اپنی دولت کے زور پر حاصل کی تھی۔ ظاہری طور پر تو ان تینوں سپہ سالاروں میں یگانگت تھی لیکن در پردہ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ روما کا واحد حکم ران بنے۔

پلوتارک کا بیان ہے کہ کریس کو رومی سینٹ نے پارت پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی تھی، لیکن اس کا ارادہ پارت کو فتح کرنے کا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایرانِ قدیم کے خزانے سمیٹے۔ چناں چہ وہ فخریہ انداز میں کہتا تھا کہ دنیا دیکھے گی کہ اوکلوس اور پمپے کی فتوحات میری فتوحات کے سامنے محض بازیچۂ اطفال ہوں گی۔ میں پارت، بلخ اور ہند پر لشکر کشی کروں گا اور بر و بحر پر میری حکم رانی ہو گی۔

کریس جب شام کی حکومت سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا تو بحری سفر کے لیے موسم موافق نہ تھا۔ چناں چہ رومی بیڑے کے کئی بحری جہاز طوفان کی نذر ہو گئے۔ بہر حال وہ مقدونیہ اور تھریس سے ہوتا ہوا ایشیاے کوچک پہنچ گیا۔ شام پہنچ کر اس نے دریاے فرات کا رُخ کیا اور ساحلی علاقوں کے ایرانی حاکم کو زینو دوتی کے مقام پر شکست دی۔ وہاں سے اسے کثیر مقدار میں مال غنیمت ہاتھ لگا۔

۵۳ ق م میں اس نے پارت پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ یہاں اُسے آرمینیا کا حکم ران ارتاواسد آملا اور سولہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ فوج بطور کمک دینے کا وعدہ کیا اور اسے یہ مشورہ دیا کہ آرمینیا کے راستے پارت کی طرف پیش قدمی کرے۔ یہاں کے پہاڑی راستے رومیوں کے لیے موزوں ہوں گے اور اہلِ پارت کے لیے ناموافق لیکن کریس نے بین النہرین کا راستہ اختیار کیا جس سے وہ مانوس تھا۔

اُرد اول کو یقین تھا کہ کریس پارت پر ضرور حملہ کرے گا لیکن وہ کریس کے کردار سے بہ خوبی واقف تھا کہ اس نے شام کی حکومت کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ محض روپے پیسے کے زور

سے حاصل کی تھی اور روپیا پیسا فراہم کرنا ہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

اُرداول نے یہ پیغام دے کر اپنا سفیر کریس کے پاس بھیجا کہ اگر وہ حملے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کا مقابلہ کرنے کو پوری طرح تیار ہیں اور اگر وہ اپنے اختلافات دور کرنا چاہتا ہے تو ہم اتنی مروت کرنے کو آمادہ ہیں کہ جو رومی اس مملکت میں اسیر ہیں، انھیں رہا کر دیا جائے گا۔

کریس نے اس کا جواب نہایت نخوت سے دیا اور کہلا بھیجا کہ ہمارا اور تمھارا مقابلہ سیلوکیہ میں ہو گا تو تمھیں ہمارے ارادوں کا خود ہی علم ہو جائے گا۔ یہ جواب سن کر پارت کے معمر سفیر نے بقول پلوتارک اپنا ہاتھ پھیلا کر آگے کیا اور کہا ''اگر اس ہتھیلی پر بال اُگ سکتے ہیں تو تم بھی سیلوکیہ پر قبضہ پا سکتے ہو ورنہ نہیں۔'' یہ کہہ کر سفیر واپس آ گیا۔

کریس کی حملۂ پارت کی تیاری

کریس نے بالآخر اپنی مہم کا آغاز کیا اور ۴۲ ہزار فوج لے کر، جس میں چار ہزار سوار بھی تھے، دریائے فرات کو عبور کیا۔ اس کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ فرات کے بائیں کنارے پر چلتا ہوا سیلوکیہ پہنچے لیکن راستے میں ایک عرب شیخ کا علاقہ پڑتا تھا، جو اشکانی حکومت کا حلیف تھا۔ اس نے اپنے آپ کو رومیوں کا ہمدرد ظاہر کر کے کہا کہ ایرانی لشکر مشرقی سمت بھاگا جا رہا ہے، مناسب یہ ہو گا کہ چھوٹے سے چھوٹا راستہ اختیار کر کے ان پر حملہ کیا جائے۔ کریس کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ شیخ کی ہدایت پر عمل کرنا مناسب نہیں اور اپنا راستہ کسی صورت میں نہیں چھوڑنا چاہیے لیکن کریس پر ان کے مشورے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد بھاگتی ہوئی ایرانی فوج پر حملہ کر کے ان کے مال و متاع کو لوٹ لے، اس لیے اس نے دریائے فرات کو عبور کر لیا۔

اُرداول اور آرمیںیا کے حکمران ارتاواسد کے مابین معاہدہ

اُرداول نے آرمیںیا پر لشکر کشی کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آرمیںیا کے حکمران ارتاواسد کو کریس کی حمایت سے باز رکھے۔ اس میں وہ کامیاب ہو گیا اور دونوں کے مابین صلح کا معاہدہ ہو گیا، نیز ارتاواسد نے اپنی بیٹی اُرد کے بیٹے سے منسوب کر دی جس سے معاہدہ اور بھی استوار ہو گیا۔ اس مصالحت کے بعد اُرداول نے سورنیا کو سوار فوج کا سپہ سالار بنا کر کریس کے مقابلے میں بھیجا۔

سورنیا

سورنیا اپنی شہرت، ثروت اور حسب نسب کے لحاظ سے دوسرے درجے کا امیر سمجھا جاتا تھا۔ قد و قامت اور شجاعت میں بھی اہلِ پارت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بادشاہ کی تاج پوشی کے موقع پر وہی اسے پٹی بندھواتا تھا۔ یہ منصب اسے ورثے میں ملا ہوا تھا۔ وہ جب سفر کرتا تو اس کا ذاتی ساز و سامان ایک ہزار اونٹوں پر لادا جاتا تھا۔ دو سو گھوڑا گاڑیاں اس کے حرم کے لیے مہیا کی جاتی تھیں۔ اس نے شہر سلوکیہ فتح کیا تھا اور اب وہ کریسس کو اپنے دام میں اسیر کرنے میں کام یاب ہوا۔

جنگِ حران (۵۳ ق م)

کریسس دریائے فرات کو عبور کر کے تین چار منزلیں آگے بڑھ کر دریائے بلیک کے کنارے آ پہنچا، جو کارہ (حران) سے تیس میل کے فاصلے پر تھا۔ دریا کو عبور کیا تو سامنے ایک لق و دق میدان نظر آیا، جہاں حد نظر تک ریت ہی ریت تھی۔ سبزہ اور درخت کہیں نام کو نہ تھے۔ رومی لشکر بھوک پیاس سے لاچار تھا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ انھیں فریب دیا گیا ہے۔ ادھر سے آرتاواسد شاہ آرمینیا نے کہلا بھیجا کہ اشکانی شہنشاہ کے حملے کی وجہ سے وہ رومیوں کو کسی قسم کی کمک نہیں بھیج سکتا۔

یہاں پارتی لشکر بھی موجود تھا کیوں کہ عرب شیخ نے اپنے حلیف اُرداول کو کریسس کے لشکر کے کوچ کی اطلاع پہنچا دی تھی۔

اتنے میں رومیوں کو اطلاع ملی کہ اشکانی فوجیں حرکت میں آ گئی ہیں اور حملہ کرنے والی ہیں کریسس کی فوج حملے کی اچانک خبر سے دہشت زدہ ہو گئی۔ بہرحال کریسس نے صفیں آراستہ کیں۔ ادھر اشکانیوں نے یہ تاثر دیا کہ وہ واپسی اختیار کرنے کے لیے حرکت میں آئے ہیں۔ چناں چہ وہ گروہ در گروہ مختلف سمتوں میں پیچھے کو ہٹے۔ اس طرح ہٹتے ہٹتے انھوں نے رومی لشکر کے اِردگرد گھیرا ڈال لیا اور دشمن پر تیر برسانے لگے۔ رومیوں نے مدافعت کی لیکن ان کی کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔

کریسس نے اپنے بیٹے پوبلیس کو، جو فرانسیسیوں کی فوج ساتھ لے کر اپنے باپ سے آ ملا تھا، حکم دیا کہ پیش تر اس کے کہ ساری فوج محصور ہو جائے، غنیم کا حملہ روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ پوبلیس تیرہ ہزار سواروں اور پیادہ فوج کے دستے لیے ہوئے آگے آیا۔ اشکانی پیچھے کو

ہٹے- پوبلیس سمجھا کہ دشمن جم کر لڑنا نہیں چاہتا اور پسپا ہونے میں عافیت سمجھتا ہے اس لیے ان کا تعاقب کیا- سورنیا کے سوار دفعتاً پیچھے کو مڑے اور پوبلیس کے فوجی دستوں پر ٹوٹ پڑے- فرانسیسی نوجوان بڑی بہادری سے لڑے لیکن یہ لڑائی برابر کی نہ تھی- اس میں پوبلیس کی ساری فوج تباہ ہوگئی- پوبلیس خود بھی لڑتا لڑتا مارا گیا- اشکانیوں نے اس کا سر کاٹ کر ایک نیزے پر بلند کیا اور ظفر مندی کے نقاروں کی صدائیں گونجنے لگیں، جس سے رومیوں کی دہشت میں اور اضافہ ہوا-

کریس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ہی تھا کہ اسے پوبلیس کا سر دشمن کے نیزے پر نظر آیا- اشکانیوں کی بھاری اسلحہ والی فوج حرکت میں آ گئی- کریس نے ہمت نہ ہاری اور لشکر کی صفوں سے آگے بڑھ کر ساتھیوں کو خطاب کیا: ''اہلِ روم! اس شکست کا ذمہ دار میں ہوں- تم جب تک زندہ رہو گے تمھارے نام کی وجہ سے روم کا پر افتخار نام ہمیشہ زندہ رہے گا- تم پر کوئی غلبہ نہ پا سکے گا- میں دیکھ رہا ہوں ایک بد بخت باپ کے صدمے سے تمھاری آنکھیں غم ناک ہیں- تم میری مصیبت میں شریک ہونا چاہو تو جوش سے آگے بڑھو اور دشمن کی وحشت ناک خوشیوں کو ان سے چھین لو- میری بدبختی سے تمھیں ملول نہ ہونا چاہیے- اگر کوئی شخص کسی عظیم مقصد کو حاصل کرنا چاہے تو اسے ناموافق صورت حالات کو برداشت کرنا چاہیے- تمھیں معلوم ہے کہ لوکلوس نے رومیوں کا خون بہا کر ٹیگرینس پر فتح پائی تھی- ہمارے بزرگوں نے بحیرۂ سسلی میں چار ہزار جہاز اس لیے ڈبو دیے تھے کہ اپنے فاتحین پر غلبہ حاصل کر سکیں- اپنے قومی ناموس کو بچانے کے لیے ایسی قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں- رومیوں کو جو اب عظمت حاصل ہے، وہ محض اقبال مندی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس شجاعت اور شکیبائی کی وجہ سے ہے جسے ہم نے بدبختی کے موقع پر نہ چھوڑا-''

آخر رومیوں نے اپنی نحیف آوازوں سے پھر نعرۂ جنگ بلند کیا اور حملہ شروع ہوا- اشکانیوں کے ہلکے اسلحہ والے سوار رومی لشکر کے پہلوؤں پر ٹوٹ پڑے اور تیروں کی بارش کرنے لگے- سوار نیزوں سے پے بہ پے حملے کر کے رومیوں کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ گھر کر ایک مقام پر جمع ہو جائیں- رومی بھی دشمن کی فوجوں پر ٹوٹ پڑے- اس لیے نہیں کہ اشکانیوں کو ہلاک کریں بلکہ اس لیے کہ دشمن کے نیزوں کے گہرے زخم کھا کر جانیں نثار کر دیں- اتنے میں سورج غروب ہوا اور شام کی تاریکی بڑھنے لگی اور فوجیں میدانِ جنگ چھوڑ کر لشکر گاہوں کی طرف روانہ ہوئیں- یہ رات کریس اور اس کے سپاہیوں کے لیے قیامت کی رات تھی- وہ سوچتے تھے کہ رات کی تاریکی میں کہیں منتشر ہو جائیں یا صبح محشر کا انتظار کریں- آخر کریس کے دو نائبوں اوکٹے ویئس

اور کیسیس نے مشورے کے لیے مجلس بلائی اور یہ فیصلہ کیا کہ رات کو سفر کر کے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ ان کے فیصلے پر کریس نے بھی سر تسلیم خم کیا اور مریضوں کو وہیں چھوڑ کر آدھی رات کو کارہ (حران) پہنچ گئے۔

رومی کچھ ایسے دہشت زدہ تھے کہ بجائے اس کے کہ حران کے مضبوط قلعے میں ٹھہر کر کچھ ستا لیتے، اور آگے بڑھے اور راہ نما کی غلطی سے ایک پہاڑی نشیب میں پہنچ گئے جہاں اشکانیوں نے انھیں آ لیا، لیکن اوکٹے ویئس فوجی دستے لیے ہوئے موقع پر پہنچ گیا اور اشکانیوں کو وہاں سے بھگا دیا۔

سورنیا نے یہاں اپنی کامیابی کے لیے مصالحت کی تجویز پیش کی اور کریس کو اشکانی لشکر گاہ میں آنے کی دعوت دی۔ کریس کو دشمن کی بات پر بھروسا تو نہ تھا لیکن سپاہیوں نے اصرار کیا کہ مصالحت کی پیش کش قبول کر لینی چاہیے۔ آخر کریس بھی بادل ناخواستہ رضامند ہو گیا۔

کریس کا قتل

کریس نے اپنا گھوڑا منگوایا۔ اشکانی سفیر نے کہا کہ گھوڑا منگوانے کی ضرورت نہیں۔ یہ زریں ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا آپ کے لیے حاضر ہے۔ اوکٹے ویئس نے کریس کو گھوڑے پر سوار کرایا اور وہ اشکانی سفیر کے ساتھ ہو لیا۔ رومیوں کو فریب کا شبہ ہوا تو پیچھے گھوڑے دوڑائے لیکن اس اثنا میں اشکانی کریس کا کام تمام کر چکے تھے۔

لیڈر کے قتل کے بعد رومی لشکر منتشر ہو گیا۔ اشکانیوں نے ان کا تعاقب کر کے چالیس ہزار فوج میں سے نصف کو لقمۂ اجل بنا دیا، جو باقی بچے وہ فرات کے کنارے کنارے وطن کو روانہ ہوئے۔

پلوتارک بدنصیب رومی جرنیل کے انجام کی داستان ان الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ اُرد اول کے بیٹے پے کارس کے ساتھ ارتاوَاسد، شاہ آرمینیا کی بیٹی کی شادی ارتاکستا میں ہو رہی تھی کہ اس تقریب کے موقع پر ایک شخص سیلاسس نامی آیا اور بادشاہ کے سامنے سر جھکا کر ایک کٹا ہوا سر اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ یہ کریس کا سر تھا۔

فتح حران کے نتائج

اس فتح سے بین النہرین سے دریائے فرات کا سارا علاقہ رومیوں سے چھن کر اشکانیوں کے تصرف میں آ گیا اور آرمینیا سے کچھ عرصے کے لیے رومی اثر و نفوذ ختم ہو گیا۔ مشرقی ممالک اس فتح سے بہت متاثر ہوئے یہاں تک کہ یہودی، جو کریس کی ہوس زر کی وجہ سے رومیوں سے

متنفر تھے، رومیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے- اب صورت حال ایسی تھی کہ اگر اشکانی آگے بڑھتے تو تمام ایشیائے کوچک یعنی کاپادوکیا، فریگیا، کیلیکیا اور دوسرے ساحلی علاقوں میں رومیوں کا ٹھہرنا مشکل ہو جاتا لیکن فتح کا یہ قدرتی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا- اس کی وجہ یہ تھی کہ اُرد اول ایران کے عظیم فاتحوں کا سا عزم و حوصلہ نہ رکھتا تھا-

سورنیا کا قتل

سورنیا کی اس فتح نے اشکانی حکومت کا سر اونچا کیا تھا اور فاتح حران قومی اعزاز و اکرام کا مستحق تھا لیکن برعکس اس کے اُرد اول کو سورنیا سے حسد پیدا ہو گیا اور اس سے خوف زدہ بھی ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا- اسے کس طرح مارا گیا اس کے متعلق دُرر التیجان میں یوں ذکر آیا ہے کہ اسے کسی وقت سونے نہیں دیا جاتا تھا اور یہی بے خوابی اس کی موت کا سبب بنی-[1]

اشکانیوں کا شام پر حملہ (۵۱ تا ۵۰ ق م)

فتح حران ایرانیوں کے لیے بڑی اہم تھی کیوں کہ یہ وہ میدان تھا جس میں پہلی مرتبہ رومیوں اور اشکانیوں کے مابین جنگ ہوئی تھی- اس فتح کے ایک سال بعد یعنی ۵۱ ق م میں اُرد اول نے پیکارس کو، جو نوعمر شہزادہ تھا، فوج کا سپہ سالار بنا کر شام بھیجا اور اوساک نامی ایک آزمودہ کار سردار کو اس کا نائب نامزد کیا- اشکانی لشکر نے شام پر حملہ کرنے کے لیے دریائے فرات کو عبور کیا- حاکم شام مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا آخر اسے ایرانیوں کے لیے قلعے کے دروازے کھولنے پڑے جس کی وجہ سے رومی علاقوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا-

ایشیائے کوچک کی صورتِ حال

اس زمانے میں رومی حکومت ایشیائے کوچک میں زیادہ فوج نہ رکھ سکی کیوں کہ پمپے اور قیصر، جو ایک دوسرے کے حریف تھے، چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ فوج اپنے پاس رکھیں- ادھر اہلِ ایشیا کی نظریں اشکانیوں کی طرف لگی ہوئی تھیں کیوں کہ انھیں وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے- رومیوں کا سلوک بھی ان کے ساتھ اچھا نہ تھا اس لیے وہ اشکانیوں کو رومیوں پر ترجیح دیتے تھے- کاپادوکیا کے رہنے والے البتہ رومیوں کے حامی تھے لیکن وہ تنہا ایرانیوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے

(۱) ایران باستان، ج ۲، ص ۲۳۳۱

کیوں کہ اس کی حدیں آرمینیا کے ساتھ ملتی تھیں اور آرمینیا کی طرف سے اس پر آسانی حملہ ہو سکتا تھا۔ اس وقت اگر اُرداول اور ارتاواسدمل کر پیش قدمی کرتے تو وہ کاپادوکیا اور کیلیکیا دونوں کو فتح کر سکتے تھے لیکن اُرداول نے یہ موقع بھی کھو دیا۔

اگرچہ شام کی سرزمین کو پیکارس کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے روندا لیکن وہ شام کے مستحکم شہروں کو فتح نہ کر سکا۔ انطاکیہ کا حکم ران کیسیس اگرچہ غنیم کے خوف سے انطاکیا میں دبکا بیٹھا تھا۔ لیکن ملکی دفاع کا خیال اس نے ترک نہیں کیا تھا۔ اس نے اشکانیوں کے خلاف بعض جنگی حربے استعمال کیے، یعنی ظاہر یہ کیا کہ وہ پسپا ہو رہا ہے لیکن دفعتاً گھات میں بیٹھ کر اشکانیوں پر حملہ کر دیا جس سے انھیں کافی نقصان پہنچا، یہاں تک کہ پیکارس کا نائب اوساک بھی مارا گیا، لیکن اس کے باوجود پیکارس کو واپس جانے کا خیال نہ آیا اور موسم بہار میں دوبارہ حملہ کرنے کے لیے وہیں تیاریاں کرتا رہا۔

اس عرصے میں یونان کے نئے حکم ران بیولوس نے سمجھا کہ اشکانیوں کا مقابلہ کرنا آسان نہیں اس لیے اس نے ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیں کہ اشکانی بادشاہ اُرداول اور اس کے بیٹے پیکارس کے مابین اختلافات پیدا ہو جائیں۔ چناں چہ ایک پارتی رئیس ارن داپانت کو آلۂ کار بنا کر پیکارس کے پاس بھیجا۔ اس نے ہمدردی جتانے کے لیے پیکارس کو یہ مشورہ دیا کہ "رومیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس جنگ کی بجائے وہ کوئی اور اہم کام بھی کر سکتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ پیکارس اپنی فراست اور دلیری کی وجہ سے اپنے باپ سے کہیں زیادہ پارتی تخت وتاج کا حق دار ہے۔ اس لیے وہ اپنے وسائل سے پارتی تخت وتاج کیوں حاصل نہیں کرتا۔" رومیوں کی اس دسیسہ کاری کا یہ اثر ہوا کہ جنگ طویل ہوگئی اور انھیں جنگی تیاریوں کا کافی موقع مل گیا۔ ادھر اُرد کو پیکارس کے رومیوں کے ساتھ بڑھتے ہوئے روابط کا پتا چلا تو اُسے واپس بلا لیا۔ پیکارس کے لیے حکم کی تعمیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چناں چہ پارتی لشکر ۵۰ ق م میں فرات کو عبور کر کے واپس آ گیا اور پارتوں کا سوریا پر حملہ ناتمام رہا۔

یونان کے داخلی حالات

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ یونانی سینٹ نے تین حکم ران مقرر کیے تھے۔ سیزر (قیصر) پمپے اور کریس۔ کریس ایرانیوں کے خلاف جنگ کرتے کرتے مارا گیا تھا۔ قیصر اور پمپے کے مابین باہمی رقابت چلی آتی تھی جس کی وجہ سے خانہ جنگی شروع ہوگئی اور حکومت پارت کو ایک گونہ

اطمینان ہوا۔

پمپے نے ۴۹ ق م میں اُرد اول سے کمک حاصل کرنے کے لیے اپنا سفیر بھیجا۔ اُرد کو اگر چہ پمپے سے دلی نفرت تھی لیکن وہ صرف اس شرط پر کمک دینے پر آمادہ تھا کہ شام پر اشکانی حکومت کا حق تسلیم کیا جائے۔ پمپے کو یہ شرط منظور نہ تھی اس لیے اُرد اور پمپے کے مابین کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔

۴۸ ق م میں قیصر اور پمپے کے مابین فارسالیا کے مقام پر شدید جنگ ہوئی، جس میں پمپے کو بری طرح شکست ہوئی۔ پمپے نے اب ارادہ کیا کہ اشکانی دربار میں پناہ لے اور ممکن ہو تو کمک حاصل کرے لیکن اس کے رفقا نے یہ مشورہ دیا کہ اس کا اور اس کی بیوی کا اشکانی بادشاہ کے ہاں پناہ لینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ چناں چہ ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پمپے نے پارت جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور مصر کا رُخ کیا اور مصری حکم ران کے ہاں پناہ لی لیکن مصری وزرا نے اسے قتل کرا دیا۔

پمپے پر فتح پانے کے ایک سال بعد جب قیصر نے دیکھا کہ مہرداد ششم کا بیٹا فارنیسس، جو باسفورس کا حکم ران تھا، اب پانٹ کا علاقہ حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو وہ ایشیاے کوچک آیا اور ۴۷ ق م میں قیصر اور فارنیسس کے مابین جنگ ہوئی جس میں مقامی رُومی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ قیصر نے فوج میں تازہ دم رومی دستوں کا اضافہ کیا اور ذیلہ کے مقام پر دونوں فوجوں کا پھر آمنا سامنا ہوا۔ اب کی بار فارنیسس نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی۔ قیصر نے فتح حاصل کرنے کے بعد باسفورس کی حکومت اس کے بھائی کو سونپ دی۔

قیصر کی انتہائی آرزو تھی کہ پارت کے میدان میں اتر کر کریس کے خون کا بدلہ چکائے لیکن روم اس کی عدم موجودگی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے اسے واپس ہی جانا پڑا۔

تین سال کے عرصے میں قیصر، رومی سلطنت کی داخلی شورشوں کو فرو کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ اب پارت پر حملہ کرنے کی دبی ہوئی خواہش اس کے دل میں ابھری۔ اس اثنا میں قیصر کے رفقا نے یہ مشہور کر دیا کہ سبیل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ روم، پارت پر اس وقت تک فتح نہیں پا سکتا جب تک روما کے تخت پر کوئی مطلق العنان بادشاہ نہ بیٹھے گا۔ سینٹ اس وقت قیصر کے اشارۂ چشم و ابرو پر چلتی تھی؛ چناں چہ اس نے قیصر کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ وہ اب چاہتا تھا کہ آرمیناے کوچک سے ہوتا ہوا آرمینیا پر حملہ کرے لیکن قیصر کے مخالفوں نے اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ اس طرح حکومت پارت کا طاقتور حریف راستے سے ہٹ گیا۔ قیصر کے قتل کے بعد دو

مخالف گروہ پیدا ہو گئے: ایک گروہ 'آزادی خواہان روم' کہلاتا تھا اور دوسرا 'طرف داران قیصر روم' کے نام سے موسوم تھا۔

مارک انٹونی

روم کے اس دور خلفشار میں جس رومی جرنیل نے مشرق قریب میں نمایاں کارنامے سرانجام دیے، وہ مارک انٹونی (Mark Antony) تھا۔ مشرق قریب میں اس کے کارناموں کا ذکر کرنے سے پہلے اس کے سابقہ کردار پر نظر ڈال لینی چاہیے۔ یہ شخص قیصر کے خاندان کا نام ور فرد تھا۔

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ شام مصر بطلیموس جب تخت و تاج سے محروم ہوا تو وہ حاکم شام گیبی نیوس کے پاس فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے آیا تھا اور امداد کے عوض اسے زر کثیر پیش کیا تھا۔ اس وقت گیبی نیوس نے مارک انٹونی کو رومی فوجوں کا سالار مقرر کر کے بطلیموس کے ساتھ بھیجا تھا۔ انٹونی نے پہلے بھی یہودی باغیوں کے سرغنہ اریسٹوبولس پر فتح حاصل کر کے غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ اب اس نے بطلیموس کی لڑائی لڑی اور یہودی دستوں کو شکست دے کر پلوزیم کو فتح کیا، جو پورے ملک کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں جو آخری جنگ ہوئی، اس میں بھی اس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ آخر وہ بطلیموس کو اس کا حق دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ بطلیموس نے مصر کی حکومت سنبھالی اور انٹونی اپنی پائمردی کی یادگار چھوڑ کر مصر سے لوٹ آیا۔

قیصر کے عہد میں جب روما میں خانہ جنگیاں شروع ہوئیں تو انٹونی نے قیصر کو مدد دینے میں کوتاہی نہ کی اور جب فارسالیا میں لڑائی ہوئی تو رومی فوج کے بائیں بازو کی کمان انٹونی کے ہاتھ میں تھی۔ جب قیصر قتل ہوا تو انٹونی نے قیصر کا قرابت دار ہونے کی وجہ سے تخت و تاج حاصل کرنا چاہا۔ ادھر اوکٹیوئین نے قیصر کا وارث ہونے کا دعویٰ کیا۔ آخر دونوں کے مابین لڑائی ہوئی جس میں اوکٹیوئین، انٹونی کو کوہ الپ تک دھکیل کر لے گیا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور بہت جلد مزید فوج لے کر واپس آ گیا۔ اب کی بار لڑائی ہونے کی بجائے مصالحت ہو گئی اور دونوں کے لشکروں نے بروٹس اور کیسیئس کا مقابلہ کرنے کے لیے مقدونیا کا رُخ کیا۔ فلی پی کے مقام پر جنگ ہوئی جو تمام تر انٹونی نے جیتی کیوں کہ اوکٹیوئین بیماری کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لے سکا تھا۔ اس مہم کی کامیابی کے بعد انٹونی نے مشرقی ممالک کا رُخ کیا۔

پیکارس اور لے بینس کا حملہ (۴۰ تا ۳۹ ق م)

فلی پی کے مقام پر جو جنگ ہوئی تھی، اس میں پارت کے فوجی دستوں نے بھی حصہ لیا تھا- اس کا پس منظر یہ ہے کہ قیصر کے قتل کے بعد روما میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئی تھیں- حریفوں کے یہ داخلی حالات پارت کے حکم ران اُرداول کے لیے باعث اطمینان ہی نہ تھے بلکہ اس نے یونانیوں میں مزید بگاڑ پیدا کرنے میں مدد بھی دی- اس بات کو سمجھنے کے لیے چند سال پہلے کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے: قیصر ابھی زندہ تھا کہ ایک شخص باسوس رومی نے شام کے کسی علاقے میں ۴۶ ق م میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرنی چاہی- اس نے حکومت پارت سے مدد مانگی- اُرد اول نے فوراً اس کی کمک کے لیے پارتی فوج کے چند دستے بھیج دیے- ۴۳ ق م میں باسوس، کیسیس سے جا ملا اور پارتی جوان اپنے ساتھ لے آیا- باسوس کے روابط دربار پارت سے تو تھے ہی، اب ان روابط سے اس نے مزید فائدہ اٹھانے کی غرض سے پارتی سپاہ کو تحفے تحائف دے کر بڑی عزت وتکریم کے ساتھ واپس بھیجا اور مزید کمک کی درخواست کی-

اُرداول رومیوں کے اختلاف کو ہوا دینا چاہتا تھا اس لیے اس نے اب باسوس کی مدد کے لیے سوار فوج کے دستے بھیجے جنھوں نے فلی پی کی جنگ میں حصہ لیا تھا-

اس ذکر کے بعد ہم پھر بروٹس اور کیسیس کی شکست کی طرف آتے ہیں- اس شکست کی وجہ سے کیسیس نے انتہائی ذلت محسوس کی اور اپنے ہی ایک غلام سے کہا کہ اسے ہلاک کر دے- چناں چہ غلام کے ہاتھوں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا-

اس زمانے میں اُرداول نے روما کے داخلی انتشار سے فائدہ اٹھانا چاہا- اس کے پاس اب سورینا جیسا کوئی بہادر جرنیل تو نہ تھا لیکن اتفاق سے ایک رومی جرنیل لیبی نس نامی پارتی دربار میں پناہ گزیں تھا- اسے بروٹس اور کیسیس نے اُرداول کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا، لیکن فلی پی کا میدان ہارنے پر اسے روم واپس جانے کی ہمت نہ ہوئی- اب اس نے پارتی دربار ہی سے وابستہ ہو جانا مناسب سمجھا- یہ شخص رومیوں کے طریق جنگ اور لشکر آرائی کے آداب سے خوب واقف تھا، اس لیے اُرداول کسی مناسب موقع پر کام لینے کے لیے اس کی دل داری کرتا رہا- چناں چہ اس کے لیے موقع پیدا ہو گیا-

اُرداول نے اپنے بیٹے پیکارس اور لے بینس کو بہت بڑا لشکر دے کر سوریہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا-

۴۰ ق م میں اس لشکر نے دریائے فرات کو عبور کیا- ان کا مقابلہ انٹونی ہی کو کرنا تھا لیکن اسے روم واپس بلا لیا گیا تھا کہ وہ اوکٹیوئین کے خلاف اپنے مفاد کی حفاظت کرے- شام میں اس کا قائم مقام ساکسا تھا- ساکسا نے اشکانیوں کی پیش قدمی کو روکنا چاہا لیکن لڑائی میں اسے شکست ہوئی اور اشکانیوں نے فرات اور انطاکیہ کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا- پھر یہ شام کے دوسرے علاقوں کی طرف بڑھے لیکن یہاں انھیں بہت مشکلات پیش آئیں، کیوں کہ بعض شہر جزیرہ نما تھے اور ان کی حفاظت کے غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے- آخر طویل محاصروں کے بعد یہ شہر بھی ایک ایک کر کے فتح ہو گئے اور شام کا حاکم ساکسا، کیلیکیا کی طرف بھاگ گیا-

اس فتح کے بعد پیکارس اور لے بینس کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا- نصف لشکر پیکارس لے کر فینیقیا اور شام کے باقی علاقوں کو مسخر کرنے کے لیے روانہ ہوا اور باقی نصف لشکر لیے ہوئے لے بینس ایشیائے کوچک کی طرف بڑھا تا کہ وہاں کی زرخیز مقامات رومیوں سے لے لے- پیکارس نے پورے شام اور فینیقیا کو مسخر کر لیا- صرف شہر صور اس کی دست برد سے محفوظ رہا کیوں کہ یہ مضبوط بحریہ کے بغیر فتح نہیں کیا جا سکتا تھا اور پیکارس کے پاس بحری جہاز نہیں تھے-

پیکارس نے اس فتح کے بعد فلسطین کا رُخ کیا- یہاں ہرکینئیس اور اس کا بھتیجا اینٹی گونس دونوں تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے برسرِ پیکار تھے- اینٹی گونس نے اشکانیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ان کو ۲۸ لاکھ پاؤنڈ اور پانچ سو یہودی عورتیں نذرانے کے طور پر پیش کیں اور یہ شرط بھی منظور کی کہ اگر وہ اشکانیوں کی مدد سے فلسطین کا تخت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا، تو وہ اشکانی حکومت کو سالانہ خراج بھی ادا کیا کرے گا- آخر پیکارس کی مدد سے ہرکینئیس تخت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا-

لے بینس کو بھی نمایاں کام یاب ہوئی- اس نے اپنے حریفوں کا صفایا کر کے کیلیکیہ کا رُخ کیا، جہاں ساکسا مقیم تھا- یہاں ساکسا نے لے بینس کا مقابلہ کیا لیکن ناکام رہا اور لڑتا ہوا مارا گیا- اس کے بعد لے بینس نے پمفیلیا، لیکیہ اور کاریا کو فتح کیا-

برنڈیسیئم کا معاہدہ (۴۰ ق م)

روما کی تقدیر نے اب پلٹا کھایا- انٹونی جو اطالیا میں برسرِ پیکار تھا، فتح یاب ہوا- برنڈیسیئم کے مقام پر صلح نامہ طے ہوا، جس کی رو سے بعض صوبوں کا ایک تیسرا علاقہ بھی قائم ہوا-

لیپی ڈس کے پاس افریقہ کی حکومت رہی، مشرقی ممالک کی حکومت انٹونی کو سونپی گئی، جن میں پیکارس کا فتح کردہ علاقہ بھی شامل تھا' پھر انٹونی اور اوکٹیوئین دونوں روما میں داخل ہوئے اور صلح کی تقریب میں دونوں کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ معاہدہ صلح کو مزید استوار کرنے کے لیے اوکٹیوئین نے اپنی بہن اوکٹیویا کی شادی انٹونی سے کر دی۔

ونٹیڈیئس کی فتوحات (۳۹ ق م)

۳۹ ق م میں انٹونی اپنی حکومت سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا اور لے بینس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے اپنے ایک نائب ونٹیڈیئس کو بھیجا۔ اس کی فوج کشی پر لے بینس سخت حیران ہوا کیوں کہ اس کے پاس کافی فوج نہ تھی اس لیے اس نے ونٹیڈیئس کے مقابلے میں پسپائی اختیار کی اور کیلیکیا واپس آ گیا۔ یہاں اس نے پیکارس کو کمک بھیجنے کے لیے پیغام بھیجا۔ اس نے سوار فوج کا لشکر کثیر لے بینس کی طرف بھیجا لیکن اس کے باوجود لے بینس کی شکست ہوئی اور وہ اسیر ہو کر مارا گیا۔

پیکارس نے لے بینس کی شکست اور اس کے مرنے کی خبر سنی تو سخت خوفزدہ ہوا اور عافیت اسی میں دیکھی کہ شمالی سوریہ (شام) پہنچ جائے لیکن شام کے دربند کی حفاظت کے لیے اس نے فرناپات کے زیر کمان فوج مقرر کر دی اور اسے مزید کمک بھی بھیجی لیکن ونٹیڈیئس اس پر بھی غالب آیا۔ اب پیکارس کے لیے حالات اور بھی دگرگوں ہو گئے، اس لیے وہ شام سے نکل کر دریائے فرات کو عبور کر گیا۔ ونٹیڈیئس شام کو اشکانیوں سے آزاد کرا کے مطمئن ہو گیا اور پیکارس کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

پیکارس کی شکست اور ہلاکت (۳۸ ق م)

پیکارس اپنی شکست کو آسانی سے گوارا نہ کر سکتا تھا۔ چناں چہ وہ پھر سے جنگی تیاریاں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ موسم سرما گزرتے ہی رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے اس نے فرات کو عبور کیا۔ ونٹیڈیئس نے اپنی بکھری ہوئی فوج کو جمع کیا اور بلند ٹیلوں پر ڈیرے ڈالے، یہاں انھوں نے اپنے اردگرد خندقیں کھود لیں۔ پیکارس یہ سمجھا کہ رومیوں کی فوج یا تو ناکافی ہے یا یہ فوج خوف زدہ ہو کر ٹیلوں پر جمع ہو گئی ہے۔ پیکارس ٹیلوں کی طرف بڑھا تاکہ انھیں مسخر کر لے، لیکن جوں ہی چڑھائی شروع ہوئی، اوپر سے رومی فوج نے پرزور حملہ کیا۔ اشکانی لشکر نشیب میں تھا اس لیے انھیں سخت جانی نقصان ہوا اور خود سالار لشکر پیکارس لڑتا ہوا مارا گیا۔ شکست خوردہ

لشکر اب اس پل کی طرف بڑھا جو پیکارس نے فرات کو عبور کرنے کے لیے بنوایا تھا لیکن رومیوں نے آگے بڑھ کر پل کو توڑ دیا اور نصف لشکر کا صفایا کر دیا۔ بچے کھچے لشکر نے انٹی گوس کے ہاں پناہ لینی چاہی، جو پیکارس اور لے بیئس کی مدد سے تخت نشیں ہوا تھا، لیکن اس احسان فراموش شخص نے اشکانی لشکر کو پناہ دینے کی بجائے اسے اسیر کر کے وینٹیڈیئس کے حوالے کر دیا۔

اس شکست کے بعد اشکانیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ایشیائے کوچک کو فتح کرنے کا خیال انھوں نے دل سے نکال کر اپنی حدودِ مملکت پر قناعت کر لی۔

اشکِ چہاردہم (فرہادِ چہارم)

(۳۷ تا ۲ ق م)

پیکارس کی وفات کا اس کے بوڑھے باپ کو سخت صدمہ ہوا اور ۳۷ ق م میں وہ اپنے بیٹے فرہادِ چہارم کے حق میں دست بردار ہو گیا۔

فرہاد ایک ظالم شخص تھا۔ اس نے تخت نشیں ہوتے ہی دستِ ظلم پہلے اپنے بھائیوں کی طرف دراز کیا اور ان میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتارا تاکہ تخت و تاج کا اور کوئی دعوے دار باقی نہ رہے۔ پھر اپنے باپ کے خون سے ہاتھ رنگین کیے جو اپنے جوان سال بیٹے پیکارس کے غم میں موت کی گھڑیاں گن رہا تھا اور اب باقی بیٹوں کو بھی حکومت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے دیکھ چکا تھا۔ ظلم کے اس حسرت ناک انجام پر اُرداول کا پُرعظمت عہد ختم ہو گیا۔ اس نے نہ صرف پارت کی شہرت میں اضافہ کیا بلکہ اہلِ روما بھی حکومتِ پارت سے خوف کھانے لگے۔ وہ خود کوئی عظیم بادشاہ نہ تھا کیوں کہ اس کے دور میں پارت کو جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ اس کے نام ور سالاروں کی جاں بازی کا نتیجہ تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے حکومت پارت کا وقار بڑھایا، جسے روم نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ اس دور کی ایک نمایاں بات یہ ہے کہ طیسیفون (مدائن) پہلی مرتبہ دارالحکومت بنا۔

فرہادِ چہارم کے ظلم و ستم کی وجہ سے بعض امرا کا ترکِ وطن

فرہاد نے اپنے خاندان سے فارغ ہو کر پارت کے امرا کی طرف رجوع کیا اور متعدد امرا، جو اس کے ظلم و تشدد کو ناپسند کرتے تھے، موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس وحشیانہ روش سے خوف زدہ ہو کر بعض اعیانِ سلطنت ترکِ وطن کر گئے تاکہ زندگی کے آخری ایام امن سے گزاریں۔ کچھ لوگوں نے انتونی کے ہاں پناہ لی۔ ان میں ایک نام ور شخص مونیس بھی تھا۔ یہ

پیکارس کی فوجوں کا سالار تھا اور شام کی جنگ میں نمایاں خدمات انجام دے کر نام وری حاصل کر چکا تھا۔ اس نے انٹونی کو بتایا کہ فرہادِ چہارم کے ناروا سلوک نے اہلِ پارت کے دلوں میں ناسور ڈال دیے ہیں، اس لیے پارت کو فتح کرنے میں چنداں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ اس کے ساتھ لشکر بھیج دے تو وہ بآسانی پارت فتح کر لے گا اور اسے روما کا باج گزار بنا دے گا۔ انٹونی کو مونیسس کی یہ تجویز پسند آئی اور چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دیرینہ حریف کو مطیع و منقاد کرے، اس لیے اس نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

فرہادِ چہارم کو صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے چاہا کہ جوں توں کر کے مونیسس کو پارت بلائے۔ چناں چہ اسے پیغام بھجوایا کہ اگر وہ ایران واپس آ جائے تو اس کی پوری پوری دل جوئی کی جائے گی اور اس کے منصب میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ مونیسس یہ پیغام سن کر پارت واپس جانے کو آمادہ ہو گیا اور انٹونی کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا، اور بتایا کہ وہ پارت پہنچ کر اس کے لیے اور بھی زیادہ مفید ہو گا۔ انٹونی کو اس کا واپس جانا ناگوار تو گزرا لیکن اس خیال سے کہ شاید وہ پارت پہنچ کر رومی حملے کے لیے راہ ہموار کر دے، اسے واپسی کی اجازت دے دی۔ وہ پارت کے دربارِ شاہی میں پہنچا ہی تھا کہ انٹونی نے اپنے سفیر فرہادِ چہارم کے پاس بھیجے اور باہمی روابط قائم کرنے کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ رومی جھنڈے جو حران کی جنگ میں ایرانیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے، واپس کر دیے جائیں اور رومی قیدی، جو بقیدِ حیات ہوں، انھیں آزادی دے دی جائے۔ وہ چاہیں تو روم واپس آ جائیں۔ ایران کے ساتھ روابط پیدا کرنے کی پیش کش تو محض ایک چال تھی۔ دراصل وہ ایرانیوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کر کے ایران کے خلاف ایک بڑے مہم کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ ایران کے خلاف مہم جاری کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے سنا تھا کہ رومی جرنیل وینٹیڈیئس کی فتح پر دارالحکومت میں اہلِ روما نے بہت بڑا جشن منایا ہے وہ کسی رومی سردار سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا، اس لیے خفیہ طور پر ایران پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے آرمینیا کے حکم ران ارتاواسد کو کہا کہ ایران پر حملہ کرنے کے لیے کمک بہم پہنچائے۔ ارتاواسد رومیوں سے خائف تھا اس لیے اس نے وعدہ کیا کہ وہ سات ہزار پیادہ اور چھ ہزار سوار فوج مہیا کرے گا۔ بقول پلوتارک' انٹونی نے جو فوج تیار کی اس میں ساٹھ ہزار رومی پیادہ فوج' دس ہزار گال اور گرجستانی سوار اور تیس ہزار رومی اتحادیوں کے سبک اسلحہ سوار شامل تھے۔ گویا اس کی فوج کی کل تعداد ایک لاکھ تھی۔

حکومت پارت کے ساتھ رومیوں کی دوسری جنگ

مؤرخین کا بیان ہے کہ پیش تر اس کے کہ ایرانی مدافعت کی تیاریاں کرتے' ضروری تھا کہ جلد از جلد حملہ کیا جاتا لیکن انٹونی نے اپنی محبوبہ کلیوپیٹرا کے پاس زیادہ عرصہ قیام کر کے دیر کر دی اور ۳۶ ق م میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر پیش قدمی کی۔ انٹونی فرات کو عبور کرنا چاہتا تھا لیکن اشکانی لشکر نے فرات پر مدافعت کی تیاریاں مکمل کی ہوئی تھیں' اس لیے فرات کو عبور کرنے کا خیال اس نے ترک کر کے پہاڑی راستہ اختیار کیا اور آرمینیا پہنچ گیا۔ یہاں کے حکم ران ارتاواسد نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور انٹونی کو مشورہ دیا کہ اس وقت اشکانی لشکر فرات کے کنارے پر جمع ہے اور آذربائیجان کا حکم ران ان کے ساتھ ہے اس لیے اگر آذربائیجان پر حملہ کیا جائے تو اسے بآسانی مسخر کیا جا سکتا ہے۔ انٹونی نے اس کے مشورے کے مطابق آذربائیجان کا رُخ کیا۔ خود تو وہ تیزی سے آذربائیجان کے دارالحکومت پراسپا کی طرف بڑھا اور حکم دیا کہ فوجی دستے محاصرے کے آلات' جو تین ہزار چھکڑوں میں لدے ہوئے تھے' پیچھے پیچھے لے آئیں۔

انٹونی کا خیال تھا کہ وہ پراسپا پر اچانک حملہ کر کے اسے فتح کر لے گا لیکن اس کا خیال درست ثابت نہ ہوا اور یہاں اسے مجبوراً محاصرے کے آلات کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

اشکانی بھی غافل نہ تھے؛ وہ فرات کا کنارا چھوڑ کر دشمن کے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ فرہادِ چہارم کو معلوم ہوا کہ انٹونی کے وہ فوجی دستے جو محاصرے کے آلات لیے جا رہے ہیں' پیچھے رہ گئے ہیں' تو لشکر کو ان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اشکانی لشکر نے انھیں گھیرے میں لے کر دس ہزار رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور محاصرے کے آلات پر قبضہ کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ اس صورتِ حال سے رومی سخت پریشان ہوئے۔ ادھر آرمینیا کے حکم ران ارتاواسد کو رومیوں کی تباہی کی خبر ملی تو وہ اپنا لشکر لے کر الگ ہو گیا اور آرمینیا واپس چلا گیا۔

انٹونی نے جب محسوس کیا کہ پراسپا کو فتح کرنا آسان نہیں اور محاصرے کے آلات پر دشمن کا قبضہ ہو چکا ہے اور خوراک باقاعدہ مہیا ہونے کی کوئی صورت نہیں' تو اس نے پراسپا کو فتح کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ اب اس کے سامنے دو صورتیں تھیں؛ یا تو جھیل اُرومیہ کے کنارے کی چراگاہوں کی طرف نکل جاتا یا پھر تبریز کے پہاڑوں کے دامن میں پناہ لیتا' لیکن جھیل اُرومیہ کی چراگاہوں میں اشکانی اتر چکے تھے اس لیے انٹونی نے تبریز کے پہاڑوں کی راہ لی۔ اشکانیوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے رومیوں کا پیچھا کیا اور تیسرے دن رومی فوجی کے اِردگرد گھیرا ڈال لیا۔

تین ماہ تک انھوں نے رومیوں کا قافیہ تنگ کیے رکھا- یہاں سردی شدت کی تھی اور رومیوں کو خوراک اور پانی میسر آنے کی بڑی دشواری تھی جس کی وجہ سے ان کے آٹھ ہزار سپاہی لقمۂ اجل ہوے- یہاں سے وہ جوں توں نکلے اور دریاے اراکسا کے کنارے جا پہنچے- دریا سے پار اتر کر وہ ایرانیوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے- فرہاد نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہی غنیمت سمجھا کہ دشمن ایران کی حدود سے نکل چکا ہے- رومی لشکر ایرانیوں کی دسترس سے تو باہر ہو گیا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ کسی گرم سیر علاقے میں پہنچتا' آٹھ ہزار اور سپاہی راستے کی صعوبتیں اٹھاتے ہوے راہی ملک عدم ہو گئے-

انٹونی پھر آرمینیا میں

اس شکست اور بددلی کے باوجود انٹونی مایوس نہیں ہوا تھا- وہ کسی نہ کسی طرح پھر یہ مہم شروع کرنا چاہتا تھا- اس کے لیے فوری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ آذربائیجان کا حکمران اشکانی بادشاہ سے اس وجہ سے ناراض ہو گیا کہ اس سے مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں ناانصافی ہوئی تھی- چناں چہ اس نے علم بغاوت بلند کیا اور انٹونی کے پاس اسکندریہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے اپنا سفیر بھیجا- انٹونی ممالک مشرق میں قدم رکھنے کے لیے موقع کا منتظر تھا- چناں چہ اس نے آذربائیجان کے حکمران کو مدد دینا قبول کر لیا- اور ۳۴ ق م میں آرمینیا کی طرف پیش قدمی کی' کیوں کہ وہ پچھلی لڑائی میں اپنے فوجی دستے لے کر الگ ہو گیا تھا- ارتاواسد نے اس کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر مغلوب ہو کر اسیر ہو گیا- انٹونی نے آرمینیا میں خوب لوٹ کھسوٹ کی اور وہاں اپنے فوجی دستے متعین کر کے واپس چلا آیا- ایک مرتبہ پھر ۳۳ ق م میں اس نے ایران کی طرف رجوع کیا اور میڈیا کے حکمران کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے آرمینیا کا کچھ علاقہ میڈیا کی سلطنت میں شامل کر دیا گیا اور رومی دستے جو آرمینیا میں مقرر کیے گئے تھے' میڈیا کے حکمران کے ماتحت کر دیے گئے- اب اس نے پارت کی مہم کا خیال ذہن سے نکال دیا اور اوکٹیوئین کے مقابلے میں اپنا مقام بنانے کے لیے جدوجہد کرنے لگا-

فرہادِ چہارم نے میڈیا کے حکمران کی سرکوبی کے لیے پیش قدمی کی اور اسے شکست دے کر اسیر کر لیا- میڈیا سے فارغ ہو کر اس نے ارتاواسد کے بڑے بیٹے ارتاکیاس کی معیت میں آرمینیا پر حملہ کر دیا اور یہاں بھی فتح پائی- رومی فوج کے دستے اسیر کر لیے گئے اور اس طرح آرمینیا رومیوں کے تسلط سے پھر ایک مرتبہ آزاد ہو گیا-

فرہاد کی پیش قدمی سے اشکانی حکومت کا وقار بڑھ گیا- آرمینیا پر اشکانیوں کا تسلط قائم ہوا اور انٹونی کو پھر ایران میں داخل ہونے کا حوصلہ نہ ہو سکا-

تیرداد کی بغاوت

فرہاد چہارم کا رویہ نہایت سفا کانہ تھا- اس فتح کے بعد اس کے مزاج میں اور بھی رعونت اور تندی آ گئی' اس لیے اُمرا ناراض اور عوام بددل ہو گئے- ایک امیر تیرداد (Tiridates) نے ۳۳ ق م میں فرہاد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا- عوام نے اس کا حوصلہ بڑھایا- کچھ فوج بھی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی- چناں چہ اس کی بغاوت کام یاب ہوئی- فرہادِ چہارم نے تخت و تاج چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی اور وسطِ ایشیا کے سکائی قبائل کے ہاں جا کر پناہ لی- اب پارت میں تیرداد کی حکومت قائم ہو گئی-

فرہاد کی واپسی

تیرداد تین ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ فرہاد سکائی قبائل کا لشکر لیے ہوئے پارت واپس آیا- تیرداد اس کے لشکر کثیر کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ رکھتا تھا اس لیے فرہاد کے سب سے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے کر پارت سے نکل گیا اور قیصرِ روم اوکٹیوئین کے دربار میں پہنچ گیا جو اس وقت سوریا (شام) میں مقیم تھا- اوکٹیوئین نے فرہاد کے بیٹے کو بطورِ یرغمال قبول کر کے تیرداد کو پناہ دی- تیرداد دراصل قیصرِ روم سے کمک حاصل کر کے پارت پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ قیصرِ روم کو اس مہم کے لیے آمادہ نہ کر سکا-

رومی جھنڈوں کی واپسی

تقریباً سات سال بعد ۲۳ ق م میں فرہاد نے اوکٹیوئین' جو اب آگسٹس کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا' کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور تیرداد اور شہزادے کو واپس بھیجنے کی استدعا کی- آگسٹس نے تیرداد کو واپس بھیجنا منظور نہ کیا' البتہ شہزادے کو بغیر کسی معاوضے کے واپس بھیجنے پر رضامند ہو گیا اور یہ خواہش بھی کی کہ رومی جھنڈے جو اشکانی حکومت کے قبضے میں تھے' واپس کر دیے جائیں- چناں چہ شہزادے کو پارت بھیج دیا گیا اور رومی جھنڈے فرہاد نے لوٹا دیے-

جھنڈوں کی واپسی پر روم میں جشن منایا گیا- اب رومیوں نے سلطنت کو وسیع کرنے کا خیال ترک کر دیا- اُدھر فرہاد کی خواہش بھی تھی کہ رومیوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کیے

جائیں- اس کے لیے اس نے یہاں تک بھی کیا کہ اپنے بیٹے آگسٹس کے دربار میں بھیج دیے-

قضیۂ آرمینیا

پارت اور روما کے مابین دوستانہ روابط استوار ہو گئے- اگر آرمینیا کا قضیہ نہ ہوتا تو شاید یہ روابط بہت دیر تک استوار رہتے-

حکومتِ پارت نے ارتاواسد کی وفات پر اس کے بیٹے ارتاکیاس کو آرمینیا کی حکومت سونپی تھی- آگسٹس نے بھی اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا' لیکن جب ۲۰ ق م میں ارتاکیاس فوت ہوا تو آگسٹس نے ٹی بیریس کو آرمینیا بھیجا تا کہ ارتاکیاس کے بھائی ٹیگرینس کو تخت نشیں کرے- چناں چہ ٹیگرینس کو آرمینیا کی حکومت سونپ دی گئی- ٹیگرینس ۶ ق م میں فوت ہو گیا تو ارمنی امرا نے قیصرِ روم کے مشورے کے بغیر اس کے بیٹے کو تخت نشیں کیا' جو قیصرِ روم کو ناگوار گزرا- اس نے رومی فوج آرمینیا میں اتار دی اور انھوں نے ایک شخص ارتاواسد نامی کو حکمران نامزد کر دیا- اس شخص کا حسب نسب کسی کو معلوم نہ تھا- اہلِ آرمینیا حکومت پارت کی طرف زیادہ مائل تھے اس لیے انھوں نے آرتاواسد کی تخت نشینی کو ناپسند کیا- وہ اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرمینیا میں رومیوں کے خلاف بغاوت ہوئی اور آرتاواسد اور روما کے طرف داروں کو انھوں نے آرمینیا سے نکال باہر کیا اور ٹیگرینس ثانی کو تخت نشیں کیا- اہلِ آرمینیا جانتے تھے کہ رومی اس توہین کو برداشت نہیں کریں گے اور ضرور آرمینیا پر لشکر کشی کریں گے- انھیں یہ بھی یقین تھا کہ اشکانی بھی خاموش نہیں بیٹھیں گے' کیوں کہ مہردادِ دوم کے زمانے سے آرمینیا ایران ہی کے اثر و نفوذ میں چلا آتا تھا- انھوں نے رومیوں کے متوقع حملے کے پیش نظر فرہادِ چہارم سے مدد مانگی- فرہاد نے تہیہ کر لیا کہ وہ آرمینیا کی مدد کو ضرور پہنچے گا' خواہ رومیوں کے ساتھ اس کے روابط پر زد ہی کیوں نہ پڑے-

حکومتِ ایران سے جنگ کرنے کے لیے رومیوں کے حالات ناساعد تھے- آگسٹس اب ضعیف ہو چکا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں کسی شکست کا خطرہ مول لے لیکن اسے یہ خیال بھی تھا کہ اگر وہ خاموش بیٹھا رہا تو فرہادِ چہارم آرمینیا پر پوری طرح تسلط جما لے گا- آخر اس نے سوچ بچار کر کے حکومتِ ایران سے جنگ کرنے کی ٹھان لی- لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس مہم کی کمان کسے سونپی جائے- روما کا ایک بہادر جرنیل ٹی بیریس تھا' جو اب گوشہ نشیں ہو چکا تھا- اسے پوچھا گیا تو اس نے مہم قبول کرنے سے معذرت کی- اب آگسٹس کی

نظر اپنے پوتوں پر تھی لیکن وہ ابھی بچے تھے۔ بڑا پوتا کایوس اٹھارہ سال کا تھا' جسے آگسٹس نے بیٹا بنایا تھا۔ یہ مہم اب اسی کو سونپنا چاہتا تھا۔

فرہادِ چہارم کا قتل

آگسٹس نے کافی عرصہ ایران پر فوج کشی کو ملتوی کیے رکھا۔ آخر اس عرصے میں دربار ایران میں ایک ناگوار حادثہ رونما ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرہادِ چہارم کے بیٹے فرہادک (Phrataces) نے ۴ق م میں اپنی اطالوی ماں کے بہکانے میں آ کر باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ آگسٹس اس طاقت ور حریف کی ہلاکت پر مطمئن ہو گیا۔

فرہادِ چہارم ظالم اور کینہ ور شخص تو ضرور تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے ایران کو رومیوں کی دست برد سے محفوظ رکھا۔

اشکِ پانزدہم۔فرہادک (فرہادِ پنجم)

(۲ق م سے ۴عیسوی تک)

روما سے معاہدہ

فرہادِ پنجم باپ کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے تخت نشیں ہوا تو اس نے بھی وہی طریق کار اختیار کرنا چاہا' جو اس کے باپ نے کیا تھا۔ رومیوں سے خوش گوار تعلقات برقرار رکھنے کے لیے اس نے اپنا سفیر قیصرِ روم کے دربار میں بھیجا اور یہ استدعا کی کہ اس کے بھائیوں کو ایران واپس بھیج دیا جائے۔

قیصرِ روم فرہاد کو غاصب سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فرہادِ چہارم کے شہزادوں میں سے' جو دربارِ روم میں تھے' کوئی ایک ایران کا بادشاہ بنے' اس لیے فرہادِ پنجم کی خواہش کو اس نے درخور اعتنا نہ سمجھا اور بڑی نخوت سے ایرانی سفیر کو جواب دیا کہ فرہاد غاصب ہے اور ایرانی تخت و تاج پر اس کا کوئی حق نہیں۔ نیز اسے چاہیے کہ فی الفور اپنے فوجی دستے آرمینیا سے واپس منگا لے۔ آگسٹس نے محض جواب دینے پر اکتفا نہ کی بلکہ جنگی تیاریوں کا حکم دیا اور ایران پر فوج کشی کرنے کے لیے اپنے بڑے پوتے کابوس کو نامزد کیا۔ ۱ق م میں کایوس لشکر جرار لے کر ایران پر حملہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔

فرہاد نے رومی لشکر کے کوچ کی خبر سنی تو سخت خوف زدہ ہوا اور آگسٹس کے دربار میں سفیر بھیج کر مصالحت کی پیش کش کی۔ آگسٹس نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دریائے فرات کے جزیرے پر کایوس سے ملاقات کرے۔ چناں چہ یہ ملاقات ۱ ق م میں ہوئی جس میں فرہاد اور کایوس کے مابین یہ معاہدہ ہوا کہ دونوں حکومتوں کے خوش گوار تعلقات برقرار رکھے جائیں گے اور فرہاد پنجم آیندہ آرمینیا کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔

فرہاد پنجم، وونونس اور اردوانِ سوم

فرہادِ پنجم کے زمانے میں مملکتِ ایران کے حالات بہت ابتر ہو رہے تھے۔ خود بادشاہ کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں؛ ایک یہ کہ وہ ایک رومی کنیز کے بطن سے تھا۔ ماں کی طرف اس کی توجہ بہت زیادہ تھی۔ چناں چہ اپنے عہد میں جو سکے اس نے بنوائے ان میں جہاں اس کی شبیہ تھی، وہاں اس کی مادر ملکہ کی شبیہ بھی تھی۔ سب سے زیادہ نفرت انگیز وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی ماں کے بہکانے پر باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ امرا اسے اس لیے بھی ناپسند کرتے تھے کہ وہ آرمینیا کے حق سے دستبردار ہو چکا تھا۔ حالاں کہ آرمینیا مہرداد دوم کے زمانے سے اشکانی بادشاہوں کے زیر اثر چلا آتا تھا۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر اس کے خلاف شورش ہوئی اور اسے ۴ عیسوی میں تخت سے بے تعلق کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

فرہادِ پنجم نہایت بزدل اور نا اہل شخص تھا۔ اس کی وجہ سے حکومت کے وقار کو ٹھیس لگی اور آرمینیا ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اس زمانے کا ایک اہم عالمی واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

اشکِ شانزدہم (اردِ دوم)

(۴ء تا ۸ء)

فرہادِ پنجم کی ہلاکت کے بعد امرائے پارت نے اشکانی خاندان کے ایک فرد اُرد دوم کو ۴ع میں تخت نشیں کیا، جو فرہاد کے خوف سے کہیں گوشۂ گم نامی میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے تخت نشیں ہوتے ہی دستِ ظلم دراز کیا۔ لوگوں کو شروع ہی میں اس سے نفرت ہو گئی۔ بالآخر امرا نے موقع پا کر اسے ۸ء میں قتل کر دیا۔ اس کی مدت حکومت چار سال تھی۔

اشک ہفدہم (وونن اول)

(۸ء تا ۱۶ء)

اردِ دوم کے قتل کے بعد کوئی اشکانی شہزادہ باقی نہ رہا تھا' جسے تخت نشیں کیا جاتا اس لیے پارت کی 'مجلس مہتاں' کی طرف سے ایک ایلچی قیصر کے دربار میں بھیجا گیا- اس نے قیصرِ روم سے استدعا کی کہ فرہادِ چہارم کے بڑے بیٹے وونن (Vonones) کو تخت نشینی کے لیے ایران بھیج دیا جائے- آگسٹس اس پیغام سے بہت خوش ہوا- وہ خود یہی چاہتا تھا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ وونن زندگی کا بیش تر حصہ روم میں گزارنے کی وجہ سے رومی آداب و اخلاق اختیار کر چکا ہے' اس لیے ایران کا بادشاہ بن کر رومیوں کی حمایت کرتا رہے گا اور قیصرِ روم کی برتری میں اضافہ کرنے کا موجب بنے گا- اس لیے اس نے ''مجلسِ مہتاں'' کی درخواست بہ خوشی قبول کر لی اور اسے وارث تخت و تاج بنا دیا گیا- زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ امرائے پارت اس سے ناراض ہو گئے' کیوں کہ اس کے آداب و خصائل رومیوں کے سے تھے- اس کی بعض عادتیں اجنبی تھیں اور ایرانی آداب کے منافی تھیں- مثلاً یہ کہ وہ کوچہ و بازار میں گھومتا پھرتا تھا-[1] جو شخص چاہتا اس سے بے تکلف مل لیتا- ایرانی ضیافتوں کو وہ ناپسند کرتا تھا- شکار و تفریح سے اسے پرہیز تھا- نیز وہ روم سے آتے ہوئے رومیوں کی جمعیت ساتھ لایا تھا اور ان ہی کو اونچے مناصب کا اہل سمجھتا تھا- ان وجوہ کی بنا پر امرائے پارت وونن کو اشکانی تخت و تاج کا مستحق نہ سمجھتے تھے- انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ وونن دراصل رومی ہو چکا ہے اور رومیوں کا ہی دم بھرتا رہے گا- اس کے خلاف نفرت بڑھتی گئی' بالآخر اشکانی خاندان کے ایک شخص اردوان (Artabanus) نے علمِ بغاوت بلند کیا- امرائے سلطنت نے اس کی حمایت کی- اس کا پہلا حملہ اگرچہ کام یاب نہ ہو سکا لیکن دوسرے حملے میں اس نے وونن کو پارت سے نکال باہر کیا- وونن نے پارت سے نکل کر آرمینیا کا رُخ کیا اور ۱۶ء میں آرمینیا کا حکم ران بننے میں کام یاب ہو گیا-

اشکِ ہیجدہم (اردوانِ سوم)

(۱۶ء تا ۴۰ء)

اردوان سوم تخت نشیں ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ وونن آرمینیا کا بادشاہ بن بیٹھا ہے- اسے یہ گوارا نہ تھا کہ اس کا دشمن' جسے رومیوں کی حمایت حاصل ہے' ہمسایہ ملک کا حکم ران بنے-

(۱) ایران باستان ج ۳ ص ۲۳۹۲

اس نے چاہا کہ آرمینیا اور روم دونوں جگہ اس کی مخالفت کرے۔ چناں چہ اس نے آگسٹس کے پوتے کے پاس' جواب قیصرِ روم تھا' اپنا سفیر بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ وونن کو آرمینیا کا حکم ران تسلیم نہ کرے اگر وہ اسے حکم ران تسلیم کرنے پر مصر ہوا تو ایران کے ساتھ اس کے روابط قائم نہ رہ سکیں گے۔ قیصرِ روم' وونن کی حمایت تو کرنا چاہتا تھا لیکن اردوانِ سوم کی خواہش کو بھی رد نہ کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال اس نے وونن کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ وونن نے حکومتِ روم کی بے اعتنائی دیکھی تو تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر شام پہنچ گیا' جہاں رومیوں نے اسے پناہ دی۔

قیصرِ روم ٹی بیرئس نے صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر اپنے بھتیجے جرمانیکس (Germanicus) کو درۂ دانیال سے دریائے فرات تک کا مختارِ کل بنا کر بھیجا۔ جرمانیکس ۱۸ء میں ایشیائے کوچک آیا اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی لشکر لے کر آرمینیا کے دارالحکومت ارتکسا تا آ پہنچا اور ایک غیر ملکی شخص کو ارتا کسیاس (Artaxia) کے لقب سے تخت نشین کیا اور خود اسے تاج پہنچایا۔

جرمانیکس رسم تاج پوشی ادا کر کے شام واپس چلا گیا۔ ابھی وہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ اردوانِ سوم کا سفیر اس کے دربار میں آیا اور خواہش ظاہر کی کہ وونن پارت کے امرا کو شورش پر آمادہ کر رہا ہے اس لیے اسے شام سے نکال دیا جائے اور یہ بھی کہا کہ شہنشاہِ ایران کی یہ خواہش بھی ہے کہ فرات کے کنارے پر جرمانیکس سے ملاقات کرے تاکہ ان روابط کی تجدید ہو سکے جو آگسٹس اور کایوس کے زمانے میں روم و ایران کے مابین قائم ہوئے تھے۔ جرمانیکس نے ملاقات کا ارادہ بھی کیا لیکن یہ ملاقات نہ ہو سکی۔

گزشتہ چند سالوں میں اردوانِ سوم کو مختلف مہموں میں نمایاں کام یابی حاصل ہوئی تھی۔ اس سے اس کا حوصلہ بڑھا اور جوں ہی ارتا کسیاس فوت ہوا وہ اپنا لشکر لے کر آرمینیا آ گیا اور اپنے بڑے بیٹے اشک کو آرمینیا کے تخت پر بٹھایا۔ ٹی بیرئیس نے سنا تو وہ سخت برہم ہوا اور فرہادِ چہارم کے بیٹے کو جو دربار روم میں تھا' شام بھیجا تاکہ پارت پہنچ کر انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اسے یقین تھا کہ پارت کی ایک طاقت ور جمعیت اس کا ساتھ دے گی' لیکن سوءِ اتفاق سے یہ شہزادہ بیمار ہو کر فوت ہو گیا اور ٹی بیرئیس کا منصوبہ کام یاب نہ ہو سکا۔ اس پر اردوانِ سوم نے ایک طنز آمیز مراسلہ ٹی بیرئیس کو لکھا' جس میں اسے بزدل' فاسق و فاجر کہہ کر خطاب کیا گیا تھا۔ ٹی بیرئیس یہ مراسلہ پڑھ کر سخت برافروختہ ہوا اور فرہاد کی وفات کی خبر سنتے ہی فرہادِ چہارم کے بھتیجے تیرداد کو شام بھیجا کہ وہ اس منصوبے کی تکمیل کرے' جس کے لیے ٹی بیرئیس نے فرہاد کو بھیجا تھا۔ ساتھ ہی ایبری (گرجستان) کے حکم ران فرس ما نیس کو ترغیب دلائی کہ پارت

کے مقبوضات پر قبضہ کر لے۔[1]

والیِ گرجستان کا حکم ران آرمینیا میں

۳۵ء میں فرس مانیس نے سازش کر کے آرمینیا کے بادشاہ اشک کو جواردوانِ سوم کا بیٹا تھا، قتل کرادیا اور آرمینیا کے دارالحکومت پر قابض ہو گیا۔ اردوان نے اپنے بیٹے اُرد (Orodes) کو آرمینیا پر لشکر کشی کرنے کے لیے بھیجا۔ اُرد نے آرمینیا پر حملہ کیا، لیکن اسے کام یابی نہ ہوئی۔

آرمینیا پر اردوان کا حملہ اور گرگان کی طرف فرار

بیٹے کی ناکامی کے بعد اردوان نے خود ۳۶ء کے موسم بہار میں آرمینیا پر حملہ کرنے کی تیاری کی لیکن اسے خبر ملی کہ شام کا رومی حکم ران وٹلیس (Vitellius) فرات کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے اور چاہتا ہے کہ بین النہرین کے ایرانی مقبوضات کو مسخر کر لے۔ اس لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ آرمینیا کا ارادہ ترک کر کے وہ اپنے بین النہرین کے مقبوضات کی حفاظت کرے۔ وٹلیس نے اردوان کی آمد کی خبر سنی تو خوف زدہ ہوا اور پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ امرائے پارت کو زر و مال کا لالچ دے کر انھیں اردوان کے خلاف ابھارے، جس میں اسے کام یابی ہوئی۔

امرائے پارت کچھ اس لیے کہ اُردوان ایران کا وقار بحال نہ کر سکا اور کچھ رومیوں سے رشوت حاصل کرنے کی وجہ سے اردوان سے برگشتہ خاطر ہو گئے۔ فوج میں بددلی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس لیے اردوان نے یہی مناسب سمجھا کہ داہی قبائل کے ہاں، جن کے سپاہی ایرانی فوج میں تھے، جا کر کچھ وقت گزارے۔ ممکن ہے اہلِ پارت اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور اسے پھر واپس بلالیں۔

تخت وتاج حاصل کرنے میں اردان کی کام یابی

شام کے حکم ران وٹلیس کو اردوان کے ایران چھوڑنے کا علم ہوا تو وہ فرات کو عبور کر کے تیرداد کو طیسفون (مدائن) لے آیا جہاں کے امرا نے تیرداد کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بین النہرین کا حکم ران اُرنس پادسب سے پہلے اس کے استقبال کے لیے آیا اور اظہارِ اطاعت کیا۔ اردوان کی

---

(۱) سوئکس، ایران باستان، ج ۲، ص ۲۴۰

مخالف فوج کے سالار اور اس کے باپ آبداگیس نے بھی جو اردوان کا خزانہ دار تھا' سرِ تسلیم خم کیا- بین النہرین کے یونانی شہروں میں بھی اس کے لیے دروازے کھول دیے گئے- ان کا خیال تھا کہ اشکانی شہزادہ تیرداد' جس نے رومی دربار میں پرورش پائی ہے' بہت اچھا حکم ران ثابت ہوگا-

لیکن یہ موافق فضا زیادہ دیر برقرار نہ رہی- اس کے لیے کئی اسباب پیدا ہو گئے- اس نے جب اپنی حکومت مستحکم دیکھی تو امرا کے مشوروں کو بالائے طاق رکھ کر وزارتِ عظمیٰ کا منصب اور صوبوں کی حکومتیں اُن لوگوں کو دیں جنھیں خود اس نے انتخاب کیا- اس سے امرا' جو امید لگائے بیٹھے تھے' بددل ہو گئے- کچھ اعیانِ سلطنت جو تیرداد کے استقبال کو نہیں آئے تھے' اب اس سے خائف تھے- ان وجوہ کی بنا پر اکثر امرا پشیمان تھے کہ انھوں نے اردوان کو کیوں بے یار و مددگار چھوڑا اور ایلچی بھیج کر اسے واپس آنے کی دعوت دی-

داہی قبائل' جو سکائیوں کی شاخ تھے' اردوان کو لشکر دینے کے لیے تیار ہو گئے- اردوان نے یہ لشکر لے کر طیسیفون کا رُخ کیا- تیرداد کو اردوان کی آمد کا سان گمان بھی نہ تھا اس لے وہ اس صورت سے قطعاً بے خبر تھا- اردوان کے مقابلے میں صف آرائی کرنا ممکن نہ تھا اس لیے وہ طیسیفون کو خالی کر کے شام پہنچ گیا اور اردوان بغیر کسی مقابلے کے اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا-

رومیوں سے مصالحت

قیصرِ روم ٹی بیریس اب یہ چاہتا تھا کہ حکومتِ ایران کے ساتھ مصالحت ہو جائے- اس نے شام کے حاکم وٹلیس کو اردوان سے معاہدہ کرنے کے لیے بھیجا- اردوان خود بھی مصالحت کا خواہش مند تھا- چناں چہ ۳۷ء میں دریائے فرات کے کنارے دونوں کی ملاقات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اردوان آیندہ آرمینیا سے بے تعلق ہو جائے گا؛ نیز اپنا بیٹا بطور یرغمال رومی دربار میں بھیجے گا-

اس معاہدے سے ایرانی وقار کو مزید ٹھیس لگی تو امرا نے متفق ہو کر اسے تخت و تاج سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا لیکن دست برداری کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ ایک بار پھر تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا لیکن اب کی دفعہ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور ۴۰ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوا-

اشکِ نوزدہم (وردان)

(۴۰ء تا ۴۶ء)

اردوان کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا وردان (Vardanes) دارالحکومت میں موجود نہ تھا اس لیے اس کے چھوٹے بھائی نے ایران کا تخت و تاج سنبھالا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وردان آ پہنچا اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اسے جنگ کرنی پڑی جس میں اسے کام یابی ہوئی اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

وردان نہایت شقی القلب شخص تھا۔ اس نے اپنے کردار سے اعیانِ سلطنت کو ناراض کرلیا۔ اور اسی فکر میں تھا کہ اسے حکومت سے دست بردار ہونے پر مجبور کریں کہ ایک دن امرا نے شکارگاہ میں اسے گھیر کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اشکِ بیستم (گودرز)

(۴۶ء تا ۵۱ء)

وردان کے قتل کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بھائی گودرز کو ۴۶ء میں تخت نشیں کیا۔ وہ چاہتا تو آزادی سے حکومت کرسکتا تھا لیکن وہ بھی اپنے پیش رو کی طرح نہایت سنگ دل شخص تھا۔ اس نے پہلے تو بھائیوں کا صفایا کیا' پھر اور اقربا کی طرف خونین ہاتھ بڑھایا' پھر اپنے خانوادہ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تہِ تیغ کیا۔ امرائے سلطنت اس کی بربریت سے سخت برافروختہ ہوے۔ آخر اس کے ناراض ہونے کے باعث انھوں نے اپنا ایلچی دربارِ روم میں بھیج کر یہ خواہش کی کہ وونن کے بیٹے کو ایران بھیج دیا جائے تا کہ اسے تاج پہنچایا جائے۔ کلاڈیس نے' جو اس وقت قیصرِ روم تھا' وونن کے بیٹے مہرداد کو فوج دے کر بھیجا اور وہ فرات کو عبور کر کے سرحدِ ایران میں داخل ہوا لیکن گودرز نے اس کا مقابلہ کر کے فتح پائی اور اُس فتح کی یاد میں اس نے کوہ بیستون پر ایک کتبہ کندہ کرایا۔

اشکِ بیست و یکم (وونن دوم)

(۵۱ء تا ۵۱ء)

گودرز کی وفات پر وونن دوم تخت نشیں ہوا' جو آذربائیجان کا حکم ران تھا۔ گودرز اپنی زندگی میں تمام وارثانِ تخت و تاج کو ہلاک کرچکا تھا اس لیے یہ معلوم نہیں کہ وونن کی گودرز کے

ساتھ کیا قرابت تھی- بہر حال قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا کوئی دور کا رشتے دار ہو گا- اس نے چند ماہ حکومت کی- کوئی تاریخی واقعہ اس کے زمانے میں رونما نہیں ہوا

اشکِ بیست و دوم (بلاشِ اول)

(۵۱ء تا ۷۷ء)

وونن کی وفات پر اس کا بیٹا بلاش ۵۱ء میں تخت نشیں ہوا- بلاش اول (Volagases) اشکانی خاندان کا آخری نام ور بادشاہ تھا- اس کے بعد یہ خاندان زوال پذیر ہو گیا-

بلاشِ اول شروع ہی سے یہ چاہتا تھا کہ آرمینیا کو اپنے تسلط میں لے اور وہاں کی حکومت اپنے بھائی تیرداد کو سونپے- چناں چہ وہ آرمینیا کے حالات کا بغور جائزہ لیتا رہا- آرمینیا میں گرجستان کے بادشاہ فرسمن کا بھائی مہرداد حکم ران چلا آ رہا تھا- فرسمن کا بیٹا رادامسٹس، جو ایک جاہ پسند شخص تھا، اب باپ کی حکومت خود حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن فرسمن نے اس کا رُخ موڑنے کے لیے اسے آرمینیا کو فتح کرنے کی ترغیب دلائی- رادامسٹس نے آرمینیا کا رُخ کیا اور اپنے چچا مہرداد کو قتل کر کے آرمینیا کی حکومت سنبھال لی- بلاشِ اول نے آرمینیا کی صورت حال کو اپنے لیے موافق سمجھا اور تخت نشیں ہوتے ہی ۵۱ء میں آرمینیا پر لشکر کشی کی- رادامسٹس مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا- لیکن اس زمانے میں آرمینیا میں وبا پھیلی اور قحط بھی نمودار ہوا اس لیے بلاش آرمینیا سے واپس آ گیا- رادامسٹس نے بلاش کی واپسی کی خبر سنی تو وہ آرمینیا لوٹ آیا اور تین سال تک حکومت کرتا رہا-

بلاش پھر آرمینیا پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے ارادے میں ایک اور مہم حائل ہوئی- آدیابن (Adiabene) کے حکم ران عزت نے، جو اردوان سوم کے عہد سے اشکانی حکومت کا باج گزار چلا آتا تھا اب خود مختار ہونے کا منصوبہ بنایا اور خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا- بلاش نے اس سے سختی سے خراج مانگا لیکن اس نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا- بلاش، آدیابن پر لشکر کشی کے ارادے سے آیا- راستے ہی میں اسے خبر ملی کہ داہی اور سکائی قبائل نے پارت پر یلغار کر دی ہے- مجبوراً اس مہم کو بھی ناتمام چھوڑ کر پارت واپس آ گیا اور حملہ آور قبائل کو مار بھگایا- اتنے میں عزت کے مرنے کی خبر ملی- اس کی وفات پر اس کے بھائی مونوبازہ نے آدیابن کی حکومت سنبھالی- اس کے ساتھ بلاش کو کوئی مخاصمت نہ تھی اس لیے آدیابن کا خیال چھوڑ کر اس نے آرمینیا پر فوج کشی کی- اب کی دفعہ بھی رادامسٹس بھاگ نکلا اور بلاش نے اپنے بھائی تیرداد کو

آرمینیا کی حکومت سونپی اور خود لوٹ آیا۔

بلاشِ اول اور قیصرِ روم نیرو

روم کی حکومت جب نیرو کو ملی تو اسے یہ گوارا نہ تھا کہ آرمینیا پر اشکانیوں کا تسلط ہو۔ چناں چہ اس نے ۵۵ء میں اپنے نامور جرنیل کاربولو کو آرمینیا کی مہم پر مامور کیا اور شام کے حکم ران اُمیدئیس کو اسے مدد دینے کا حکم دیا۔ ۵۵ء میں رومیوں نے جنگ کی تیاری مکمل کر لی۔ اب ایران اور روم کے مابین تصادم ناگزیر نظر آتا تھا کہ قیصر کے مشیروں نے جنگ سے بچنے کا مشورہ دیا۔ کاربولو اور اُمیدلیس نے بھی یہ رائے دی کہ پہلے حکومتِ ایران کے ساتھ دوستانہ مذاکرات ہونے چاہئیں۔ ممکن ہے آرمینیا کا مسئلہ صلح و صفائی سے حل ہو جائے۔ چناں چہ حکومت روم نے اپنا سفیر دربار ایران میں بھیجا اور مصالحت کی پیش کش کی۔ شرائط صلح یہ تھیں کہ روم آرمینیا میں اپنا اثر قائم کرنے کا تقاضا نہ کرے گا' بلاش اپنی فوج آرمینیا سے واپس بلا لے گا اور حکومتِ آرمینیا جوں کی توں تیرداد ہی کے پاس رہے گی اور ان شرائط کو پورا کرنے کے لیے بلاش اپنے خاندان کے قریب ترین عزیز کو بطورِ یرغمال دربارِ روم میں بھیجے گا۔ بلاش کو ایک نہایت ناخوش گوار صورت حال کا سامنا تھا کہ اس کے اپنے بیٹے واردان نے اس کے خلاف شورش بپا کر دی تھی' جس کی وجہ سے وہ ہر شرط ماننے کو تیار ہو گیا۔ چناں چہ وقتی طور پر مصالحت ہو گئی۔

تیرداد کا رومیوں سے مقابلہ

بیٹے کے خلاف بلاش کی جنگ تین سال (۵۵ء تا ۵۸ء) جاری رہی۔ آخر واردان مارا گیا اور بلاش نے آرمینیا کا سوال پھر اٹھایا اور تقاضا کیا کہ آرمینیا کو پارت کی ریاست تسلیم کیا جائے۔ حکومتِ روم اس شرط کو ماننے کے لیے تیاری نہ تھی۔ چناں چہ جنگ کی ٹھن گئی۔ رومی جرنیل کاربولو نے آرمینیا کے خلاف فوج کشی کی ہی تھی کہ بلاش کے لیے پھر حالات نامساعد ہو گئے۔ ہرکینیا (گرگان) کے حکم ران نے بغاوت کر دی' جو دو سال تک فرو نہ ہو سکی اس لیے بلاش آرمینیا کے حالات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ تیرداد کا جہاں تک بس چلا' کاربولو کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ۵۸ء میں اسے اپنے دارالحکومت ارتاکساتا سے ہاتھ دھونے پڑے اور پھر دو سال بعد پورا آرمینیا اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ رومیوں نے آرمینیا فتح کر کے کاپادوکیا کے ایک شہزادے ٹیگرینس کو آرمینیا کا بادشاہ بنایا۔

حصولِ آرمینیا کے لیے بلاش کا تقاضا

ابھی تک بلاش کو خود رومیوں کا آمنا سامنا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ آخر جب بلاش قدرے مطمئن ہوا تو اس نے آرمینیا کا سوال پھر اٹھانا چاہا اور فوج لے کر بین النہرین آیا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے رومیوں کی طرف سے پھر مذاکرات کی پیش کش ہوئی جسے بلاش نے قبول کر لیا۔ مذاکرات میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ دونوں حکومتیں اپنی فوج آرمینیا سے نکال لیں۔ دونوں اس تجویز پر رضامند تھے لیکن کسی فیصلے پر پہنچے بغیر گفت وشنید ختم ہو گئی۔

اسی اثنا میں نیرو کا ایک معتمد خاص لوسیئس پیٹس یہ پیغام لے کر کاربولو کے پاس آیا کہ ایرانی حریفوں سے جنگ کی جائے اور آرمینیا کا الحاق روما سے کیا جائے۔ کاربولو نے یہ پیغام سن کر جنگ کی تیاری کی اور دریائے فرات کو عبور کر کے بائیں کنارے آ ٹھہرا۔ پیٹس کا پادو کیا سے لشکر لیے ہوئے آرمینیا پہنچ گیا اور بلا مقابلہ تمام علاقوں کو پامال کر دیا۔ پیٹس نے یہ خیال کیا کہ جنگ جیتی جا چکی ہے اس لیے اس نے دو فوجی دستے ٹارس اور فرات کے مابین اور ایک پانٹس میں متعین کر کے خود سردسیر مقامات کی طرف گرمیاں گزارنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس عرصے میں متعدد افسروں اور سپاہیوں کو رخصت پر بھیج دیا۔ بلاش نے موقع کو غنیمت سمجھ کر لشکر کشی کی جس کی اطلاع پیٹس کو بھی ملی لیکن بجائے اس کے کہ وہ مقابلے کے لیے آگے بڑھتا' کاربولو کی کمک کا انتظار کرتا رہا۔ آخر اس نے اس شرط پر بلاش سے مصالحت کر لی کہ وہ ان قلعوں سے دست بردار ہو جائے گا' جن پر رومیوں کا قبضہ ہے۔ نیز جدید گفت وشنید کے فیصلے تک آرمینیا کو بھی خالی کر دے گا۔

اس کے بعد اشکانی حکومت کی طرف سے سفیر کاربولو کے پاس آئے لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی' جس پر ایرانی سفیروں کو ناکام واپس جانا پڑا۔ اب رومی سینٹ نے ایران سے جنگ کرنے کے مکمل اختیارات کاربولو کو سونپ دیے۔ اس نے آرمینیا میں پیش قدمی کی لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے پھر دونوں حکومتوں کے نمائندوں میں گفت وشنید شروع ہوئی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ تیرداد خود روم جائے اور قیصرِ روم نیرو کے ہاتھ سے تاج پہنے۔ یہ معاہدہ ۶۳ء میں ہوا۔ اس پر عمل بھی ہوا' اگرچہ تیرداد ۶۶ء تک روم نہ جا سکا۔[1]

تیرداد کی رسمِ تاج پوشی

تیرداد ۶۶ء میں تین ہزار ایرانی سواروں کے ہم راہ روم کو روانہ ہوا۔ اس کے سفر کے

(۱) ایران باستان' ص ۲۴۵۰

اخراجات چھ سو پاؤنڈ روزانہ تھے' جو رومی خزانے سے ادا کیے جاتے تھے- یہ اخراجات لگا تار نو ماہ تک ادا کیے گئے- وہ جہاں جہاں سے گزرتا اس کا استقبال اس طرح کیا جاتا جیسے کوئی فاتح آ رہا ہے- ہر شہر میں دروازے آراستہ کیے جاتے اور اہلِ شہر خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے استقبال کو آتے- آخر بڑی شان وشوکت سے رسم تاج پوشی ادا کی گئی- اس کے بعد وہ آرمینیا واپس آ گیا اور ایرانی طریقے کے مطابق حکومت کی تنظیم کرنے لگا- دونوں ملکوں کے مابین ایک مرتبہ پھر خوش گوار تعلقات کی بنیاد پڑی اور یہ تعلقات نصف صدی تک استوار رہے-

بلاش اور وسپاسیان کے روابط

قیصرِ روم نیرو فوت ہوا تو گالبا (Golba) اس کا جانشین بنا- وہ قتل ہوا تو اس کی جگہ اُتو نے قیصر روم کی حیثیت میں حکومت سنبھالی- اس نے داخلی حالت سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی- ۶۹ء میں جودی کے گورنر وسپاسیان (Vespasian) نے روما کا تخت وتاج حاصل کرنے کی تگ ودو شروع کی جس میں اسے کام یابی ہوئی- بلاش نے اس کے پاس اپنا سفیر بھیج کر چالیس ہزار سوار بھیجنے کی پیش کش کی لیکن اس کا سردار اطالیہ پر فتح پانے میں کام یاب ہو چکا تھا' اس لیے وسپاسیان نے شکریہ ادا کیا اور کمک بھیجنے سے روک دیا- وسپاسیان کے بیٹے ٹیٹس (Titus) نے ۷۱ء میں یہودیوں پر فتح پائی تو بلاش نے سونے کا ایک تاج ٹیٹس کے لیے بھیجا-

ایران میں میں آلانی قبائل کی یلغار

۷۵ء میں آلانی قبائل نے گرجی قبائل کے ساتھ مل کر آذر بائیجان پر یلغار کی- وہاں کا حکم ران ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور راہِ فرار اختیار کر کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا- قبائل نے مختلف علاقوں کو تاخت وتاراج اور سرسبز میدانوں کو تباہ و برباد کیا- وہاں سے نکل کر یہ قبائل آرمینیا آئے اور تیرداد کو مغلوب کر کے اسے اسیر کر لیا-

بلاش نے سنا کہ حکومت پارت کے ماتحت حکم رانوں نے آلانی قبائل کے ہاتھوں نہایت ذلت آمیز شکست کھائی ہے' تو وہ خائف ہوا کہ مبادا قبائل اب پارت کا رُخ کریں' اس لیے اس نے وسپاسیان سے مدد حاصل کرنا چاہی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا- قبائل طول و عرض ملک میں لوٹ مار کرتے ہوئے آخر لوٹ گئے- زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بلاش ۷۷ء میں فوت ہو گیا- بحیثیت مجموعی اس کا عہد کام یاب رہا' البتہ تاریخ پارت میں پہلی بار ایسا ہوا کہ شمال کی طرف سے قبائل نے پارت پر حملہ کیا اور اس کا سدِ باب نہ ہو سکا- اس سے یہ واضح ہو گیا کہ

اشکانی حکومت روبہ زوال ہوگئی ہے۔

اشکانی عہد کے زوال کا آغاز

اشکِ بیست وسوم

(۷۷ء تا ۱۰۵ء)

بلاش اول کے بعد اس کا بیٹا پیکارس دوم ۷۷ء میں تخت نشیں ہوا۔ اس عہد میں سخت بدامنی رہی۔ اشکانی سلطنت مختلف حصوں میں بٹ گئی اور ہر علاقے کا حکم ران شہنشاہ کہلانے لگا۔ سب شہنشاہ اپنے اپنے نام کے سکے ڈھالتے تھے۔ چناں چہ اس عہد کے سکے پیکارس کے علاوہ اردوان اور مہرداد کے نام کے بھی پائے گئے ہیں۔ سکوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ مختلف علاقوں کے خودمختار حکم ران تھے لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ علاقے کون کون سے تھے۔[1]

پیکارسِ دوم بتیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۵ء میں فوت ہوا۔ اس عہد میں کوئی اہم واقعہ رونما نہ ہوا اور رومیوں اور ایرانیوں کے تعلقات بھی خوش گوار رہے۔ اس لیے یونانی مؤرخوں نے اس عہد کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اشکِ بیست وچہارم (خسرو)

(۱۰۵ء تا ۱۳۰ء)

خسرو (Osroes) نے ایسے وقت میں حکومت کی باگ سنبھالی جو پارت کی تاریخ کا نازک ترین دور تھا۔ اس کا ذکر کرنے سے پہلے آس پاس کے حالات پر نظر ڈال لی جائے تو مناسب ہوگا۔

آرمیناکا حکم ران تیرداد ۱۰۰ء میں فوت ہوا تو پارت کے بادشاہ پیکارس دوم نے اپنے بیٹے ایکسی ڈارس (Exedares) کو آرمینیا کے تخت پر بٹھایا۔ وہ مطلق العنان بادشاہ کی طرح اپنی مرضی سے حکومت کرتا تھا اور امور سلطنت میں قیصرِ روم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ سمجھتا تھا۔ یہ بات قیصرِ روم کو سخت ناگوار گزری۔

اس وقت قیصرِ روم ٹروجن تھا جو داکیوں (اہلِ رومانیہ) سے ۱۰۱ء سے ۱۰۷ء تک مصروفِ پیکار رہا۔ حالات اسے اجازت نہ دیتے تھے کہ پارت کی طرف رجوع کرے۔ داکیا کی

(۱) ایرانِ باستان، ج ۲، ص ۲۴۶۵

مملکت کو مطیع کرنے کے سات سال بعد اس نے پارت کی مہم کا آغاز کیا کیوں کہ بادشاہ پارت نے آرمینیا میں اپنی مرضی سے اپنے بیٹے ایکسی ڈارس کو وہاں کی حکومت سونپ دی تھی' جو ایران و روم کے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی تھی-

ٹروجن بڑا جاہ پسند بادشاہ تھا- وہ چاہتا تھا کہ اسکندر اعظم کی طرح کشور کشائی کرے- چناں چہ اس نے قضیۂ آرمینیا کے بہانے ایک عظیم لشکر لے کر ۱۱۳ء میں مشرقی ممالک کا رُخ کیا- وہ ایتھنز پہنچا تھا کہ خسرو کے سفیر ٹروجن کے دربار میں آئے اور تحفے تحائف نذر کیے جو خسرو نے انھیں دیے تھے' اور خسرو کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ ایکسی ڈارس کو آرمینیا کی حکومت سے الگ کر دیا گیا ہے- اب اگر قیصر روم منظور کرے تو ایکسی ڈارس کے بھائی پارتھا مازیرس (Parthamasiris) کو آرمینیا کی حکومت سپرد کر دی جائے اور تاج بخشی کی رسم قیصرِ روم کیا ہاتھوں سے ادا ہو-

ٹروجن کو اگر محض آرمینیا میں اپنی برتری قائم کرنے کا خیال ہوتا تو اس کے لیے خسرو نے جو اقدام کیا تھا' وہ کافی تھا' لیکن وہ تو چاہتا تھا کہ ممالک مشرق کی از سر نو تنظیم کرے' مملکتِ پارت کو روما کا اطاعت گزار بنائے اور پھر ہند کا رُخ کرے- اس لیے خسرو کے سفیروں کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے اس نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ خسرو کے تحائف لوٹاتے ہوئے کہا: ''جب میں شام پہنچوں گا تو جیسا مناسب ہوگا' ویسا کیا جائے گا''- اس جواب سے اس کا ارادہ واضح تھا-

موسمِ خزاں کے آخر میں ٹروجن نے انطاکیہ پہنچ کر جنگی تیاریوں کا جائزہ لیا- یہاں مختلف ممالک کے حکم رانوں نے تحفے تحائف بھیج کر ارادت کا اظہار کیا- خسرو کے بیٹے پارتھا مازیرس نے مراسلہ بھیج کر ٹروجن سے گفت وشنید کرنے کی خواہش کی- اس مراسلے میں اس نے اپنے آپ کو 'بادشاہِ آرمینیا' لکھا تھا- اس کا اسے کوئی جواب نہ ملا پھر دوسرا مراسلہ اس نے ٹروجن کے دربار میں بھیجا جس میں اس نے اپنا نام بغیر کسی لقب کے لکھا تھا- اس کا البتہ ٹروجن نے یہ جواب دیا کہ اگر وہ ٹروجن کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو اسے آرمینیا کا تاج پہنا دیا جائے گا-[1]

ٹروجن جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ۱۱۵ء میں مشرقی ممالک کی مہم کے لیے چلا اور فرات کو عبور کر کے آرمینیا پہنچ گیا- شہزادہ پارتھا مازیرس' ٹروجن کی خدمت میں حاضر ہوا اور تاج

(۱) ایران باستان' ج ۲' ص ۲۴۷۴-۲۴۷۵

اتار کر نیچے رکھ دیا- اسے یقین تھا کہ ٹروجن تاج اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دے گا لیکن ایسا نہ ہوا- آخر جب یہ شہزادہ نامراد وہاں سے چلا تو ٹروجن نے اس کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا- اس کا یہ فعل نہایت بے رحمانہ تھا جس پر اہل روم نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا-

بین النہرین اور بابل کی تسخیر (۱۱۵ء تا ۱۱۶ء)

پارتھا مازیرس کو الگ کر کے اس نے آرمینیا کلاں اور آرمینیائے کوچک کو ملا کر ایک رومی صوبہ بنا دیا- یہاں آس پاس کے قبائل نے اپنے نمائندے بھیج کر ارادت کا اظہار کیا- ان لوگوں پر ٹروجن نے روم کی قوت وشوکت واضح کی- آرمینیا سے نکل کر اس نے نصیبین کا رُخ کیا- یہاں بھی مختلف علاقوں کے حکم رانوں نے خراج عقیدت پیش کیا اور رفتہ رفتہ بین النہرین کے تمام امرا اور حکم رانوں نے رومیوں کی اطاعت قبول کر لی- اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آرمینیا کی طرح پورا بین النہرین بھی رومی صوبہ بن گیا اور یہاں رومی سکے رائج کیے گئے- اسی زمانے میں رومی سینٹ نے ٹروجن کو 'پارتی کوس' یعنی فاتح پارت کا خطاب دیا-[1]

زلزلہ

سردیوں کا موسم گزار کر جب ٹروجن شام کے شہر انطاکیہ آیا تو نہایت تباہ کن زلزلہ آیا' جس سے متعدد شہر آن کی آن میں کھنڈرات بن گئے- اس بلائے آسمانی سے ہزارہا انسان لقمۂ اجل بنے اور ہزاروں انسان مرنے والوں کے غم میں سوگوار ہوئے- ٹروجن بھی اس حادثے میں بال بال بچا- اتفاق سے وہ محل سے باہر نکلا ہی تھا کہ محل آن کی آن میں گر کر ڈھیر ہو گیا-

۱۱۶ء میں ٹروجن بین النہرین آیا جہاں اس کی مہم کے لیے جہاز تیار کیے جا رہے تھے- جہاز تیار ہوئے تو انھیں دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا- اب کی بار ٹروجن نے آدیابن کا رُخ کیا- خسرو نے آدیابن کے تحفظ کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا تھا اس لیے اس کی مدافعت نہ ہو سکی اور آدیابن بھی رومی مملکت کا جزو بن گیا- اس کے بعد ٹروجن نے فرات کو عبور کیا اور ہترا (Hatra) کو' جہاں تارکول کا بہت بڑا ذخیرہ تھا' مسخر کر لیا- اب وہ فرات کے کنارے کنارے بابل پہنچا- یہاں بھی مدافعت کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا اس لیے بابل بلا مقابلہ اس کے تصرف میں آ گیا- اس کے بعد ٹروجن نے طیسیفون اور سلیوکیہ بھی یکے بعد دیگرے مسخر کر لیے- گویا وہ تمام علاقہ' جو دجلہ اور فرات سے سیراب ہوتا تھا' رومیوں کے تسلط میں آ گیا- اب

---

(۱) [illegible]

ٹروجن اپنے آپ کو اسکندر ثانی سمجھنے لگا تھا اور مطمئن تھا کہ حکومت پارت جو مدت دراز سے روما کی حریف اور ہم سر چلی آتی ہے' اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ اس کا ارادہ تھا کہ سلطنت روم کی سرحدوں کو اپنی فتوحات کے ذریعے دریائے سندھ اور دریائے جیحوں تک پھیلا دے لیکن اس وقت یہ بات ٹروجن کے تصور میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ وقت کے دھارے کا رُخ بدل بھی سکتا ہے اور اس کی فتوحات کے نتائج نابود بھی ہو سکتے ہیں۔

ٹروجن کی پسپائی

خسرو ٹروجن کی فاتحانہ یلغاروں کو خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس نے مقابلے میں آنا تو مناسب نہ سمجھا لیکن جونہی ٹروجن نے واپسی اختیار کی' اس نے ٹروجن کے مفتوحہ علاقوں میں رومیوں کے تسلط سے آزاد ہونے کی تحریک چلائی جو کامیاب ہوئی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جابجا بغاوت کے علم لہرانے لگے۔ سیلوکیہ' الحضر' نصیبین اور ادس (ادرفہ) میں لوگوں نے اسلحہ سنبھالا اور رومیوں کا جوا اتارنے کی جدوجہد کرنے لگے۔ ٹروجن نے اپنے سالار شورشوں کو فرو کرنے کے لیے بھیجے' جنھوں نے سیلوکیہ کو نذر آتش کیا' نصیبین کو برباد کیا' ادس (ادرفہ) کو بھی جلایا لیکن آخر شورش پسندوں نے رومی سرداروں کا مقابلہ ہترا کے مقام پر کیا جس میں رومیوں کو شکست ہوئی اور رومی لشکر کا بیشتر حصہ لقمۂ اجل بنا۔

ٹروجن کو اب محسوس ہوا کہ اس کی فتوحات دیرپا ثابت نہ ہوں گی اس لیے اس نے مناسب سمجھا کہ جنوبی بین النہرین کو رومی صوبہ بنانے کی بجائے اسے خود مختاری دے دی جائے' جو روما کے اثر میں ہو' اس لیے اس نے اشکانی خاندان کے ایک فرد پارتھاماسپات (Parthamaspates) کو' جس نے خسرو کی مخالفت میں رومیوں کا ساتھ دیا تھا' جنوبی بین النہرین کا بادشاہ بنا دیا۔

اگلے سال خسرو نے طیسفون پر فوج کشی کی اور روم کے نامزد بادشاہ پارتھاماسپات کو نکال باہر کیا۔ لیکن آدیابن' آرمینیا اور شمالی بین النہرین پر رومی تسلط برقرار رہا۔

آرمینیا اور بین النہرین سے رومیوں کا اخراج

ٹروجن ۱۱۷ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی جگہ ہاردیان (Hardian) قیصرِ روم بنا۔ اس نے محسوس کیا کہ ملکی سرحدیں' جو آگسٹس نے قائم کی تھیں' وہی مناسب تھیں۔ ٹروجن نے حدود سلطنت کو وسعت دے کر دیوانہ پن کا ثبوت دیا ہے اس لیے اس نے حکم دیا کہ آرمینیا' آدیابن اور بین النہرین سے رومی فوج کے دستے واپس بلا لیے جائیں۔ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ حکومت پارت سے دوستانہ روابط پھر سے قائم کیے جائیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدیابن حسب سابق اشکانیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ بین النہرین پر

بھی ان کا تسلط تسلیم کر لیا گیا اور پارتھاماسپات کو آرمینیا کی حکومت سونپ دی گئی-۱۲۲ء میں ہاردیان نے خسرو سے ملاقات بھی کی اور خسرو کی بیٹی' جو ٹروجن کی مہموں میں اسیر ہو گئی تھی' خسرو کو لوٹا دی گئی- ایرانیوں کا تختِ زریں' جو رومیوں کے ہاتھ آیا اور جس کی بازیافت کے لیے ایرانی بے چین تھے' وہ بھی واپس کرنے کا وعدہ کیا- ہاردیان نے یہ صلح جویانہ اقدام کر کے ایرانیوں کے دلوں میں جگہ کر لی اور ایران اور روم کے مابین مستحکم دوستی کی بنیاد پڑی-

اس معاہدے کے بعد خسرو چند سال اور جیا' بالآخر ۱۳۰ء میں فوت ہوا-

اشکِ بیست و پنجم (بلاشِ دوم)

(۱۳۰ء تا ۱۴۵ء)

خسرو کی وفات کے بعد بلاشِ دوم' اشکِ بیست و پنجم کے لقب سے تخت نشیں ہوا- بلاشِ دوم کون تھا؟ اس کے متعلق مؤرخین نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں بتائی- بعض کا خیال ہے کہ وہ خسرو کا بیٹا تھا' بعض کا یہ بیان ہے کہ یہ وہی شخص تھا جس نے ۷۸ء میں اشکانی حکومت کا وارث ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اب ایران کے کسی حصے کی حکومت اس کے سپرد تھی- اگر یہی درست سمجھا جائے تو بقول حسنِ پیرنیا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۷۲ سال کی تھی- کیوں کہ ۷۸ء میں جب اس نے حکومت کا دعویٰ کیا تھا تو اس کی عمر بیس سال کی تھی- سکے جو اس کے نام کے ملتے ہیں' ان کی مدت ۱۳۰ء تا ۱۴۹ء ہے- اس لیے یہی درست سمجھنا چاہیے-(۱)

آلائی قبائل کا حملہ

بلاشِ دوم کے عہد میں کافی عرصے تک ایران میں امن و امان قائم رہا- آخر آلائی قبائل کو گرجستان کے بادشاہ فرس من نے ایران پر یلغار کرنے کے لیے اُکسایا اور قفقازیہ کے دروں سے' جو اس کے قبضے میں تھے' گزرنے کی اجازت دے دی- قبائل قفقازیہ سے گزر کر مملکتِ ایران میں داخل ہوئے اور آذربائیجان اور آرمینیا کے علاقوں میں بری طرح لوٹ مار کی- ان کا ایک گروہ کاپادوکیا کی طرف بڑھا جو رومیوں کے تسلط میں تھا لیکن مشہور یونانی مؤرخ ایریان (Arrian) نے' جو وہاں کا گورنر تھا' انھیں مار بھگایا- البتہ بلاشِ دوم نے زرِ کثیر دے کر انھیں لوٹا دیا اور اس طرح اپنی کمزوری کا ثبوت پیش کیا- بلاشِ دوم نے قیصرِ روم کے پاس گرجستان کے حاکم کی شکایت کی کہ اس نے آلائی قبائل کو قفقازیہ کے دروں سے گزرنے کی

(۱) حسن پیرنیا' ایران باستان' ص ۲۳۸۸

اجازت کیوں دی- اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ گرجستان اُس زمانے میں رومیوں کے زیر تسلط تھا- بلاشِ دوم کی شکایت کے سلسلے میں قیصر روم نے فرس من کو دربار میں تو ضرور بلوایا لیکن قبائلیوں کی حوصلہ افزائی کرنے پر اس نے کوئی سرزنش نہ کی بلکہ اسے خوش آمدید کہا اور یہاں تک اس کی عزت افزائی کی گئی کہ وہ روم کے دارالسلطنت میں دیوتاؤں کے نام کی قربان دے اور اپنا مجسمہ (بصورت سواری) تیار کرا کے معبد بلونا میں رکھ دے- اس کے علاوہ اسے یہ بھی رعایت دی گئی کہ وہ چاہے تو مملکت گرجستان کو آس پاس کے علاقے ملا کر وسیع کر لے-

بلاشِ دوم، بادریان کی اس غلط بخشی سے سخت برافروختہ ہوا لیکن حرف شکایت زبان پر نہ لا سکا- یہ اس کی کمزوری کی دلیل تھی-

قیصر روم ہادریان ۱۳۸ء میں فوت ہوا تو اس کی بجائے اس کا متبنیٰ اوریلیس (Aurelius) جو تاریخ میں انٹونیس پیس (Antonius Pius) کے نام سے مشہور تھا، تخت نشیں ہوا- بلاشِ دوم نے اسے تبریک پیش کرنے کے لیے اپنا سفیر دربارِ روم میں بھیجا- سفیر کے ذریعے قیصر کے لیے سونے کا تاج بھی پیش کش کیا- یہ حقیقت ان سکوں سے ظاہر ہوتی ہے جو انٹونیس نے اپنی حکومت کے سالِ اول میں بنوائے تھے- ان سکوں کے ایک طرف قیصر کے سر کی شبیہہ ہے اور دوسری طرف ایک عورت ہے جس کے بائیں ہاتھ میں ترکش اور کمان ہے اور دائیں ہاتھ میں تاج ہے جو اس نے پیش کش کے لیے آگے بڑھایا ہوا ہے اور سکوں پر پارتیا (پارت) کا نام بھی نقش ہے-

بلاشِ دوم نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ قیصرِ روم پارت کا تختِ زریں واپس بھیج دے، جو اس کا باپ ٹروجن لے گیا تھا لیکن انڈونیس نے ٹروجن کی فتح کی یادگار کو واپس بھیجنا مناسب نہ سمجھا-

بلاش کا تحفے تحائف دے کر اپنے سفیر کو دربار روم بھیجنا اس عہد کی آخری روئیداد ہے، جو رومی تاریخوں میں ملتی ہے- اس کے علاوہ قدیم تاریخوں میں اور کوئی ذکر نہیں آیا- صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ اشکانی حکومت کے ضعف و پیری کا زمانہ تھا کیوں کہ جب آلانی قبائل ایران پر حملہ آور ہوئے تو انھیں زر و مال دے کر ملک سے نکالا گیا- قیصرِ روم نے جب فرس من کی حوصلہ افزائی کی تو بلاش محض پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور حرفِ احتجاج تک زبان پر نہ لا سکا- تخت زریں کی واپسی کا مطالبہ رد ہونے پر بھی اس کے چہرے پر غیض و غضب کی کوئی شکن نمودار نہ ہوئی- بلاشِ دوم کی وفات ۱۴۸ء میں ہوئی-

اشکِ بیست و ششم (بلاشِ سوم)

(۱۴۸ء تا ۱۹۱ء)

بلاشِ دوم کی وفات پر اس کا بیٹا بلاشِ سوم' اشکِ بیست و ششم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں ایران و روم کے روابط ایک بار پھر کشیدہ ہوئے۔

۱۶۱ء میں جب مارکوس اوریلیس (Markus Aurelius) قیصرِ روم بنا تو بلاش سوم نے صلح نامے کو بالائے طاق رکھ کر جنگ کا آغاز کیا۔ اس کی دو وجوہ تھیں: ایک تو یہ کہ آرمینیا کا بادشاہ' اشکانی نسب سے تعلق نہیں رکھتا تھا اور براہِ راست قیصرِ روم کو جواب دہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بلاشِ دوم کا تختِ زریں کا مطالبہ قیصرِ روم نے مسترد کر دیا تھا۔

بلاش سوم نے آرمینیا پر حملہ کیا اور وہاں کے بادشاہ سوہیمس (Sohaemus) کو نکال باہر کیا اور اس کی بجائے اشکانی خاندان کے ایک فرد تیگرینس نامی کو تخت نشین کیا۔ یہ خبر اطراف و جوانب میں پھیلی تو حاکم کاپادوکیا' ایلیس سوریانوس (Aelius Severianus) نے جو گال قبیلے سے تعلق رکھتا تھا' آرمینیا پر لشکر کشی کی۔ شروع میں اسے کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن ایک پارتی سردار خسرو اپنی کثیر فوج لے کر موقع پر پہنچ گیا اور حاکم کاپادوکیا کو شکست دی۔ اس فتح کے بعد اشکانیوں نے شام کی طرف پیش قدمی کی اور اسے مسخر کر لیا پھر یہ فلسطین کی طرف بڑھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغربی علاقوں کے راستے ان کے لیے کھل گئے ہیں۔ اشکانی فتوحات کی خبریں روم پہنچیں تو قیصرِ روم نے جنگی تیاریوں کا حکم دے دیا۔

آوِیڈِیس کیسِٹس کی مہمات

۱۶۲ء تک روم' ایرانی حکومت سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ آخر ۱۶۳ء میں قیصرِ روم نے آویڈیس کیسیس (Avidius Cassius) کو فوج کی کمان دے کر شام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے بلاش سوم کو یوروپس کے مقام پر شکست دی اور اشکانیوں کو دھکیلتے ہوئے دریائے فرات تک پہنچا دیا۔

ایک اور رومی سردار سٹاٹیس پرسکس (Statius Priscus) آرمینیا کی طرف بلا رکاوٹ بڑھتا گیا یہاں تک کہ اس نے آرمینیا کا دارالحکومت ارتاکستا مسخر کر کے اسے تباہ و برباد کیا اور سوہیمس کو' جسے بلاشِ سوم نے آرمینیا سے نکال دیا تھا' واپس بلا کر آرمینیا کا تخت و تاج اس کے سپرد کیا۔

آویڈیس شام کی فتح پر قناعت نہیں کرنا چاہتا تھا- وہ ٹروجن کی طرح فاتح پارت کہلانا چاہتا تھا- چناں چہ اس نے ایرانی مملکت پر چڑھائی کی اور شہر بابل کو فتح کر لیا- پھر سیلوکیہ فتح کر کے اسے نذرِ آتش کیا- اس کے بعد اس نے طیسیفون کو مسخر کیا اور بلاش کے تابستانی محل کو آگ لگا کر کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور پارتیوں کے معبدوں کو بھی تباہ و برباد کیا- یہاں سے اسے کثیر تعداد میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا- اشکانیوں کو پے در پے شکستوں کا سامنا ہوا تھا اس لیے وہ مدافعت سے مایوس ہو رہے تھے- آویڈیس نے اسی پر اکتفا نہ کیا اور اب زاگروس کے پہاڑوں کی طرف پیش قدمی کر کے آذربائیجان (میڈیا) کا کچھ علاقہ بھی فتح کر لیا- اس طرح وہ ٹروجن سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا- اسے رومی سینٹ نے ارمنی کوس' پارتیکوس اور مڈیکوس کے خطابوں سے سرفراز کیا (یعنی فاتح آرمینیا' فاتح پارت اور فاتح میڈیا)-

رومی فتوحات کا سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ ایک بلائے ناگہانی طاعون کی شکل میں نازل ہوئی جس نے غالب کو مغلوب اور فاتح کو مفتوح بنا دیا- رومی بابل میں تھے کہ وہ بری طرح وبا کا شکار ہوئے- اہلِ ایران کا یہ عقیدہ تھا کہ رومیوں نے جو اشکانی معبدوں کو تباہ کیا تھا' یہ اُس کی سزا تھی- رومی ہزاروں کی تعداد میں وبا کا شکار ہوئے اور ہزاروں بھوک سے مرے' جو بچ کر روم پہنچے وہ رومیوں کے لیے مصیبت کا باعث بنے' کیوں کہ وبا ان کے ذریعے اطالیا تک بھی پہنچی اور وہاں بھی وبا نے ہزاروں کو موت کی نیند سلا دیا-

اشکِ بیست و ہفتم (بلاشِ چہارم)

(۱۹۱ء تا ۲۰۹ء)

بلاشِ سوم ۱۹۱ء میں فوت ہوا تو بلاش چہارم تخت نشیں ہوا- اس زمانے میں قیصر روم پرٹینکس (Pertinax) کو رومیوں نے قتل کر دیا- اس کے بعد روم میں خانہ جنگی شروع ہو گئی- بیک وقت تین سرداروں نے قیصرِ روم ہونے کا دعویٰ کیا- ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱- کلاڈیئس آلبینس (Claudius Albinus)

۲- سپٹی مس سیورس (Septemus Severus)' جو پینونینا کا حاکم تھا-

۳- پسینس نیگر (Pescenius Niger) یہ حاکم شام تھا- شام کی رومی فوج نے نیگر کو قیصر روم تسلیم کر لیا- بعض ممالک کے حکم رانوں نے مبارک باد کے پیغام بھیجے- بلاش نے بھی تبریک کی غرض سے اپنا سفیر نیگر کے پاس بھیجا اور فوج بھیجنے کی پیش کش کی لیکن اسے یقین تھا کہ

رومی سینیٹ قیصر تسلیم کر لے گی' اس لیے بلاش کی پیش کش کا شکریہ ادا کیا اور فوج بھیجنے سے روک دیا - اتنے میں خبر آئی کہ رومی سینیٹ نے سپٹی مس سیورس کو قیصرِ روم نامزد کیا ہے - اس پر نیگر نے بلاش کو کمک بھیجنے کے لیے کہا لیکن اب اسے تامل تھا - بہر حال اس نے ہترا کے حاکم کو اجازت دے دی کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو اپنے ماہر تیر انداز حاکم شام کی مدد کے لیے بھیج دے اور خود اس موقع پر غیر جانبدار رہنا چاہا -

۱۹۴ء میں رومی خانہ جنگیوں کا یہ اثر ہوا کہ مغربی بین النہرین میں علم بغاوت بلند ہوا اور رومی فوج تہ تیغ کر دی گئی -

سیورس کی مہمیں (۱۹۴ء تا ۱۹۷ء)

سیورس نے اپنے حریف نیگر کو شکست دی اور فرات کو عبور کر کے مغربی بین النہرین کے دارالحکومت نصیبین کو مسخر کر لیا پھر رومی تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور آدیابن کو فتح کر لیا - یہاں کا حاکم اشکانی حکومت کے تحت تھا لیکن اشکانیوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی لیکن جوں ہی سیورس وہاں رومی فوج متعین کر کے واپس ہوا' بلاش چہارم نے لشکر کشی کی اور رومیوں کو آدیابن سے مار بھگایا -

اس عرصے میں سیورس اپنے دوسرے حریف آلبینس کو بھی شکست دے چکا تھا - اب وہ شام واپس آیا اور اشکانیوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے جنگی تیاری میں مصروف ہو گیا - تیاری مکمل ہو چکی تو اس نے آرمینیا پر چڑھائی کی لیکن بادشاہ آرمینیا نے سرِ اطاعت خم کیا اور سیورس کی شرائط تسلیم کر لیں - اس کے بعد سیورس دجلہ کو عبور کر کے آگے بڑھا اور سیلوکیہ کو فتح کر کے اس علاقے سے اشکانیوں کا تسلط ختم کر دیا - طیسفون کی مدافعت کے لیے بلاشِ چہارم نے جنگ تو کی لیکن شکست کھائی اور اشکانیوں کے دارالسلطنت پر بھی رومیوں کا قبضہ ہو گیا - آدیابن بھی فتح ہوا اور رومی سلطنت کا جزو بنا جسے پھر حاصل کرنے کی اشکانی بادشاہوں نے کوشش نہ کی -

اشکِ بیست و ہشتم (بلاشِ پنجم)

(۲۰۹ء تا ۲۲۶ء)

بلاشِ چہارم نے ۲۰۸ء یا ۲۰۹ء میں وفات پائی - اب اس کے دو بیٹے بلاشِ پنجم اور اردوان تختِ پارت کے دعوے دار تھے - دونوں کے مابین جنگ چھڑی؛ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ بابل کی حکومت بلاشِ پنجم کے سپرد کر دی جائے اور پارت کی عنانِ حکومت اردوان سنبھالے -

چناں چہ اس پر عمل ہوا اور ایک ہی عہد میں دو اشکانی بادشاہوں کے سکّے رائج ہوئے۔

کاراکلہ کا دامِ فریب

اس زمانے میں قیصر روم کاراکلہ بنا جو سیورس کا بیٹا تھا۔ کاراکلہ نے سنا کہ ایران کے تخت و تاج کے لیے دو بھائی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں، تو وہ ان کے اختلاف کو اہلِ روما کے لیے فالِ نیک سمجھا بلکہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اس نے رومی سینیٹ کو مبارک باد بھی کہی۔ دیوکاسیس [1] لکھتا ہے: ''کاراکلہ نے شروع میں یہ مناسب سمجھا کہ بلاشِ پنجم کو پارت کا بادشاہ تسلیم کرے لیکن ۲۱۵ء میں اس نے اردوان سے گفت و شنید شروع کر دی۔ اس نے اردوان کے پاس اپنے سفیر تحفے تحائف دے کر بھیجے اور اردوان کی شہزادی کے رشتے کا طلب گار ہوا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ رشتہ رومی اور ایرانی روابط کو استوار کرنے کا موجب ہوگا۔ اردوان کو معلوم تھا کہ کاراکلہ نے اڈیسہ کے حکم ران کو دھوکے سے گرفتار کیا اور آرمیلیا کا بادشاہ بھی اس کے فریب کا شکار ہوا اس لیے وہ ڈرتا تھا کہ شاید اس کے لیے بھی کوئی دامِ فریب بچھایا جا رہا ہے۔ چناں چہ اردوان نے گول مول سا جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا لیکن کاراکلہ نے دوبارہ اپنے سفیر بھیج کر اپنے خلوص کا اظہار کیا جس پر اردوان کو یقین ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ وہ پارت آئے اور شہزادی کو بیاہ لے جائے۔ اس جواب کے بعد اہلِ پارت کاراکلہ کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔ وہ بہت خوش تھے کہ دو عظیم حکومتوں کے دیرینہ تنازعے ختم ہوں گے اور جاودانی تعلقات قائم ہو جائیں گے۔ کاراکلہ پارت میں داخل ہوا اور اس طرح بڑھتا چلا آیا جیسے یہاں اسی کی اپنی حکومت ہو۔ اہلِ پارت نے ہر ہر مقام پر اس کے استقبال کے لیے آنکھیں بچھائیں۔ جگہ جگہ قربانیاں دی گئیں۔ ہوا کو معطر کرنے کے لیے قسم قسم کے عطر آگ میں ڈالے گئے۔ کاراکلہ پورے تزک و احتشام سے پارت کے دربار میں وارد ہوا۔ اردوان آگے بڑھا تاکہ ایک وسیع صحن میں اپنے ہونے والے داماد کا خیر مقدم کرے۔ اس وقت امرائے پارت زربفت کی پوشاکیں زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر پھولوں کے تاج تھے۔ شراب کے نشے میں سرمست، گاتے اور رقص کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ساز و نغمہ کی صداؤں سے فضا معمور تھی۔ اہلِ پارت کثیر تعداد میں موجود تھے اور دیوانہ وار کاراکلہ کو دیکھنے کے لیے بڑھتے آتے تھے۔ کاراکلہ نے رومیوں کو اشارہ کیا تو انھوں نے اچانک ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ اہلِ ایران انگلیاں منہ میں لیے ششدر رہ گئے۔

---

(۱) ایران باستان، ص ۲۵۲۲

آخر جب تلواروں کے وار پر وار پڑنے لگے تو سب حواس باختہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس افراتفری کے عالم میں اردوان کے محافظ دستوں نے اسے گھوڑے پر سوار کیا اور میدان فریب سے نکالنے میں کام یاب ہو گئے۔ جس قدر ایرانی رومیوں کے ہاتھ لگے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے کیوں کہ کسی کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا۔ اس کے بعد کاراکلہ نے لشکر کو اذنِ عام دے دیا کہ وہ شہروں کو لوٹ لیں اور آگ لگا دیں۔

اس نفرت خیز فعل سے اس کے وحشیانہ جذبے کی تسکین تو ہو گئی لیکن وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ ۲۱۷ء میں کارہ کے قریب قتل کر دیا گیا۔

ایران اور روم کے مابین آخری جنگ

اردوانِ پنجم نے اس بربریت کا انتقام لینے کے لیے لشکر فراہم کیا۔ وہ سرحد پر پہنچا ہی تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ کاراکلہ کسی ایسے شخص کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے جو اس فریب کو رومیوں کے دامن پر نہایت نفرت انگیز دھبہ سمجھتا تھا۔ یہاں میکرینوس (Macrinus) کے سفیر اس سے ملے انھوں نے قیصرِ روم کی طرف سے صلح کی پیش کش کی۔ اردوان نے صلح کے لیے حسب ذیل شرائط پیش کیں:

> ''ایرانی قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ جن شہروں کو کاراکلہ نے تباہ کیا تھا انھیں پھر سے تعمیر کرایا جائے۔ اشکانی قبروں کی بے حرمتی کرنے والوں کو سزائیں دی جائیں اور بین النہرین سے رومی بے تعلق ہو جائیں۔''

یہ شرائط اہلِ روما کے نزدیک ناقابلِ قبول تھیں اس لیے میکرینوس ان شرائط کو مسترد کر کے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ نصیبین کے قریب ایرانی اور رومی لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ پہلے دن ایرانی تیر اندازوں نے رومیوں کو پسپا کر دیا۔ دوسرے دن پھر لڑائی ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ تیسرے دن ایرانی شتر سواروں اور نیزہ بازوں نے رومیوں کو بے بس کر دیا اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ آخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ رومی بادشاہ پارت کو ۱۷۵۰۰۰۰ پاؤنڈ بطور تاوان پیش کریں گے اور ایرانی علاقے ایرانیوں کے سپرد کر دیں گے۔ رومی تاوان کے نام پر یہ رقم پیش کرتے ہوئے سبکی محسوس کرتے تھے اس لیے اس تاوان کو نذرانے کا نام دیا گیا۔

تین ہزار سالہ باہمی رقابت کے بعد یہ آخری لڑائی رومیوں اور پارتیوں کے مابین ہوئی تھی جس میں رومیوں کو کثیر رقم بطور تاوان ادا کر کے صلح کرنی پڑی۔ اس صلح نے اردوانِ پنجم

اور ایران کو سر بلند کیا اور رومی عظمت سرنگوں ہوگئی۔

تعجب ہوتا ہے کہ اتنی فیصلہ کن فتح کے بعد بھی بین النہرین پر رومیوں کا تسلط برقرار رہا اور اردوان نے اس علاقے کی واپسی پر زور نہ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت پارت داخلی طور پر بہت کمزور ہو چکی تھی۔ بلاشِ اول کے بعد سے اشکانی حکومت میں اتنا خلل اور ضعف آ چکا تھا کہ اشکانیوں کی یہ فتح بھی پارتی حکومت کو مستحکم نہ کر سکی اس لیے یہ قدرتی بات تھی کہ اردوان داخلی حالات سے قطع نظر کر کے خارجی امور پر توجہ مرکوز نہ کر سکتا تھا۔

اشکانی حکومت کا خاتمہ

پیشتر اس کے کہ اردوانِ پنجم داخلی امور کی طرف توجہ دیتا' ۲۲۰ء میں اردشیر (Artaxerzes) نے' جو اشکانی حکومت کے تحت پارس کا حکمران تھا' علم بغاوت بلند کیا۔ اردوان نے بغاوت کو فرو کرنے کے لیے پیش قدمی کی لیکن تین نہایت خون ریز لڑائیوں کے بعد اردوان اہواز سے چند میل دور ہرمز کے مقام پر مارا گیا۔ اس کے بعد اگرچہ اس کا بیٹا ارتاواسد تخت نشیں ہوا لیکن اس کا عہد صرف چند روزہ تھا۔ حقیقت میں ہرمز کے میدان نے اردشیر کے حق میں فیصلہ کیا جس سے اشکانی عہد ختم ہوا اور ساسانی عہد کی تاسیس ہوئی۔

اشکانی تہذیب و تمدن

سلطنتِ اشکانی کی حدود

سلطنتِ اشکانی کا نقشہ قدیمی اٹلس میں نہیں دیا گیا' جس سے پتا چل سکے کہ ان کی سلطنت کی حدود کہاں سے کہاں تک تھیں۔ ان حدود کا کچھ پتا یونانی' رومی' ارمنی اور یہودی مؤرخین کی تاریخوں سے چلتا ہے جو ہم تک بوسیلۂ انگریزی اور فارسی پہنچی ہیں۔ ان تاریخوں کی رو سے اشکانی عہد حکومت میں مندرجہ ذیل ولایات شامل تھیں:

پارت (خراسان)' دامغان' سمنان' مادِ بزرگ یا عراقِ عجم' ہمدانِ گروس' کرمانشاہان' نہاوند' تویسرکان' عراق یعنی سلطان آباد' مادِ کوچک (آذربائیجان)' آدیابن (آشور قدیم)' کردستان' آرمینیا بزرگ و کوچک' قزوین' رے' اصفہان' یزد' خوانسار' گلپائگاں و کمرہ' ہترا' کلدۂ قدیم' بابل سے خلیج فارس تک' خوزستان' پارس' کرمان' سیستان' ساگارتی' شمالی ہند کا سلسلۂ کوہ' خراسان سے جیحوں تک۔

اشکانی دارالحکومت

اشکانی بادشاہوں نے جب پارتی حکومت کو دجلہ اور فرات تک پھیلا دیا تو ان کا پایۂ تخت طیسیفون بنا' جو بین النہرین کا مشہور شہر تھا۔ لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اشکانیوں کا دارالسلطنت کہاں تھا۔ اس سلسلے میں بعض مورخین ان کا پایۂ تخت اساک بتاتے ہیں' جسے موجودہ قوچان یا بجنورد سے مطابقت دی جاتی ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک ان کا پایۂ تخت نسا تھا۔ یہ ترکستان کا شہر تھا اور اشک آباد اور فیروز کے مابین واقع تھا۔ یہ علاقہ اب حکومتِ روس کے ماتحت ہے۔(۱) چند سال پیشتر یہاں کھدائی ہوئی تھی جس سے متعدد قدیمی آثار برآمد ہوئے' ان میں اشکانی دور کے آلات' ظروف اور معبد شامل ہیں۔ ان کے آثار سے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے پتا چلایا ہے کہ یہ اشکانی عہد کا دارالسلطنت رہ چکا ہے' جو اب تک لاپتا تھا اور آثارِ قدیمی کے ماہرین اس کا کھوج لگانے میں کوشاں تھے۔ وہ سرنگ بھی ملی ہے جس کے ذریعے معبد اور شاہی محلات کو ملایا گیا تھا۔ معبد کے در دریچے بھی برآمد ہوئے ہیں جن پر اشکانی عہد کے نقش و نگار کندہ ہیں۔ اس شہر کا قطر ۴½ کلومیٹر تھا۔ پتھر کے ستون اور چھتیں بھی [illegible] ہیں' جن پر خوب صورت خاتم کاری (ٹائل ورک) ہوئی تھی۔ دیواروں پر کاشی کاری کے بھی نمونے ملتے ہیں۔

قرونِ اسلامی کے بعض مورخ لکھتے ہیں کہ اشکانیوں کا پایۂ تخت رے تھا' لیکن حسن پیرینا ان سے متفق نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اشکانی بادشاہوں نے رے میں کچھ عرصہ اقامت ضرور اختیار کی تھی۔

اشکانیوں نے طیسیفون کو بھی اپنا پایۂ تخت بنایا۔ رفتہ رفتہ سیلوکیہ اور طیسیفون جو دجلہ کے دائیں اور بائیں کنارے واقع ہیں' مل کر ایک شہر بن گئے۔ اس لیے عرب مورخین اسے مدائن کہتے تھے۔ یہی شہر ساسانیوں کا دارالحکومت بنا۔

یونانی مورخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اشکانی بادشاہوں کا دربار کسی ایک شہر میں مستقلاً نہیں لگتا تھا' بلکہ شہر بہ شہر بدلتا رہتا تھا۔ لیکن مرکزیت طیسیفون ہی کو حاصل تھی۔

نظام حکومت

اشکانی سلطنت میں ممالک پارت اور ممالک تابع شامل تھے۔ ممالک تابع دو طرح کے تھے:

---

(۱) [illegible] کی افغانستان سے پسپائی کے بعد یہ علاقہ اب روسی تسلط سے آزاد ہو چکا ہے۔

۱- وہ مقبوضہ ممالک جو اشکانی سلطنت کا جزو تھے- ان کے حکمران اشکانی حکومت مقرر کرتی تھی-

۲- وہ مقبوضہ ممالک جہاں کے حکمران اشکانی حکومت کی طرف سے مقرر نہیں ہوتے تھے بلکہ محض اشکانی حکومت کی منظوری سے تخت نشیں ہوتے تھے- یہ حکمران داخلی معاملات میں خود مختار ہوتے تھے لیکن ان پر اشکانی حکومت کی طرف سے کچھ ذمے داریاں ہوتی تھیں، جنھیں حکمرانوں کو پورا کرنا ہوتا تھا-

بادشاہ مختارِکل نہیں ہوتے تھے- اعلا اختیارات کی تین مجلسیں تھیں جن سے بادشاہوں کو امورِ سلطنت میں مشورہ کرنا ہوتا تھا- ایک مجلس شاہی خاندان کے افراد پر مشتمل ہوتی تھی- ہر بالغ شہزادہ خود بخود اس کا رکن بن جاتا تھا- دوسری مجلس دینی رہنماؤں پر مشتمل تھی، جسے 'مجلس مغان' کہتے تھے- تیسری مجلس کا نام 'مجلس مہان' تھا جس میں پہلی دو مجلسوں کے نمایندے شریک ہوتے تھے-

'مجلس مہان' شاہی خاندان کے جس فرد کو بادشاہت کا اہل سمجھتی اسے بادشاہ بنا لیتی- عموماً بادشاہ کا بڑا شہزادہ ولی عہد ہوتا تھا لیکن بادشاہ کے فوت ہونے پر شہزادہ نابالغ ہوتا یا بادشاہت کا اہل نہ ہوتا تو مجلس مہان متوفی بادشاہ کے بھائی یا چچا کو بادشاہ منتخب کر لیتی-

بادشاہ جب ایک بار تخت نشیں ہو جاتا تو پھر وہ مختارِکل ہو جاتا تھا- پارت میں امرا کے سات بڑے خاندان تھے جن میں بادشاہ کا اپنا خاندان بھی تھا- بادشاہ صرف ان ہی خاندانوں میں شادی کر سکتا تھا-

بادشاہ کو تقدس کا درجہ حاصل تھا- شاہی خاندان کے کسی فرد کو زخمی کرنا گناہ تھا- بادشاہ تک براہ راست عوام کو رسائی نہ ہو سکتی تھی- شکایات درباریوں کے ذریعے بادشاہ تک پہنچتی تھیں اور ان ہی کی وساطت سے فیصلہ ان تک پہنچتا تھا-

سپہ سالار

سپہ سالار کو 'سورینا' کہتے تھے- اس کا مقام بہت اہم سمجھا جاتا تھا- امورِ سلطنت میں بادشاہ کے بعد دوسرا درجہ سورینا کا ہوتا تھا- سورینا ہی بادشاہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کرتا تھا-

فوج

ملک کی کوئی مستقل فوج نہ تھی- کبھی لڑائی کا خطرہ ہوتا تو اشکانی حکمرانوں اور تابع حکم

رانوں کو فوج فراہم کرنے کو کہا جاتا تھا' جو معین وقت پر اپنی فوج بھیج دیتے تھے- یہ فوج سوار اور پیادہ سپاہیوں اور افسروں پر مشتمل ہوتی تھی- حالات سے پتا چلتا ہے کہ پیادہ فوج جنگ میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کرتی تھی- یہ سپاہی صفوں کے پیچھے ہوتے تھے اور سوار فوج کی خدمات بجالاتے تھے- حقیقی فوج سواروں پر ہی مشتمل ہوتی تھی جس پر اشکانی حکومت کو ناز ہوتا تھا-

زرہ بکتر

فوجی ملازم جنگ کے وقت زرہ بکتر پہنتے تھے- ان کے گھوڑوں کے ساز بہت قیمتی ہوتے تھے- ان پر طلائی کام ہوتا تھا- قوی کمان ان کا اہم ترین ہتھیار تھا- تلوار اور خنجر سب لوگ زیب تن کرتے تھے- سواروں کا بڑا ہتھیار نیزہ تھا-

اشکانیوں کی بحریہ کا کہیں ذکر نہیں آیا- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بحری بیڑے کی طرف اشکانیوں کی توجہ نہ تھی-

اہلِ پارت

پارت (خراسان) کے لوگوں کے حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں لیکن اس قدر پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ فوجی ملازمت کو زیادہ پسند کرتے تھے- شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا- شکار کیے ہوئے جانور ان کی خوراک کا اہم حصہ ہوتے تھے- شراب نوشی کا عام رواج تھا- شراب عموماً انگوروں اور کھجوروں سے کشید کی جاتی تھی- بگل اور نقارہ ان کے دل پسند ساز تھے- رقص ان کی بہت بڑی تفریح تھی-

لباس اور وضع قطع

اہلِ پارت لمبے لمبے چغے پہنتے تھے جن کے ساتھ لمبے لمبے جیب ہوتے تھے- لباسوں کے رنگ مختلف ہوتے تھے- بعض کی پوشاکوں پر زردوزی کا کام ہوتا تھا- ان کے بال عموماً گھنگھریالے ہوتے تھے- یہ لوگ ڈاڑھیاں رکھتے تھے-

اشکانی سکے

موجودہ زمانے کے سکہ شناس علما نے سکوں کو متعین کرنے میں بڑی کاوش کی ہے جن کے نتائج کی اشاعت بھی ہوتی رہی ہے- سکے دریافت کرنے کا زیادہ اہم کام فرانسیسی علما نے کیا ہے-[1]

(۱) 1.Bartholomali. 2. A. de Long Perier. 3.Numismatique. 4.Compte Prokesch Osten. 5.Alex de Marcoff. 6.Lindsay. 7.Percy Gardner.

اشکانی عہد کے سکے' چاندی' تانبے اور پیتل کے ہوتے تھے- سونے کے سکے نہیں ڈھالے جاتے تھے- اولین عہد کے سکوں پر یونانی حروف کندہ ہوتے تھے' بعد میں ارمنی حروف بھی کندہ ہونے لگے- سِکّوں پر بادشاہوں کے نام نہ ہوتے تھے' صرف اشک کندہ ہوتا تھا- اس لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ سکے کس بادشاہ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں- اکثر سِکّوں پر اشک اول کی شبیہہ ہے جسے ایک مخروطی چٹان پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے- اس کے ہاتھ میں کمان ہے- بعض سِکّوں پر اشک کے ایک ہاتھ پر عقاب اور دوسرے میں شاہی عصا دکھایا گیا ہے- بعض سِکّوں پر دیوتاؤں کی شبیہیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں-

مذہب

اشکانی بادشاہوں کے مذہب کے متعلق بہت کم معلومات میسر آتی ہیں- تاریخوں سے اس قدر پتا چلتا ہے کہ پارت میں وارد ہونے سے پہلے یہ لوگ آریاؤں کی طرح چاند' سورج اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے- آفتاب کو وہ مہر کہتے تھے اور اسے کنبے کا محافظ سمجھتے تھے- آفتاب طلوع ہوتا تو پرستش کے لیے ان کے سرخم ہو جاتے- آفتاب کے نام پر قربانیاں اور نذریں نیازیں دیتے تھے- ایرانیوں سے میل جول ہوا تو یہ ہرمزد کی پرستش کرنے لگے- ہرمزد ان کے نزدیک سب سے بڑا خدا تھا- باقی تمام معبود ہرمزد کے نائب سمجھے جاتے تھے- ان کا مذہب زرتشت کے مذہب سے بہت سی باتوں میں ملتا جلتا تھا- البتہ وہ زرتشتیوں کے خلاف مردوں کو جلا دیتے تھے- آخر میں انھوں نے زرتشتی مذہب اختیار کر لیا تھا- یہاں تک کہ بلاش سوم نے حکم دیا کہ 'اوستا' کو از سر نو ترتیب دی جائے کیوں کہ اصل 'اوستا' کو اسکندر نے جلا دیا تھا' جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے-[1]

حرم شاہی

بادشاہ کے حرم میں متعدد عورتیں ہوتی تھیں لیکن منکوحہ ملکہ ایک ہی ہوتی تھی' جو شاہی خاندان میں سے چنی جاتی تھی- دوسری تمام خواتین ملکہ کے ماتحت ہوتی تھیں- ہخامنشیوں کے برعکس عورتوں کا امور سلطنت میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا تھا- فرہاد پنجم نے اس روایت کو پہلی بار توڑا- وہ اپنی والدہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا اور حکومت کی باگ دوڑ بھی اسی کے ہاتھ میں

(۱)　ایران باستان' ج ۲' ص ۱۵۱۶-۱۵۱۷

تھی- خواجہ سراؤں کو محلات میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی-

زبان

اشکانی عہد کی زبان فارسی وسطی یا پہلوی تھی جو شمالی ایران میں بولی جاتی تھی- پروفیسر ایڈورڈ براؤن ایک محقق اولزہاسن (Olshauson) کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''پہلوی زبان صوبہ' پارت' جسے پرتو اور پاتھو بھی کہا جاتا تھا' کی زبان تھی- لفظ 'پرتو' نے کئی صورتیں بدلی- پرتو یا پرتوا سے لفظ پرھو بنا' پرھو سے پاھو اور پھر پہلو ہوا- اسی نسبت سے وہاں کی زبان 'پہلوی' کہلائی- پہلوی یوں تو صرف ایک صوبے 'پرتو' کی زبان تھی لیکن یہ زبان اتنی مشہور ہوئی کہ سارے ایران میں سمجھی اور بولی جانے لگی- پہلوی دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی تھی-''[1]

رسم الخط

اشکانیوں کے عہد میں خط میخی رائج تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یونانی رسم الخط بھی استعمال میں آتا تھا- اشکانی حکمران فرہاد چہارم کے زمانے میں ایک اور خط رائج ہوا جسے 'خط پہلوی' کہتے ہیں- اس خط میں پہلوی زبان لکھی جاتی تھی-

خط پہلوی کی دو قسمیں ہیں؛ ایک کو خطِ قدیم یا خطِ کلاہ کہتے ہیں- اس خط میں کتبے کندہ کیے جاتے تھے- دوسری قسم کو ساسانی عہد کا خطِ ساسانی یا پہلویِ کتابی کہتے ہیں جس میں کتابیں لکھی جاتی تھیں- پہلوی کا تمام لٹریچر اسی خط میں ہے-[2]

کردستان کے علاقے اورامان سے' چند سال ہوئے' پہلوی[3] خط اور زبان کے قدیم ترین آثار قبالہ' ملکی کی صورت میں دست یاب ہوئے تھے- یہ ہرن کی کھال پر لکھے گئے تھے- ان کا زمانہ تحریر ۱۲۰ ق م ہے- ایک قبالے میں لکھا ہے: ''حکومت کی طرف سے پابندی ہے کہ جس نے یہ باغ خریدا ہے' اس کی نگہداشت کی ذمے داری اب اسی پر ہے- اگر وہ اسے ویران کرے گا تو مستوجب سزا ہوگا-'' اس قبالے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ شاہان ایران کو آبادیِ کشور کا کس قدر خیال تھا-

اشکانیوں کے عہد میں یونانی زبان کا دور دورہ تھا لیکن پہلی صدی عیسوی میں یونانی

---

(۱) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۷۹

(۲) رضازادہ شفق' تاریخ ادبیاتِ ایران' ص ۱۳

(۳) [illegible] الشعراء ایران' کے شاکرین' ج ۱' ص ۱۶

زبان کا رواج کم ہوتا گیا اور پہلوی زبان کا رواج بڑھتا گیا - پہلوی میں علمی کتابیں بھی لکھی جانے لگیں-

آثار زبان پہلوی

مورخین نے عہد اشکانی کی صرف چند کتابوں کا ذکر کیا ہے- مجمل التواریخ والقصص [1] کے مولف لکھتے ہیں کہ اس عہد میں ستر کتابیں موجود تھیں- ان میں سے صرف چار باقی ہیں جن کے نام یہ ہیں: کتاب مزدک' کتابِ سند باد' کتابِ یوسیفاس' اور کتابِ سیماس- ان کے علاوہ ایک رسالہ ''نخل و بز'' کے مکالمے پر مشتمل ہے جس میں نظم او رنثر دونوں ہیں- ایک اور کتاب بقول ہرتسفلڈ ''درختِ آسوریک'' پہلوی شمالی میں ہے- ۱۹۴۸ء میں ایک کتبہ دست یاب ہوا ہے جو اردوانِ پنجم (۲۱۳ تا ۲۲۶) سے متعلق ہے- اس کی تحریر بھی اشکانی دور کی پہلوی ہے- اشکانیوں کی حکومت شمالی ایران میں قائم ہوئی تھی- اس لیے اس عہد کی زبان شمالی یا شمال مشرقی پہلوی کہلائی-

پہلوی رسم الخط

پہلوی رسم الخط میں بیش تر الفاظ سامی طریقے کے مطابق لکھے جاتے تھے- لیکن فارسی طریقے کے مطابق پڑھے جاتے ہیں- مثلاً '' '' لکھتے تھے اور دہ (دس) پڑھتے تھے- اسی طرح ملکاں ملکا لکھتے تھے اور شہنشاہ پڑھتے تھے- پہلوی کے وہ الفاظ جو سامی طرز میں لکھے جاتے تھے اور فارسی طریقے سے پڑھے جاتے تھے' ہزوارش کہلاتے تھے-

معماری اور سنگ تراشی

فنِ تعمیر اور سنگِ تراشی سے اشکانیوں کو کچھ زیادہ دل چسپی نہ تھی- اس لحاظ سے بابل' آشور اور ایران کے ہخامنشی بادشاہوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت فروتر ہے- فرگوسن اپنی کتاب ''تاریخ عمارت سازی'' میں لکھتا ہے کہ اسکندر اعظم کے حملے سے ساسانی دور کے آغاز تک فنِ تعمیر کا کوئی ایسا نمونہ نہیں ملتا جو اس دور کی یادگار کہلا سکے- فرگوسن کا یہ خیال بڑی حد تک درست ہے- بہرحال اس فن کے جو آثار اس دور سے متعلق سمجھے جاتے ہیں ان کا بیان مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

---

(۱) مجمل التواریخ والقصص' ص ۹۳' ۹۴

آثارِ کنگاور

کرمان شاہ کی مشرقی سمت کنگاور میں ایک پہاڑی کے اوپر ایک معبد ہے جو "رب النوع" کے نام پر تعمیر ہوا تھا۔ یہ یونانی فنِ معماری کا نمونہ ہے۔ یونانی اسے آرتھیمس (Arthemis) کہتے تھے اور اسے ڈیانا کا معبد سمجھتے تھے۔ اس معبد کا وسیع ہال وسط میں ہے اور اطراف میں چھوٹے چھوٹے برآمدے ہیں۔ معبد کے ستون بھی ابھی باقی ہیں جن کے اوپر کے سرے گر چکے ہیں۔ اس معبد کے اِردگرد اب آبادی ہو چکی ہے۔

آثارِ ہمدان

ہمدان میں بھی اشکانی دور کے ایک معبد کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ معبد "رب النوع" ناہید کا ہے جہاں اکثر لوگ قربانی دینے کے لیے آتے تھے۔ سیلوکی حکمران انیتا گوس سوم اس معبد کو غارت کر کے یہاں کے ذخائر اٹھا لے گیا تھا۔

قصبۂ سرپل زہاب

یہ قصبہ سرِراہ ایک درے پر واقع ہے۔ اس کے نزدیک آبادی کے آثار موجود ہیں۔ یہاں ایک کتبہ نظر آتا ہے جس پر اردوان کا نام کندہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ کون سا اردوان تھا۔

بیستون

کرمان شاہ سے بہ فاصلہ چھ فرسنگ کوہِ بیستون پر ایک کتبہ گودرز اول کی یادگار ہے، جو اس نے کیمبس رومی پر فتح پانے کی یاد میں کندہ کرایا تھا۔ یہ کتبہ اب بھی موجود ہے۔ اس میں بادشاہ ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ ہے اور رب النوع فتح، اس کے سر پر پرواز کر رہا ہے۔

آثارِ درۂ سااولک

بختیاری پہاڑوں میں ایک ملکہ کی شبیہ کندہ ہے۔ اس کے قریب تین شخص ہیں؛ دو کے ہاتھ میں نیزے ہیں، تیسرا شخص مغ ہے۔ تینوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ شکار کو گیا ہوا ہے، ملکہ متفکر ہے اور اس کی واپسی کی منتظر ہے۔ مغ اور دو امرا بادشاہ کی سلامتی کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ مغ کا مجسمہ بہت واضح ہے، اس کے لباس کی وضع قطع بھی صاف

دکھائی دیتی ہے۔

اس دور کا ایک مجسمہ، جس کا سرتانبے کا ہے، برلن کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ اس مجسمے کی ناک ٹوٹ چکی ہے لیکن سکّوں کی مناسبت سے پتا چلتا ہے کہ یہ مجسمہ ارداول اشکانی کا ہے۔[1]

آثار ہترا

سر پرسی سائیکس لکھتے ہیں: ''دریائے دجلہ اور فرات کے مابین ہترا شہر واقع تھا۔ یہاں کے آثار خالصتاً اشکانی دور کی عمارات کے ہیں کیوں کہ ۲۰۰ ق م سے پہلے اس شہر کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ ہترا کے اردگرد بہت چوڑی اور گول دیوار تھی۔ برابر برابر فاصلوں پر برج تعمیر کیے گئے تھے۔ اس کے اردگرد بہت گہری اور چوڑی خندق تھی۔ اس کا گھیرا تین میل تھا۔ دیوار کے اندر شاہی محل کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس کی بڑی عمارت کے سات ہال تھے جو ایک دوسرے کے متوازی تھے۔ ان کے سائز مختلف تھے۔ ان کے طول و عرض ۹۰x۴۰ مربع فٹ سے لے کر ۳۰x۲۰ مربع فٹ تک تھے۔ ان کی اونچائیاں بھی ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ان سب کو روشنی مشرق کی طرف سے آتی تھی، کیوں کہ یہ مشرق کی طرف سے کھلے تھے۔ عمارت کی مشرقی دیوار میں سے متعدد ستون اٹھا کر اسے مضبوط اور خوب صورت بنایا گیا تھا۔ ہال میں داخل ہونے والے دروازوں کی محراب پر انسانی سروں کے سے تراشتے ہوئے نقش و نگار تھے۔ اس دیوار کی لمبائی تین سو فٹ تھی۔

ان ہال کمروں کے پیچھے ایک مربع شکل کی عمارت تھی، جس کے اندر جانے کا راستہ ایک ہال کمرے میں سے تھا جو اوپر سے چھتا ہوا تھا۔ یہ ایک معبد تھا۔ اس راستے کی دیواروں پر نقش کاری تھی۔ معبد میں کوئی نقش و نگار نہ تھے۔ اس میں روشنی صرف ایک ہی دروازے سے آتی تھی جو راستے میں کھلتا تھا۔''

ان کے علاوہ اشکانی دور کے بعض اور آثار بین النہرین میں بھی ملے ہیں۔

زرتشت

زرتشت سے پہلے مزدا پرستی

اہلِ ایران جب تاریخی عہد میں داخل ہوئے تو اس وقت خدائے واحد کا تصور موجود

(1) Percy Sykes,(Sir) A History of Persia Vol, 1, P. 371

تھا- کرسٹن سن لکھتے ہیں کہ اس تاریخی عہد میں 'مزدا' یا 'مزدا آھورا' مشرق و مغرب کے پرامن اور مہذب قبائل کا بزرگ و برتر خدا بن چکا تھا- بالفاظ دیگر ایران کا قدیمی مذہب بھی تھا جسے مزدا پرستی کہتے ہیں- مزدا پرستی مذہب زرتشت سے زیادہ قدیمی ہے- مزدا پرستی کسی خاص قبیلے یا خاص قوم کا خدا نہیں بلکہ وہ نوع انسان اور دنیا بھر کا خدا ہے-(۱)

زرتشت اور مذہب زرتشت

ساتویں صدی ق م کے وسط میں زرتشت نامی ایک شخص آذر بائیجان کے علاقے سے اٹھا اور مزدا پرستی میں ترمیم کر کے ایک نیا مذہب پیش کیا جس کا اہم عقیدہ یہ تھا کہ خالق دو ہیں؛ ایک خالق خیر ہے اور دوسرا خالق شر- نیکی اور بدی کی جنگ روز ازل سے جاری ہے اس لیے ان کے خالق بھی جدا جدا ہیں-

زرتشت کا زمانہ

زرتشت کا ظہور کس زمانے میں ہوا؟ اس کے متعلق مؤرخین کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے- بعض ایرانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اور زرتشت ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں اور صحفِ ابراہیمی اور اَوستا بھی ایک ہی ہیں لیکن پروفیسر براؤن کا خیال ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے- اس خیال کو اسلامی دور کے آتش پرستوں نے ہوا دی کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ خود کو حضرت ابراہیمؑ سے منسوب کر کے کچھ سہولتیں حاصل کریں- چناں چہ اہلِ ایران پری پولس کو 'تختِ جمشید' مقبرۂ کوروش کو 'مرقدِ مادرِ سلیمانؑ' دشتِ مرغاب کی مسطح چٹان کو 'تخت سلیمانؑ' کہتے رہے- اس کی اصل وجہ بھی یہی تھی-(۲)

محققین سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ زرتشت ایک تاریخی شخصیت ہے- ان میں سے بعض زرتشت کا زمانہ پانچ ہزار ق م سے اوپر لے جاتے ہیں- بعض کا خیال ہے کہ اس کا ظہور ایک ہزار سال ق م میں ہوا لیکن بیش تر محققین کا، جن میں امریکی مستشرق ولیم جیکسن اور ایرانی محقق محمد معین بھی شامل ہے، اس روایت پر متفق ہیں کہ زرتشت ۶۶۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۸۳ ق م میں فوت ہوا-

زرتشت کی ولادت کے زمانے کی طرح اس کے مقامِ ولادت کے متعلق بھی آرا مختلف

(۱) ایران بعہد ساسانیاں، ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۳۲

(۲) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۱۱۳

ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ بلخ میں پیدا ہوا جو ایران کے شمال مشرق میں ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ وہ آذربائیجان میں پیدا ہوا جو ایران کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ رائے ظاہر کرنے والوں میں ولیم جیکسن بھی ہیں۔ بعض مؤرخین نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ وہ آذربائیجان کے شہر اُرومیہ میں پیدا ہوا جو اُرومیہ نام جھیل کے کنارے واقع ہے۔

زرتشت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شروع شروع میں بہت خلوت پسند تھا اور سوچ بچار کا عادی تھا۔ جوانی میں وہ کئی کئی دن محویت کے عالم میں رہتا تھا جیسا کہ وہ خود کہتا ہے: ''ایک دن اس کے پاس فرشتہ بہمن (۱) آیا اور اسے بہشت دکھائی۔ وہاں کئی اور فرشتے بھی اس کے اِردگرد جمع ہو گئے۔ پھر اسے آہورامزدا کے پاس لایا گیا' یہاں اسے نئے مذہب کے احکام ملے۔ واپسی ہوئی تو مختلف مقامات پر اسے فرشتے ملتے رہے۔ بہمن نے اسے یہ تلقین کی کہ بوڑھوں کو ایذا نہ پہنچائے اور ان سے شفقت سے پیش آئے۔ اردی بہشت پاس آیا اور کہا: آگ میں آہورامزدا کی صفات جمع ہیں' اس لحاظ سے وہ آہورامزدا کی مظہر ہے اور ہر قسم کی آلائشوں کو پاک و صاف کرنے والی ہے' اس کی پرستش کرو۔ شہریور بولا: لوگوں سے کہو سامانِ جنگ تیار کریں اور دشمنوں سے مردانہ وار لڑیں۔ شکست اور اسیری کو کسی صورت گوارا نہ کریں۔ اسفندار آیا تو اس نے زمین کو پاک و صاف رکھنے کی تعلیم دی۔ خرداد فرشتے نے پانی کو صاف رکھنے کی تلقین کی۔ امرداد فرشتے نے کہا کہ نباتات کی دیکھ بھال کرو' کسی پودے کو بلاضرورت تباہ نہ کرو اور حیوانات کی پرورش کرو۔'' (۲)

زرتشت نے اپنے مذہب کی اشاعت کا کام آذربائیجان سے شروع کیا لیکن اس کے ہم وطن مزدا پرست تھے۔ مزدا پرستی ان کا مذہب تھا۔ البتہ ساتھ ہی سیاروں' ستاروں اور قبیلے کے بزرگوں کو دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ غالباً آریاؤں کا اثر تھا۔ مزدا پرستی کے پیرو قدیمی مذہب کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ آخر ان سے مایوس ہو کر زرتشت نے ترکِ وطن کیا اور بلخ پہنچ گیا۔'' (۳)

---

(۱) عباس شوستری' ایران نامہ' ص

(۲) بہمن' اردی بہشت' شہریور وغیرہ فرشتوں کے نام ہیں۔ ان ہی فرشتوں کے نام سے سال کے مہینے منسوب ہیں

(۳) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ا' ص

گشتاسپ دین آتش پرستی کی آغوش میں

پروفیسر ولیم جیکسن لکھتے ہیں کہ زرتشت کو اشاعت مذہب کے لیے وطن کی سرزمین راس نہ آئی تو اس نے بلخ کا رخ کیا اور وہاں کے بادشاہ گشتاسپ کے دربار میں رسائی پائی۔ اس نے بادشاہ کو اپنا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ بادشاہ نے اس کے عقائد معلوم کیے اور دربار کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ مناظرہ کرایا۔ پیشواؤں نے چاہا کہ جادو کے زور سے اس پر غالب آئیں لیکن وہ ان سب پر غالب آیا۔ اس پر گشتاسپ' اس کی ملکہ اور شہزادوں نے زرتشی مذہب قبول کر لیا اور اسے اہورا مزدا کا بھیجا ہوا پیغمبر سمجھ کر اپنے محل خاص میں جگہ دی۔ بادشاہِ وقت کا زرتشتی مذہب قبول کرنا تھا کہ اس مذہب کا چرچا دور دور ہونے لگا اور لوگ نئے مذہب کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ اس مذہب کی رو سے اہورا مزدا کا مظہر آگ کو سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے جگہ جگہ آتش کدے بننے لگے۔ آتش کدوں کے لیے آتھروان (محافظان آتش) مقرر کیے گئے' جو اس مذہب کی اشاعت بھی کرتے تھے۔

گشتاسپ کے دین آتش پرستی کو قبول کرنے کا ذکر ''اوستا'' کے جزو 'یشت' میں یوں آیا ہے: ''گشتاسپ ہی وہ بادشاہ تھا جس نے دین زرتشتی کی سرپرستی کی اور اس کی قوت اور استحکام کا سرچشمہ بنا۔ دین بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا' نشوونما نہیں پا سکتا تھا۔ گشتاسپ نے اسے بیڑیوں سے رہائی دلائی۔''[1]

دین زرتشتی میں ثنویت

زرتشت نے جو مذہب پیش کیا اس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں فائدہ پہنچانے والی تمام چیزوں کا خالق اہورا مزدا ہے اور نقصان پہنچانے والی تمام مخلوق کا خالق اہرامن ہے۔ نیکی کی قوت میں بھی کثرت ہے اور بدی کی قوت میں بھی۔ دنیا ایک دائمی کارزار ہے' جو اہورا مزدا اور اہرامن (انگرومینو) کے مابین جاری ہے۔ اسے روح خیر اور روح شر کی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔ دنیا میں جو اچھی چیزیں ہیں یہ روح خیر کا لشکر ہے اور جو بری مخلوق ہیں' وہ روح شر کا لشکر ہیں۔ تمام مخلوق خیر اور شر میں بٹی ہوئی ہے۔ خیر اور شر کی روحیں انسان کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور اس کی روح پر غلبہ پانے کے لیے جنگ وجدل کر رہی ہیں۔ یہ روحیں ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کی

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۱۸۸

کوشش ہے کہ شعاع نور کی طرح اس کے جسم میں اتر کر اس کے فکر و روح میں سرایت کر جائیں۔

روحِ خیر اور روحِ شر میں جو جنگ جاری ہے' اس میں بلآخر روح خیر کو فتح ہو گی۔ اس لحاظ سے زرتشتی مذہب میں خدائے واحد کا تصور ضرور موجود ہے۔ روح خیر اور روح شر میں جو جنگ جاری ہے۔ اس میں انسان کا کردار کیا ہو گا؟ اس کے متعلق زرتشت یہ تلقین کرتا ہے کہ پرہیزگاری کے ساتھ سچائی اور اعلا اخلاق اپنانے کے لیے کوشش کرتا رہے۔ زندگی کی حفاظت کرنے والے وسائل کی طرف داری کرے اور زندگی کو تباہ کرنے والی چیزوں کا مقابلہ کرے۔ وطن کی خدمت کرنے میں روح خیر کی حمایت کرتا رہے اچھی باتیں سوچے' اچھی باتیں کرے اور اچھے کام کرے۔

زرتشتیوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ آگ اور نور کا درجہ سب سے اعلا ہے۔ ان کے نزدیک آگ اور نور حرارت اور روشنی پیدا کرنے والے عناصر ہیں۔ روشنی حرارت سے جدا ہو کر اندھیری راتوں کو روشن کرتی ہے اور سرگرداں خبیث روحوں کو' جو اندھیرے میں پرورش پاتی ہیں' فنا کر دیتی ہے۔ آگ اور نور آہورامزدا کے مظاہر ہیں اور ظلمت اہرامن کا مظہر ہے۔[1]

آہورامزدا ہر جگہ موجود ہے

زرتشت نے یہ عقیدہ بھی پیش کیا کہ آہورامزدا' یعنی خالق خیر' ہر جگہ موجود ہے۔ کھیتوں میں' دن کی روشنی میں' آتش کدوں کی آگ میں' محنت کرنے والے کے جسم میں' فتنہ و شر کے خلاف عمل پیدا ہونے والی روح میں' ہوا میں' پانی میں' غرض کہ فائدہ پہنچانے والی ہر ہر چیز میں موجود ہے۔ آہورامزدا کو یہ حاجت نہیں کہ اس کا کوئی مجسمہ بنایا جائے۔

ملائکہ

آہورامزدا کے تحت امشا پسند یعنی غیر فانی فرشتے ہیں ان کا کوئی خارجی وجود نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ آہورامزدا کی صفات ہیں' جنھیں فرشتوں کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہومن (بہمن) یعنی اندیشۂ نیک

۲۔ اشاوہستا (اردی بہشت) بہترین تقویٰ

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۱۸۹

۳- خشاتراویریا (شہریور) عالمِ ملکوت

۴- سنتارمائتی (اسپندار) بذل و بخشش

۵- ہرواتات (خرداد) سلامتی

۶- امرتات (امرداد) بقاے ابدی[(۱)]

بہمن پالتو حیوانات کا محافظ ہے- اردی بہشت آگ کا نگہبان ہے- ملکوت دھاتوں کی دیکھ بھال کرنے والے ہیں- اسپندار زمین کا نگران ہے- خرداد اور مرداد پانی اور نباتات کے محافظ ہیں-

امشا پسندان کے علاوہ بھی بعض فرشتے ہیں جنھیں 'یزت' کہتے ہیں- مرورِ ایام کے ساتھ 'یزت' اپنی ہیئت بدل کر ایزت ہو گیا- ایرانی کیلنڈر میں جو بارہ مہینوں کے نام ہیں وہ ان ہی کے ناموں پر ہیں- بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جنھیں فراوش کہتے ہیں' جو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے آسمانوں میں موجود تھے اور انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں-

حیات بعد الموت

زرتشتی عقیدے کے مطابق روح ازلی اور ابدی ہے- انسانی جسم سے جب روح خارج ہوتی ہے تو جسم کے اردگرد تین دن حلقہ باندھے رہتی ہے- اس وقت اسے رنج اور خوشی کا احساس اس طرح ہوتا ہے جیسے کہ وہ جسم میں موجود ہو- تین دن کے بعد ہوا اسے اوپر لے جاتی ہیں- اچھی روحیں نورِ ابدی یعنی انہووہشتا (بہشت) میں داخل ہو جاتی ہیں- بری روحیں ایسے مقام پر پہنچتی ہیں جہاں تاریکی ہی تاریکی ہے- اس کے بعد آخری منزل نجات کی ہو گی- دنیا کو نجات دلانے والا (سوشیانت) ظاہر ہو گا اور رستاخیز کے بعد اس دنیا کی تجدید اور تطہیر کرے گا- بعد ازاں آہورامزدا اور اہرامن کے مابین جنگ ہو گی جس میں اہرامن مع تمام لشکر کے مغلوب ہو جائے گا-

عناصر کی حرمت

'اوستا' کے متعدد مقامات سے پتا چلتا ہے کہ قدرتی عناصر کی پرستش ہمیشہ دینِ آتش پرستی کی بنیادی خصوصیت رہی ہے- زرتشت کے پیرو آگ' پانی اور مٹی کو آلودہ کرنے سے سخت احتراز کرتے ہیں- پانی کی حرمت تو ان کے نزدیک ایسی ہے کہ پانی کے ساتھ منہ دھونے سے بھی

---

(۱) عبداللہ رازی' تاریخ مفصل ایران' ص ۱۰۵

پرہیز کرتے ہیں- سوائے پینے یا پودوں کی آبیاری کرنے کے اور کسی غرض کے لیے اسے نہیں چھوتے- زرتشتیوں کے نزدیک آگ کا مرتبہ بہت بلند ہے- 'اوستا' میں آگ کی پانچ قسمیں[1] بتائی گئیں ہیں:

۱- برزسواہ: وہ آگ جو آتش کدوں میں جلتی ہے-

۲- وہوفریان: انسان اور حیوان کے جسم کی آگ ہے-

۳- اُرووازشت: وہ آگ ہے جو درختوں میں موجود ہے-

۴- وازشت: وہ آگ جو بادلوں میں ہے-[2]

۵- سپنشت: وہ آگ ہے جو بہشت میں آہورامزدا کے سامنے جلتی ہے-

آخری قسم کی آگ یعنی آتشِ بہشت کا مظہر ایرانی بادشاہوں کا جاہ و جلال ہے جو ہمیشہ ان کے اردگرد ہالے کی شکل میں موجود رہتا ہے- پہلوی میں اسے خوّ اور فارسی میں اسے فر[3] کہتے ہیں-

وستا

کسی قدیمی قوم کے تمدن کا حال معلوم کرنا ہو تو اس کا بہترین ذریعہ اس قوم کی زبان و ادبیات ہے- یونان اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ملک ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے ادبیاتِ یونان کو ہر آسیب سے محفوظ رکھا جس کی وجہ سے دنیا ان کے قدیمی تہذیب و تمدن سے پوری طرح آگاہ ہے- سقراط' افلاطون' ارسطو اور دوسرے قدیمی حکما کی تصانیف آج بھی جوں کی توں قائم ہیں اور اہلِ علم کی رہنمائی کرتی ہیں- ایران اس لحاظ سے بہت خسارے میں رہا- اسکندر اعظم نے جب ایران کو فتح کیا اور داریوش کے شاہی محلات کو آگ لگائی تو شاہی کتب خانہ بھی جل کر راکھ ہو گیا- اس میں زرتشت کی کتاب 'اَوستا' تھی جسے زرتشتی مذہب کے پیرو صحیفۂ آسمانی سمجھتے تھے- اوستا کو جلا کر اسکندر کی تسکین نہ ہوئی تو اس نے وہ موبد بھی قتل کرا دیے جن کو 'اَوستا' ازبر یاد تھی-[4]

---

(۱) ڈارمیسٹیٹر' کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۱۸۹

(۲) ایضاً' ۱۹۳

(۳) یہی فرکیانی ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی جاتی تھی- ایرانیوں کا عقیدہ ہے کہ بہرام چوبین کی بغاوت محض اس لیے ناکام ہوئی تھی کہ شاہی نسل سے نہ ہونے کی وجہ سے وہ فرکیانی سے محروم تھا

(۴) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۹۷

'اُوستا' مذہبی کتاب تھی۔ آہورا مزدا کے پرستاروں کا عقیدہ تھا کہ یہ زرتشت کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں زرتشت کے مذہبی احکام' عبادت کے طور طریقے' گیت اور مناجاتیں درج تھیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ 'اوستا' بیلوں کی بارہ سو کھالوں پر لکھی گئی تھی۔ ساسانی عہد کی ایک کتاب 'دین کرت' کے مطابق 'اوستا' کا ایک نسخہ داریوش کے محل' یعنی تخت جمشید میں تھا جو اسکندر کے حملے میں جلا ڈالا گیا' اس کا دوسرا نسخہ یونانیوں کے ہاتھ لگ گیا جو وہ ساتھ لے گئے اور یونانی میں اس کا ترجمہ کرایا۔

ملک الشعرا بہار لکھتے ہیں کہ قدیم 'اوستا' کے ۲۱ نسک (باب) تھے۔ یہ نسک تین حصوں میں منقسم تھے:

(۱) گاسانیک (گاتھا)' (۲) ہاتیک مانسریک' (۳) داتیک

گاسانیک (گاتھا) احکام دین اور مناجاتوں پر مشتمل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ زرتشت کے اپنے بول گاتھا ہی میں جمع کیے گئے' جو سترہ سرودوں پر مشتمل تھے۔

''ہاتیک مانسریک'' اخلاقی قوانین اور احکام دین پر مشتمل تھی۔

''داتیک'' میں مذہبی خلسفہ بیان کیا گیا تھا۔[1]

قدیمی اُوستا ان ہی تین حصوں پر مشتمل تھی۔ اشکانی عہد کے بادشاہ بلاش سوم (۱۶۸ء تا ۱۹۱ء) نے بعض نوشتوں اور زبانی یادداشتوں کی مدد سے اسے از سر نو مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں کچھ کام بھی ہوا لیکن اس کی اصل ترتیب و تدوین ساسانی عہد کے مؤسس اردشیر بابکان کے حکم سے ہوئی' جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ عباس شوستری کا خیال ہے کہ گاتھا کے علاوہ 'اوستا' کے حصے مختلف ادوار میں لکھے جاتے رہے۔[2]

مذہب زرتشت میں دنیاوی زندگی کی اہمیت

زرتشت کا قول ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا میں رہے اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارے۔ دوسروں کے ساتھ مل کر ذمے داریوں کا بوجھ اٹھائے اور زندگی کی مشقتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ متاہل زندگی گزارے اور اولاد پیدا کرے۔ آبادی میں

(۱) سبک شناسی' ج ۱' ص ۱۳

(۲) ایران نامہ' ص ۲۶

اضافہ کرے' اسی لیے آتش پرستوں میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا۔

کھیتی باڑی

زرتشت نے اپنے پیروؤں کو یہ تلقین کی کہ آہورا مزدا کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے حیوانات کی پرورش کرو' بے آباد زمینوں کو آباد کرو' کھیتوں کی آبیاری کے لیے پانی فراہم کرو' زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرو۔ جو شخص کھیتی باڑی کرتا ہے وہ ایک مذہبی فریضہ ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ ملک کی خوش حالی میں اضافہ کر کے آہورا مزدا کی مدد کرتا ہے۔ اس خدمت کے صلے میں آہورا مزدا اس کی روح اور جسم کو غذا بہم پہنچاتا ہے۔ زرتشت کا قول ہے کہ جو شخص زمین میں بیج بوتا اور کھیتی اگاتا ہے' وہ اُس شخص سے ہزار بار بہتر ہے جو شخص ہر روز ہزار مرتبہ مناجاتیں پڑھتا ہے۔

مفید جانوروں کی اہمیت

زرتشت کے نزدیک گائے' بیل اور کتے کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ بیل کھیتی کے کام آتا ہے اور گائے بچھڑے کو جنم دیتی ہے۔ کتا لوگوں کے ہاتھ سے لے کر روٹی کھاتا ہے لیکن ان کا حق ادا کرتا ہے' رکھوالی کرتا ہے' لوگ سوتے ہیں اور وہ جاگتا ہے' اس کی آواز سے ہر شخص جاگ اٹھتا ہے' نہ چور گھر میں چوری کر سکتا ہے' نہ بھیڑیا ریوڑ میں گھس کر بھیڑ بکری لے جا سکتا ہے۔ اسی طرح زرتشت مرغ کو بھی بہت مفید پرندہ سمجھا ہے کیوں کہ یہ انسانوں کو صبح ہونے کی خبر دیتا ہے۔

زرتشت کے نزدیک گھر وہی اچھا ہے' جہاں بیل ہوں' جہاں کے مرد کھیتی باڑی کرتے ہوں' جہاں عورتیں اور بچے ہوں اور جہاں کتا ہو۔

☆ ☆ ☆

باب ہشتم

عہدِ ساسانی

(۲۲۶ء تا ۶۵۲ء)

ایرانی تاریخ کا ایک اور باعظمت باب ساسانی عہد سے شروع ہوتا ہے جو چار سو چھبیس سال (۲۲۶ء تا ۶۵۲ء) تک قائم رہا اور اس کی شہرت کے ڈنکے اطراف عالم میں بجتے رہے۔

ساسانی بادشاہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہخامنشیوں کے حقیقی وارث ہیں۔ انھوں نے اشکانیوں کی طوائف الملوکی کو ختم کر کے ایک مستحکم حکومت قائم کی اور اشکانی تمدن کے رہے سہے یونانی اثرات مٹا کر قدیمی روایات کو دوبارہ زندہ کیا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہخامنشیوں کے حقیقی وارث ثابت ہوے۔ اس لحاظ سے ساسانی عہد کو انفرادیت بھی حاصل ہوئی کہ ایک مذہبی حکومت کا آغاز ہوا جس نے اہلِ ایران کو ایک ہی مذہبی رشتے میں منسلک کر دیا اور فکری یک جہتی کے لیے راستہ ہموار ہو گیا۔ اسی مذہبی یگانگت کی صدائے بازگشت ہمیں صفوی عہد (۹۰۵ء تا ۱۱۴۵ء) میں سنائی دیتی ہے۔

ساسانی عہد کا مؤسس اُردشیر

(۲۲۶ء تا ۲۴۰ء)

ساسانی عہد کا مؤسس اردشیر ہے جس کا شمار ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ قدیم زمانے سے یہ روایت چلی آئی ہے کہ جس سربرآوردہ شخص نے بھی کسی نئے عہد کی بنیاد قائم کی' اس کے آغاز کے متعلق طرح طرح کی داستانیں مشہور ہوتی رہیں۔ اسی قسم کی ایک داستان اردشیر کے متعلق مشہور ہے۔ یہی نہیں' بلکہ یہ داستان ایران کے اساطیری یا دیو مالائی دور کا جزو بن چکی ہے۔ پہلوی زبان کی ایک مشہور تاریخی کتاب 'کارنامک' میں اس نئے عہد کی تاسیس کی جو سرگذشت لکھی گئی ہے' اس کا ترجمہ بحوالۂ پروفیسر براؤن ادنیٰ تصرف کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

'اسکندر رومی کی وفات کے بعد ایران کی مملکت دو سو چالیس مختلف قبائل کے حکم رانوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اصفہان' فارس اور نواحی علاقے کا بادشاہ اردوان تھا جس کے تحت یہ سب حکم ران تھے۔ اردوان کا سالار لشکر پاپک تھا جسے اردوان نے فارس کی حکومت سونپی ہوئی تھی۔ استخر اس کا صدر مقام تھا۔ پاپک کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی جس سے اس کی نسل برقرار رہ سکتی۔ اس کے ہاں ساسان نامی ایک چرواہا ملازم تھا جو ہخامنشی بادشاہ داریوش بن داریوش کی نسل سے تھا۔ اسکندر اعظم کی فتح ایران کے دوران وہ اپنی جان بچانے کے لیے گلہ بانوں میں شامل ہو کر وہاں سے نکل گیا تھا۔[1]

پاپک نہیں جانتا تھا کہ ساسان ہخامنشی بادشاہ داریوش کی نسل سے ہے۔ وہ اسے محض ایک چرواہا سمجھتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اس چرواہے کے سر سے آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ اس کی شعاعوں نے سارا عالم منور کر دیا ہے۔ دوسری رات ایک اور خواب دیکھا کہ ساسان ایک آراستہ پیراستہ سفید ہاتھی پر سوار ہے۔ ملک بھر کے لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور سر اطاعت خم کر کے عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کی مدح و ستایش بھی کرتے ہیں اور اسے دعائیں بھی دیتے ہیں۔ تیسری رات اس نے خواب دیکھا کہ مقدس آگ کے شعلے ساسان کے گھرانے سے بلند ہو رہے ہیں۔ ان کی روشنی سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر پاپک ششدر رہ گیا۔ ملک بھر کے دانش ور اور خواب کی تعبیر کرنے والے بلائے گئے۔ ان سے پاپک نے لگاتار تین خوابوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے یہ تعبیر پیش کی کہ خواب میں جو شخص نظر آ رہا ہے' وہ خود یا اس کا کوئی بیٹا روئے زمین کا بادشاہ بنے گا' کیوں کہ سورج اور سفید ہاتھی فتح اور طاقت کی علامات ہیں اور آتش فروباسے مذہبی پیشوا مراد ہیں' جو مذہبی امور میں اعلا تربیت یافتہ ہیں اور اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہیں۔

آتش گشسپ تیغ زن بہادروں اور سپہ سالاروں کو ظاہر کرتی ہے۔ آتش برجین مہر روئے زمین کے کسانوں کی مظہر ہے۔

پاپک نے خوابوں کی تعبیر سن کر سب کو رخصت کر دیا اور ساسان کو بلوا کر اس سے دریافت کیا: ''تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ تمھارا حسب نسب کیا ہے؟ کیا تمھارے آباؤ اجداد میں کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے؟'' ساسان نے جان کی امان پا کر اپنے حسب نسب کا راز اُس پر ظاہر کر دیا۔ پاپک سن کر خوش ہوا اور اسے اعلا منصب پر فائز کرنے کی امید دلائی۔

(۱) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۲۹

پاپک کے حکم سے اس کے لیے شاہی پوشاک حاضر کی گئی' جسے اس نے زیب تن کر لیا- اس کے لیے عمدہ غذا کا خاص اہتمام کیا گیا- آخر پاپک نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی' جس سے ایران کے ساسانی عہد کا مؤسس اردشیر پیدا ہوا- پاپک نے اردشیر کو متبنی بنا لیا- اردشیر نے ہوش سنبھالا تو اس کی دانش مندی اور شجاعت کا عام شہرہ ہوا' یہاں تک کہ آخری اشکانی بادشاہ اردوان پنجم نے اسے رے میں بلا لیا جو اس کا پایۂ تخت تھا- یہاں اردشیر کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور اشکانی شہزادوں کے ساتھ اس کی بھی تربیت ہونے لگی- ایک دن اردشیر' شہزادوں کے ساتھ شکار کو گیا اور ایک شیر مار کر اپنی بہادری کا مظاہرہ کیا- شکار سے جب یہ لوگ واپس آئے' تو ایک شہزادے نے دعویٰ کیا کہ شیر اس نے مارا ہے لیکن اردشیر بول اٹھا کہ شیر شہزادے نے نہیں مارا' بلکہ خود اس نے مارا ہے- اس پر اردوان سخت برہم ہوا اور شاہی مراعات' جو اسے دے رکھی تھیں' واپس لے لیں-

اردشیر' اردوان کی برہمی کے بعد اب کسم پرسی کے عالم میں وقت گزار رہا تھا- اتفاق سے شاہی محل کی ایک لونڈی' جو اردوان کی مشیر خاص تھی' اردشیر کی مدد کو تیار ہو گئی- فردوسی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

کہ گلنار بدنام آن ماہروی
نگاری پر از گوہر و رنگ و بوی

گلنار اس کی بہی خواہ تھی- چناں چہ جب اردشیر نے وہاں سے فرار ہونے کا قصد کیا تو وہ بھی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی- گلنار نے دو تیز رفتار گھوڑے مہیا کیے اور رات کی تاریکی میں دونوں نے فارس کی راہ لی-

اردشیر اور گلنار کے فرار کی اطلاع اردوان کو ہوئی' تو اس نے چار ہزار سوار فوج ساتھ لے کر ان کا تعاقب کیا- دوپہر کو یہ لوگ اُس مقام پر آئے جہاں سے راستہ الگ ہو کر فارس کو جاتا تھا- یہاں پہنچ کر اردوان نے لوگوں سے پوچھا: ''دو سوار یہاں سے کس وقت گزرے تھے؟'' انھوں نے بتایا ''صبح سویرے جب سورج طلوع ہو رہا تھا- یہ سوار تند و تیز ہواؤں کی طرح اڑے چلے جاتے تھے- ان کے پیچھے پیچھے ایک بڑا سا مینڈھا تھا- یہ مینڈھا اتنا خوب صورت تھا کہ ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا- اب تک وہ بہت دور جا چکے ہوں گے- آپ انھیں نہیں مل سکیں گے-''

اردوان وہاں رکنے کی بجائے تیزی سے سواروں کو لے کر آگے بڑھا- ایک اور مقام

پر پہنچ کر پھر پوچھا: ''دو سوار یہاں سے کس وقت گزرے تھے؟'' انھوں نے جواب دیا ''آج دوپہر کو یہ سوار طوفانی رفتار سے گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے- ایک مینڈھا ان کے پیچھے پیچھے تھا-،، اردوان یہ سن کر حیران ہوا اور اپنے وزیر سے پوچھا: ''دو سوار تو وہی ہیں' جن کی ہمیں تلاش ہے لیکن ان کے پیچھے پیچھے مینڈھے کے آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'' وزیر نے جواب دیا: ''یہ مینڈھا اصل میں 'فرکیانی' (خورہ خدائی) ہے- فرکیانی اردشیر کے پیچھے ہے' ابھی اس تک پہنچی نہیں اس لیے ہمیں رفتار اور تیز کر دینی چاہیے- اردشیر تک فرکیانی کے پہنچنے سے پہلے ممکن ہے ہم انھیں پکڑ لیں- فرکیانی اسے مل گئی تو ہمارا تعاقب بے کار ہو گا'' - اردوان تیزی سے آگے بڑھا- سوار ہوا سے باتیں کرتے پیچھے پیچھے آ رہے تھے- رات بھر تعاقب جاری رہا- دوسرے دن سورج طلوع ہوا تو یہ لوگ کئی فرسنگ کا فاصلہ طے کر آئے تھے- یہاں انھیں ایک کاروان آتا ہوا ملا- اردوان نے اہل کارواں سے پھر وہی سوال پوچھا- انھوں نے جواب میں کہا ''آپ اور دو سواروں کے مابین کوئی بیس فرسنگ کا فاصلہ ہے-'' ''مینڈھا کہاں تھا؟'' ''مینڈھا ایک سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا-''

اردوان نے وزیر سے پوچھا ''مینڈھے کا سوار کے پیچھے بیٹھنا کس بات کو ظاہر کرتا ہے؟'' وزیر نے جواب دیا' 'یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اردشیر نے فرکیانی حاصل کر لی ہے- اب ہم کسی صورت میں اس پر قابو نہ پا سکیں گے' تعاقب بے سود ہے- خود تھکنے اور گھوڑوں کو تھکانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا- اردشیر پر غلبہ پانے کی اب کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے-'' اردوان نے واپسی کا حکم دیا-

اردشیر کی زندگی کے دو ایک اور غیر معمولی واقعات بھی مشہور ہیں؛ ان کی تاریخی اہمیت اگرچہ کوئی نہیں لیکن کارنامک میں ان کا ذکر بھی آیا ہے- اسے بھی بحوالۂ پروفیسر براؤن پیش کیا جاتا ہے-[1]

کرمان میں ایک بلائے ارضی تھی' جس کی لوگ پرستش کرتے تھے- بیلوں کا خون اس کی خوراک تھا- اس کا نام 'ہفتان بوخت' تھا- اسے کرم بھی کہتے تھے- اردشیر نے ہفتان بوخت کا نام سنا تو اسے ہلاک کرنے کا قصد کیا- اس نے برجک اور برجاتور' اپنے دو دانش مندوں کو بلایا- باہمی مشورے کے بعد کثیر تعداد میں سونے چاندی کے سکے فراہم کیے- اردشیر نے خراسانی

(۱) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۴۵-۱۴۶

تاجروں کا لباس زیب تن کیا اور چار سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر کرمان کی راہ لی۔ آخر وہ قلعۂ گلنار تک پہنچ گئے جو 'ہفتان بوخت'[1] کا مسکن تھا۔ اردشیر نے اپنے سپاہیوں کو پہاڑ کی اوٹ میں ٹھہرایا اور کہا: ''جس دن قلعے سے دھواں اٹھتا دیکھیں' فوراً یلغار کر دیں''۔ اردشیر خود قلعے کے محافظوں کے پاس گیا اور کہا: ''میں ہفتان بوخت کی حضوری کا شرف حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں''۔ محافظوں نے اردشیر کی عقیدت مندی کا حال سنا تو اس کو مع اس کے دو ساتھیوں کے قلعے میں آنے کی اجازت دے دی۔ تین دن اور تین رات یہ لوگ قلعے میں مقیم رہے۔ اردشیر نے محافظوں کو چاندی سونے کے سکے پیش کیے' جس سے وہ بہت خوش ہوے اور انھیں 'کرم' تک لے جانے کے لیے رضا مند ہو گئے۔ اردشیر نے یہ خواہش بھی کی کہ اُسے 'کرم' کو اپنے ہاتھوں سے خوراک دینے کی اجازت دے دی جائے۔ پاسبانوں نے بہ خوشی یہ بھی مان لی۔ آخر ایک دن اردشیر نے موقع پا کر تانبا پگھلایا۔ برجک اور برجاتور اس کے ارادے کی تکمیل کے لیے آہورا مزدا کی مناجاتیں پڑھتے رہے۔ 'کرم' کی غذا کا وقت آیا تو اس نے حسب عادت شور و غوغا کر کے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اس سے پہلے اردشیر اس کے پاسبانوں اور خادموں کو شراب پلا کر مدہوش کر چکا تھا۔ اب وہ ہم راہیوں سمیت 'ہفتان بوخت' کی روزمرہ خوراک یعنی بیلوں اور بھیڑوں کا خون' جو اسے خادموں نے دے رکھا تھا' لے کر وہاں پہنچا۔ 'کرم' نے خون پینے کے لیے جونہی منہ کھولا اردشیر نے خون کی بجاے پگھلا ہوا تانبا' جو ہمراہ لایا تھا' اُس کے حلق میں انڈیل دیا۔ تانبے کا حلق سے اُترنا تھا کہ غضب ناک چیخیں نکلیں اور اس کا جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ اہلِ قلعہ نے یہ چیخیں سنیں تو حواس باختہ ہو کر اِدھر اُدھر دوڑے۔ ایک افراتفری کا عالم تھا۔ اردشیر نے تلوار اور ڈھال سنبھالی اور جو بھی سامنے آیا' اسے تہ تیغ کر دیا۔ آخر اس نے گھاس پھوس اکٹھا کر کے جلایا۔ چھپے ہوے سپاہیوں نے دھواں اٹھتے دیکھا تو دوڑتے ہوے قلعے کے دروازے پر آ پہنچے۔ دروازہ کھول دیا گیا اور سپاہی ''اردشیر کام یاب ہوا'' کے نعرے بلند کرتے ہوے قلعے میں آ گئے۔ اہلِ قلعہ کو انھوں نے موت کے گھات اتار دیا اور قلعۂ گلنار پر اردشیر کا قبضہ ہو گیا۔

اردشیر تاریخی حیثیت میں

اب تک جو کچھ اردشیر کے متعلق لکھا گیا' اس کا ماخذ پہلوی کتاب 'کارنامک' ہے اور

---

(۱) فردوسی نے 'شاہ نامے' میں شعری ضرورت کی وجہ سے اسے 'ہفتواد' لکھا ہے

اس کی حیثیت محض افسانوی ہے۔فردوسی نے بھی 'شاہ نامہ' میں اسے جوں کا توں نظم کر دیا ہے لیکن مشہور مورخ ابن جریر طبری نے اس کی تاریخی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اردشیر کا شجرۂ نسب طبری یوں لکھتے ہیں: ''اردشیر بن بابک بن ساسان بن بہمن بن اسفندیار بن گشتاسپ بن لہراسپ''[1] ان کے بیان کے مطابق ساسان شاہی گھرانے کا فرد تھا۔ وہ متعدد دیہات کا سردار اور استخر کے ''آتش کدۂ ناہید'' (اناہتا) کا موبد تھا۔اس کی بیوی رام بہشت (اوہشت) فارس کے بازرنگی حکم ران کی بیٹی تھی۔بابک اس کا بیٹا تھا جو ساسان کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا۔بابک نے اپنے بیٹے اردشیر کو فوجی تربیت کے لیے داراب گرد بھیجا جو بازرنگی حکم ران کے حاکم اعلا بیری کا صدر مقام تھا۔اردشیر فوجی تربیت پاتا رہا۔آخر جب بیری فوت ہوا تو بازرنگی حکم ران گوچہر نے قرابت داری کے خیال سے اردشیر ہی کو داراب گرد کا حاکم اعلا مقرر کر دیا۔

اردشیر بہت جاہ پسند شخص تھا۔محض داراب گرد کی حکومت پر وہ مطمئن نہ ہوا اور آس پاس کے حکم رانوں کو شکست دے کر اپنے علاقے کو کافی پھیلا لیا۔اردشیر کا باپ بابک ابھی زندہ تھا۔اس نے بازرنگی حکم ران کے خلاف بغاوت کی' جس کی حکومت نسائیہ میں تھی۔بابک کی بغاوت کام یاب ہوئی اور ''قلعۂ سپید''[2] کو مسخر کر کے اس نے گوچہر کو قتل کر دیا اور نسائیہ کی حکومت خود سنبھال لی۔

بابک کا ایک اور بیٹا شاہ پور تھا' جس سے وہ بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔اشکانی بادشاہ اردوان سے اس نے استدعا کی کہ نسائیہ کی حکومت پر شاپور کا حق تسلیم کر لیا جائے لیکن اردوان کی طرف سے مقرر کردہ حکم ران گوچہر کو اُس نے قتل کیا تھا اور ادھر اردشیر نے اشکانی سلطنت کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا' اس لیے اسے گوارا نہ تھا کہ نسائیہ میں شاپور کی حکومت تسلیم کر لے۔ چناں چہ اردوان نے جواب میں لکھ بھیجا کہ اس کے نزدیک بابک اور اس کا بیٹا اردشیر دونوں اشکانی حکومت کے باغی ہیں اس لیے اس کی درخواست قابلِ قبول نہیں۔

اردوان کے جواب سے تھوڑی دیر بعد بابک فوت ہو گیا اور شاپور نے نسائیہ کی حکومت سنبھال لی اور اپنے بھائی اردشیر کو اطاعت اختیار کرنے کے لیے بلا بھیجا' لیکن اردشیر کو گوارا نہ تھا۔شاپور نے اپنے دوسرے بھائیوں کو اردشیر کے خلاف فوج کشی پر آمادہ کرنا چاہا۔ فوج تو فراہم کر لی گئی لیکن وہ سب بھائی اردشیر کی طرف مائل تھے۔آخر انھوں نے شاپور کو اسیر کر

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ: محمد جواد مشکور' ص ۸۱-۸۲

(۲) اس کو اب نسا کہتے ہیں جو شیراز کے شمال میں واقع ہے

کے اردشیر کو بلایا اور استخر کی حکومت پیش کی- یہ پیش کش اردشیر نے قبول کر لی-

اردشیر نے ابرسام کو اپنا وزیر بنایا اور ہامان کو موبدان موبد مقرر کیا اور بعض اعلا عہدوں پر اپنے معتمد افسر مامور کر کے ملکی حالات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ کی- اردشیر کے بھائیوں کو اس کی بعض باتیں ناگوار گزریں تو اس کے خلاف سازشیں کرنے لگے- فوج کے ایک دستے کے ساتھ انھوں نے ساز باز بھی کر لی- اردشیر کو وقت پر پتا چل گیا تو اس نے بھائیوں پر قابو پا کر مع مخالف فوجی سرداروں کے انھیں تہ تیغ کرا دیا- داراب گرد میں شورش ہوئی لیکن اردشیر نے اسے سختی سے دبا دیا پھر جس شخص پر بھی اسے مخالفت کا شبہ ہوا' اسے قتل کرنے میں دریغ نہ کیا- اس سخت گیرانہ پالیسی کی وجہ سے فارس بھر میں کسی کو اس کی مخالفت کرنے کا یارا نہ رہا-

اشکانی حکومت کی ایک اور شکست

۲۲۳ء میں اردشیر نے براہ راست اشکانی حکمران اردوانِ پنجم سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے اور اس کا آغاز کرمان پر حملہ کر کے کیا جہاں کا حاکم بلاش تھا- یہ صوبہ اگرچہ خود مختار تھا لیکن اس پر اقتدار اعلا اشکانی حکمران ہی کو حاصل تھا- بلاش نے چڑھائی کی خبر سنی تو اپنی کثیر فوج لے کر آیا لیکن اردشیر کے ہاتھوں شکست کھائی اور پورے کرمان پر اُس کا قبضہ ہو گیا-

اردوان کی دھمکی

اردوانِ پنجم' گوچہر کی شکست اور قتل سے سخت برافروختہ تھا اور اب جو اردشیر نے کرمان فتح کیا تو اس کے غیض و غضب کی انتہا نہ رہی- اس نے اردشیر کو ایک مراسلہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا ''تم استخر کے رہنے والے ایک دہقان کے بیٹے ہو- تمھارا باپ بابک اپنے گاؤں کا معمولی سردار تھا- تم اپنی ہستی کو بھول گئے ہو- تم نے میرے ماتحت علاقوں' یعنی فارس اور کرمان کے حاکموں کے خلاف فوج کشی کی' انھیں قتل کیا اور اپنی حکومت قائم کر لی- تمھیں تخت و تاج سے کیا نسبت ہے- میں نے اھواز کے حاکم کو حکم دیا ہے کہ تمھارے خلاف فوج کشی کرے اور تمھیں اسیر کر کے دربار شاہی میں بھیجے-'' اس کا جواب اردشیر نے ان الفاظ میں دیا: ''ملک اور ملک کا تاج و تخت آہورامزدا کی بخشش سے مجھے ملا ہے- مجھے یقین ہے' میں تم پر عن قریب فتح پا کر تمھیں کیفر کردار کو پہنچاؤں گا''-[1]

اردشیر استخر آیا اور ابرسام کو اپنا نائب مقرر کر کے کرمان واپس چلا گیا- اتنے میں اھواز

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ: محمد جواد مشکور' ص ۸۳-۸۴

کے حاکم نے اردوان کا مراسلہ ملتے ہی استخر پر چڑھائی کی' لیکن اُسے نئی ابھرتی ہوئی طاقت سے شکست کھانے میں زیادہ دیر نہ لگی- اردشیر نے جواب میں اصفہان پر فوج کشی کی جو اردوان کے تسلط میں تھا اور وہاں کے حاکم شاہ شاپور کو شکست دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا- اصفہان پر قابض ہو گیا اور وہاں کے حاکم بیدوقر کو نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا- اردشیر نے اہواز کا تمام علاقہ مسخر کر کے وہاں کے سب سے بڑے شہر رام ہرمز کو اپنا پایہ تخت بنایا' جو بعد میں سوق الاہواز کہلایا-

اردشیر اور اردوان میدانِ جنگ میں

اردوان پنجم کی سلطنت کا کوئی حاکم اردشیر کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا- اشکانی سلطنت کے علاقے ایک ایک کر کے الگ ہوتے گئے- آخر اردوان نے اردشیر سے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی اور ملک کے تمام وسائل تیاری کے لیے وقف کر دیے- ملک کے گوشے گوشے سے نوجوان فوج میں بھرتی کیے گئے آخر اس نے اردشیر کے خلاف فارس پر چڑھائی کی- یہ پہلا موقع تھا کہ اردوان اپنے حریف اردشیر سے جنگ کرنے کے لیے براہِ راست میدان میں اُترا- یہاں خون ریز جنگ ہوئی لیکن 'ای بسا آرزو کہ خاک شدہ' حملہ آور کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی-

جنگ ہرمز اور اشکانی عہد کا خاتمہ

اردشیر اردوان کی آخری جنگ ہرمز کے میدان میں ہوئی جو اہواز کے مشرق میں واقع ہے- یہاں ۲۲۴ء میں اشکانیوں کو آخری شکست ہوئی جس میں اردوان لڑتے لڑتے مارا گیا- اردوان اشکانی خاندان کا آخری بادشاہ تھا- اس کی موت کے بعد اشکانی عہد کا خاتمہ ہو گیا- اس فتح کے بعد اردشیر نے ہخامنشیوں کی پیروی کرتے ہوئے شہنشاہ کا لقب اختیار کر کے اپنے مورث اعلا ساسان کے نام پر ساسانی عہد کی بنیاد رکھی-

اردشیر کی دیگر فتوحات

طبری لکھتے ہیں کہ اس فیصلہ کن فتح کے بعد اردشیر نے ہمدان پر لشکر کشی کی اور سارا پہاڑی علاقہ مع نہاوند اور دینور فتح کر لیا- پھر آذربائیجان اور آرمینیا پر قابض ہوا- وہاں سے موصل کا رُخ کیا- موصل فتح ہوتے ہی ساحل کے تمام شہر یکے بعد دیگرے اس کے تسلط میں آ گئے- ان فتوحات کے بعد اردشیر نے بحرین کا رُخ کیا اور اسے محاصرے میں لے لیا- محاصرے نے کافی طول پکڑا- اس عرصے میں بحرین میں قحط کے آثار نمودار ہوئے- محصورین

نے اپنی بقا اسی میں دیکھی کہ بحرین کے حکمران سطرق کا قصہ پاک کر دیں اور قلعے کے دروازے اردشیر کے لیے کھول دیں۔ سطرق کو اہلِ بحرین کی سازش کا پتا چلا تو قلعے کی دیوار سے نیچے گر کر خودکشی کر لی۔ اہلِ قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس قلعے کی تسخیر سے اردشیر کو بحرین کے قدیمی خزانے ہاتھ لگے۔ بحرین کی فتح کے بعد اس نے سیستان اور خراسان کے علاقے زیرِ نگیں کیے اور فارس واپس آ گیا۔

مدائن کی فتح اور شاپور کی ولی عہدی

اردشیر کی فتوحات کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ جنگ جوئی کی آرزو اسے عراق لے گئی۔ یہاں اس نے مدائن (طیسفون) کو فتح کیا اور اپنی مملکت کو عراق تک پھیلا کر رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے راستہ ہموار کر لیا۔ اردشیر کی فتح کے شادیانے بجے تو ساتھ ہی اس نے اپنے بیٹے شاپور کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے کا اعلان کر دیا اور اس قدیمی شہر کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔

بادشاہ ہند کے سفیر دربار ایران میں

طبری [1] کی ایک روایت ہے جس کی تصدیق ہرٹسفلڈ نے کی ہے کہ شاہ کوشان نے جس کے قبضے میں وادی کابل، پنجاب، توران، مکوران (کوئٹہ) اور مکوان تھے، اردشیر کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ بعض تذکرہ نویس یہ لکھتے ہیں کہ اردشیر نے ہندوستان پر چڑھائی کر کے پنجاب کو فتح کر لیا تھا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ پنجاب میں ایسے سکے دریافت ہوئے ہیں جو یوں تو کوشانی وضع کے ہیں لیکن ان کے ایک طرف اردشیر کے سکوں کی طرح آتش کدے کی تصویر نظر آتی ہے۔ پنجاب سے اردشیر اور آگے بڑھا اور سرہند تک جا پہنچا لیکن بادشاہ ہند جونہ نے کثیر تعداد میں زر و مال، جواہرات اور ہاتھی بطور خراج پیش کیے۔ اردشیر یہ خراج وصول کر کے ایران واپس آ گیا۔ اردشیر کے زمانے میں پنجاب سے بدستور ایران میں خراج آتا رہا۔

ایران و روم کی چپقلش

ایران کی داخلی حکومت مستحکم ہو چکی تو اردشیر نے رومیوں سے انتقام لینا چاہا جو اشکانی دور میں ایران کے لیے وجہ پریشانی بنے ہوئے تھے۔ پہلا قدم اس نے ۲۲۸ء میں دریائے فرات عبور کر کے اٹھایا۔ اس زمانے میں اسکندر سیور (Alaxander Severe) قیصر روم تھا۔ اسکندر

(۱) کرسٹن سن، ایران بعہد ساسانیاں، ترجمہ: ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۱۲

سیور نے اپنا سفیر اردشیر کے پاس بھیج کر یہ پیغام پہنچایا کہ اس کے لیے مناسب یہی ہوگا کہ اپنی مملکت پر قناعت کرے اور ایشیائے کوچک میں انقلاب لانے کا خواب نہ دیکھے۔ رومتہ الکبریٰ سے نبرد آزما ہونا، وحشی قبائل سے جنگ کرنے سے مختلف ہوگا۔ ساتھ ہی اسکندر سیور نے اردشیر کو آگسٹس، ٹروجن اور سپیٹی کی فتوحات یاد دلائیں جو انھوں نے ایران کے بعض علاقوں کو تہ و بالا کر کے حاصل کی تھیں۔ اردشیر اس پیغام سے سخت برہم ہوا اور اس کے جواب میں اپنے چار سو قوی ہیکل مسلح جوان مرصع گھوڑوں پر سوار کر کے سفارت کے طور پر دربار روم میں بھیجے اور یہ پیغام پہنچایا کہ کہ اہلِ روم نے ایشیا کے جن جن علاقوں کو غصب کر رکھا ہے، وہ مملکتِ ایران کا حصہ ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ حکومتِ روم ان کو واپس کر دے اور صرف روم پر ہی اکتفا کرے۔ اسکندر ایرانی سواروں کا یہ پیغام سن کر سخت برافروختہ ہوا اور سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کو زندان میں ڈال دیا اور حکومتِ ایران سے جنگ کرنے کے لیے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔

۲۳۱ء میں اسکندر سیور نے روم کے اطراف و جوانب سے بہت بڑی فوج فراہم کی اور اسے تین حصوں میں منقسم کیا۔ ایک لشکر آذر بائیجان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، دوسرا شوش کی طرف اور تیسرا لشکر وہ خود لیے ہوئے قلب ایران پر حملہ کرنے کے لیے آیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ رومی لشکر کی تقسیم کچھ اس طرح ہوئی تھی کہ ان میں باہمی رابطہ قائم نہ رہ سکا تھا۔ آذر بائیجان پر حملہ کرنے والے لشکر کو کسی حد تک کامیابی تو ضرور ہوئی لیکن آخر جب رومی لشکر نے لوٹنا چاہا تو ایرانی لشکر کے ہاتھوں اسے سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ شوش کی طرف خود اردشیر رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آیا انھیں الٹے پاؤں لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ اسکندر سیور ایشیائے کوچک سے ایرانیوں کو نکالنے کے لیے آیا تھا لیکن ۲۳۲ء میں پسپائی اختیار کرنے ہی میں عافیت دیکھی۔ رومیوں کی بزدلی سے فائدہ اٹھا کر اگر اردشیر چاہتا تو رومی علاقہ سیور فتح کر سکتا تھا لیکن اس نے پہلے آرمینیا کی طرف بڑھنے کا قصد کیا جو ہمیشہ ایران کی اطاعت کا دم بھرتا اور پھر جب بھی موقع ملتا ایران کے خلاف رومیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتا۔ یہ ملک بھی ایرانیوں اور رومیوں کے مابین نزاع کا مستقل سبب تھا۔

آرمینیا کا حکمران خسرو تھا[1]۔ اس نے اردشیر کا مقابلہ کیا۔ اردشیر کے سوار دستوں کو آرمینیا کے کوہستانی علاقے میں نمایاں کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر اردشیر نے خسرو کے ایک معتمد کو

(۱) سائیکس: اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۳۹۶

لالچ دے کر اُسے خسرو سے منحرف کرادیا اور در پردہ خسرو کو قتل بھی کرادیا- خسرو کے قتل کی خبر پھیلی تو اہلِ آرمینیا نے ہتھیار ڈال دیے اور اردشیر کا آرمینیا پر قبضہ ہوگیا- خسرو کا بیٹا جان بچا کر آرمینیا سے نکل بھاگا-[1]

اہلِ آرمینیا کی تالیف قلوب

اہلِ آرمینیا سے اشکانی حکم رانوں اور سرداروں نے برا سلوک کر کے نفرت کے بیج بوے تھے- اشکانی اگرچہ شروع شروع میں مذہب زرتشت ہی کے پیرو تھے لیکن رفتہ رفتہ قدیمی آریائی مذہب کے مطابق ستاروں اور سیاروں کی پرستش کرنے لگے تھے- انھوں نے آرمینیا کے آتش پرستوں کو قدیمی مذہب کی طرف لوٹانا چاہا اور ان پر سختیاں بھی کیں[1]- ان کی سختیوں کا یہ اثر ہوا کہ آرمینیا کے آتش کدے ٹھنڈے ہو گئے- اس وجہ سے آتش پرستوں کے موبد اور ہیربد اشکانیوں سے سخت ناراض تھے- ان کی دل جوئی کے لیے اردشیر نے دین آتش پرستی پر قائم رہنے کی اجازت دے دی اور اشکانی شہزادوں اور امرا کو موت کے گھاٹ اتروادیا- بعض جو بچ گئے بین النہرین، ہند اور افغانستان کی طرف نکل گئے- بعض علاقوں میں، جہاں اشکانی خاندان کے افراد اپنے آپ کو مضبوط سمجھتے تھے، وہیں مقیم رہے-

اردشیر کی سیرت و کردار اور اصلاحات

اردشیر نے ملک میں یک جہتی قائم کرنے کے لیے دین آتش پرستی کو سرکاری مذہب قرار دیا اور حکم دیا کہ آتش کدے، جو سرد پڑ چکے ہیں، پھر سے روشن کیے جائیں- موبدوں کا منصب بلند کیا، انھیں جاگیریں عطا کیں- آتش کدوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے زمینیں وقف کیں- پارسی روایت کے مطابق تنسر نامی ہیربد کو حکم دیا گیا کہ اشکانی 'اوستا' کے پراگندہ اجزا کو جمع کر کے ازسرنو ترتیب دے- چناں چہ تنسر کی کوشش سے جو 'اوستا' مرتب ہوئی اسے مستند اور مصدقہ قرار دیا گیا- اردشیر نے اشاعت مذہب کے لیے ملوک و امرا کے نام فرمان بھی بھیجے-[2]

اردشیر نے ملکی امور کی طرف توجہ دی اور حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے مقبوضہ ممالک میں خود مختار حاکم مقرر کرنے کا طریقہ ختم کیا جن کی وجہ سے ملک میں فتنے سر اٹھاتے

(۱) سائیکس، اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۳۹۶-۳۹۷

تھے- اس کی بجائے مضبوط مرکزی حکومت قائم کی جسے سب حاکموں پر اقتدار اعلا حاصل تھا- آتش پرستی کو سرکاری مذہب قرار دینے کی وجہ سے ملکی مرکزیت کے استحکام میں اور زیادہ مدد ملی-(۱)

اردشیر نے لوگوں کو مختلف طبقوں میں منقسم کیا- سرکاری ملازموں کی درجہ بندی کی- ملک میں امنِ عامہ کے ادارے قائم کیے- داریوش کی طرح اردشیر نے بھی (دس ہزار) جاں بازوں کا لشکر منظم کیا جس کا نام 'لشکرِ جاویداں' تھا- یہ لشکر براہِ راست بادشاہ کے معتمد سپہ سالار کے ماتحت تھا-

اردشیر کا عقیدہ تھا کہ ملکی طاقت فوج کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور زر و مال کھیتی باڑی کی ترقی کے بغیر فراہم نہیں ہو سکتا- اس لیے اس نے فوج اور زراعت پر خاص توجہ دی اور محصولات میں کمی کر دی- اس کی دلی تمنا تھی کہ ملک خوش حال اور رعایا فارغ البال ہو- چناں چہ اس نے عدل و انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا- مذہب پرستی اور عدل و انصاف کی جو روایات اردشیر نے قائم کیں وہ اس کے جانشینوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں-

اردشیر بہت دلیر، دانش مند، مستقل مزاج اور وسیع الظرف حکم ران تھا- اس نے قدیم اشکانی حکومت کی تمام مخالف جماعتوں کو اپنا بہی خواہ بنایا اور اُن مشرقی ممالک کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کیا، جنھوں نے اس سے پہلے کبھی اشکانیوں کا تسلط قبول نہیں کیا تھا- اس نے جو سیاسی اور مذہبی نظام رائج کیا، اتنا پائیدار تھا کہ چار سو سال تک برقرار رہا-

تعمیرات

قدیم بادشاہوں کی عظمت کا پتا ان کے تعمیراتی کاموں سے بھی چلتا ہے، جن میں شہر آباد کرنا، عبادت گاہیں تعمیر کرانا اور رفاہ عامہ کے ادارے قائم کرنا شامل ہیں- ایران کی قدیمی یادگاروں اور عرب مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اردشیر کی توجہ ان کاموں پر بھی تھی- طبری لکھتے ہیں کہ اس نے آٹھ شہر اپنے نام کی نسبت سے بسائے تھے؛ مثلاً شہر سیلوکیہ کو اس نے دوبارہ دیہہ اردشیر کے نام سے آباد کیا- فارس کے تین شہر اردشیر خورہ، ریو اردشیر اور رام اردشیر بھی اس کی یادگاریں ہیں-(۲) اردشیر خوراہ جہاں آباد ہوا، وہاں پہلے شہر گور آباد تھا- یہ شہر ویران

---

(۱) سائیکس، اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۳۹۷

(۲) تاریخ طبری، بلعمی، محمد جواد مشکور، ص ۸۷

(۳) شاہ نامۂ ثعالبی، محمود ہدایت، ص ۲۲۶

ہوا تو اسے آباد کرا کے اردشیر خورہ نام رکھا گیا،[۳] جس کا مطلب ہے شوکت اردشیر۔ اب یہی شہر فیروز آباد کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں ایک محل کے کھنڈرات نظر آتے ہیں جو اردشیر نے تعمیر کرایا تھا۔ شہر ہرمزد اس نے خوزستان میں آباد کیا جو بعد میں سوق الاہواز کہلایا۔ 'ایسار آباذ' بھی اُکا نے بسایا جسے آج کل کرخ میسان کہتے ہیں۔ بور اردشیر بھی اسی کا آباد کیا ہوا ہے جو اب جدہ کہلاتا ہے۔ اردشیر کے زمانے میں وہشت (بہشت) آباد اردشیر بھی بسایا گیا تھا جو اسلامی دور میں بصرے کے نام سے دوبارہ آباد ہوا۔ ابن خرداد لکھتے ہیں کہ خوارزم بھی اردشیر کا بسایا ہوا شہر ہے۔[۱]

چٹانوں پر اُبھرواں تصویریں

اردشیر کا مولد فارس تھا۔ اس سے اُسے طبعی اُنس تھا۔ اسی وجہ سے اردشیر اور اس کے جانشینوں نے اپنی یادگاریں قائم کرنے کے لیے استخر کے پہاڑی علاقے کو منتخب کیا۔ اس طرح استخر کو قدیمی شہر پرسی پولس، یعنی تخت جمشید کی جانشینی حاصل ہو گئی۔ یہاں انھوں نے چٹانوں پر ابھرواں تصویریں بنوائیں۔

اردشیر کی یادگاریں نقش رستم اور نقش رجب پر اُبھرواں تصویروں کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

نقش رجب میں ہخامنشی بادشاہوں کے مقبروں کے قریب ایک عمودی چٹان پر اردشیر کی اُبھرواں تصویر ہے جو اب بہت شکستہ حالت میں ہے۔ اس تصویر میں آہورا مزدا اسے عصائے شاہی اور انگشت سلیمانی دے رہا ہے۔ کچھ اور لوگوں کی بھی تصویریں ہیں جو اردشیر کو سر جھکا کر عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

نقش رستم میں اردشیر کی تصویر کچھ بہتر حالت میں ہے۔ اس تصویر میں بھی آہورا مزدا اسے عصائے شاہی اور انگشتِ سلیمانی مرحمت کر رہا ہے۔ آہورا مزدا اور اردشیر گھوڑوں پر سوار ہیں۔ گھوڑے ساز و سامان سے مزین ہیں۔ دونوں گھوڑوں میں فرق اس قدر ہے کہ بادشاہ کے گھوڑے کے سینہ بند پر جو تختیاں نظر آتی ہیں، ان پر شیروں کے چہروں کی اُبھرواں تصویریں ہیں لیکن آہورا مزدا کے گھوڑے کے سینہ بند پر پھولوں کی اُبھرواں تصویریں ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا چوری لیے کھڑا ہے۔ ایک مسلح شخص بادشاہ کے گھوڑے کے پاؤں میں گرا ہوا ہے۔

قیاساً یہ تصویر اردوانِ پنجم کی ہے جسے شکست دے کر اس نے عہدِ ساسانی کی تاسیس کی تھی۔

اردشیر کے اقوال ونصائح

ثعالبی نے اردشیر کو نہایت نیک سیرت اور پرہیزگار بادشاہ ظاہر کیا ہے اور اس کے پند ونصائح بھی نقل کیے ہیں۔ بعض کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:[1]

۱۔ طاقت لشکر کے بغیر' لشکر مال و دولت کے بغیر' مال و دولت زراعت کے بغیر' زراعت عدالت اور حسن سیاست کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔

۲۔ بغض اور کینے کو اپنا شعار نہ بناؤ۔

۳۔ لوگوں کی رسد نہ روکو تاکہ تمھیں بھی قحط کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مسافروں کی خاطر مدارات کرو کیوں کہ تمھیں بھی سفرِ آخرت درپیش ہے۔ دنیا میں دل نہ لگاؤ' یہ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ دنیا کو بالکل ترک بھی نہ کرو کیوں کہ اس کے ذریعے عاقبت کے لیے اعمال نیک کا ذخیرہ جمع کر سکتے ہو۔

۴۔ حکومت جب پست فطرت لوگوں کے سپرد کی جاتی ہے تو ندامت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جس بادشاہ سے رعیت ڈرتی ہے' وہ اُس بادشاہ سے بہتر ہے جو رعیت سے ڈرتا ہے۔

۵۔ بادشاہ ظالم ہو تو آبادی اور خوش حالی ممکن نہیں۔ عادل بادشاہ بارانِ نعمت سے بہتر ہوتا ہے۔ خوں خوار شیر ظالم سلطان سے بہتر ہے۔

۶۔ ہر شخص کو سخی ہونا چاہیے لیکن اگر بادشاہ سخی نہ ہو تو وہ ناقابل معافی ہے کیوں کہ سخاوت پر سب سے زیادہ قادر وہی ہوتا ہے۔

۷۔ بادشاہوں کے لیے اس سے زیادہ اور کیا وحشت ناک چیز ہوگی کہ سر ان کے نزدیک دُم ہو جائے اور دُم سر۔

۸۔ بدترین بادشاہ وہ ہے جس سے بے گناہ لوگ ڈریں۔

۹۔ سلطنت کی بقا مذہب سے ہے اور مذہب کی ترویج واشاعت بادشاہ کی قوت سے ہے۔

۱۰۔ بادشاہوں کے لیے لازم ہے کہ عفو اور چشم پوشی کو لوگوں کی تادیب کا ذریعہ بنائیں' نہ تنبیہ اور قطع حقوق کو۔

۱۱۔ ہم سب جسم واحد کی مانند ہیں۔ کسی عضو کو کوئی راحت یا خوشی ہو تو اس کا اثر تمام اعضا پر پڑتا

---

(۱) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۲۵

ہے۔ تم میں سے بعض بہ منزلہ سر ہیں جس کی حکومت دوسرے اعضا پر ہوتی ہے‘ بعض بہ منزلہ ہاتھ ہیں‘ جو نقصان رساں چیزوں کو رد کرتے اور مفید چیزوں کو حاصل کرتے ہیں۔ بعض بہ منزلہ قلب ہیں جس سے فکر اور احساس پیدا ہوتا ہے۔ ایک جماعت پست اعضا کی ہے‘ جو بدن کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ پس تمھیں چاہیے کہ ایک دوسرے کے کام آؤ۔ ہر شخص اپنے ساتھی کو نصیحت کر کے اس کی رہنمائی کرے تاکہ حسد اور کینہ دلوں سے دور رہے۔

اردشیر کو اپنی رعایا سے بہت ہمدردی تھی۔ اس کو جب اطلاع ہوئی کہ اہلِ استخر خشک سالی کی تباہی کا حال بیان کرنے آئے ہیں تو سن کر کہا کہ اگر بارش آسمان سے نہیں برسی تو ہماری سخاوت کی بارش ہوگی‘ اور حکم دیا کہ رعایا کے نقصانات کی تلافی خزانہ شاہی سے کر دی جائے اور لوگوں کی تمام ضرورتیں پوری کی جائیں۔

اردشیر نے مرتے وقت اپنے بیٹے شاپور کو حسب ذیل وصیت کی تھی:

''مذہب اور تخت و تاج کو لازم و ملزوم سمجھو۔ دونوں ایک دوسرے کی بقا کا ذریعہ ہیں۔ جس کا کوئی مذہب نہیں‘ وہ سفاک انسان ہے۔''

اردشیر کی وفات ۲۴۰ء میں ہوئی۔

شاپور اول

(۲۴۰ء یا ۲۴۱ تا ۲۷۲ء)

اردشیر کی وفات پر اس کا بیٹا شاپور اول تخت نشیں ہوا۔ شاپور کی پیدائش کے متعلق ایرانی مورخ لکھتے ہیں کہ وہ اردوان[1] پنجم کی بیٹی کے بطن سے تھا‘ جسے اپنے باپ کے قتل ہونے اور اشکانی حکومت کے ختم ہونے کا سخت قلق تھا۔ اس نے انتقام لینے کی غرض سے اردشیر کو زہر دینے کی کوشش کی۔

فردوسی لکھتے ہیں:

بدانگہ کہ شہ اردوان را بکشت	ز خونِ وی آورد گیتی بمشت
چو او کشتہ شد دخترش را بخواست	بدان تا بگوید کہ گنجش کجاست
بہندوستان بود مہتر پسر	کہ بہمن بُدی نام آن پر ہنر

(۱) تاریخ ...

فرستا ای جست با رای و هوش | جوانی که دارد بگفتار گوش
بدو گفت رو پیش خواهر بگو | که از دشمن این مهربانی مجو
چو خواهی که بانوی ایران شوی | بگیتی پسند دلبران شوی
هل هل چنین زهر مندی بگیر | بکار آر یکباره با اردشیر (۱)

اردشیر کو ملکہ کی سازش کا علم ہوا تو اس نے ملکہ کے قتل کا حکم دیا۔ وہ اس وقت حاملہ تھی۔ طبری (۱) لکھتے ہیں کہ موبدان موبد ابرسام' جو اردشیر کا وزیر اعظم بھی تھا' اس خیال سے کہ شاید اس سے ولی عہد سلطنت تولد ہو' اس کی جاں بخشی کرانے میں کام یاب ہو گیا اور اسے اپنے ہاں پناہ دی۔ اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شاپور رکھا گیا۔ ابرسام نے اس کی پیدائش بادشاہ سے مخفی رکھی اور شہزادوں کی طرح اس کی تربیت کرنے لگا۔ شاپور نے ہوش سنبھالا تو اس کی ہوش مندی کی شہرت دور دور پھیل گئی۔

جوں جوں اردشیر کے آخری دن قریب آتے گئے اسے یہ غم بے چین کر رہا تھا کہ اگر کوئی بیٹا ہوتا تو تخت و تاج کا وارث بنتا۔ آخر ابرسام نے اس کی بے چین روح کو تسکین دینے کے لیے بتایا کہ اس کا بیٹا موجود ہے۔ یہ سن کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اردشیر کا بیٹا اب تیرہ برس کا ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کی آزمائش کرنی چاہی۔ اسے مع ہم جولیوں کے چوگان کھیلنے کے لیے میدان میں بلایا گیا۔ شاپور نے کھیل میں اپنے فن کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ بادشاہ اس کے کھیل سے بہت متاثر ہوا۔ ایک گیند بادشاہ کی طرف جا گری۔ کسی کھلاڑی کو حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ گیند کا پیچھا کرے۔ آخر ایک لڑکا بے باکی سے گیند کی طرف بڑھا اور گیند وہاں سے لے آیا؛ یہ شاپور تھا۔ اردشیر اس کی جرأت سے بہت خوش ہوا۔

اردشیر نے شاپور کو بلا کر پوچھا: ''لڑکے تمھارا نام کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ 'شاپور'۔ بادشاہ بولا ''خوب تم ہو شاپور؟ یعنی بادشاہ کے بیٹے۔'' اس کے چہرے میں بادشاہ کو خود اپنا عکس بھی جھلکتا نظر آیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ (۲)

بعض مغربی مورخین کا خیال ہے کہ عربی اور فارسی مورخوں نے اردشیر کی اردوان پنجم کی شہزادی کے ساتھ شادی کا جو ذکر کیا ہے' اس کی حیثیت محض قصے کی ہے۔ اس کے باوجود موسیو ہرتسفیلڈ اس کی تاریخی واقعیت کے قائل ہیں کیوں کہ ظاہر ہے کہ اردشیر کی ضرور یہ خواہش ہو گی

(۱) فارس نامہ' ص ۵۹

(۲) تاریخ [illegible]

کہ اشکانی خاندان کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کر کے اپنے خاندان کے حقوق تسلیم کرائے لیکن کرسٹن سن[1] لکھتا ہے کہ مجھے دو وجوہ سے اس شادی کی حقیقت مشکوک معلوم ہوتی ہے' ایک تو اس لیے کہ اردوان کے ساتھ اس رشتے کے بارے میں بیانات بے حد مختلف ہیں دوسرے اس لیے کہ عربی اور فارسی کتابوں میں اس روایت کا مقصد اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ شاپور کی ماں پرانے شاہی خاندان کی شہزادی تھی لہٰذا وہ اشکانیوں کا جائز جانشین تھا[2]۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاپور پیش تر اس کے کہ اس کے باپ نے سلطنت کو فتح کیا' سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا اور یہ بات طبری کی روایت سے ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ اس نے لکھا ہے کہ شاپور ہرمزدگان کی لڑائی میں شریک تھا۔ کرسٹن سن نے یہ بھی لکھا ہے کہ طبری کی یہ روایت غالباً 'خدای نامک' یا ختائی نامک کتاب سے ماخوذ ہے۔ برخلاف اس کے اشکانی شہزادی کے ساتھ اردشیر کی شادی اور اس کے بطن سے شاپور کی پیدائش کا قصہ کسی مقبول عام افسانے سے ماخوذ ہے[3]۔

آرمینیا اور الحضر کی بغاوتیں

اردشیر کی وفات کی خبر گرد و نواح میں پھیلی تو آرمینیا اور الحضر (پترا) میں ساسانی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند ہوئے۔ شاپور نے پہلے آرمینیا پر لشکر کشی کر کے باغیوں کی سرکوبی کی' پھر الحضر کا رخ کیا جو دجلہ اور فرات کے مابین سرحد شام پر واقع تھا۔ یہاں کا حکمران ساطرون تھا جس کا لقب زوزن تھا۔ یہ شہر دفاع کے اعتبار سے نہایت مستحکم تھا۔ اسے سر کرنا آسان نہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ الحضر کے قلعے کی مضبوط دیواروں کے آگے ٹروجن ایسے رومی فاتح کا بس نہ چلا۔ بالآخر یہاں سے اسے ناکام لوٹنا پڑا تھا۔ اسی طرح سیورس رومی بھی اسے مسخر

---

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۱۱۲

(۲) ایضاً

(۳) پرتسفلڈ کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلوی داستان 'کارنامک' کے اس بیان میں کہ اردشیر کی پرورش اردوان کے دربار میں ہوئی' ضرور ایک صداقت ہے۔ اس نے یہ فرض کیا ہے کہ اردشیر نے اسی زمانے میں' جب کہ اس کا عالم جوانی تھا اور وہ زمرۂ امرائے دربار میں تھا' بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی ہوگی جس سے کچھ عرصے بعد شاپور کی پیدائش ہوئی لیکن کارنامک اور دوسرے تمام ماخذ اس بارے میں متفق ہیں کہ اشکانی شہزادی [illegible] کے بعد ہوئی۔ ایران بعہد ساسانیاں' (ترجمہ ڈاکٹر محمد

کرنے میں ناکام رہا تھا- اب شاپور کو بھی ایسی مہم درپیش تھی- وہ لشکرِ کثیر لے کر آیا اور الحضر کا محاصرہ کیا- محاصرے نے طول پکڑا- اسے بھی الحضر کی فتح محال نظر آتی تھی- مؤرخین لکھتے ہیں کہ اتفاق سے ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی جس نے الحضر کی تسخیر کا سامان پیدا کر دیا- اس کا مختصر سا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الحضر کے حکم ران زوزن کی بیٹی نظیرہ' اردشیر کے لشکر کا مشاہدہ کرنے کے لیے قلعے کے برج پر آئی تو شاپور کو دیکھ کر' جو نہایت خوب صورت نوجوان تھا' فریفتہ ہو گئی- آخر ایک دن اس نے تیر میں ایک مراسلہ پرو کر شاپور کے خیمے کی طرف پھینکا- مراسلے کا مفہوم یہ تھا کہ اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے اپنی ملکہ بنا لو گے اور میرے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو میں تمھارے لیے ایک ایسا انتظام کر دوں گی کہ تم بآسانی قلعے میں داخل ہو سکو گے- یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فردوسی لکھتا ہے:

''پیامی زمن نزد شاپور بر
برزم آمدہ است از منش سور بر'' (۱)

[میرا پیغام شاپور کے پاس لے جا- وہ تو جنگ کرنے آیا ہے لیکن تو میری طرف سے خوشی کا پیغام اس تک لے جا]

بہر حال جواب میں شاپور نے بھی تیر پھینکا اور نظیرہ کی شرائط قبول کر لیں-

آخر وقت مقررہ پر جب کہ پاسبان شراب کے نشے میں چور تھے' نظیرہ نے رات کی تاریکی میں قلعے کا دروازہ کھول دیا- شاپور کی فوج یلغار' کرتی ہوئی قلعے میں داخل ہو گئی- اس صورت میں ساسانی لشکر کا مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا- چناں چہ الحضر کے حکم ران کے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا- نظیرہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اس ناقابل تسخیر قلعے پر ساسانی علم لہرایا لیکن شاپور ایسی لڑکی کو ملکہ بنانا نہیں چاہتا تھا- جس نے اپنے باپ کے ساتھ ایسے وقت میں دغا کیا جب کہ شاپور کی ناکامی یقینی تھی- شاپور نے اس کا سر قلم کرنے کے لیے اسے جلاد کے سپرد کیا تاکہ دنیا مفاد پرست لڑکی کا انجام دیکھ لے- بعض مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس نے نظیرہ کے

---

(۱) فردوسی نے واقعہ تو یہی نظم کیا ہے لیکن اسے شاپور دوم سے منسوب کیا ہے- نیز شاہ الحضر کو 'طائر عرب' لکھا ہے اور شاہ یمن بتایا ہے' لیکن محققین کو شاہ نامے کے اس بیان سے اتفاق نہیں

(۲) ایران باستان تا عہد ساسانیان' اقبال آشتیانی' ص ۲۸۴

گیسوؤں کو ایک سرکش گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ کر چھوڑ دیا جس سے وہ گھوڑے کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی اور اس کے بدن کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا۔ (۲)

شاپور کی رومیوں سے پہلی جنگ (۲۴۱ء تا ۲۴۴ء)

الحضر کی تسخیر کے بعد ایشائے کوچک کے بعض علاقے ابھی رومیوں ہی کے تسلط میں تھے۔ شاپور کو یہ گوارا نہ تھا کہ ایرانی مملکت کا کوئی حصہ اغیار کے قبضے میں رہے اس لیے اب وہ ایسے تمام علاقوں سے رومیوں کو نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ روم اس وقت داخلی بدامنی کا شکار ہے۔ اس نے فوراً مہم کا آغاز کر دیا۔

شاپور کی پیش قدمی سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روم کے داخلی حالات پر نظر ڈال لی جائے۔ سیورس اسکندر، جس نے اردشیر سے شکست کھائی تھی، اب فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد میکسی من (Miximin) نے رومتہ الکبریٰ کا تاج و تخت سنبھالا۔ وہ ایک ظالم شخص تھا اور نہایت سختی سے اس نے تین سال تک حکومت کی۔ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ آخر کسی نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کچھ عرصے روم میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ پھر گورڈین سوم (Gordian) کو روم کا تخت و تاج سونپا گیا۔ شاپور کی مہم کا آغاز اسی کے عہد میں ہوا۔

شاپور نے سب سے پہلے نصیبین کا رُخ کیا جو رومیوں کی آخری سرحد پر واقع تھا۔ اس کی جغرافیائی صورت کچھ ایسی تھی کہ جب بھی ایرانیوں اور رومیوں کا تصادم ہوا، نصیبین کو ضرور ہدف بننا پڑا۔ اب بھی شاپور نے نصیبین ہی پر لشکر کشی کی اور اسے محاصرے میں لے لیا۔ محاصرہ کچھ عرصہ جاری رہا، آخر جب قلعے میں رسد کی کمی ہو گئی تو اہلِ قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح یہ مستحکم قلعہ شاپور کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں سے اس نے بحیرۂ روم کی طرف کوچ کیا۔ انطاکیہ کی فوج نے اس کی آمد پر ہتھیار ڈال دیے، اس لیے شاپور نے ان سے مروت کا سلوک کیا اور وہاں انھی کی حکومت برقرار رہنے دی۔ اتنے میں قیصرِ روم گورڈین سوم آگے بڑھا اور شاپور کے بڑھتے ہوئے قدم روکے۔ شاپور پسپا ہو کر دریائے فرات کو عبور کر گیا اور رومیوں نے پھر نصیبین پر قبضہ کر لیا۔

رومی لشکر نے شاپور کو ایک اور شکست ری سینا (Resaina) میں دی۔ ایرانی لشکر پسپا ہوتا چلا گیا اور رومی اس کے تعاقب میں آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ رومیوں نے مدائن (طیسفون) پر حملے کی تیاری مکمل کر لی۔ اتنے میں کسی شوریدہ سر رومی نے ذاتی مخاصمت کی بنا پر

گورڈین کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور رومیوں کی پیش قدمی ناگہانی طور پر رک گئی۔

گورڈین کے بعد فلپ قیصر روم بنا۔ اس نے پوری طرح پاؤں مضبوط کرنے کے لیے مناسب یہی سمجھا کہ شاپور سے مصالحت کر لے۔ چناں چہ دونوں حکومتوں کے مابین معاہدہ طے پایا جس کی رو سے فلپ آرمینیا اور بین النہرین سے دست بردار ہو گیا۔

ویلیرین کی اسیری

ایران و روم کے مابین جو صلح کا معاہدہ ہوا تھا' اس پر چودہ سال تک عمل ہوتا رہا اور امن و امان بحال رہا لیکن ۲۵۸ء میں پھر لڑائی چھڑ گئی۔ شاپور نے روم پر چڑھائی کی اور انطاکیہ کو مسخر کر لیا۔ اس وقت ویلیرین (Velirien) قیصر روم تھا' جو بہت بوڑھا تھا۔ انطاکیہ کے ایرانی تسلط میں آنے کا اسے سخت رنج ہوا۔ چناں چہ کبرسنی کے باوجود خود لشکر لے کر شاپور کے مقابلے کو آیا اور شاپور کو انطاکیہ سے نکال باہر کیا۔ یہیں پر بس نہیں کی بلکہ وہ شاپور کا تعاقب کرتا ہوا شام تک آ پہنچا' لیکن یہاں وہ اپنے ہی ایک سپہ سالار میکریانس کی سازش کا شکار ہو گیا' جو بہت جاہ پسند شخص تھا اور ویلیرین کو راستے سے ہٹا کر خود روما کا تخت و تاج حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس نے ایسی چال چلی جس سے ویلیرین کا لشکر ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں ایرانی لشکر نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ویلیرین نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ یہاں رومی لشکر کو سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا اور ویلیرین کو ایرانیوں نے اسیر کر لیا۔ روما کی اس سے بڑھ کر بے بسی کیا ہو گی کہ قیصر روم ایرانی بادشاہ کی قید میں تھا اور رہے سہے بال بھی سفید کر رہا تھا لیکن روما کی حکومت اسے رہائی دلانے سے قاصر تھی۔

اس دور کے معاصرین لکھتے ہیں کہ ویلیرین اسیری میں بڑھاپے کی آخری منزل کو پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی رہتی تھی۔ یہ ہتھکڑی مدائن اور تخت جمشید کی چٹانوں کی ابھرواں تصویروں میں اب تک نظر آتی ہے۔[1] شاپور کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے بعض مؤرخین لکھتے ہیں: ''لیکٹونیس (Lactunius) نے تو یہاں تک مبالغہ آمیزی کی ہے کہ شاپور جب گھوڑے پر سوار ہوتا تھا تو اپنے قیدی کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر بیٹھتا۔ الغرض ویلیرین نے انتہائی رنج والم میں زندگی کے آخری دن پورے کیے۔ اس کی موت کے بعد اس کا

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۳۱۲

(۲) حسن پیرنیا' ایران قدیم' ص ۱۵۵

پوست کندہ کرا کے فتح کی یاد کے طور پر محفوظ رکھا گیا''،(۲) لیکن جدید محققین جن میں پوتی (مصنف فقہ اللغہ ایرانی) بھی شامل ہے' یہ عقیدہ رکھتا ہے: ''دین مسیحی کے راہنماؤں نے محض ایران کی دشمنی کے باعث شاپور سے ایسا غیر انسانی سلوک منسوب کیا ہے-''(۱) لیکن یہ بات مسلم ہے کہ شاپور نے رومی قیدیوں سے شوشتر کا بند تعمیر کروایا تھا جو پندرہ سو قدم لمبا تھا- آج بھی دریائے کاروں کے پانی کو ان کھیتوں میں پہنچانے کے لیے جو بلندی پر واقع ہیں' اس بند سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا نام بند قیصر ہے-

اصل حقیقت جو کچھ بھی ہو' قیاس غالب ہے کہ شاپور نے رومی قیدیوں کو جندی شاپور اور شوشتر کے نواح میں آباد کیا- ایران میں رومیوں کی صنعتی قابلیت کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شوشتر کا بند اور بڑا پل دونوں رومی مہندسوں کے بنوائے ہوئے ہیں-

اب میکریانس سپہ سالار نے آگے بڑھنا چاہا اور یہ منصوبہ بنایا کہ ویلیرین کے بیٹے گیلینس کے ساتھ مل کر روم کا وقار بحال کرنے کے لیے حکومت ایران کے خلاف جنگ کرے- ادھر شاپور نے فتح کے بعد رومی حکومت کے مسائل کو الجھانا چاہا اور انطاکیہ کے ایک شخص سریاڈس کو جو اس کے کیمپ میں پناہ گزین تھا' قیصر کا لقب دے کر اسے روما کا حکم ران تسلیم کر لیا- سریاڈس کی تخت نشینی کے بعد شاپور نے فرات کو عبور کر کے پھر انطاکیہ پر قبضہ کر لیا- اس کے بعد ایشیائے کوچک کا رُخ کیا اور کاپادوکیہ کے اہم ترین شہر قیصریہ آمازکہ کو مسخر کر لیا لیکن مستقل فوج نہ ہونے کی وجہ سے شام کی طرح یہاں بھی حکومت منظم نہ کی- نہ اس پر قبضہ ہی برقرار رکھنا ضروری سمجھا- اس نے محض قتل و غارت کی اور ہزاروں عورتوں اور مزدوروں کو غلام بنا کر ایران کی راہ لی-

پیلمرا کے حکم ران کے ہاتھوں شاپور کی شکست

شاپور نے ویلیرین کو اسیر کرنے کے بعد ایک حقیر سے دشمن سے شکست کھائی- اس کی سرگزشت یوں بیان کی گئی ہے:

اُذنیاتھوس(۲) ایک عرب سردار تھا جس کی حکومت پیلمرا میں تھی- یہ شہر اس زمانے میں اہم تجارتی مرکز سمجھا جاتا تھا- اسے نیم خود مختاری حاصل تھی- شاپور نے جب انطاکیہ پر قبضہ کیا تو اُذنیاتھوس نے اس سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور تحفے تحائف اونٹوں پر لاد کر اس کی خدمت

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' محمد جواد مشکور ص ۳۳

(۲) O'Denathus

میں بھیجے لیکن ساتھ ہی جو مراسلہ بھیجا اس کا انداز خطاب شاپور کو ناگوار گزرا اور بولا ''اُذ نیا تھوس کون ہے اور کس ملک کا رہنے والا ہے جو شہنشاہ کو خطاب کرنے کے آداب سے ناواقف ہے؟'' پھر غصے میں حکم دیا کہ ''اس کے تحائف دریائے فرات میں پھینک دیے جائیں'' اور یہ بھی کہلا بھیجا ''اس نے ناشائستہ طرز خطاب سے جو ہمارے حضور گستاخی کی ہے' اگر وہ اس کی تعذیر سے بچنا چاہتا ہے تو حاضر دربار ہو کر جبیں سائی کرے۔''

غرور و نخوت کا یہ بلا وجہ اظہار شاپور کے لیے ذلت اور مصیبت کا باعث بنا۔ اُذ نیا تھوس کی سلطنت دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم تھی۔ یہ صحرائے شام کے وسط میں واقع تھا جہاں پانی بہ مشکل دست یاب ہوتا تھا اس لیے بیرونی حملہ آور وہاں تک پہنچنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے تھے۔ اُذ نیا تھوس اپنے تحائف کا یہ حشر دیکھ کر سخت برافروختہ ہوا اور شاپور سے اس توہین کا انتقام لینے کا منتظر رہا۔ آخر اسے بہت جلد موقع مل گیا۔ شاپور مالِ غنیمت کے ساتھ ایشائے کوچک سے ہوتا ہوا ایران واپس جا رہا تھا کہ اُذ نیا تھوس بادیہ نشین قبائل کی سوار فوج تیار کر کے ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ ایرانی لشکر نے عرب قبائل کے ہاتھوں انتہائی اذیت اٹھائی۔ آخر یہ لشکر ۲۶۳ء میں دریائے فرات کو عبور کرنے میں کام یاب ہو گیا۔

اُذ نیا تھوس نے اس فتح کے بعد اور پاؤں پھیلائے اور حران اور نصیبین پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہ برائے نام حکومت روم کے ماتحت تھا لیکن حقیقت میں خود مختار تھا۔ اس نے گیلینس قیصر روم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور روم کا اتحادی بن گیا۔ اس پر روم کی سینٹ نے اُذ نیا تھوس کو آگسٹس کے سب سے بڑے خطاب سے سرفراز کیا جو صرف قیصر روم کے لیے مخصوص تھا۔ اس طرح پیلمرا ایران و روم کے مابین ایک ریاست بن گئی۔ آخر جب اُذ نیا تھوس فوت ہو گیا۔ اس کی ملکہ بث زینبہ نے' جسے رومی مؤرخ زنوبیا اور عرب مؤرخ زینب لکھتے ہیں' اپنے بیٹے وهب اللات کے ساتھ مل کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

ملکہ زینب نے پیلمرا کی حکومت بڑے تدبر سے چلائی اور نہ صرف اپنے شوہر کے مقبوضات پر تسلط برقرار رکھا بلکہ اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں پھیلائے اور مصر کی سلطنت فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کی۔ اس کام یابی کا سبب زینب کی فراست تھی۔

مشہور انگریز مؤرخ گبن لکھتا ہے کہ ملکہ زنوبیا ایک جنگ جو عورت تھی۔ وہ ماہر تیر انداز اور شمشیر زن تھی۔ گھوڑے کی سواری میں ماہر تھی۔ شکار اس کا مشغلہ تھا۔ اس کا تیر کبھی خطا نہ جاتا

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں ص ۲۳۷

تھا۔ زرہ بکتر سے آراستہ رہتی تھی۔ پیدل اور سوار فوج کی کمان وہ خود کرتی تھی۔ وہ حسین و جمیل عورت تھی اور لاطینی، یونانی، شامی اور مصری زبانیں بے تکلف بولتی تھی۔(۱)

ظہور مانی

شاپور کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ بابل کے ایک شخص مانی نے ایک نیا مذہب پیش کیا جو اس کی نسبت سے 'مانویت' کے نام سے موسوم ہوا۔ ابن الندیم کے بیان کے مطابق مانی کا سب سے پہلا وعظ شاپور کی تاج پوشی کے دن ہوا لیکن کفلائیہ میں ایک مقام ہے جس میں خود مانی ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ اردشیر اول کے عہد میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دے اور یہ کہ اردشیر کی وفات اور شاپور کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ ایران واپس آیا اور خوزستان میں شاپور سے ملا۔

شاپور کے زمانے کی تعمیرات

امن وامان کے زمانے میں شاپور نے تعمیرات کی طرف بھی توجہ دی۔ دریائے کارون میں ہر سال طغیانی آتی تھی، جس سے شہروں کے شہر تباہ ہو جاتے تھے۔ شاپور نے شوشتر کے مقام پر ایک مستحکم بند تعمیر کرایا، جس سے طغیانی کے خطرات کا سد باب ہو گیا۔ یہ بند 'شادروان' یا بندِ قیصر کے نام سے موسوم ہے۔ اس بند کے ذریعے بلند مقامات پر پانی پہنچا کر کھیتوں کی آب پاشی ہوتی تھی۔ یہ بند اب بھی موجود ہے اور ویلیرین کی اسیری کی یاد دلاتا ہے۔(۱)

شاپور نے متعدد نئے شہر آباد کیے تھے۔ ایک شہر کا نام شاہ پور تھا جو اہواز کے علاقے میں واقع تھا۔ طبری لکھتے ہیں کہ اہواز کے علاقے میں یہ شہر آبادی کے لحاظ سے سب شہروں سے زیادہ پر رونق تھا۔ سردی کا موسم ہو یا گرمی کا یہاں شادابی میں کمی نہ آتی تھی۔ اس علاقے میں شاپور نے ''جندی شاپور'' کے نام سے ایک اور شہر بھی بسایا۔ اس شہر کا نام اصل میں ''انتیوک شاپور'' تھا جس کا مطلب ہے یہ شہر انطاکیہ سے بہتر ہے۔ بعد میں اس شہر کا نام 'گندی شاپور' اور پھر 'جندی شاپور' ہوا۔ یہ شہر شوشتر اور دزفول کے مابین واقع ہے۔ یہاں رومی اسیروں کو آباد کیا گیا تھا۔ کازروں کے قریب اس نے بشاپور کے نام سے بھی ایک شہر بسایا اور استخر کے مغرب میں شہر شاپور بھی آباد کیا۔(۲)

---

(۱) تاریخ طبری، بلعمی ترجمہ محمد جواد مشکور ص ۹۵

(۲) شاہ نامہ ثعالبی، محمود ہدایت، ص ۲۳۵

ایک پہلوی کتاب 'شہرستانیہاے ایران شہر' کی رو سے شاپور نے خراسان کے حکمران پہلیزگ کو شکست دے کر قتل کیا تھا اور جس جگہ لڑائی ہوئی تھی وہاں ایک مستحکم شہر کی بنیاد رکھی تھی' جس کا نام اس نے نیوشاپور (پسندیدہ شاپور) رکھا جو بعد میں نیشاپور کہلایا۔ (۱)

فنِ سنگ تراشی

شاپور نے ویلیرین پر فتح حاصل کرنے کی یاد میں متعدد مقامات پر اُبھرواں تصویریں بنوائیں۔ اس قسم کی ایک بہت بڑی تصویر نقشِ رستم میں ہے۔ اس میں شاپور ایک گھوڑے پر سوار ہے۔ گھوڑے کا دایاں پاؤں اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ شاپور گلے میں کنٹھا اور کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر ہے جو پیٹی کے ساتھ آویزاں ہے۔ دائیں ہاتھ سے وہ ویلیرین کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہا ہے اور دونوں ہاتھ شاپور کی طرف پھیلا رکھے ہیں جیسے رحم کی التجا کر رہا ہو۔ اس کے پہلو میں ایک شخص رومی لباس میں ملبوس کھڑا ہے۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ یہ سریاڈس ہوگا جو قیصر روم کا دشمن تھا اور شاپور کے کیمپ میں پناہ گزین تھا۔ یہ تصویر ساسانی عہد کے فنِ سنگ تراشی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس تصویر کے نیچے بھی ایک کتبہ بھی تھا جو اب پڑھا نہیں جا سکتا۔

ایک تصویر میں شاپور گھوڑے پر سوار ہے۔ سریاڈس کھڑا ہے۔ گھوڑے کے نیچے ایک شخص پڑا ہے۔ سامنے ویلیرین گھٹنے ٹیکے بیٹھا ہے۔ اوپر آہورامزدا کے فرشتے کو پرواز کرتے دکھایا گیا ہے جو دونوں ہاتھوں سے شاپور کو تاج دے رہا ہے۔

دوسری تصویر میں بہت سے اشخاص نیچے اوپر چار قطاروں میں کھڑے ہیں۔ ان کی جزئیات واضح طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ دائیں طرف کی' اوپر کی دو قطاروں کے لوگ گھٹنوں تک لمبے کرتے پہنے ہوئے ہیں' نیچے پاجامے ہیں۔ بعض کے ہاتھوں میں تاج اور بعض کے سروں پر طشت ہیں۔ دائیں طرف کی تیسری تصویر میں کچھ لوگ رومی لباس میں ملبوس ہیں۔ ان میں سے ایک ہاتھی اور دوسرا گھوڑا پیش کش کے لیے لا رہا ہے۔ سب سے آگے اہل روم کا مذہبی پیشوا ہے جس کے سر کے اوپر دیوی ناہید پرواز کر رہی ہے۔ یہ حلقۂ سلطنت بادشاہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سامنے بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے جس کی خدمت میں تحائف بردار لوگ حاضر ہو رہے ہیں۔ دائیں طرف کی نچلی تصویر میں بادشاہ کو رتھ میں سوار دکھایا گیا ہے جسے دو گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔

---

(۱) حمزہ اصفہانی ص ۴۸ لیکن اس کے برعکس طبری اور ثعالبی لکھتے ہیں کہ یہ شہر شاپور دوم نے بسایا

بائیں طرف کی چاروں قطاروں میں مسلح سوار دکھائے گئے ہیں جو لمبی ٹوپیاں پہنے ہیں- سب کی ٹوپیاں اوپر سے گول ہیں-

شاپور کے خصائل و کردار

شاپور ساسانی خاندان کا ایک نام ور بادشاہ ہوا ہے- مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ نہایت خوب رو' دلیر' فیاض اور مستقل مزاج بادشاہ تھا- انھی صفات کی بدولت وہ لوگوں میں بہت مقبول ہوا- چناں چہ جب وہ ۲۷۱ء میں فوت ہوا تو ایران کے گوشے گوشے میں اس کا ماتم کیا گیا-

شاپور کی خارجہ سیاست ایران کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی کیوں کہ وہ سیاسی تدبر کی بجائے طاقت سے کام لینا چاہتا تھا- وہ بے حد مغرور تھا جس کی وجہ سے ایران کو نقصان بھی اٹھانا پڑا- اہلِ ایران اسے ساسانی عہد کا داریوش اعظم سمجھتے ہیں لیکن یہ مماثلت کچھ درست نہیں' کیوں کہ اس کی لڑائیاں محض تاخت و تاراج کے لیے تھیں- جن جن علاقوں کو اس نے فتح کیا' وہاں اپنی حکومت قائم نہ کی- بہر حال یہ ساسانی عہد کی خوش بختی تھی کہ اسے اردشیر کے بعد شاپور ایسا حکم ران ملا' جس نے ساسانی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کیا-

ہرمز اول

(۲۷۱ء تا ۲۷۲ء)

شاپور ۲۷۱ء میں فوت ہوا تو اس کا بڑا بیٹا ہرمز اول (Hormisdas) تخت نشیں ہوا' جو شاپور کے زمانے میں خراسان کا حکم ران مقرر کیا گیا تھا-

ہرمز نے عدل و انصاف میں اردشیر اور شاپور کی تقلید کی- اپنے مختصر سے عہد حکومت میں شہروں کی آبادی پر توجہ دی اور بعض نئے شہر بسائے' جن میں خوزستان (اھواز) کا شہر' رام ہرمز' خاص طور پر قابلِ ذکر ہے-

ہرمز کو زندگی نے مہلت نہ دی کہ وہ امور مملکت کی طرف زیادہ توجہ دے سکتا- چناں چہ دو سال بھی حکومت نہ کر پایا تھا کہ ۲۷۲ء میں استخر میں اس کا انتقال ہو گیا-

ہرمز کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ مانی کو ایران آنے کی دعوت دی گئی اور جب وہ ایران آیا تو ہرمز نے اسے اپنے محل میں ٹھہرایا اور طرح طرح سے نوازا' لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہرمز نے اس کا مذہب مانویت قبول کیا یا نہیں-

بہرام اول

(۲۷۲ء تا ۲۷۵ء)

ہرمز اول کے بعد اس کا بھائی بہرام اول ۲۷۲ء میں تخت نشین ہوا اور چار سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔

بہرام اول کے عہد میں قیصر روم اوریلین (Auralien) نے پیلمیرا (تدمر) کی ملکہ زینب کے خلاف لشکر کشی کی کیوں کہ اب وہ خود مختار بن بیٹھی تھی۔ ملکہ نے بہرام اول سے مدد مانگی۔ روم' ایران کا طاقت ور حریف تھا۔ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ بہرام اسے کمک بھیج دیتا اور دونوں ملکوں کی درمیانی ریاست کو بچا لیتا لیکن اس نے بادلِ ناخواستہ فوج کے چند دستے بھیج دینے پر اکتفا کی' جو رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہ تھے۔ ملکہ نے بڑی بہادری سے مدافعت کی لیکن بالآخر اسے شکست ہوئی۔ رومیوں نے شہر پیلمیرا کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے کھنڈرات اب بھی نظر آتے ہیں جو زینب کی چند روزہ سلطنت کی شہادت دیتے ہیں۔

رومیوں [1] نے ملکہ زینب کو اسیر کر لیا اور اسے طلائی ہتھکڑی پہنا کر روم بھیج دیا' جہاں روم کے جشن فتح میں ملکہ کو بھی ایک اسیر کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔

بہرام اول ایک کمزور بادشاہ تھا۔ اسے خیال تھا کہ ملکہ کی مدد کر کے وہ اوریلین کی ناراضی کا موجب بنا ہے۔ یہ خیال بلاوجہ نہ تھا۔ اوریلین اب بہرام سے انتقام لینے کی غرض سے جنگی تیاریاں کرنے لگا۔ بہرام کو خبر ملی تو اس نے اوریلین کی ناراضی دور کرنے کے لیے تحائف دے کر اپنا سفیر دربار روم بھیجا۔ ان تحائف میں ارغوانی رنگ کا جبہ بھی تھا جو بلحاظ وضع و رنگ اتنا عمدہ تھا کہ شاہی جبہ اس کے سامنے بے حقیقت تھا۔ اوریلین نے بہرام کے تحائف تو قبول کر لیے لیکن دل اس کا صاف نہ تھا۔ وہ بدستور ایران پر فوج کشی کرنے کی تیاری کرتا رہا۔ ادھر اس نے آلانی قبائل کو آمادہ کیا کہ قفقازیہ کی طرف سے شمالی ایران پر حملہ کر دیں۔

بہرام ایسے کمزور بادشاہ کو اب دوگونہ مشکلات کا سامنا تھا؛ ادھر سے رومی لشکر بڑھا چلا آتا تھا اور اُدھر سے آلانی یلغار کرتے آ رہے تھے لیکن اوریلین ابھی بازنطین ہی پہنچا تھا کہ اس کے ایک افسر نے ۲۷۵ء میں سازش کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ اس طرح قدرت نے حکومت ایران کی مدد کی ورنہ اوریلین ایک کمزور ایرانی بادشاہ کی موجودگی میں جو علاقہ فتح کر لیتا اسے رومی مملکت کا

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۰۳

حصہ بنالیتا- آلانی قبائل کواوریلین کی ہلاکت کی خبر ملی تو وہ بھی اپنے ٹھکانوں کولوٹ گئے-

مانی اور اس کا قتل

شاپور اول کے عہد میں مانی نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی- اس نے زرتشت کی طرح ایک نیا مذہب پیش کیا' جس نے صدیوں تک نہ صرف مشرق میں بلکہ مغرب میں بھی نوع انسان کو متاثر کیا-

کتاب الفہرست کی رو سے اس کے باپ کا نام فوتق ہے- اس نام کی ایرانی ہیئت شاید 'پاتاکا' ہے- فوتق ہمدان کا رہنے والا تھا لیکن ہمدان سے ہجرت کر کے بابل میں جابسا- اس کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اشکانی خاندان کی ایک شہزادی تھی-

ابوریحان [1] البیرونی' مانی کی تصنیف ''شاپورکان'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ۲۱۵ یا ۲۱۶ء میں بابل میں پیدا ہوا- وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا- اس کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ کو خواب میں ایک فرشتہ 'توم' نظر آیا جس نے اسے مانی کے بلند منصب کی بشارت دی-

مانی کا باپ عیسائیوں کے فرقۂ مغتسلہ سے تعلق رکھتا تھا جو عرفان کے عقیدے کے قائل ہیں' اس لیے اس نے مانی کو بھی اپنے انھی عقائد کی تعلیم دی- ان عقائد کی رو سے گوشت کھانا اور شراب پینا ممنوع تھا اس لیے اس نے ان دونوں چیزوں سے مانی کو دور رکھا-

بابل جغرافیائی لحاظ سے تین براعظموں: ایشیا' یورپ اور افریقہ کے مابین واقع تھا- یہاں مختلف مذاہب کے لوگ آتے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے خیالات سے استفادہ کرتے تھے- مانی نے ہوش سنبھالا تو اسے مختلف مذاہب کے مطالعے کا شوق ہوا- عیسائیوں' یہودیوں اور زرتشتیوں کے مذاہب کا اس نے تقابلی مطالعہ کیا- بالآخر مغتسلہ عقائد کو ترک کر دیا- البیرونی [2] شاپورکان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۲۴ سال کی عمر میں فرشتہ توم نے اسے نئے مذہب سے روشناس کرایا جس پر اس نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا' بلکہ یہ کہا کہ میں فارقلیط ہوں جس کے آنے کی حضرت عیسیٰ نے گواہی دی ہے- اس نے کہا کہ خدا وقتاً فوقتاً لوگوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجتا رہا ہے- بدھ اہلِ ہند کی ہدایت کے لیے مقرر ہوا- زرتشت اہلِ ایران کی ہدایت کے لیے آیا- اہلِ مغرب کو حضرت عیسیٰ نے راہ حق دکھائی- اب خدا نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے- میں

---

(۱) البیرونی' آثار الباقیہ' ص ۲۰۷

(۲

اہل بابل کی ہدایت کے لیے آیا ہوں- توریت کے متعلق اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں- عیسائیوں کے ساتھ البتہ اس نے تعلق برقرار رکھا اور زرتشتیت کے امتزاج سے ایک نیا مذہب پیش کیا جو اس کے نام کی مناسبت سے 'مانویت' کہلایا-

مانویت کا اعلان اس نے شاپور اول کی تخت نشینی کے موقع پر کیا- عرب مورخین لکھتے ہیں کہ شاپور شروع شروع میں مانی کے عقائد سے متاثر ہو گیا لیکن دس سال بعد وہ اپنے قدیمی مذہب مزدا پرستی کی طرف لوٹ آیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاپور اس نئے مذہب کی وجہ سے برہم بھی ہوا جس کی وجہ سے مانی کو ایران سے ہجرت کرنی پڑی- ایران سے نکل کر وہ ہندوستان گیا- پھر تبت' چین اور ترکستان کا رُخ کیا' جہاں وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا رہا- ترکستان میں اکثر اس کے پیروکار؛ موجود ہیں- شاپور کے فوت ہونے کی اسے خبر ہوئی تو وہ اپنے پیروانِ مذہب کی دعوت پر ایران واپس آ گیا-

بہرام تخت نشیں ہوا تو مانی نے اس خیال سے کہ یہ نوعمر بادشاہ ہے اور اسے اپنے ڈھب پر لانا آسان ہوگا' اسے اپنے عقائد پیش کیے- بہرام نے اپنے موبدوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ مناظرہ کریں- مناظرہ شروع ہوا تو موبد موبوداں نے اس سے سوال کیا: ''مخلوق خدا کے متعلق تمھارا کیا نظریہ ہے؟'' مانی نے جواب دیا ''مخلوق بدی کا نتیجہ ہے- مخلوق کی پیدائش کے سبب پاک روحوں نے نجس جسم اختیار کر لیے ہیں- خدا جسم اور روح کے اختلاط سے متنفر ہے- جب یہ دونوں الگ الگ ہو جائیں گے تو آہورا مزدا کی خوشی کا باعث ہوگا-''

موبدِ موبداں نے سوال کیا: ''آبادی بہتر ہے یا آبادی کی تخریب؟'' مانی نے جواب میں کہا: ''تخریب بدن سے روح کی تعمیر ہوتی ہے-''

موبد نے پھر سوال کیا ''تم اپنی موت کو کیا سمجھتے ہو- اسے تخریب سمجھو گے یا تعمیر؟'' مانی نے جواب دیا ''میں تخریب بدن ہی کو بہتر سمجھتا ہوں-''

موبد بولا ''اگر تخریب بدن تمھارے نزدیک بہتر ہے تو تمھیں ہلاک کیوں نہ کر دیا جائے تاکہ تخریب سے تمھاری روح کی تعمیر ہو سکے-''(۱)

مانی یہ سن کر خاموش ہو گیا- بہرام تخریب بدن کا انوکھا عقیدہ سن کر برافروختہ ہوا اور کہا یہ شخص مخلوق کو ہلاک کر کے دنیا کی تباہی کو خیر و برکت سمجھتا ہے' اس لیے بہتر ہوگا کہ تخریب کا عمل خود اس کی زندگی پر کیا جائے- چناں چہ حکم دیا کہ مانی کو ہلاک کر کے اس کی کھال کھینچ لی

---

(۱) شاہ نامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۳۸' ۲۳۹

جائے- اس حکم پر فوراً عمل ہوا اور اس کی کھال میں بھس بھر کر جندی شاپور کے دروازے پر لٹکا دیا گیا' جس کی نسبت سے یہ اب تک ''دروازۂ مانی'' کے نام سے مشہور ہے- بہرام کے حکم سے مانی کے بارہ ہزار پیروؤں کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا-

مانویت

مانی[1] نے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ جوہر دو ہیں؛ تاریکی اور روشنی- ان دو جوہروں کے ملنے سے یہ کائنات پیدا ہوئی ہے- اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو یہی کہ ہمیں ایسے اسباب میسر ہیں جو ہمیں فرار میں مدد دے سکتے ہیں اور ہم اصلی حقیقت' یعنی روشنی تک پہنچ سکتے ہیں جو تاریکی میں پھنس چکی ہے- جب سب لوگ مادی دنیا سے پیچھا چھڑا کر اس روشنی تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے' جنھوں نے زمینوں اور آسمانوں کو تھام رکھا ہے' اپنی گرفت کو ڈھیلا کر دیں گے اور تمام مادی دنیا تباہ ہو جائے گی- آخر ایک شعلہ نمودار ہوگا' روشنی تاریکی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے گی- روشنی کی کرنیں عالم بالا کی طرف صعود کر جائیں گی اور روشنی کے سرچشمے سے جا ملیں گی-

ثنویت یا دوگانگی زرتشت کی مذہبی تعلیم میں بھی ہے اور مانی کی تعلیم میں بھی- لیکن ان تعلیمات میں فرق اس قدر ہے کہ زرتشت کی تعلیم کے لحاظ سے ''مخلوقِ خیر'' اور ''مخلوقِ شر'' روح اور مادہ دونوں پر مشتمل ہے- مخلوقِ خیر کا ساتھ دینے والے امشاپسند اور فرشتے ہیں- مفید جانور' کارآمد پودے اور درست عقیدہ رکھنے والے انسان آہورامزدا کی طرف سے مخلوقِ شر سے لڑتے ہیں جن کی فوج ضرر رساں جانوروں' جادوگروں اور کافروں پر مشتمل ہے- زرتشت کا مذہب بنی نوع انسان کو تلقین کرتا ہے کہ نسل بڑھاؤ- دنیا کو آباد کرو' بیج بوؤ' محنت کر کے فصلیں اگاؤ اور کاٹو- فاقہ کشی اس مذہب کی رو سے سخت ممنوع ہے- دوسری طرف مانی کے نزدیک یہ دنیا بدی ہے اور بدی کا نتیجہ ہے- اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اس لیے اس کی کسی چیز سے دل لگانا اور ایسا عمل کرنا' جس سے دنیا کو زیادہ دیر تک برقرار رہنے میں مدد ملے' برائی ہے- دنیا کو ترک کرنا' دنیا سے نفرت کرنا اس کے مذہب کی اصل بنیاد ہے-

مانی کے نزدیک برگزیدہ لوگ وہ ہیں جو نشی اشیا کا استعمال نہ کریں' گوشت نہ کھائیں' شادی نہ کریں' دنیا سے الگ تھلگ رہیں' بدی سے پرہیز کریں-

(۱) براؤن' اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۶۱

مانویت کی تبلیغ واشاعت

مانی کا پیش کیا ہوا مذہب شروع شروع میں اہلِ بابل نے قبول کیا جو مختلف عقائد و مذاہب کا مرکز تھا- پھر فلسطین' شام اور شمال مغربی عرب میں بھی یہ مذہب پہنچا- بعد میں مصر تک بھی پھیلا- مصر کے بعد اہلِ طرابلس وقرطاجنہ نے یہ مذہب قبول کیا- ہسپانیہ اور اطالیہ تک بھی یہ مذہب پہنچا اور مانی کی مذہبی کتابیں اطالوی زبان میں ترجمہ ہوئیں- انھی دنوں اس مذہب کا فرانس میں بھی چرچا ہوا-

مانویت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کے دشمن بھی بڑھتے گئے- یہودی اس مذہب سے سخت متنفر تھے- عیسائی بھی مانویوں کو برا سمجھتے تھے- چناں چہ انھوں نے ردِ مانویت پر کتابیں بھی لکھیں- آتش پرست مانویت کو بدعت خیال کرتے تھے اور اس کے سدباب کے لیے انھوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی-

بقول کرسٹن سن مانویوں کی مذہبی معاشرت کے پانچ طبقے تھے: ''پہلا طبقہ فریستگان یعنی ایلچیوں کا تھا- دوسرا طبقہ اسپسگان (مذہبی پیشواؤں) کا تھا جو تعداد میں ۷۲ تھے- تیسرا طبقہ مہشتگان (بزرگان) کا تھا جن کی تعداد ۳۶۰ تھی- چوتھا طبقہ وزیدگان (برگزیدگان) کا اور پانچواں نیوشگان (سامعون) کا تھا جس کے ممبروں کی تعداد نامحدود تھی-''

اس نے اپنے پیرووں کے لیے ضروری قرار دیا تھا کہ دن میں چار یا سات مرتبہ عبادت کریں- بت پرستی نہ کریں' جھوٹ' لالچ' قتل' زنا' چوری' فریب' جادو اور مکر سے پرہیز کریں- روزمرہ کے کاموں میں سرد مہری اختیار نہ کریں- ان کے ساتھ یہ احکام بھی تھے کہ خدا (روشنی کے بہشت کا بادشاہ)' اس کی روشنی' اس کی قدرت' اس کی دانش پر ایمان رکھے- ہر مہینے میں سات دن فاقے سے رہے- بری گفتار' برے خیالات اور برے افعال سے اپنے آپ کو بچائے-

مانی کی تصنیفات

مانی نے مذہبی تعلیم کے لیے سات کتابیں تصنیف کیں' جن میں سے چھ سریانی زبان میں ہیں' ایک پہلوی میں- آخری کتاب شاپورکان کے نام سے موسوم ہے جو اس نے شاپور اول کے نام منسوب کی تھی- یہ کتابیں ایک مخصوص رسم الخط میں تھیں جو خود اس کا ایجاد کردہ تھا اور خطِ آرامی سے اخذ کیا گیا تھا- مانی کی تصنیفات تصویروں سے مزین ہوتی تھیں- اس کی یہ تصویریں دنیا بھر میں مشہور ہوئیں- اس کی تصویروں کی ایک کتاب ''ارژنگ مانی'' کے نام سے موسوم

ہے- اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ خوبی (روشنی) اور بدی (تاریکی) کو انواع و اقسام کی تصویروں کے ذریعے واضح کیا جائے تاکہ بے علم لوگ بھی خوبی و بدی کا فرق سمجھ سکیں- اس کتاب کو وہ غیر معمولی سمجھتا تھا اور اپنی پیغمبری کے ثبوت میں پیش کرتا تھا-

فردوسی لکھتے ہیں:

بیامد یکی مرد گویا ز چین
کہ چون او مصور نہ بہ در زمین
بصورت گری گفت پیغمبرم
ز دین آوران جہان بسرترم

بہرام اول کے زمانے کی حجاری

شہر شاپور کی چٹان پر ایک اُبھرواں تصویر بہرام اول کی یادگار ہے- اس نے جو تاج پہنا ہوا ہے اس پر نوک دار دندانے نظر آتے ہیں اور ان کے اوپر کپڑے کی گیند ہے- اس کے پاس آہورا مزدا کی تصویر ہے- دونوں گھوڑوں پر سوار ہیں- آہورا مزدا حلقۂ سلطنت عطا کرنے کے لیے بہرام کی طرف بڑھ رہا ہے- بہرام اسے حاصل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہے- بقول [1] موسیو زارہ ''گھوڑے اور سوار کے درمیان جو عدم تناسب دوسری تصویروں میں پایا جاتا ہے' وہ اس میں بالکل نہیں- اس تصویر میں ایک لطیف کیفیت ہے جو پہلی مرتبہ دیکھنے میں آ رہی ہے- گھوڑوں کو اپنی اصلی ہیئت اور حرکت میں دکھایا گیا ہے اور ان کی ٹانگوں کی نسوں اور پٹھوں کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے-''

بہرام دوم
(۲۷۵ء تا ۲۸۲ء)

بہرام اول ۲۷۵ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا بہرام دوم تخت نشیں ہوا- یہ ایک ظالم شخص تھا- اس نے شروع شروع میں ظلم و ستم کا ہاتھ دراز کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنانا چاہا لیکن رعایا اس کی ظالمانہ روش سے بیزار ہو گئی- چناں چہ امرا نے باہمی مشورہ کر کے اسے تخت سے اتارنا چاہا لیکن موبد موبدان نے ادھر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے امرا کو ان کے ارادے سے باز رکھا- اُدھر بادشاہ کو تلقین کی کہ رعایا کی تالیف قلوب کرے- چناں چہ اس کے طریق کار میں خوش

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۲۹۴

گوار تبدیلی آ گئی۔

باغی قبائل کی سرکوبی

بہرام دوم کے زمانے میں سکائی قبائل نے سیستان میں سر اٹھایا' جو دوسری صدی قبل مسیح میں سیستان اور افغانستان میں آباد ہوئے تھے۔ بہرام نے مردانہ وار اُن کے خلاف فوج کشی کی اور انھیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔

ایران و روم کا تصادم

سکائی مہم سے فراغت پانے کے بعد بہرام نے ایشیاے کوچک کے اُن علاقوں کو مسخر کرنا چاہا جو ایرانی مقبوضات رہ چکے تھے لیکن قیصر روم کاروس (Carus) اس سے زیادہ ہوشیار اور دلیر تھا۔ اس نے اوریلین کے منصوبے کی تکمیل کرنا چاہی۔ چناں چہ وہ لشکر لے کر ایران کی حدود میں داخل ہوا اور ایک پہاڑی پر ڈیرے جما لیے۔ وادیوں میں لہلہاتے ہوئے باغ اور کھیت نظر آئے تو ان کی طرف ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا "ہمیں فتح حاصل ہوئی تو اس علاقے کی زرخیز زمین ہماری ہوگی......" ایرانی سفیر قیصر روم کے پاس پہنچے تو ان کا خیال تھا کہ اس کا دربار شاہانہ ہوگا اور بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ بڑے جاہ و جلال سے بیٹھا ہوگا لیکن اُن کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھیں ایک بوڑھے شخص کے روبرو لایا گیا جو ایک چٹان پر بیٹھا ہوا خشک میووں سے ناشتہ کر رہا تھا۔ صرف اس کے جبے سے پتا چلتا تھا کہ وہ قیصر روم ہے۔ اُس نے تکلف کو برطرف رکھا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اصل موضوع پر آ گیا۔ پھر اپنے سر سے ٹوپی اتاری جو اس نے بے بال سر کو ڈھانپنے کے لیے اوڑھ رکھی تھی اور حلف اٹھا کر کہا "اگر شاہِ ایران نے سر اطاعت خم نہ کیا تو اس کے ملک کو سبزے سے اس طرح محروم کر دیا جائے گا جس طرح میرا سر بالوں سے محروم ہے۔"(۱)

اس تنبیہ کے بعد کاروس نے جنگ کا آغاز کیا اور بین النہرین کا تمام علاقہ فتح کر لیا پھر طیسیفون کا محاصرہ کیا اور اُسے بھی مسخر کر لیا۔ وہ اپنی فاتحانہ یلغار اپنے منصوبے کے مطابق جاری رکھنا چاہتا تھا کہ اچانک بجلی زور سے کڑک کر کیمپ پر گری اور کاروس مردہ پایا گیا۔ مورخین یہ نہیں بتا سکے کہ وہ بجلی کے گرنے سے ہلاک ہوا یا کسی اور وجہ سے۔ بہر حال رومی لشکر نے اس کی ہلاکت کو قہرِ خداوندی سمجھا اور وہاں سے پسپا ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔

---

(۱) سائکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۰۸

آرمینیا پر تیرداد کا قبضہ

آرمینیا عرصۂ دراز سے ایران اور روم کے مابین وجہِ نزاع بنا ہوا تھا- اب تک یہ پہاڑی ملک ایرانیوں کے تسلط میں چلا آرہا تھا لیکن وہ ان کی برتری کو دل سے تسلیم نہیں کرتے تھے کیوں کہ ساسانیوں نے مذہبی اختلاف کی بنا پر ان کے جذبات سخت مجروح کیے تھے- وہ قدیم اشکانی مذہب کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے- چناں چہ انھوں نے اہلِ آرمینیا کے سورج اور چاند کے مقدس مجسمے' جو چار سو سال پہلے والے ارشک نے بنوائے تھے' تباہ کردیے اس لیے وہ ساسانی حکومت سے بیزار تھے چناں چہ انھوں نے قیصر روم کی طرف رجوع کرنا چاہا-

۲۸۶ء میں ڈیوکلیشن (Diocletion) کو رومی سینٹ نے قیصر روم منتخب کیا تو اس نے اہلِ آرمینیا کی اس بیزاری اور بے اطمینانی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور خسرو (جسے اردشیر نے قتل کرایا تھا) کے بیٹے تیرداد کو آرمینیا کا تخت وتاج حاصل کرنے پر آمادہ کیا اور اسے ہر طرح مدد دینے کا وعدہ بھی کیا-

تیرداد قوی ہیکل اور بہادر شخص تھا- رومی فوج میں متعدد بار وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر چکا تھا- اس کے علاوہ وہ قدیم اشکانی خاندان سے تعلق رکھتا تھا' جس کی وجہ سے بچے کھچے اشکانیوں کی فوج اس نے فراہم کرلی- ڈیوکلیشن نے بھی اسے کمک بہم پہنچائی اور وہ پورے پورے ساز وسامان کے ساتھ آرمینیا کی حدود میں داخل ہوا- اہلِ آرمینیا کو جب معلوم ہوا کہ رومیوں کی مدد سے تیرداد' آرمینیا کا تخت وتاج حاصل کرنے کے لیے آیا ہے تو انھوں نے اس کا پرجوش استقبال کیا اور ساسانی فوج کے دستوں کو' جو وہاں متعین تھے' نکال باہر کیا- تیرداد جنگ کے بغیر ہی آرمینیا کا تخت وتاج حاصل کرنے میں کام یاب ہوگیا- اس نے اپنے آپ کو ایرانیوں کے اثر سے آزاد رکھا بلکہ ایرانی سرحدوں پر وقتاً فوقتاً حملے بھی کرتا رہا-

معاہدۂ صلح

۲۸۳ء میں ایران و روم کے مابین معاہدۂ صلح طے پایا جس کی رو سے آرمینیا اور بین النہرین روم کے قبضے میں آگئے- ایسے وقت میں' جب کہ حکومت روم میں کچھ کمزوری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے' ایران کا ان دو صوبوں سے دست بردار ہوجانا بلاوجہ نہ تھا- کرسٹن سن لکھتا ہے: "وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے مشرق میں ایک خطرناک بغاوت ہوگئی تھی- اس کی تفصیل یہ بتائی ...کہ ... روم ... کے زمانے تک خراسان کا حکمران ہمیشہ کوئی شہزادہ ہوتا تھا اور وہ کوشان شاہ

کہلاتا تھا- مثلاً شاپور اول کے بھائی پیروز نے اپنے سکوں پر اپنا لقب کوشان شاہ بزرگ لکھا ہے- ۲۵۲ء کے بعد جب شاپور اول نے اپنے بیٹے ہرمز کو (جو بعد میں شاہ ہرمز اول ہوا) خراسان کا حکم ران مقرر کیا تو اس کو اس سے بھی زیادہ شان دار خطاب دیا' یعنی 'شہنشاہ کوشان بزرگ'- بہرام اول اور بہرام دوم بھی بادشاہ ہونے سے پہلے اس اعلا عہدے پر سرفراز رہے- بہرام دوم کے زمانے میں اس کا بھائی ہرمز خرسان کا حکم ران تھا- روم کے ساتھ جنگ کے زمانے میں اسی ہرمز نے بغاوت کی تھی اور اقوام ساکا اور کوشان اور گیل کی مدد سے مشرق میں اپنے لیے ایک آزاد سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی تھی- یہی وجہ تھی کہ بہرام دوم نے عجلت کے ساتھ جنگ کو ختم کیا تا کہ تمام تر قوت کو اپنے باغی بھائی کے خلاف کام میں لا سکے-

بہرام دوم کے زمانے کی حجاری

بہرام دوم کی یادگار چند برجستہ تصویریں ہیں جو نقش رستم اور شہرِ شاپور کی چٹانوں پر نظر آتی ہیں-

نقشِ رستم میں اردشیر کی تاج پوشی کی تصویر کے ساتھ بہرام دوم نے ایک تصویر بنوائی جس میں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھڑا ہے- بادشاہ وسط میں ہے' اس کے سر پر تاج ہے جس میں پر لگے ہیں- اس کے دونوں ہاتھ ایک لمبی تلوار کے قبضے پر ہیں-

شہرِ شاپور کی چٹان پر بہرام دوم کی ایک تصویر ہے جو اقوام ساکا پر فتح پانے کی یادگار میں کندہ کی گئی تھی- بہرام گھوڑے پر سوار ہے اور مفتوح اقوام کے سردار اس کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں- بادشاہ کے سامنے ایک ایرانی سپہ سالار ہے جس کے دونوں ہاتھ تلوار پر ہیں- تصویر میں ایک گھوڑا اور دو اونٹوں کے سر بھی نظر آ رہے ہیں-

نرسی

(۲۹۳ء تا ۳۰۱ء)

۲۹۳ء میں بہرام دوم فوت ہوا تو اس کا بیٹا بہرام سوم تخت نشین ہوا لیکن وہ صرف چار ماہ ہی حکومت کر پایا تھا کہ شاپور اوّل کے بیٹے نرسی (Narses) نے بغاوت کی جس میں اسے کام یابی ہوئی- چناں چہ ۲۹۳ء میں اس کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی-

آرمینیا کے حکمران کی شکست

نرسی تخت و تاج سنبھالتے ہی آرمینیا کی طرف متوجہ ہوا۔ آرمینیا اردشیر کے زمانے سے ایرانی حکومت کے تحت تھا لیکن بہرام دوم کے زمانے میں تیرداد نے حکومت روم کی مدد سے وہاں کی حکومت سنبھال لی۔ چناں چہ اب آرمینیا براہ راست رومیوں کی تسلط میں آ گیا۔ نرسی کو یہ تسلط کسی صورت گوارا نہ تھا۔ اس نے ۲۹۶ء میں آرمینیا پر حملہ کیا۔ تیرداد نے مقابلے کی تاب نہ پا کر راہ فرار اختیار کی اور روم پہنچ گیا۔

رومیوں سے جنگ

تیرداد روم پہنچ کر اپنے محسن ڈیوکلیشن سے مدد کا خواست گار ہوا۔ ڈیوکلیشن نے اپنے ایک سپہ سالار گیلیرئس کو جو ڈینیوب میں مقیم تھا۔ حکم دیا کہ شام جائے اور شامی لشکر کی کمان سنبھال کر ایران پر چڑھائی کرے۔ نرسی بھی غافل نہ تھا۔ اسے خیال تھا کہ رومیوں سے جنگ کرنی پڑے گی اس لیے صورت حال کا مقابلہ کرنے کو وہ تیار تھا۔ گیلیرئس شامی لشکر لیے ہوئے بین النہرین آیا۔ حران کے قریب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ دو دن تک پورے جوش و خروش سے لڑائی ہوئی جس سے دو دریاؤں کی سرزمین میں انسانی خون کی ندی بہہ نکلی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تیسرے روز کی جنگ میں رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس جنگ میں رومیوں کو سخت جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ گیلیرئس اور تیرداد بچے کھچے رومیوں کو ساتھ لے کر دریائے فرات میں کود پڑے اور اسے عبور کر کے اپنی سرحد پر پہنچ گئے۔

نرسی کی شکست اور پانچ ایرانی صوبوں سے دست برداری

اہلِ روم آرمینیا کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے۔ چناں چہ ڈیوکلیشن نے ۲۹۷ء میں پھر گیلیرئس کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر بھیجا تا کہ وہ اپنی شکست کے دھبے کو دور کرے۔ گیلیرئس کو تجربے نے بتایا تھا کہ ایرانیوں کا کھلے میدانوں میں مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ اس نے مناسب سمجھا کہ آرمینیا کے پہاڑوں سے ہوتا ہوا ایران پر حملہ کرے۔ یہ دشوار گزار راستہ طے کر کے وہ اچانک رات کی تاریکی میں ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ ایرانی غافل پڑے سوتے تھے۔ بہرحال جیسے بھی بن پڑا' وہ مقابلے کو آئے لیکن بری طرح کٹے اور مرے۔ نرسی نے' جو لڑتے لڑتے زخمی ہوا تھا' بھاگ کر جان بچائی۔ اسی افراتفری کے عالم میں نرسی کے خاندان کے افراد اور بعض امرا کو

رومیوں نے اسیر کر لیا۔

نرسی نے اپنا سفیر گیلیرئس کے پاس مصالحت کی غرض سے بھیجا۔ ایرانی[1] سفیر نے اپنی فصیح و بلیغ تقریر میں روم اور ایران کو انسان کی دو آنکھوں سے تشبیہ دی اور کہا کہ دو آنکھیں باہم مل کر انسان کی بصارت میں مدد دیتی ہیں اور دونوں ایک دوسری کی قدر جانتی ہیں۔ ان دونوں حکومتوں کو بھی دو آنکھوں کی طرح ہونا چاہیے' لیکن گیلیرئس کو ویلیرین کا ذلت آمیز انجام بھولا نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ ایرانی سفیر کی تقریر اسے مصالحت پر آمادہ کرتی' وہ اور زیادہ برہم ہوا اور یہ کہہ کر ایرانی سفیر کو لوٹا دیا: ''جن شرائط پر حکومت کے ساتھ مصالحت ہو سکتی ہے' وہ بعد میں شاہ ایران پر واضح کر دی جائیں گی۔'' آخر صلح کے لیے گیلیرئس نے اپنے سفیر کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط پیش کیں:

۱- ایرانی حکومت دریائے دجلہ کے دائیں ساحل کے پانچ صوبوں سے دست بردار ہو جائے۔

۲- روم و ایران کے مابین فرات کی بجائے دجلہ کو مشترکہ حد تسلیم کر لیا جائے۔

۳- آرمینیا سے لے کر آذر بائیجان کے قلعۂ زبنتا تک کا علاقہ رومیوں کے تسلط میں رہے۔

۴- آئبیریا (گرجستان) پر روم کا تسلط تسلیم کیا جائے۔

۵- نصیبین ہی صرف ایسا مقام ہو گا جہاں روم و ایران کے تجارتی مال کا تبادلہ ہو سکے گا۔

دجلہ کے پار پانچ صوبوں کے مندرجہ ذیل نام بتائے گئے ہیں:

(۱) ارزون (۲) مک (۳) زاہدہ (۴) رحیمہ (۵) کردو۔

ایک جرمن[2] محقق مارکوات نے ان صوبوں کا تعین مندرجہ ذیل کیا ہے:

(۱) ارزون (۲) آنگل (۳) سفن (۴) زاہدہ (۵) کردو۔

نرسی کے اصرار پر آخری شرط معاہدۂ صلح سے حذف کر دی گئی۔ ایران و روم کی مشترکہ حد دریائے دجلہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ آرمینیا سے قلعۂ زبنتا تک کے علاقے پر روم کا تسلط مان لیا گیا۔ گرجستان' جس کے تحت قفقاز کے درے تھے' رومیوں کے زیر اثر آ گیا۔

نرسی نے خود ہی جنگ کا آغاز کیا تھا' لیکن اس کا انجام جس صورت سے ہوا وہ ایران کے لیے رسوا کن اور مہلک تھا۔ ایسا معاہدہ' جس نے آذر بائیجان اور طیسیفون کے لیے خطرہ پیدا

(۱) Eran Shahr: Marquart ایران قدیم' ۲۹۴۔

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۲۹۹-۳۰۰

کر دیا' نہ اشکانی عہد میں ہوا' نہ اس سے پہلے ساسانی دور ہی میں ہوا- اگر شاپور دوم اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ چکا کر اس صلح نامے کی دھجیاں نہ بکھیر دیتا تو ساسانی حکومت کو رومیوں کے ہاتھوں ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا-

اس ذلت آمیز معاہدے کے بعد نرسی نے اپنے آپ کو حکومت کے قابل نہ سمجھا اور اپنے بیٹے ہرمز کو جانشین نامزد کر کے تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا' پھر چند ہی سال بعد جہان فانی کو خیر باد کہہ دیا-

نقش رستم پر نرسی کی یادگار

نقش رستم کی چٹان پر ایک برجستہ تصویر نرسی کی یادگار ہے- اس میں بادشاہ حلقۂ سلطنت ایک دیوی کے ہاتھ سے لے رہا ہے- موسیو زارہ کا خیال ہے کہ وہ اناہیتا ہے- اس کے سر پر اس قسم کا تاج ہے' جیسا اس کے عہد کے سکوں پر ہے- یہ ایک تنگ ٹوپی کی شکل کا ہے- اس کے اوپر کپڑے کی گیند سی ہے- سر کے گھنگھریالے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے ہیں گلے میں موتیوں کا ہار ہے- دیوی نے ایک دیوار دار تاج پہنا ہوا ہے- بال کندھوں پر لٹک رہے ہیں- گلے میں موتیوں کے ہار ہیں- قبا اوڑھے ہوئے ہے- اس کے اوپر کمر بند ہے- دیوی اور بادشاہ کے درمیان ایک لڑکا ہے جو شاید نرسی کا شہزادہ ہے-

ثعالبی (۱) لکھتے ہیں کہ نرسی موسم گرما استخر میں اور موسم سرما مدائن میں بسر کیا کرتا تھا- وہ ہر روز نیا لباس پہنتا تھا- صرف وہی لباس دوبارہ پہنا جاتا جو انتہائی نفیس اور گراں بہا ہوتا تھا- نرسی اپنے قریبی حلقوں کی بہت عزت کرتا تھا- کھانا اس کے لیے مخصوص نہ ہوتا تھا بلکہ جو کھانا مہمانوں کے لیے ہوتا' خود بھی وہی کھاتا- وہ کبھی اپنی برتری کا اظہار نہ کرتا تھا' سوائے دربار کے اوقات کے' جب شہنشاہ ہونے کی حیثیت میں اس کی شان امتیازی ہوتی تھی- اس کا حرم دو بیگمات اور دو لونڈیوں پر مشتمل تھا- وہ کبھی عبادت کی غرض سے آتش کدے میں نہیں جاتا تھا- جب اس سے سوال کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی پرستش مجھے اتنی مہلت نہیں دیتی کہ میں آگ کی پرستش کر سکوں- وہ فطرتاً کمزور شخص تھا- یہی وجہ تھی کہ رومیوں کے ساتھ اس نے نہایت رسوا کن شرائط پر صلح کر لی-

---

(۱) شاہ نامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۴۲

ہرمز دوم

(۳۰۱ء تا ۳۰۹ء)

نرسی کی دست برداری کے بعد اس کی وصیت کے مطابق ہرمز دوم کو تخت نشیں کیا گیا۔ ہرمز دوم ایک عادل شخص تھا۔ اس نے ملک میں عدل و انصاف کے لیے ایک دار العدل قائم کیا۔ جس شخص پر کوئی ظلم و ستم ہوتا وہ بلا روک ٹوک دار العدل کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ غربا بلا جھجک اپنی شکایات بادشاہ کے حضور پیش کرتے اور انصاف پاتے تھے۔ وہ آخری دم تک ملک کو خوش حال اور رعایا کو فارغ البال بنانے کی کوشش کرتا رہا لیکن زمانے نے اسے زیادہ مہلت نہ دی۔

اس کے عہدِ آخر میں عرب قوم بحرین پر قابض ہو گئی اور وہاں سے ایرانی مملکت میں دست اندازی کرنے لگی۔ ہرمز نے ان کے خلاف فوج کشی کی لیکن ۳۰۹ء میں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ وہ ساسانی عہد کا پہلا بادشاہ تھا' جس کے سکوں پر بادشاہ اور ملکہ دونوں کی شبیہیں موجود ہیں۔

آذر نرسی

(۳۰۹ء تا ۳۰۹ء)

ہرمز دوم کے بعد اس کا بیٹا آذر نرسی ۳۰۹ء میں تخت نشیں ہوا۔ اس نے حکومت کا آغاز بے رحمی اور سفاکی سے کیا۔ ذرا ذرا سی بات پر برہم ہوتا تو سر قلم کرا دیتا۔ امرا کو وہ شاہی اقتدار کی راہ میں حائل سمجھتا تھا اس لیے بعض امرا بھی اس کے ہاتھوں مارے گئے۔ آخر امرا نے اسے بھی قتل کرا دیا۔ اس کے ایک بھائی کو اندھا کر دیا گیا۔ دوسرا بھائی ہرمز قید میں تھا لیکن کچھ عرصے بعد قید سے بھاگ نکلا اور رومیوں کے ہاں پناہ گزیں ہو گیا۔ رومیوں کے اثر کی وجہ سے ایرانی امرا ہرمز کو ساسانی تخت و تاج کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ ہرمز دوم کی اولاد سے اور کوئی نہ تھا جسے تخت نشیں کیا جاتا۔[1] اس اثنا میں ہرمز دوم کی ملکہ امید سے تھی۔ موبدوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ملکہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہو گا۔ چناں چہ پیدا ہونے والے لڑکے کو بادشاہ سمجھ کر شاہی تاج ملکہ کی خواب گاہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ قدرت نے موبدوں کی پیش گوئی پوری کر دی اور ۳۰۹ء میں ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام شاپور رکھا گیا۔ شاہی تاج اب اس کے گہوارے کی زینت بنا۔

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ محمد جواد مشکور' ص ۱۰۰

ثعالبی لکھتے ہیں کہ یہ پہلا اور آخری بادشاہ تھا جس کو شکم مادر ہی میں بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔[1]

فردوسی لکھتے ہیں:

غمی شد ز مرگ آن شہِ تاجور
بمرد و بیالین نبودش پسر
نگہ کرد موبد شبستان شاہ
یکی لالہ رخ دید تابان چو ماہ
پری چہرہ را بچہ بد در نہاں
ازاں ماہ رخ شادمان شد جہاں
چہل روز بگذشت ازآن خوب چہر
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر

یہ وہی شاپور دوم ہے جسے تاریخ نے شاپور اعظم کا لقب دیا۔

شاپور اعظم

(۳۰۹ء تا ۳۷۹ء)

شاپور دوم نے ستر برس حکومت کی۔ اس میں اس کی پیدائش اور بچپن کا زمانہ بھی شامل ہے۔ جب تک وہ بالغ نہ ہوا' اس کی مادر ملکہ امرائے سلطنت کے مشورے سے حکومت کرتی رہی۔

شاپور بچپن ہی میں بہت ہونہار تھا۔ طبری نے اس کے بچپن کی روایات بیان کی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''شاپور پانچ سال کا تھا۔ ایک رات وہ مدائن کے شاہی محل کی چھت پر سو رہا تھا کہ دفعتاً باہر سے کچھ شور سنائی دیا جس سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ اسے خدمت گاروں نے بتایا کہ لوگ دجلہ کے پل پر سے گزر رہے ہیں۔ کچھ لوگ آ رہے ہیں کچھ جا رہے ہیں۔ پل پر ہجوم ہو گیا ہے۔ لوگ گزرنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں اس لیے شور ہو رہا ہے۔ دن نکلا تو اس نے وزیر کو بلوایا اور حکم دیا کہ دجلہ پر ایک اور پل بنوا دیا جائے۔ ایک پل آنے والوں کے لیے دوسرا جانے والوں کے لیے۔ دوسرا پل بادشاہ کے حکم کے مطابق تیار ہو گیا جس سے لوگ بہت خوش ہوئے اور آنے جانے میں آسانی ہو گئی۔[1]

---

(۱) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۷۳

حکومت کے پہلے ۲۶ سال

شاپور کے پہلے ۲۶ سال کے حالات مؤرخین نے بہت کم لکھے ہیں لیکن وہ سن بلوغت کو پہنچنے کے کئی سال بعد تک روم کے خلاف کوئی انتقامی جنگ شروع نہ کر سکا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ملکی مشکلات پر قابو پانے میں مصروف رہا۔ پہلی مشکل اُمرا کی تھی جو اس کے ابتدائی زمانے میں بہت زور پکڑ گئے تھے۔ اشکانی دور کی یہ خصوصیت تھی کہ جب کوئی بادشاہ کمزور ہونے کی وجہ سے امرا کو من مانی کرنے کی اجازت دے دیتا تو طوائف الملوکی کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ شاپور کے ابتدائی زمانے میں بھی امرا نے اقتدار حاصل کرنا چاہا تھا' لیکن سولہ سال کی عمر میں ہی نہ صرف اس نے امرا کے اقتدار کو محدود کر دیا بلکہ ان کے دلوں میں اپنی جگہ بھی بنالی۔

اندرونی مشکلات پر قابو پانے کے بعد اس نوعمر بادشاہ کو عربوں کے ہر آئے دن کے حملوں سے اپنی سرحد کو بھی محفوظ کرنا پڑا۔ بحرین کے عرب خاص طور پر بادشاہ کو نابالغ سمجھ کر حدود ایران میں داخل ہو کر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ شاپور نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ کشتیاں بنوا کر خلیج فارس میں ڈال دیں۔ داریوشِ اعظم کے بعد یہ پہلا ایرانی بادشاہ تھا جس نے آغازِ حکومت ہی میں بحری فوج تیار کر لی اور بحرین کے عربوں کی نہایت عبرت ناک طریقے سے سرکوبی کی۔ طبری لکھتے ہیں کہ جو عرب گرفتار کر لیے جاتے' شاپور انھیں ہلاک کر دیتا یا ان کے دونوں شانے کٹوا دیتا تھا' اس لیے اسے ''ذوالاکتاف'' کہتے تھے[۲]۔ ثعالبی لکھتے ہیں کہ شاپور نے پچاس ہزار عرب قیدیوں کے شانے کٹوا دیے تھے' اس لیے وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہوا لیکن جدید ایرانی مؤرخ حسن پیرنیا ایک جرمن مؤرخ[۳] کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شاپور 'ذوالاکتاف' کے لقب سے اس لیے مشہور ہوا کہ اس کے شانے بہت فراخ تھے۔

---

(۱) فردوسی 'شاہ نامہ' میں لکھتے ہیں:

چو بردجلہ بر یک دگر بگورند	چناں تنگ رہ را ہی بسپرند
بترسد چنین هر کس از بیم کوس	ہمی بر خروشند چون زخم کوس
چنین گفت شاپور با موبدان	کہ ای راہبر نام ور بخردان
یکی پول دیگر باید زدن	شدن را یکی دیگری آمدن
ہمہ موبدان شاد گشتند سخت	کہ سبز آمد آن نارسیدہ درخت

(۲) شاہ نامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۷

(۳) Just F. Gerchichte Irens' ایران قدیم' حسن پیرنیا' ص ۲۹۶

حکومت روم کے ساتھ شاپور کا پہلا تصادم

شاپور قضیۂ بحرین سے فارغ ہوا تو اس کی توجہ روم کی طرف ہوئی - اس زمانے میں قیصر روم ایک نام ور شخص قسطنطین اعظم (Constantine the Great) تھا جس نے اپنے نام پر قسطنطنیہ شہر بسایا تھا- اس نے روم میں ہمہ گیر یک جہتی پیدا کرنے کے لیے عیسائیت کو روم کا سرکاری مذہب قرار دے دیا- وہ اب اپنے آپ کو دنیاے عیسائیت کا محافظ سمجھتا تھا- ایران کے عیسائیوں کی حفاظت کرنا اپنی ذمے داری سمجھتا تھا- حکومتِ روم کو ایشیا کے مغربی ممالک کے سلسلے میں ایران سے دیرینہ عناد تو پہلے ہی سے تھا، اب مذہبی اختلاف کی وجہ سے یہ عناد اور بھی شدید ہو گیا-

دجلہ اور فرات کے درمیانی پانچ صوبے جو قدیم زمانے سے ایرانیوں کے تسلط میں تھے- اب ان پر رومیوں کا قبضہ تھا- اس سے اہلِ ایران کے جذبات سخت مشتعل تھے- وہ اُس دن کے انتظار میں تھے جب کہ شاپور، نرسی کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ چکاے اور رومیوں سے اپنے علاقے خالی کراے-

شاپور کے سامنے دوگونہ مشکلات تھیں اگر وہ روم سے جنگ نہ کرتا تو ملک میں شورش کا خدشہ تھا اور اگر رومیوں سے نبرد آزما ہوتا تو اسے قسطنطین جیسے حریف سے سابقہ پڑتا جس کی شجاعت اور تدبر کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی- شروع میں شاپور کچھ ہچکچایا، آخر کچھ ایرانی روایات کے سبب اور کچھ حب الوطنی کے جذبے سے اپنے علاقے واپس لینے پر آمادہ ہو گیا- اچانک ۳۳۷ء میں قسطنطین کی ناگہانی وفات کی خبر آئی- اس سے شاپور کا کام قدرے آسان ہو گیا- قسطنطین کی وفات سے روم کی یک جہتی برقرار نہ رہ سکی کیوں کہ اس نے اپنی زندگی میں حکومت روم اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی- اب اگر شاپور، روم پر فوج کشی کرتا تو اسے صرف ایک تہائی مملکت کے حکم ران کا مقابلہ کرنا پڑتا- اس کے علاوہ اب رومی فوجوں کے بعض دستور میں بغاوت کے آثار رونما ہو رہے تھے- ادھر آرمینیا میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی- اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کا حکم ران تیرداد، جو کبھی عیسائیت کا دشمن تھا اور عیسائیوں کا خون بہانے میں دریغ نہ کیا کرتا تھا، اب خود عیسائیت قبول کر چکا تھا اور آرمینیا کے باشندوں کو عیسائیت قبول کرنے پر بالجبر آمادہ کرتا تھا- اس کی مذہبی مہم سے اہلِ آرمینیا کے دل مجروح ہو رہے تھے اور ان کے سینوں میں تیرداد کے خلاف نفرت کے جذبات موجزن تھے-

---

(۱) Just F. Gerchichte Irens ایران قدیم' حسن پیرنیا' ص ۲۹۶

تیرداد فوت ہوا تو اس کے جانشینوں میں کوئی بھی اس لائق نہ تھا کہ حکومت چلا سکے۔ اس لیے شاپور کو روم اور آرمینیا دونوں ملکوں میں اپنی فتوحات کے لیے راستہ صاف نظر آیا۔

۳۳۷ء میں شاپور نے اپنی مہموں کا آغاز کیا اور سبک اسلحہ فوج تیار کر کے اپنی سرحد کو عبور کیا۔ اس کی نظر ہر طرف تھی۔ چناں چہ اس نے ادھر اہل آرمینیا کو مشتعل کیا جو عیسائیت کے خلاف بھرے بیٹھے تھے، اُدھر بحرین کے عربوں کو آمادہ کیا کہ رومی سرحدوں پر یلغار کریں۔

روم میں قسطنطین کا جانشین اب ایک بیس سالہ نوجوان کانسٹنٹیس دوم (Constantius) ہوا تھا۔ اس نے رومی فوج کی سپہ سالاری خود اپنے ذمے لی اور اپنے ملک کی مشرقی سرحدوں کی حفاظت کے لیے آ گیا، جہاں فوج کی تعداد کم تھی اور جو تھی وہ بددل تھی۔ ادھر شاپور آگے بڑھا۔ وہ اگر چاہتا تو رومیوں کا مقابلہ کھلے میدان میں کر سکتا تھا لیکن اس نے مختلف وقتوں میں رومیوں پر چھاپے مارنے سے ابتدا کی۔ اس طرح کانسٹنٹیس کو نئے رنگروٹ بھرتی کرنے اور اپنی فوج کو منظم کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھر آرمینیا میں جو ایرانی دستے بھیجے گئے تھے انھیں رومیوں نے پسپا کر دیا۔ گویا اس لحاظ سے شاپور کے لیے یہ سال کچھ ناموافق رہا۔

۳۳۸ء میں شاپور نے نصیبیں کا رُخ کیا جو بین النہرین میں رومی طاقت کا نہایت اہم مرکز تھا۔ نصیبین کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اس لیے شاپور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا غصہ اس نے بین النہرین کے وسیع علاقے میں تاخت و تاراج کر کے نکالا۔ رومی کھلے میدانوں میں جہاں کہیں اس کے مقابلے میں آتے، انھیں شکست کا سامنا ہوتا لیکن اس کے باوجود شاپور رومیوں کے مضبوط قلعوں کو مسخر نہ کر سکا۔

۳۴۱ء میں شاپور نے آرمینیا کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور ٹرینس (tranus) کے بیٹے اشک کو آرمینیا کی حکومت سونپ دی۔ اس طرح گویا آرمینیا نے ایران کی برتری کو تسلیم کر لیا۔

آرمینیا کے قضیے سے فارغ ہو کر شاپور نے رومیوں کے خلاف ادھوری مہم کو پھر شروع کیا اور پھر نصیبین پر حملہ آور ہوا لیکن اب کی بار بھی ناکام رہا۔ اس ناکامی کے باوجود وہ مایوس نہ ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر ۳۴۸ء میں ایرانی لشکر کی پوری جمعیت نے پیش قدمی کی اور کردستان کے شہر سنجار کے قریب رومیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ قیصر روم پہاڑوں کی آڑ لے کر مدافعت کرتا رہا۔ ادھر شاپور نے ایک مستحکم مقام پر جھنڈے گاڑے جہاں سے وہ رومیوں پر حملے کرتا رہا۔ رومیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایرانیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ رومیوں کو اب اپنی فتح کا یقین تھا اس لیے وہ فتح کی

خوشیاں منا رہے تھے کہ اچانک ایرانی لشکر ٹوٹ پڑا، جس سے رومی بدحواس ہو گئے اور پھر سنبھل نہ سکے۔ ایرانیوں نے بری طرح رومی سپاہیوں کا قتل عام کیا۔ اس افراتفری میں شاہ پور کا بیٹا رومیوں کے ہاتھ لگ گیا جسے انھوں نے ہلاک کر دیا۔ یہ لڑائی بھی فیصلہ کن نہ تھی کیوں کہ قیصر روم اپنا بچا کھچا لشکر لے کر نکل بھاگا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اب روم میں بھی خانہ جنگی شروع ہو چکی تھی۔

نصیبین پر شاپور کا ایک اور حملہ

شاپور کو روم کی خانہ جنگیوں کی خبر ملی تو وہ آگے بڑھا اور نصیبین کو فتح کرنے کی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لیے پھر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اب کی دفعہ اس نے اپنے ہاتھیوں کے فوجی دستے، جو ہندوستانی اتحادیوں پر مشتمل تھے، آگے بڑھائے۔ محاصرے نے طول پکڑا تو اس نے قلعے کے گرداگرد گہری خندق کھود کر دریا کا پانی اس میں بہا دیا۔ پانی کے بہاؤ نے قلعے کی دیوار میں شگاف کر دیے جس سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ تو نکل آیا لیکن پانی کی وجہ سے وہاں اس قدر دلدل ہو چکی تھی کہ گھوڑے اور ہاتھی اس میں پھنس پھنس جاتے تھے۔ اہلِ قلعہ نے نہایت حوصلہ مندی سے راستہ بند کرنے کے لیے آناً فاناً آگے ایک اور دیوار بنا کر کھڑی کر دی اور اس طرح ۳۵۰ء میں شاپور کی یہ مہم چوتھی مرتبہ بھی ناکام رہی۔ آخر بیس ہزار نوجوانوں کی قربانی دے کر شاپور کو محاصرہ اٹھانا پڑا۔

شمال مشرقی ایران کی مہم

اسی عرصے میں شاپور کو ایک اور پریشانی لاحق ہوئی: شمال مشرق کی طرف سے قبائل چینوئت، جو ہن کے نام سے مشہور ہیں اور قبائل گیلان نے یلغاریں شروع کر دیں۔ یہ قبائل ٹڈی دل کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔ ان کی سرکوبی آسان نہ تھی۔ ان قبائل کو شاپور نے مطیع و منقاد کر تو لیا لیکن اس میں اسے سات سال لگے۔ گویا جو مہم اس نے ۳۵۰ء میں شروع کی تھی وہ ۳۵۷ء میں انجام پذیر ہوئی۔ اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ آگے چل کر ہن قبائل شاپور کے وفادار حلیف ثابت ہوئے۔

اس عرصے میں روم میں خانہ جنگیوں کا بدستور دور دورہ تھا۔ کانسٹنٹیس کی تمام تر توجہ امن و امان قائم کرنے میں مصروف رہی۔

عیسائیوں کا قتل

جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، قسطنطین نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ملک میں یک جہتی قائم ہو جائے۔ چناں چہ رومی بادشاہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ مذہب عیسائیت کے محافظ ہیں اور دنیا میں جہاں کہیں عیسائی ہیں ان کے تحفظ کی ذمے داری بھی انھی پر ہے، اس لیے لڑائی کی ایک اور مستقل بنیاد قائم ہو گئی۔ قدرتی طور پر اب شاپور کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ اس کی مملکت کی عیسائی رعایا جب کسی وجہ سے اپنے تحفظ کی ضرورت سمجھے گی، اپنے بادشاہ کی بجائے قیصر روم کی طرف دیکھے گی اور ایران سے اس کی وفاداری مشکوک ہو جائے گی۔ گویا ملک میں جتنے عیسائی پیدا ہوں گے اتنا ہی غداروں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ جب ایرانیوں اور رومیوں میں تصادم ہوتا اور رومی فتح پاتے تو ایران کے عیسائی اسے اپنی فتح سمجھتے، اور جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ جاتی۔ گویا مذہب عیسائیت اختیار کر لینے سے ایران کی غیر عیسائی اور عیسائی رعایا کے مابین اجنبیت کی دیوار کھڑی ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

ایرانی [1] سمجھتے تھے کہ دین عیسائیت نے ان کے قدیمی مذہب کی روح پر کاری ضرب لگائی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ ایک خدا (بلکہ تثلیث) کی پرستش کرنا سکھاتے ہیں، حالاں کہ نیکی اور خوبی کو پیدا کرنے والے ہمارے خدا ہیں۔ ہمارے تمام اجداد و مشاہیر جن کی زندگیوں سے ہمیں شجاعت، حب الوطنی اور نیکی کا سبق ملتا ہے، ہمارے خدا ہیں۔ عیسائی جسے اپنا پیغمبر مانتے ہیں، عمر بھر کنوارا رہا، اس لیے عیسائی پیشوا بھی یہی تلقین کرتے ہیں کہ شادی نہ کرو اور اولاد پیدا کرنے سے اجتناب کرو۔'' ایرانیوں کا یہ خیال تھا کہ عیسائیوں کی تمام ہمدردیاں ان کے دینی بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہلِ ایران عیسائی مملکت پر حملہ کرتے ہیں تو یہ لوگ ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ ساتھ دیتے بھی ہیں تو غداری کرنے کے لیے۔ یہ ایران کی بہ نسبت روم کے زیادہ وفادار ہیں۔ اپنے ایرانی بھائی بندوں کو اپنے بھائی نہیں بلکہ عیسائیوں کو اپنے بھائی سمجھتے ہیں، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ جانوروں کو مارتے اور کھاتے ہیں اور کوئی امتیاز نہیں کرتے کہ کون سا جانور بنی نوع انسان کے لیے مفید ہے اور کون سا مضر۔ اپنی میتوں کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں حالاں کہ زمین کا ذرہ ذرہ مقدس ہے۔ ہمارے عقیدے کے

(۱) سائیکس 'اے ہسٹری آف پرشیا' ص ۴۱۴

مطابق بری مخلوق کا خالق اہرمن ہے لیکن ان کے نزدیک سانپ اور بچھوؤں تک کا خالق بھی وہی ہے جس نے کھیتی باڑی کے بیل، سواری کے لیے گھوڑے، حفاظت کے لیے کتے اور دوسرے مفید جانور پیدا کیے ہیں۔

مذہبی نظریات کے اختلاف سے ایرانی بادشاہ کا ان کے ساتھ سخت سلوک کرنا قدرتی بات تھی۔ عیسائی ایرانی فوجی مہم میں حصہ نہیں لیتے تھے اس لیے ان پر دوہرے ٹیکس عائد کیے گئے۔ ایک ٹیکس لڑائی کے موقع پر مالی امداد دینے کا اور دوسرا ٹیکس فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کا۔ شاپور نے ٹیکس وصول کرنے کا کام عیسائیوں کے بڑے بشپ لارڈ شیمون کے سپرد کرنا چاہا لیکن اس نے دو وجوہ کی بنا پر ٹیکس وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک تو یہ کہ عیسائی مفلس ہیں اور دوسرے بشپ کا منصب ٹیکس وصول کرنا نہیں۔ اس نافرمانی کی پاداش میں اس کو مع دوسرے پادریوں کے ۳۳۹ء میں قتل کر دیا گیا۔ عیسائی پادری علی الاعلان زرتشت کی تعلیمات کو برا بھلا کہتے تھے، اس لیے بھی ان کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔

روم اور آرمینیا کا معاہدہ

روم کے خلاف جو شاپور کو فتح ہوئی تھی، اس سے شاپور کو یقین تھا کہ آرمینیا اب ایرانی تسلط سے روگردانی نہیں کرے گا، لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ جوں ہی شاپور نے ہن اور گیلانی قبائل کی سرکوبی کے لیے شمال مشرقی ایران کا رُخ کیا، آرمینیا کے حکمران اشک نے موقع غنیمت سمجھ کر اپنا سفیر روم بھیجا اور دوستانہ مراسم قائم کرنے کی تجویز پیش کی، اور یہ خواہش بھی کی کہ اگر کسی رومی شہزادی کی شادی اس سے کر دی جائے تو اس سے دوستانہ روابط ہمیشہ برقرار رہیں گے۔ کانسٹنٹیس نے اس سے اتفاق کیا اور ایک رومی منصب دار کی بیٹی، جس کا نام اولیمپکس تھا، اس کے رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دی گئی اور دونوں کے مابین ۳۵۲ء میں معاہدۂ دوستی ہو گیا جس کی رو سے آرمینیا پر رومی اقتدار قائم ہو گیا۔

رومیوں سے شاپور کی دوسری جنگ

شاپور جب شمال مشرقی سرحد پر امن و امان قائم کر کے فارغ ہو چکا تو ایک رومی سردار موسونیانوس نے ایرانی مرزبان تہم شاپور کو کہلا بھیجا کہ دونوں حکومتوں میں مصالحت ہو جانی چاہیے۔ ایرانی مرزبان نے یہ اطلاع شاپور کو بھی دی۔ وہ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گیا اور قیصر روم نے کانسٹنٹیس کے پاس اپنے سفیر کو بہت سے تحائف دے کر بھیجا اور ایک خط سفید کپڑے

میں لپیٹ کر ساتھ دیا- خط کا مضمون یہ تھا:

''شاپور، شاہ شاہاں، قرین ستارگاں، برادر مہر و ماہ اپنے بھائی قیصر کانسٹنٹیس کو سلام بھیجتا ہے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ قیصر بالآخر تجربے کے بعد راہِ راست پر آ گیا ہے- اس کے (شاپور کے) آباواجداد نے اپنی سلطنت کی وسعت کو دریاے سٹریمون اور مقدونیہ کی سرحد تک پہنچا دیا تھا اور وہ خود جاہ و جلال اور بے نظیر خوبیوں کے اعتبار سے تمام گذشتہ بادشاہوں پر فائق ہے- اپنا فرض سمجھتا ہے کہ آرمینیا اور میسوپوٹیمیا (بین النہرین) کے صوبوں کو جو اس کے دادا کے ہاتھ سے دھوکا دے کر چھین لیے گئے تھے، واپس لے- اگر تم گستاخانہ طور پر یہ راے ظاہر کرو کہ جنگ میں کام یابی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے، خواہ وہ کام یابی شجاعت کا نتیجہ ہو یا مکروفریب کا، تو ہم تمھاری راے ہرگز قبول نہیں کریں گے...... جس طرح طبیب بعض وقت جسم کے خاص اعضا کو کاٹ ڈالنا یا جلا دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ کم ازکم باقی اعضا کام دے سکیں، اسی طرح قیصر کو چاہیے کہ ایک چھوٹا سا علاقہ، جو اس قدر تکلیف اور خون ریزی کا موجب ہے، دے ڈالے، تاکہ باقی سلطنت پر امن و امان کے ساتھ حکومت کر سکے- اگر ایرانی سفیر بغیر کسی نتیجے کے واپس آ گئے تو شہنشاہ موسم سرما میں آرام کرنے کے بعد قیصر پر اپنی تمام فوجی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو گا-''[1]

اس خط کے جواب میں کانسٹنٹیس نے شاپور کی تجویز سے انکار کیا اور ساتھ ہی شہنشاہ کو اس کی بے اندازہ اور روز افزوں حرص پر سخت ملامت کی- جواب میں لکھا تھا[2]: ''اگر اہل روم کسی وقت مدافعت کرنے کو حملے پر ترجیح دیں تو اسے بزدلی پر محمول نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ ان کی میانہ روی کی دلیل ہے اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رومیوں نے لڑائی میں شکست بھی کھائی ہے تاہم جنگ کا قطعی اور آخری فیصلہ کبھی ان کے نقصان پر منتج نہیں ہوا-'' یہ دونوں خط مؤرخ امیاں نے اپنی تاریخ میں دیے ہیں-

---

(۱) کرسٹن سن 'تاریخ امیان' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۰۵-۳۰۶

(۲) ایضاً

شاپور نے جب دیکھا کہ کانسٹنٹیئس سید ھے ہاتھوں بین النہرین اور آرمینیا سے دست بردار نہ ہوگا تو ۳۶۰ء میں ایک لشکر جرار منظم کر کے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے کوچ کیا۔ اس کے دل میں حسرت تو تھی کہ نصیبین کو فتح کرے، جسے وہ اپنی سابقہ مہموں میں فتح نہ کر سکا تھا لیکن سابقہ تجربات سے سبق حاصل کرتے ہوئے اس نے اب قلعۂ نصیبین کی طرف رجوع نہ کیا بلکہ شام کی طرف بڑھا جہاں رومیوں نے مدافعت کی تیاری نہیں کی تھی پہلا حملہ اس نے ایک مستحکم قلعہ آمدہ[1] (Amida) پر کیا جسے اس نے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں کئی رومی سردار اسیر ہوئے جن میں سے بعض قتل کر دیے گئے اور بعض غلام بنا لیے گئے۔

شاپور کے حملے کی سرگذشت

آمدہ کی جنگ کی یادگار کسی چٹان پر تو موجود نہیں، البتہ مشہور یونانی مورخ امیاں[2] نے الفاظ کی شکل میں اس کی ہو بہو تصویر کھینچی ہے۔ اس نے خود اس جنگ میں بطور فوجی افسر حصہ لیا تھا اور اہم واقعات کو چشم خود دیکھا۔ اس کے بیان کو بحوالۂ کرسٹن سن درج ذیل کیا جاتا ہے:

''آرمینیا کے صوبے کورڈیے[3] میں ایک ایرانی حاکم جوویُنین تھا، جسے خفیہ طور پر روم کے ساتھ ہمدردی تھی۔ امیاں کو اس کے پاس ایک معتبر فوجی سردار کی معیت میں بدیں بھیجا گیا کہ ایرانی لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع بہم پہنچائے۔ جوویُنین نے ایک رہبر کو، جو تمام اطراف و جوانب سے واقف تھا، اس کے ہمراہ کر دیا۔ تیسرے دن وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے اور جوں ہی کہ سورج نکلا دیدبانوں نے دیکھا کہ تمام گردونواح لاتعداد ایرانی لشکر سے پڑے ہیں اور خود شاہ ایران (شاپور) زرین لباس پہنے فوج کے آگے آگے ہے۔ اس کے بائیں جانب گرمباٹس شاہ چینوئت (ہن) ہے جو ایک ادھیڑ عمر کا پتلا دبلا، لیکن عالی ہمت شخص ہے اور بہت سی فتوحات کے باعث ممتاز ہے۔ شاپور کے دائیں طرف شاہ البان ہے جو رتبے اور شہرت میں گرمباٹس کا ہم پلہ ہے۔ ان کے پیچھے بہت سے سر برآوردہ سردار ہیں اور آخر میں لشکر کا انبوہ ہے جو آس پاس کی قوموں کے بہترین فوجی دستوں پر مشتمل ہے۔ سپاہ ایران نے کشتیوں کے پل پر سے دریائے زاب کو عبور کیا۔ یہ دیکھ کر امیان جوویُنین کے پاس واپس آیا اور کچھ عرصہ آرام

(۱) اسے اب دیار بکر کہتے ہیں

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۲۱

(۳) [illegible]

کرنے کے بعد دوبارہ اسی پہاڑی راستے کو طے کرتا ہوا رومی لشکر سے جا ملا۔ تب رومیوں نے جنگ کی تیاری شروع کی اور کھیتوں کا سب غلہ جلا دیا۔ ایرانی تیزی کے ساتھ نصیبین کے سامنے سے گزر گئے اور جلے ہوئے کھیتوں کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے دامن کوہ کی سرسبز وادیوں میں بڑھتے چلے گئے۔ دوسری طرف رومی لشکر بھی بسرعت تمام کماژین کے پایۂ تخت سیموسٹیا کی طرف بڑھا تاکہ وہاں کے دریا (یعنی فرات) کو عبور کرے۔ رومی فوجوں کے دو دستوں کی بزدلی اور غفلت کی بدولت دو ایرانی سپہ سالار یعنی تہم شاپور اور نخوذار ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر آمدہ کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور شہر کے اِردگرد ٹیلوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھے۔ اسی جگہ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی، جس کی کیفیت امیاں نے بالفاظ ذیل بیان کی ہے:[1]

''ہم صبح سویرے طلوع فجر کی دھندلی روشنی میں سیموسیٹا کی طرف کوچ کر رہے تھے کہ دفعتاً ہم کو ایک ٹیلے کی بلندی پر سے ہتھیاروں کی چمک دکھلائی دی۔ اچانک شور مچ گیا کہ دشمن آن پہنچا اور مقررہ اشاروں کے ذریعے ہمیں خبردار کیا گیا کہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم فوراً رک گئے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے، لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ لڑ نہیں سکتے تھے اس لیے کہ دشمن کی فوج، کیا پیادے اور کیا سوار، ہم سے کہیں بہتر اور برتر تھے اور لڑنے کی صورت میں ہمارے لیے موت یقینی تھی اور بھاگ بھی نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ دشمن نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور بھاگنے کی صورت میں وہ یقیناً ہمارا تعاقب کرتا۔ بالآخر اتنا تو سمجھ لیا کہ لڑے بغیر چارہ نہیں لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ لڑائی کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ ہم میں سے چند آدمی بے احتیاطی سے آگے بڑھے اور مارے گئے۔ اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔

''... اسی طرح آدھ گھنٹہ گزر گیا: تب ہماری فوج کے آدمی، جو ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے تھے، چلائے کہ زرہ پوش سواروں کا ایک دستہ پیچھے سے نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا چلا آ رہا ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ ایسے خطرے کے موقعوں پر ہوا کرتا ہے، کسی کو ہوش نہ تھا کہ کدھر جائے۔ اتنے میں وہ لاتعداد لشکر ہم پر چڑھ آیا اور ہم میں جو بھگدڑ پڑی تو ہر شخص جدھر منہ اٹھا اُدھر کو بھاگ کھڑا ہوا، ہرچند کہ ہر شخص نے اپنے آپ کو اس فوری خطرے سے بچانے کی کوشش کی، تاہم دشمن کے ہراول کے ساتھ مڈبھیڑ سے نہ بچ سکا۔ اب چوں کہ ہم میں سے کسی کو جاں بر ہونے کی توقع نہ تھی، ہم جان توڑ کر لڑے اور دشمن ہمیں دھکیلتا ہوا دجلہ کے ڈھلوان کنارے تک لے گیا۔ وہاں کچھ لوگ دریا میں گر گئے۔ بعض، جن کے پاؤں ہتھیاروں میں الجھ گئے تھے، پایاب پانی ہی میں ڈوب کر رہ گئے

(۱) کرسٹن سن 'ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۱۳-۳۱۴

اور بعض جن کو دریا کی رو بہا کر لے گئی، زیادہ گہرے پانی میں جا کر غرق ہوئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ بعضوں نے لشکر کے انبوہ سے خوف زدہ ہو کر راہ فرار اختیار کی اور کوہ توروس کی قریب ترین گھاٹیوں میں پناہ لینے کی کوشش کی۔

''...... میں خود اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا اور اس سوچ میں تھا کہ کیا کروں کہ اتنے میں قراولواں کا سردار ورینین میرے پاس آیا۔ اس کی ران میں ایک تیر گڑھا ہوا تھا۔ اس نے میری منت کی کہ میں اسے اپنے ساتھ لے چلوں لیکن میں نے دیکھا کہ ایرانی مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے کوشش کی کہ جلدی سے شہر (آمدہ) کی طرف بچ کر نکل جاؤں جو کہ بلندی پر اُسی سمت میں واقع تھا، جس طرف سے دشمن ہم پر حملہ آور ہوا تھا، وہاں پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ بھی بہت تنگ۔ مزید یہ کہ اس کے عین وسط میں چڑھائی کے اوپر ایک چکی بنی ہوئی تھی جس سے وہ اور بھی تنگ ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ بچ کر گزرنے کے سب راستے مسدود تھے۔ جس وقت ہم بلندی پر پہنچے تو عین اسی وقت ایرانی بھی وہاں آن پہنچے اور اس قدر ہجوم ہوا کہ بھیڑ کی وجہ سے مردوں کی لاشیں تک کھڑی رہیں اور ان کو زمین پر گرنے کی جگہ نہ ملی۔ سورج کے نکلنے تک ہم کو اسی حالت میں رکے رہنا پڑا۔ میرے عین سامنے ایک سپاہی، جس کا سر ایک بہت بڑی تلوار کی ضرب سے دونیم ہو چکا تھا، چاروں طرف کی دھکا پیل سے کھمبے کی طرح سیدھا بے حرکت کھڑا تھا۔ ہر قسم کی منجنیقیں دیواروں کے اس قدر قریب تھیں کہ ہمیں ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ بالآخر میں نے ایک چور دروازے سے نکل کر اپنی جان بچائی اور دیکھا کہ عورتوں اور مردوں کا ایک جم غفیر ہے جو گردونواح سے سمٹ کر وہاں آ گیا ہے۔ بات یہ تھی کہ ہر سال ان ہی دنوں ایک میلا لگا کرتا تھا اور دیہات کے لوگ بہ کثرت اس میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ اسی میلے کی خاطر آئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر جب انھوں نے کشت و خون کا منظر دیکھا تو چیخنے اور فریاد کرنے لگے۔ کچھ ان میں سے زخمی ہوئے، کچھ مارے گئے۔ بعض اپنے مردوں پر روتے تھے اور بعض اپنے گم شدہ ساتھیوں کو پکارتے تھے لیکن اس افراتفری میں کسی کا پتا نہیں لگتا تھا۔''(۱)

اسی اثنا میں خود شاپور ایرانی فوج کا بیش تر حصہ ساتھ لیے 'آمدہ' کے سامنے آ پہنچا۔

اس کے بعد امیان لکھتا ہے:

''صبح ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ چاروں طرف، جہاں تک نظر کام کرتی تھی، میدانوں

اور ٹیلوں پر لشکر ہی لشکر دکھائی دے رہا تھا اور سواروں کی جگمگاتی ہوئی زریں آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھیں - خود بادشاہ قد و قامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے آ رہا تھا - اس پر تاج کی بجائے ایک مطلا ٹوپی تھی، جس کی شکل مینڈھے کے سر کی تھی اور اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے - امرا جو کثیر تعداد میں اس کے ہم رکاب تھے اور خدم و حشم، جو مختلف اقوام کے لوگوں پر مشتمل تھا، اس کے رعب و جلال کو دوبالا کر رہے تھے - قیاس غالب یہ تھا کہ وہ مدافعین شہر کو اس بات کی ترغیب دینے کی کوشش کرے گا کہ برضا و رغبت اطاعت قبول کر لیں کیوں کہ اینٹونیوس [1] کے مشورے سے اس کو دوسری طرف دھاوا کرنے کی جلدی تھی لیکن چوں کہ خدا کو یہ منظور تھا کہ سلطنت روم کے حصے کی ساری مصیبتیں ایک جگہ پر نازل ہوں، شاہ ایران کو اس بات کا پورا وثوق ہو گیا کہ بس جوں ہی کہ وہ سامنے آئے گا، محصورین اس کے فرط رعب سے اس سے رحم کی درخواست کریں گے - چناں چہ اپنے محافظوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ شہر کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس کے چہرے کے خد و خال تک پہنچانے جا سکتے تھے لیکن اس کا قریب آنا تھا کہ اس کے زیور و جواہرات کو دیکھ کر تیر اندازوں نے اسے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا حسن اتفاق سے گرد و غبار کے ایک بادل نے اس کو تیر اندازوں کی نظر سے اوجھل کر دیا ورنہ اس کا کام تمام ہو جاتا - وہ بالکل صحیح و سلامت بچ گیا، صرف اس کا ایک چغہ ایک تیر کے لگنے سے چاک ہوا - خدا کی قدرت اس کی جان اس لیے بچی کہ وہ ہزاروں بندگان خدا کی ہلاکت کا موجب ہو - وہ اس طرح غضب ناک ہوا کہ گویا ہم سے کوئی بہت بڑی بے حرمتی کا گناہ سرزد ہوا ہو - کہنے لگا: ''ان لوگوں نے میری توہین کرنے سے حقیقت میں ایک ایسے شخص کی توہین کی ہے جو بے شمار فرماں رواؤں اور قوموں کا آقا ہے -'' پھر اس نے کمال سرگرمی کے ساتھ شہر کو برباد کرنے کی تیاریاں شروع کیں لیکن فوج کے برگزیدہ سرداروں نے اس سے التجا کی کہ اپنی اصلی اور مہتم بالشان مہم کو نظر انداز مت کرو - باقی امیروں نے بھی اپنے خیر خواہانہ خیالات کا اظہار کر کے اس کو ٹھنڈا کیا، تب اس نے ارادہ کیا کہ اگلے دن محصورین کو حکم دے کہ اطاعت قبول کر لیں -''

''لہٰذا اگلے دن صبح گرمبانیس، شاہ چینوئیت (ہن)، جس نے کمال وثوق کے ساتھ محصورین کو بادشاہ کا پیغام پہنچانے کا ذمہ لیا تھا، تنومند سواروں کا ایک دستہ ساتھ لے کر شہر پناہ کی طرف بڑھا لیکن جوں ہی کہ وہ تیر کی زد میں آیا، ایک بڑے ماہر تیر انداز نے کمان میں تیر جوڑ کر

(۱) Antonius ایک رومی تھا جس نے دربار ایران میں پناہ لے رکھی تھی

ایسا تاک کر نشان لگایا کہ اس کا بیٹا، جو اُس کے برابر گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، اس سے مارا گیا-
تیر اس کی زرہ اور سینے کے پار ہو گیا- وہ نہایت حسین جوان تھا اور قامت و رعنائی میں اپنے ہم
عمروں پر فائق تھا- اس کے مرنے پر اس کے تمام ہم وطن پراگندہ ہو گئے لیکن پھر یہ محسوس کر کے
کہ اس کی لاش رومیوں کے ہاتھ لگنا ٹھیک نہیں، وہ تھوڑے عرصے کے بعد پھر پلٹ آئے اور
بآواز بلند لوگوں کی ایک جماعت کو ہتھیار اٹھانے پر اکسانے لگے- اس جماعت کی کمک سے
نہایت شدید لڑائی ہوئی اور ہر طرف سے تیر اولوں کی طرح برسنے لگے- قتل و خون کا سلسلہ شام
تک جاری رہا- جب رات ہوئی تو بڑی زحمت و تکلیف کے بعد ظلمت شب کی حفاظت میں کشتوں
نے ڈھیر اور خون کے سیلاب میں سے دشمن کو لاش نکالنے میں کام یابی ہوئی......''

''اس موت نے سارے شاہی خاندان کو سوگوار بنا دیا اور تمام امرا اس ناگہانی
صدمے میں باپ کے شریکِ غم ہوئے- تمام جنگی کارروائیاں یک قلم موقوف کر دی گئیں- قوم کے
دستور کے مطابق اس جواں مرگ کی عزاداری کی رسمیں ادا کی گئیں- مرنے والا نہ صرف اپنی عالی
نسبی کی وجہ سے قابل احترام تھا بلکہ خود بھی بہت ہر دل عزیز تھا-''

دو دن تک لگاتار لڑائی ہوتی رہی- کشتوں کے پشتے لگ گئے لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو
سکا- تیسرے دن شاپور اس قدر غضب ناک ہوا کہ لڑائی شروع ہوتے ہی ایک معمولی سپاہی کی
طرح لڑائی کے میدان میں گھس گیا- تلوار چلاتا اور تیر برساتا ایک صف سے دوسری صف تک
دوڑتا پھرا- اس منظر سے اتنا جوش پھیلا کہ ایرانی موت سے بے خوف ہو کر غضب ناک حملے
کرتے رہے- آخر ایرانیوں کو شہر میں داخل ہونے کا راستہ مل گیا جس سے ان کے حوصلے بڑھ
گئے اور رومی ہمت ہار بیٹھے- آخر ایرانی رومیوں کا قتل عام کرتے اور خون کا سیلاب بہاتے ہوئے
شہر میں داخل ہو گئے اور بچے کھچے رومیوں نے راہ فرار اختیار کی-

امیاں نے اپنے فرار کی یہ داستان بیان کی ہے کہ وہ اپنے دو ہم وطنوں کے ساتھ رات
کی تاریکی میں چھپ کر بھاگا- راستے میں انھیں ایرانی سپاہی ملے جو رومی سواروں کے ایک دستے
کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن خوش قسمتی سے وہ ان سے بچ نکلے اور پہاڑوں کو طے کرتے
ہوئے بالآخر شہر میلیطین (۱) پہنچے جو آرمیبیا کوچک میں واقع ہے- وہاں سے چل کر وہ ایک رومی
افسر کے ہم راہ انطاکیہ پہنچ گئے-

فتح کے جشن منانے کے بعد شاپور نے موسم بہار میں پھر مہم کا آغاز کیا- اب کی بار پھر

(۱) Melitene جو آمدہ سے تقریباً سو میل مغرب کی طرف ہے

نصیبین سے دامن بچاتے ہوئے بزابد[1] کی طرف بڑھا اور محاصرہ کر کے اسے مسخر کر لیا۔ اس کے بعد بین النہرین کی سرحد کے آخری شہر ورتا کا محاصرہ کیا جو دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم تھا اور اہلِ قلعہ پورا پورا ساز و سامان لیے بیٹھے تھے، اس لیے شاپور اسے سر نہ کر سکا۔

کانسٹنٹین نے اس عرصے میں آرمینیا کے حکمران اشک کو ایشیائے کوچک میں بلوایا اور اسے طرح طرح کے تحائف دے کر نوازا۔ مقصد یہ تھا کہ رومی مہموں میں وفادار رہے۔ اس کے بعد قیصر روم نے بزابد پر حملہ کر کے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہا لیکن یہاں بھی اس کی قسمت میں ناکامی لکھی تھی۔ اسے زندگی نے مزید مہلت نہ دی کہ کسی میدان میں ایرانی حریف کو شکست دے سکے۔ یہ حسرت دل میں لیے ہوئے وہ ۳۶۱ء میں راہی ملک عدم ہوا۔

جولین کی مہم

کانسٹنٹیئس کی وفات پر اس کا بھتیجا جولین قیصر روم بنا۔ وہ ایک جنگ جو حکمران تھا۔ اس نے گال قبائل کی سرکوبی کی تھی، جو حکومت روم کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے روم کو داخلی خلفشار سے بھی بچا کر کافی ناموری حاصل کی تھی۔ اب عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اس نے تروجن کے نقش قدم پر چل کر مملکت ایران پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

اس عرصے میں شاپور نے جولین سے مصالحت کرنی چاہی اور اس غرض کے لیے اپنا سفیر دربار روم میں بھیجا لیکن جولین سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر ایرانی سفیر کے ساتھ بڑی نخوت اور خشونت سے پیش آیا، جس کی وجہ سے اسے ناکام واپس آنا پڑا۔ اس سے صاف پتا چلتا تھا کہ جولین کے ارادے کیا تھے اور اس نے جنگی تیاریاں کس پیمانے پر کی تھیں۔ جولین نے ایک لاکھ کا لشکر جرار تیار کیا۔ اس عرصے میں اس نے بحرین اور آس پاس کے عرب سرداروں کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ اپنی شاہ راہوں کو محفوظ کرنے کے لیے سوار فوج منظم کریں اور ان شاہ راہوں سے ایرانیوں کو نہ گزرنے دیں۔ اس کے لیے جب انھوں نے مالی امداد مانگی تو جولین بڑی تمکنت سے بولا کہ جنگ جو بہادروں کو فولادی اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ زر و مال کی۔ بہر حال عرب سردار حکومتِ روم کے حلیف تھے اس لیے انھوں نے جولین کی خواہش کے مطابق اپنے فوجی دستے رومی لشکر میں شامل کر دیے۔ لیکن جب عرب سپاہیوں کو وقت پر تنخواہ نہ ملی تو وہ رومیوں سے منحرف ہو گئے اور ان کی طرف سے لڑنے کی بجائے خود ان پر حملہ کر کے انھیں

نقصان پہنچایا۔

جولین کا دوسرا حلیف آرمینیا تھا۔ یہاں کا بادشاہ اشک عیسائی تھا لیکن جولین عیسائیت ترک کر چکا تھا اس لیے اہلِ آرمینیا اسے مرتد سمجھتے تھے۔ یوں بھی اہلِ آرمینیا کا کردار تماشائی کا سا رہا تھا۔ انھوں نے روم اور ایران کی چپقلش میں ہمیشہ اپنا دامن بچانے کی کوشش کی۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کیا کرتے تھے کہ جنگ میں جس حکم ران کو فتح ہوتی، آگے بڑھ کر ہدیۂ تبریک پیش کر دیتے تھے۔ اس لیے ان سے کسی ثابت قدمی کی توقع رکھنا عبث تھا۔ بہر حال حلیف ہونے کی وجہ سے انھوں نے بادل ناخواستہ رومیوں کو اپنے فوجی دستے بھیج کر امداد دی اور جب جولین نے میڈیا پر حملہ کیا تو رومیوں کے ساتھ مل کر لڑے بھی، لیکن دفعتاً اطلاع دیے بغیر رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس آرمینیا پہنچ گئے۔ جولین کی مہم کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جولین نے مملکتِ ایران پر حملے کی تیاری کے لیے تمام ملکی وسائل وقف کر دیے۔ آخر اس نے ایک لاکھ فوج کا جم غفیر لے کر ۳۶۳ء میں انطاکیہ سے کوچ کیا اور دریاے فرات پر آ پہنچا۔ فرات کو عبور کر کے کچھ دیر کارہ میں قیام کیا۔ پھر فرات کے ساتھ ساتھ جنوبی سمت چل پڑا۔ راستے میں ۱۰۰ جہازوں کا بیڑا اس سے آ ملا۔ عرب سرداروں نے جولین کے آنے کی خبر سنی تو وہ بھی اظہارِ اطاعت کے لیے آئے۔ جولین بین النہرین کے لق و دق میدانوں سے گزر کر بابل کی سرسبز و شاداب سرزمین پر آ پہنچا۔ اس طویل راستے میں کہیں اس کی مڈبھیڑ ایرانیوں سے نہ ہوئی۔

فرات کے ساتھ ساتھ کوچ کرتے ہوے جولین فیروز شاپور آ پہنچا جو ایک مصنوعی جزیرے پر واقع تھا۔ ایرانیوں کا یہ شہر دفاعی اعتبار سے بہت مستحکم تھا۔ اس پر حملہ کر کے جولین نے اپنی مہم کا آغاز کیا۔ شہر کی دیواریں توڑ کر رومی لشکر شہر میں گھس گیا۔ شہر پر رومیوں کا قبضہ ہو گیا لیکن قلعے پر بدستور ایرانی قابض تھے۔ جولین نے قلعے کا محاصرہ کر لیا، لیکن اب بھی اہلِ قلعہ ہتھیار ڈالنے کو آمادہ نہ تھے۔ آخر جولین کے حکم سے قلعے کی دیوار کے ساتھ ایک برج کی تعمیر شروع کی گئی تاکہ اس کے ذریعے قلعے میں داخل ہونے کی تدبیر کی جائے۔ برج کی تعمیر درجہ بدرجہ اوپر اٹھتی گئی جس سے اہلِ قلعہ سخت ہراساں ہوے۔ آخر انھوں نے جولین کی شرائط مان کر قلعہ رومیوں کے حوالے کر دیا۔

قلعۂ فیروز شاپور کو فتح کرنے کے بعد جولین نے دریاے فرات کے کنارے کنارے اپنا سفر پھر جاری کیا اور شاہی نہر پر پہنچ گیا، جو فرات کو دجلے سے ملاتی ہے۔ نہر سے گزرتے ہوے جگہ جگہ ایرانیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آخر نہر کو عبور کر کے ماہوز ملکا پہنچے اور یہ قلعہ بھی مسخر کر

لیا- رومی اب دجلے کے کنارے اُس مقام پر آ گئے تھے جہاں طیسیفون انھیں سامنے نظر آتا تھا- شاپور بھی غنیم کی آمد سے غافل نہ تھا- جولین اب دریا کو عبور کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے راستے کو روکنے کے لیے ایرانی فوج ساحلِ دریا پر موجود تھی- آگے آگے ہاتھیوں کی صفیں تھیں جن سے رومی کچھ ہراساں ہوئے- جولین نے یہی مناسب سمجھا کہ رات کی تاریکی میں دشمن پر حملہ کیا جائے- چناں چہ رات کو حملے کا آغاز کیا گیا لیکن اس پر بھی رومیوں کو نقصان اٹھانا پڑا- ایرانیوں نے آتش گیر تیر برسائے جن سے بعض کشتیاں جل اٹھیں- رومی لشکر جوں توں کر کے دجلے کے بائیں کنارے آ اترا اور سنبھل کر صف آرا ہوا- یہاں رومیوں اور ایرانیوں کا آمنا سامنا ہوا- علی الصبح رومیوں نے حملے کا آغاز کیا- صبح سے شام تک نہایت خوں ریز جنگ ہوئی- دجلے کے ساتھ ساتھ خون کا ایک اور دجلہ بہنے لگا- آخر شام کی تاریکی بڑھی تو ایرانی لشکر پسپا ہو گیا اور طیسیفون کے قلعے میں آ کر پناہ گزیں ہو گیا- رومیوں نے قلعے کے دروازے تک ان کا تعاقب کیا، لیکن مال غنیمت حاصل کرنے کے سوا انھیں اور کچھ حاصل نہ ہوا-

ایرانیوں کی فتح اور جولین کی وفات

رومیوں کے حوصلے اس ابتدائی فتح سے کافی بلند ہو گئے تھے- اب موقع تھا کہ جولین طیسیفون کا محاصرہ کر لیتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا- مؤرخین اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دریائے فرات کے کنارے ایرانیوں نے جو قلعے بنائے تھے، وہ دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم تھے- جولین نے بعض قلعے فتح تو ضرور کر لیے لیکن بڑی دشواری کے ساتھ- اب وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ طیسیفون فتح کرنے میں کام یابی کا کوئی امکان نہیں' اب شاپور کے لشکر سے ٹکر لینے کی بجائے اس نے ایک جنگی چال چل کر اپنے بحری بیڑے کو نذرِ آتش کر دیا- خیال یہ تھا کہ شاپور رومیوں کے اس اقدام کو ان کی مایوسی پر محمول کرے گا اور لشکر لے کر قلعے سے باہر آ جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا-

آخر جون کی شدید گرمی میں کردستان کی طرف رومیوں کا کوچ شروع ہوا- ایرانیوں نے یہ دیکھ کر کہ رومی حقیقت میں پسپا ہو رہے ہیں، اُن کا تعاقب کیا- اس تعاقب کی وجہ سے رومیوں کو خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان کا رابطہ رسد پہنچانے والوں کے ساتھ قائم نہ رہ سکا- یہاں عرب انھیں رسد فراہم کر سکتے تھے لیکن عربوں کو جولین نے کہا تھا کہ جنگ جو بہادروں کو صرف فولادی اسلحے کی ضرورت ہے، زر و مال کی ضرورت نہیں، اس لیے وہ صورت حال سے بے تعلق رہے- رومیوں کو جو غلہ یہاں سے آ بھی سکتا تھا، وہ ایرانیوں نے جلا دیا تھا-

رومی ابھی زیادہ سفر نہیں کر پائے تھے کہ پیچھے سے گرد و غبار اڑتا دکھائی دیا- رومی سمجھے کہ عربوں کا لشکر ان کی مدد کو آ رہا ہے لیکن یہ ان کی محض خوش فہمی تھی- اصل میں یہ شاپور کا لشکر تھا جو برق رفتاری سے رومیوں کا پیچھا کیے چلا آ رہا تھا- رومی لشکر سمرہ کے قریب پہنچا تھا کہ ایرانیوں نے انھیں آ لیا- رومی صف آرائی بھی نہ کر پائے تھے کہ ایرانیوں نے ان کی عقبی فوج پر حملہ کر دیا- کچھ ایرانی ان کے دائیں بازو پر ٹوٹ پڑے- جولین لشکر کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بگولے کی طرح کبھی ایک طرف جاتا، کبھی دوسری طرف- اتنے میں ایک ایرانی نوجوان جولین کی طرف بڑھا اور اس کے دائیں پہلو میں نیزہ پیوست کر دیا- اس سے وہ بے بس ہو کر گھوڑے سے گر پڑا- رومیوں نے اٹھا کر اسے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا- مؤرخین لکھتے ہیں کہ جولین کچھ سنبھلا تو پھر گھوڑے پر سوار ہونا چاہا لیکن طاقت جواب دے گئی اور نیچے آ رہا- اس طرح یہ جاں باز جان کی بازی ہار گیا-

جولین بہادر اور نڈر شخص تھا- اس کی بہادری کا اُن اُبھرواں تصویروں سے پتا چلتا ہے جو شاپور نے چٹانوں پر کندہ کرائی تھیں- ان تصویروں میں جولین کو ایک شیر کی شکل میں دکھایا گیا ہے جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں-

نصیبین اور پانچ صوبوں کی واپسی

سمرہ کی شکست پر رومیوں نے حوصلہ نہ ہارا- چناں چہ جولین کے بعد جب جوئین (Jovien) قیصر روم بنا تو اس نے مہم کا آغاز وہاں سے کیا جہاں جولین نے اسے چھوڑا تھا- وہ تازہ دم لشکر لیے ہوئے خود سمرہ آ پہنچا- یہاں دونوں لشکروں کا تصادم ہوا- ایرانیوں نے پر جوش حملہ کیا- اس میں اگرچہ انھیں خود بھی نقصان ہوا لیکن رومیوں کے پاؤں انھوں نے اکھاڑ دیے-

اس مہم میں شاپور اپنے لشکر کے نقصان کی وجہ سے رومیوں پر مزید حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا- اس نے رومیوں سے گفت و شنید کرنے کے لیے اپنا سفیر جوئین کے پاس بھیجا- یہ سفیر گویا ایک فاتح کی طرف سے ایک مفتوح کے پاس آیا تھا- جوئین نے، جواب کسی اور بڑی مصیبت سے ڈرتا تھا، ایرانی سفیر کا خیر مقدم کیا اور نہایت رسوا کن شرائط قبول کر کے صلح کر لی- شرائط یہ تھیں:

۱- حکومت روم وہ پانچ صوبے واپس کر دے گی جو قیصر روم ڈیوکلیشن نے ایرانی شہنشاہ نرسی سے لے لیے تھے-

۲- نصیبین اور بخارا ایران کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

۳- مشرقی بین النہرین ایرانیوں کے تسلط میں رہے گا۔

۴- آرمینیا سے رومی دست کش ہو جائیں گے۔

یوں تو یہ تمام شرائط روم کے لیے رسوا کن تھیں لیکن نصیبین کا رومیوں کے ہاتھ سے نکل جانا ان کے لیے سخت رنج دہ تھا۔ یہ قلعہ استحکام کے اعتبار سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ شاپور دو مرتبہ اسے مسخر کرنے میں ناکام رہا تھا اور اب اس کی طرف رجوع کرنے کا حوصلہ نہ پاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ رومی تمدن کا مرکز تھا اور یہاں کی اکثر آبادی اہلِ یورپ کی تھی جسے ایرانیوں کا تسلط کسی صورت گوارا نہ تھا، جیسے کہ طبری لکھتے ہیں: "یہاں کے تمام لوگ نصیبین سے ہجرت کر کے روم چلے گئے اور شاپور نے استخر اور پارس سے دس ہزار ایرانیوں کو لا کر ان کی جگہ بسایا۔"[1]

ایران و روم کی کش مکش، آرمینیا اور گرجستان میں

جوؤین کے ساتھ حکومت ایران کا جو معاہدہ ہوا، اس کی رو سے رومیوں نے بظاہر ایران کی برتری تسلیم کر لی۔ وہ صوبے لوٹا دیے گئے تھے جن پر ایران اپنا حق سمجھتا تھا۔ آرمینیا سے بھی روم نے اپنا تسلط اٹھانا گوارا کر لیا اس لیے ایران کو آرمینیا میں اپنا تسلط جمانے کا موقع مل گیا لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ ایران کو اطمینان میسر نہ آ سکا۔

جولین نے یہ شرائط حالات سے مجبور ہو کر منظور کی تھیں۔ معاہدے کے چند ہی ماہ بعد جوؤین فوت ہو گیا اور اس کی جگہ والنٹینین (Volentinian) قیصرِ رُوم بنا۔ یہ معاہدہ اسے سخت ناگوار گزرتا تھا۔ وہ کھلم کھلا اس معاہدے کو توڑنا تو نہ چاہتا تھا لیکن اس کی خواہش ضرور تھی کہ یہ معاہدہ ختم ہو جائے۔ چناں چہ اس نے معاہدے کو منسوخ کرنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے روم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مشرقی علاقوں کی حکومت اس نے اپنے بھائی والنس کو سونپی اور مغربی علاقوں کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔

شاپور چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، آرمینیا میں رومیوں کے رہے سہے اثرات ختم کر دے اس لیے اس نے آرمینیا کے حکمران اشک کو، جو رومیوں کے زیر اثر تھا، اپنے دربار میں بلا کر اسیر کر لیا۔ سائیکس[2] لکھتے ہیں کہ عام قیدی اور اشک کی اسیری میں یہ امتیاز برتا گیا کہ اس

(۱) تاریخ طبری، بلعمی، ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۱۰۵

(۲) Sykes, A History of Persia

کے ہاتھوں میں چاندی کی ہتھکڑی پہنائی گئی - سائیکس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اشک کو اندھا کر دیا گیا - شاپور نے اب اپنی فوج آرمینیا بھیج دی اور اپنا تسلط مکمل کر لیا - صرف ارتوگوسا کا قلعہ محفوظ رہا جہاں اشک کی ملکہ اپنے خزانے کو سمیٹے ہوئے پناگزین تھی -

والنٹینین کو آرمینیا کے معاملات سے یوں بے تعلق ہونا شاق گزرا لیکن معاہدۂ صلح کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہوئے بھی ہچکچاتا تھا - فوری قدم اٹھانے کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ اشک کا بیٹا پارہ آرمینیا سے بھاگ کر روم پہنچا اور تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے کمک مانگی - والنٹینین نے فوج کے کچھ دستے دے کر اسے واپس بھیجا - شاپور کی بھی آرمینیا کے حالات پر نظر تھی - پارہ کی واپسی کی خبر سنتے ہی اس نے آرمینیا پر لشکر کشی کی اور پارہ کو شکست دے کر اشک کے خزانے پر بھی قبضہ کر لیا جو اشک کی ملکہ کے تصرف میں تھا - پارہ نے یہی مناسب سمجھا کہ حکومت ایران کی اطاعت کر لے -

آرمینیا کے بعد شاپور کی نظریں گرجستان پر تھیں - وہاں کے بادشاہ سارومیس (Sauromas) کو رومیوں کی حمایت حاصل تھی اس لیے شاپور نے اسے گرجستان سے نکال باہر کیا اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے اسپاکورس کو تخت نشیں کیا اور وہاں اپنی فوج متعین کر کے واپس ہو گیا -

گرجستان کے پہاڑی دروں کی فوجی اہمیت کی وجہ سے والنٹینین کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس پر ایران کو اقتدار حاصل ہو - چناں چہ اس نے ۳۷۰ء میں گرجستان کے معاملات میں مداخلت شروع کی اور چاہا کہ وہاں پھر سارومیس کی حکومت قائم ہو جائے - چناں چہ اس نے ڈیوک ٹیرنٹیس کو فوج دے کر بھیجا - اسپاکورس نے اسے روکنے کے لیے دریائے کور پر فوج بھیجی - لڑائی کے بجائے معاہدۂ صلح ہو گیا جس کی رو سے گرجستان کی تقسیم عمل میں آئی؛ ایک حصے کی حکومت اسپاکورس کے پاس رہی اور دوسرے حصے کی حکومت سارومیس کو سونپ دی گئی - اس صلح کے لیے شاپور سے اجازت حاصل نہیں کی گئی تھی جس سے وہ بہت برافروختہ ہو گیا - شاپور نے اپنا سفیر روم بھیج کر احتجاج کیا لیکن والنٹینین نے اس احتجاج کو مسترد کر دیا - چناں چہ دونوں حکومتوں میں جنگ ناگزیر ہو گئی -

۳۷۱ء میں شاپور نے اپنی سرحد کو عبور کر کے رومیوں کے شہر واگابنتا پر حملہ کیا - رومی لشکر نے اپنی پوری جمعیت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جس سے وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا - اس کے بعد ایران و روم کی کش مکش کئی سال تک جاری رہی لیکن کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوا -

پارہ کا جو حشر ہوا اس کی تفصیل سائیکس نے بحوالۂ امیاں یوں درج کی ہے:

''ڈیوک ٹیرنٹیس یہ دیکھ کر کہ پارہ اب حکومت ایران کے زیر اثر ہے، والنٹینین کو صورت حال سے مطلع کیا۔ چناں چہ اس بہانے سے کہ نیا معاہدہ کیا جائے گا، پارہ کو روم بلوایا۔ وہ بھانپ گیا کہ اسے آرمینیا کے تخت و تاج سے محروم کیا جائے گا؛ وہ نکل بھاگا۔ رومیوں نے ہر چند کہ اس کا پیچھا کیا لیکن وہ فرات تک پہنچنے میں کام یاب ہو گیا اور جوں توں کر کے دریا کو پار کر لیا لیکن اسے ایک اور مصیبت نظر آئی کہ آرمینیا کو جانے والی دونوں سڑکوں کو رومی فوج کے دستوں نے روک رکھا تھا۔ اتفاق سے اسے ایک مسافر مل گیا جس نے اسے جنگلوں میں سے گزرنے والے راستے پر لا ڈالا۔ رومی افسروں نے اس کی تلاش سے ناامید ہو کر بہ ظاہر کیا کہ وہ جادو کے زور سے کہیں غائب ہو گیا ہے لیکن وہ بچ نہ سکا۔ بالآخر وہ ایک رومی افسر کے ہاتھوں مارا گیا۔''[1]

ایران و روم کے مابین معاہدۂ صلح

۳۷۶ء میں ایران و روم کے مابین صلح کی گفت و شنید پھر شروع ہوئی۔ آخر یہ معاہدہ طے پایا کہ دونوں حکومتیں آرمینیا اور گرجستان کی خود مختاری کو تسلیم کر لیں اور ان کے داخلی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔ اس معاہدے پر عمل بھی ہوا لیکن ان دونوں ملکوں کے باشندوں کا مذہب ایران کے مذہب سے مختلف تھا، اس لیے ان کے دلوں میں ایران سے مغایرت بدستور قائم رہی اور ان کا میلان روم کی طرف رہا۔

ہند اور سندھ سے خراج

ثعالبی لکھتے ہیں کہ ہُن قبائل کی شورش کو فرو کرنے کے بعد شاپور نے ہند اور سندھ کے حکم رانوں سے خراج کا مطالبہ کیا تھا، جس کے جواب میں دونوں نے خراج بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا تھا۔[2]

شاپور کی وفات اور سیرت

شاپور طویل عرصے تک حکومت کرنے کے بعد ۳۷۹ء میں فوت ہوا۔ وہ ایک شجاع اور صاحب تدبیر بادشاہ تھا۔ اُس نے اپنے ملک کی عظمت کو چار چاند لگائے، اس لیے رعایا اس کا دم بھرتی تھی۔ شاپور نے روم سے جو معاہدہ کیا تھا، وہ ایران کے لیے باعثِ فخر اور روم کے لیے ہمت

---

(۱) اے ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۴۲۴-۴۲۵

(۲) شاہ نامہ ثعالبی، محمود ہدایت، ص ۲۵۳

شکن تھا- اس نے وہ پانچ صوبے، جو ڈیو کلیشن نے اس کے دادا نرسی سے چھینے تھے، واپس لیے- نصیبین بھی اسے ملا جو رومی تہذیب کا قدیمی مرکز تھا- اس کے علاوہ اس نے آذربائیجان، خوزستان اور کردستان کو رومی تسلط سے آزاد کرایا- ہُن قبائل کو جس کامیابی سے اس نے زیر کیا- یہ اس کی دانش اور شجاعت کی دلیل تھی- ان ہی وجوہ کی بنا پر تاریخ نے اسے شاپور اعظم کا لقب دیا-

ساسانی عہد کے ابتدائی بادشاہوں میں شاپور اعظم کا ذاتی کردار قدیمی مآخذ میں واضح طور سے نظر آتا ہے- رومی مورخ امیاں کو، جس نے فوجی افسر کی حیثیت میں شاپور کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا، شاپور سے طبعی نفرت تھی- وہ بھی اپنی تاریخ میں شاپور کی شخصیت اور دلیری کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا- چناں چہ لکھتا ہے:

''قد و قامت میں ہمیشہ وہ اپنے گرد و پیش کے آدمیوں سے بقدر سر و گردن بلند نظر آتا تھا- بزابدی اور آمدہ کے محاصروں میں وہ بالکل بے دھڑک ہو کر خندق کے قریب پہنچ گیا اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی پروانہ کرتے ہوئے قلعے کے چاروں طرف کا معائنہ کرتا رہا''(۱)

شاپور نے متعدد عیسائیوں کو قتل کرایا تھا لیکن یہ مذہبی تعصب کی بنا پر نہ تھا بلکہ سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے تھا- امیاں، سینٹ اوجین کی سوانح عمری کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''سوانح عمری... کی قدیمی روایات سے صاف پایا جاتا ہے کہ شاپور کے دل میں عیسائیوں کے بارے میں کوئی معاندانہ احساسات نہ تھے؛ بات یہ تھی کہ ایران کے عیسائی، جن کے دلوں میں حکومت کے خلاف خفیہ عداوت تھی، سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرے کا باعث تھے؛ خصوصاً جب سے کہ قیاصرۂ روم نے صلیب کو جہاد کی علامت قرار دیا- اس اندرونی دشمنی کے خلاف شاپور نے بلا کسی لحاظ کے کارروائی کی- عیسائیوں پر تعدی اس کے طویل عہد حکومت کے آخر تک جاری رہی-

امیاں کی تاریخ میں، جہاں شاپور کی تندخوئی اور بربریت کا ذکر ہے، وہاں بعض آثار اس بات کے بھی موجود ہیں کہ شاپور مروت اور رحم دلی سے بے بہرہ نہ تھا- ایک موقع پر جب اس نے دو چھوٹے رومی قلعے فتح کیے تو قیدیوں میں چند عورتیں بھی گرفتار ہو کر اس کے سامنے آئیں- انھی عورتوں میں رومی کونسلر کروگاسیوس کی بیوی تھی، جو نہایت حسین تھی- وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی کہ مبادا فاتحین کی طرف سے اس پر کسی طرح کی زیادتی ہو- بادشاہ نے اسے حضور میں طلب کیا اور اس سے وعدہ کیا- تمھارا شوہر تم سے جلد آملے گا اور کوئی شخص تمھاری توہین

(۱) کرسٹن سن 'ایران بعہد ساسانیاں' ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۳۲۵-۳۲۷

نہیں کرے گا- مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاپور ہمیشہ اُن عیسائی لڑکیوں کو، جو کلیسا کی خدمت کے لیے وقف ہوتی تھیں، اپنی حمایت میں لے لیتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ انھیں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے کی پوری آزادی دی جائے- امیاں نے ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کا یہ رحم و انصاف محض مکر و حیلہ تھا-

شہروں کی آبادی

شاپور نے امن و صلح کے زمانے میں نئے شہر بسانے کی طرف توجہ دی- طبری لکھتے ہیں ''شاپور نے عراق میں ایک شہر بسایا جس کا نام برزخ تھا- اہواز میں جو شہر آباد کیا اس کا نام انشا شاپور تھا[1]-'' قدیمی شہر شوش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بغاوت کی وجہ سے اس نے برباد کیا تھا- پھر دوبارہ اس شہر کو آباد کرایا اور اس کا نام ''خورہ کرد شاپور'' رکھا- شاپور کے زمانے کے ایک محل کے آثار وہاں اب بھی نظر آتے ہیں جسے ''ایوان کرخ'' کہتے ہیں-

شہروں کی تعمیر سے فارغ ہو کر شاپور نے آبیاری کے لیے قناتیں کھدوائیں اور آمد و رفت کے لیے پل تعمیر کرائے-[2]

طاق بوستان کی برجستہ تصویریں

ساسانی عہد کے ابتدائی بادشاہوں نے برجستہ تصویریں پرسی پولس کے آس پاس کی چٹانوں پر کندہ کرائی تھیں لیکن اردشیر دوم اور اس کے جانشینوں نے قدیم میڈیا میں ایک جگہ کو انتخاب کیا جو 'طاق بوستان' کے نام سے موسوم ہے- یہ کرمان شاہ کے قریب ہے اور ہمدان سے بغداد کو جانے والی سڑک پر واقع ہے- ہرتسفیلڈ نے اس کا نام ایشیا کا دروازہ رکھا ہے- طاق بوستان کی چٹان سطح زمین کے ساتھ عموداً تراشی گئی ہے- اس پر ایک اُبھرواں تصویر ہے- اس میں آہورامزدا، شاپور کی طرف حلقۂ سلطنت بڑھا رہا ہے- دونوں نے کرتے پہنے ہوئے ہیں جو گھٹنوں تک ہیں- دونوں کی شلواروں میں شکنیں پڑی ہوئی ہیں اور ان کے پائنچے بکسوؤں کے ذریعے ٹخنوں کے ساتھ بندھے ہیں- دونوں کی کمر پر پیٹیاں بندھی ہیں اور دونوں نے گلوبند اور کنگن پہنے ہوئے ہیں- بادشاہ کے پیچھے غالباً زرتشت کی تصویر ہے جس کا لباس تو انھی کا سا ہے لیکن اس کے سر پر شعاعوں کا ہالہ نظر آ رہا ہے- اس کے ہاتھ میں ٹہنیوں کا مٹھا ہے جو مذہبی رسوم کے

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ڈاکٹر محمد جواد' ص ۱۲

(۲) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۵۲

لیے استعمال ہوتا تھا۔

اس تصویر کے بائیں طرف دو محرابیں ہیں؛ پہلی محراب غالباً شاپور سوم کے زمانے میں تراشی گئی تھی کیوں کہ اس میں شاپور سوم اور اس کے باپ کی تصویریں ہیں۔ دونوں بادشاہوں کو سامنے سے دکھایا گیا ہے جو ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ لباس اور زیور ان کا بھی ویسا ہی ہے۔ ان کے سروں کے اوپر تاج ہیں جن کے اوپر کپڑے کی گیند سی نظر آ رہی ہے۔

اردشیر دوم

(۳۷۹ء تا ۳۸۳ء)

شاپور اعظم کی وفات پر اس کا معمر بھائی اردشیر دوم تخت نشین ہوا لیکن اس کی حکومت چار سال سے زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ اس کے عہد کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ اس نے رعایا کے تمام ٹیکس معاف کر دیے، جس کی وجہ سے لوگ اسے ''اردشیر نیکوکار'' کے لقب سے پکارنے لگے۔ اردشیر دوم بڑھاپے کی وجہ سے کچھ کاہل بھی تھا۔

قضیۂ آرمینیا

پچھلے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ آرمینیا کے حکم ران پارہ کو ایک رومی سردار نے قتل کر دیا تھا۔ اردشیر دوم کی کاہلی سے فائدہ اٹھا کر آرمینیا کے ایک امیر ورتازد کو آرمینیا کا حکم ران نام زد کیا تھا لیکن حکومت کا اصل اقتدار ایک امیر کو سونپ دیا تھا جس کا نام موشیغ تھا۔ ورتازد کو موشیغ کا اقتدار کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چناں چہ اس نے ایک دعوت کے موقع پر اسے قتل کرا دیا۔ مقتول کے بھائی مینوئل کو سخت صدمہ ہوا۔ اس نے پارہ کی بیوہ اور اس کے دو بیٹوں کے نام پر علم حکومت بلند کیا۔ اسے یقین تھا کہ رومی اس کی مخالفت کریں گے اس لیے اپنا سفیر اردشیر کے دربار میں بھیجا اور خراج ادا کرنے کا عہد کر کے حکومت کا اختیار حاصل کرنے کی استدعا کی، جسے اردشیر نے تسلیم کر لیا، اور اپنے ایک سپہ سالار کو دس ہزار فوج دے کر آرمینیا بھیج دیا تاکہ مینوئل کے ساتھ مل کر آرمینیا کی حکومت چلائے، لیکن یہ دوعملی زیادہ دیر نہ چل سکی۔ ادھر مینوئل کو شبہ ہوا کہ ایرانی اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اس نے اپنا لشکر لے کر اچانک ایرانی فوج پر حملہ کر کے انھیں تہہ تیغ کر دیا۔ وہ جب تک زندہ رہا آرمینیا پر حکومت کرتا رہا۔

اردشیر کو کاہل ہونے کے باوجود امرائے سلطنت کا اقتدار کھٹکتا تھا اس لیے اس نے امرا کا اقتدار کم کرنا چاہا۔ امرا کو اس کی مخالفانہ سرگرمیاں ناگوار گزریں اس لیے انھوں نے ۳۸۳ء

میں اسے تخت سے اتار دیا۔

شاپور سوم

(۳۸۴ء تا ۳۸۸ء)

اردشیر کے بعد شاپور اعظم کا بیٹا شاپور سوم تخت نشیں ہوا۔

آرمینیا کی تقسیم

شاپور سوم نے حکومت سنبھالتے ہی آرمینیا کے امور کی طرف توجہ دی۔ ۳۸۳ء میں آرمینیا کا حکم ران مینوئل فوت ہوا تو آرمینیا میں دو اہم گروہ تھے جن میں ایک رومیوں کا حامی تھا اور دوسرا ایرانیوں کا۔ دونوں گروہ متعلقہ حکومتوں سے مدد کے خواست گار ہوئے اور ایران و روم میں تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

حکومت روم کو گوتھ قبائل کے ہاتھوں سخت پریشانی اٹھانی پڑی تھی، جنھوں نے ۳۷۸ء میں ایڈریانوپل میں رومیوں کو شکست دی تھی اور ابھی تک رومی سنبھل نہ پائے تھے۔ ادھر ایران کا کمزور بادشاہ کوئی جارحانہ قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا اس لیے دونوں حکومتیں مصالحت پر آمادہ ہو گئیں اور ۳۸۴ء میں ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے آرمینیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس تقسیم کے نتیجے میں مشرقی آرمینیا ایرانیوں کے تسلط میں آ گیا اور مغربی آرمینیا میں رومیوں کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔ آرمینیا کے دونوں حصوں کے حکم ران اگرچہ اشکانی نسل سے تھے لیکن آرمینیا کی خود مختار حیثیت ختم ہو گئی۔

شاپور زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور پانچ سال کی حکومت کے بعد ۳۸۸ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بہرام چہارم

(۳۸۸ء تا ۳۹۹ء)

شاپور سوم فوت ہوا تو اس کا بھائی بہرام چہارم ۳۸۸ء میں تخت نشین ہوا۔ بہرام تخت نشینی سے پیشتر صوبۂ کرمان کا حکم ران رہ چکا تھا اس لیے لوگ اسے ''کرمان شاہ'' بھی کہتے تھے۔

آرمینیا میں رومی دخل اندازی

آرمینیا کی تقسیم کے بعد خسرو کو ایرانی آرمینیا کا حکم ران مقرر کیا گیا تھا۔ اب رومیوں

نے اس پر ڈورے ڈالے، مقصد یہ تھا کہ ایرانی آرمینیا کو بھی رومی تسلط میں لایا جائے۔ اس میں قیصر روم تھیوڈوس کو کامیابی ہوئی اور خسرو نے ایرانی حکومت کا جوا اتار پھینکا۔ بہرام چہارم اس کی اس حرکت سے سخت برافروختہ ہوا اور آرمینیا فوج کسی کی۔ خسرو نے یہ اقدام رومیوں کے بھروسے پر کیا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ کھل کر ایرانیوں کا مقابلہ کریں اس لیے انھوں نے خسرو کو کمک نہ بھیجی۔ اس کا خمیازہ خسرو کو بھگتنا پڑا۔ بہرام نے اسے اسیر کر کے ''قلعۂ فراموشی''[1] میں محبوس کر دیا اور خسرو کی بجائے اس کے بھائی ورم[2] شاپور کو مشرقی آرمینیا کا حکم ران مقرر کر دیا۔ بہرام چہارم کے متعلق کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں لیکن مؤرخین بتاتے ہیں کہ ایرانی فوج میں شورش ہو گئی جس کے نتیجے میں بہرام ۳۹۹ء میں مارا گیا۔ بہرام کے زمانے میں مملکتِ روم میں ایک غیر معمولی تبدیلی رونما ہوئی۔ تھیوڈوس قیصر روم نے ۳۹۵ء میں روم کے دو حصے کر دیے مشرقی روم بیزنطین کے نام سے موسوم ہوا اور قسطنطنیہ اس کا پایۂ تخت بنا۔ مغربی روم کا پایۂ تخت البتہ روم ہی رہا۔ اس تقسیم کے بعد مشرقی روم ساسانی مملکت کا ہمسایہ ہو گیا۔

یزدگرد گنہ گار

(۳۹۹ء تا ۴۲۰ء)

یزدگرد امن پسند بادشاہ تھا۔ اگر وہ اپنے اجداد کی طرح جنگ جو ہوتا یا اسے کشور کشائی کی تمنا ہوتی تو اس کے لیے حالات موافق تھے۔ روم اس زمانے میں سازشوں کا شکار ہو رہا تھا۔ ۴۱۰ء میں الاری قبائل کے حملوں نے رومیوں کو خاصا پریشان رکھا لیکن یزدگرد نے ہمسایہ مملکت کی بدامنی سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ نہ دی بلکہ جہاں تک ہو سکا اس نے حکومتِ روم سے دوستانہ روابط مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

گنہ گار

یزدگرد کو اس کے ہم وطنوں نے گنہ گار کا لقب دیا اور ایرانی تاریخ میں یہ لقب اس

(۱) یہ ایک زندان تھا جو قلعہ گل گرد میں بنایا گیا تھا۔ یہ قلعہ شوشتر کے مشرقی سمت واقع تھا۔ اس کا نام قلعۂ فراموشی اس لیے ہوا کہ یہاں سیاسی قیدی محبوس کیے جاتے تھے جنھیں کبھی بادشاہ کے سامنے پیش نہ کیا جاتا تھا

(۲) یہ بہرام شاپور کی ارمنی شکل ہے

کے نام کا جزو ہو گیا ہے۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں: اول یہ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عیسائیوں کے اثر میں آ کر اس نے اپنا قدیمی مذہب ترک کر دیا اور عیسائیت کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں اس نے عیسائیوں کو کھلی چھٹی دے دی۔ یہاں تک کہ انھوں نے گرجوں کے آس پاس کے آتش کدے تباہ کر دیے۔[1] دوسری وجہ اس کا غرور و تکبر اور سخت گیری تھی۔ ثعالبی لکھتے ہیں کہ اس بادشاہ کو اثیم یا گنہگار کا نام دیا گیا ہے کیوں کہ یہ نہایت سخت گیر، تند مزاج اور متکبر شخص تھا۔ اس نے تخت نشیں ہوتے ہی مردم آزادی اور تباہ کاری کو اپنا شعار بنایا، بااقتدار لوگوں کو ذلیل کیا، بے گناہوں کا خون بہایا، عدل و انصاف کی بیخ کنی کی۔ اس کے قریب ترین مصاحبوں کو یہ جرأت نہ تھی کہ کسی مظلوم کے حق میں کچھ کہہ سکیں۔ اگر کوئی سفارش کرتا تو اس کو کہتا کہ تم نے اس سفارش کے عوض کتنی رقم حاصل کی ہے؟ طبری لکھتے ہیں کہ وہ سخت مغرور تھا۔ اہل علم کا مضحکہ اڑاتا اور سپاہ و رعیت کو خوار کرتا تھا۔ کوئی اس سے نیکی کرتا تو اسے کوئی صلہ نہ ملتا۔ وہ ہر شخص پر تہمت لگاتا۔ لوگ اس کے ظلم و ستم سے سخت نالاں تھے۔[2]

روم سے دوستانہ روابط

یزدگرد نے حکومتِ روم سے دوستانہ روابط پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ایرانی مؤرخ حسن پیرنیا یونانی مؤرخ پروکوپ (Procope) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یزدگرد کے زمانے میں ایران کے مشرقی روم کے ساتھ بہت گہرے روابط پیدا ہو گئے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مشرقی روم ایران کی حمایت میں آ گیا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مشرقی روم کا قیصر ارکیڈیس (Arcadius) جب قریب المرگ ہوا تو اس وقت اس کا شہزادہ ولی عہد تھیوڈوسیس (Theodosius) ابھی گہوارے میں تھا۔ قیصر اپنے ولی عہد کے مستقبل کے متعلق فکر مند تھا۔ وہ اُسے ایرانی حملوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے وصیت کی کہ شہزادے کو تربیت کی خاطر شہنشاہ ایران یزدگرد کے سپرد کر دیا جائے۔ یزدگرد نے خوشی سے یہ ذمے داری قبول کر لی۔ اس نے یہ ذمہ محض اخلاقاً اٹھایا، کوئی سیاسی اہمیت اس کے پیشِ نظر نہ تھی۔ یزدگرد نے اپنے ایک تجربہ کار دانش مند کو قسطنطنیہ بھیجا تاکہ وہ تھیوڈوسیس دوم کی تربیت کرے۔ یزدگرد کے

---

(۱) شاہ نامہ ثعالبی محمود ہدایت' ص ۲۵۷

(۲) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۰۹

نمایندے نے رومی سینٹ کو خبردار کر دیا کہ جو شخص شہزادۂ ولی عہد کی بدخواہی کرے گا، ایران کا دشمن سمجھا جائے گا۔ مختصراً یہ کہ شہزادہ تھیوڈوسیس یزدگرد کے سائے میں پل کر جوان ہوا اور مشرقی روم کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یزدگرد جب تک زندہ رہا اس نے مشرقی روم کے وقار کو ٹھیس نہ لگنے دی۔ چناں چہ ایران کی اس سلطنت میں مکمل امن وسکون رہا۔

عیسائی رعایا کی دل داری

اس نے ایران کی عیسائی رعایا کی دل داری کی طرف بھی بہت توجہ دی بلکہ عیسائیوں کا یہ مطالبہ بھی مان لیا کہ حکومت ایران اور اس کی عیسائی رعایا کے درمیان کوئی سمجھوتا ہو جائے۔ چناں چہ مشرقی روم کی طرف سے عیسائیوں کا ایک وفد بشپ ماروثا کی سرکردگی میں دربار ایران میں بھیجا گیا۔ ماروثا نے اپنی وجاہت اور وقار سے یزدگرد کو بہت متاثر کیا۔ اس کی استدعا پر یزدگرد آمادہ ہو گیا کہ شاپور اعظم کے زمانے میں جو کلیسا گرا دیے گئے تھے، ان کو دوبارہ تعمیر کرایا جائے اور جو عیسائی مذہبی تعصب کی بنا پر قید کیے گئے تھے انھیں رہا کر دیا جائے۔ پادریوں کو اجازت مل گئی کہ وہ مملکت ایران میں جہاں چاہیں جائیں۔ ماروثا نے بادشاہ کو اس بات پر بھی رضامند کر لیا کہ سیلوکیہ میں عیسائیوں کی کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت دی جائے جس میں ایران کے متعلق تمام امور طے کیے جائیں۔ یہ کانفرنس ۴۱۰ء میں منعقد ہوئی اور بادشاہ ایران کی سلامتی کی دعا سے اس کانفرنس کا افتتاح ہوا۔ اس کانفرنس میں عیسائیت کی از سرِ نو تنظیم واتحاد کے لیے جو فیصلے کیے گئے، انھیں یزدگرد نے منظور کر لیے[1] یزدگرد کے عہد میں عیسائیت کو فروغ تو ہوا لیکن ان کے باہمی تنازعے جو موجود تھے، وہ بدستور قائم رہے۔

یزدگرد نے عیسائیوں کے ساتھ کمال رواداری برتی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سیاسی وجوہ کی بنا پر ہو اور وہ چاہتا ہو کہ مشرقی روم کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ ملکی حالات کو بہتر بنانے کی طرف متوجہ رہے، لیکن کرسٹن سن نے طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ مذہبی رواداری اس کی طبیعت میں داخل تھی۔ چناں چہ اس نے یہودیوں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک روا رکھا حالاں کہ انھیں کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی یہودی نسل سے تھی، جس کا نام شوشیندخت تھا اور وہ یہودیوں کے رئیس (ریش گالوتا) کی بیٹی تھی۔

(۱) کرسٹن سن 'ایران بعہد ساسانیاں' (ڈاکٹر محمد اقبال) ص ۳۵۴

یزدگرد کا ترک عیسائیت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آخر میں یزدگرد نے عیسائیوں کے متعلق اپنا رویہ بدل لیا۔ اس کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں، پہلی یہ کہ کچھ عرصے بعد عیسائی مذہب سے تائب ہو کر اپنا قدیمی مذہب اختیار کر لیا۔ دوسری یہ کہ عیسائی اُس زمانے میں اس قدر دلیر اور بے باک ہو گئے تھے کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اس لیے سخت گیری کے سوا چارہ نہ رہا تھا۔ کرسٹن سن لکھتے ہیں کہ صوبۂ خوزستان کے شہر ہرمزداردشیر میں ایک عیسائی پادری نے، جس کا نام ہشو تھا، یہاں تک جرأت کی کہ بشپ عبدا کی پوشیدہ رضامندی کے ساتھ ایک آتش کدہ، جو گرجا کے نزدیک تھا، مسمار کرا دیا۔ بادشاہ نے اس معاملے کے متعلق دریافت کیا تو عبدا نے اپنی بریت کا اظہار کیا لیکن ہشو نے کھلم کھلا اقرار کیا کہ میں نے خود یہ آتش کدہ مسمار کیا ہے۔ ساتھ ہی دین زرتشتی کو برا بھلا بھی کہا۔ بادشاہ نے عبدا کو حکم دیا کہ آتش کدے کو دوبارہ تعمیر کرائے لیکن وہ انکار پر اڑا رہا تو بادشاہ نے اسے مروا دیا۔ کرسٹن سن نے اس طرح کے اور واقعات بھی لکھے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ عیسائی آتش کدوں کو نقصان پہنچانے اور عیسائیت کو فروغ دینے میں بڑے بے باک تھے۔ اس قسم کی دراز دستیوں کی وجہ سے یزدگرد کے دل میں عیسائیت کے خلاف کینہ بیٹھ گیا اور اس کا شفیق ہاتھ آلۂ ستم بن گیا۔[1]

یزدگرد کی وفات

یزدگرد ۴۲۰ء میں فوت ہوا۔ ایرانی مؤرخ اس کی وفات کے متعلق ایک غیر معمولی واقعہ بیان کرتے ہیں،[2] ثعالبی لکھتے ہیں کہ ایک دن یزدگرد جرجان میں شاہی تخت پر بیٹھا تھا اور درباری اس کے آس پاس جمع تھے کہ ایک خادم حاضر ہوا اور بتایا کہ محل کے دروازے پر ایک گھوڑا ہے جس کے نہ لگام ہے نہ زین۔ نہایت متناسب الاعضا اور خوب صورت ہے، آج تک ایسا خوب صورت گھوڑا دیکھنے میں نہیں آیا۔ کسی کے قابو میں نہیں آتا۔ کوئی قریب آتا ہے تو دولتیاں جھاڑتا ہے۔ لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں اور اسے دیکھ دیکھ کر مسحور ہو رہے ہیں۔ اس کی باتیں سن کر یزدگرد نہ رہ سکا اور اٹھ کر گھوڑا دیکھنے آیا۔ گھوڑے کی خوب صورتی دیکھ کر تعریف کی

(۱) کرسٹن سن 'ایران بعہد ساسانیاں' (ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال) 'ص ۳۵۶

(۲) شاہ نامہ ثعالبی 'محمود ہدایت' ص ۳۶۱

اور خوش ہو کر کہا: ''یزدان نے یہ ایک نعمت غیر مترقبہ میرے لیے بھیجی ہے[۱]'' اس کے قریب گیا' اس کی پیشانی اور ایال پر ہاتھ پھیرا۔ گھوڑا چپکا کھڑا رہا۔ یزدگرد نے لگام اور زین لانے کا حکم دیا اور چاہا کہ اس کی ران پر تھپکی دے۔ گھوڑے کے پیچھے آیا تو اس نے یزدگرد کے سینے پر اس زور سے دولتی ماری کہ وہ وہیں گر پڑا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور گھوڑا دفعتاً غائب ہو گیا۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا۔ اس واقعے کو نظم کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ گھوڑا ایک چشمۂ سبز رنگ سے نمودار ہوا اور بادشاہ کو دولتی سے ہلاک کر کے غائب ہو گیا۔ طبری کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ یزدگرد کی موت گھوڑے کی دولتی سے ہوئی۔[۲]

نولدکی نے لکھا ہے کہ یہ قصہ بعد میں اس غرض سے گھڑا گیا کہ بادشاہ کے مرنے کی اصل وجہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ بات دراصل یہ تھی کہ امرا اس سے نفرت کرتے تھے اور کسی دور دراز مقام میں اس کی اقامت کو غنیمت سمجھ کر بے فکر اور مطمئن ہو گئے۔[۳]

سیرت و کردار

یزدگرد کی سیرت کے متعلق ایرانی اور رومی نقطۂ نظر میں بڑا فرق ہے۔ یورپی مؤرخین اسے جواں مرد' نیک دل' نیکوکار اور بامروت بادشاہ سمجھتے ہیں۔ ایرانیوں کے نزدیک اس کا لقب گنہ گار رہا جس کی وجوہ اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ بہرحال تاریخی واقعات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ثابت قدم اور مصمم ارادے کا بادشاہ تھا۔ اس نے جس صورت سے قیصر روم ارکیڈیس کی وصیت پر اس کے بیٹے کی تربیت کی۔ یہ اس کے راسخ ارادے کا ثبوت ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ تو مروت سے پیش آتا ہی تھا' یہودیوں سے بھی اس نے رواداری برتی' یہ اس کی وسیع مشربی کی دلیل ہے۔ وہ متکبر بھی تھا۔ اسے شاہی اقتدار کی حفاظت کی خاطر بعض نافرمان امرا پر دست ظلم بھی دراز کرنا پڑا۔ طبری لکھتے ہیں کہ یزدگرد کے جانشین بہرام گور نے اپنی تخت نشینی کے وقت لوگوں سے جو

---

(۱) فردوسی نے بھی اس واقعے کو نظم کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ گھوڑا ایک چشمۂ سبز رنگ سے نمودار ہوا اور اسی چشمے میں غائب ہو گیا۔

چو او کشتہ شد اسپ آبی چو گرد ... بیامد بدان چشمۂ لاجورد

بآب اندرون سد تنش ناپدید ... کس اندر جہان آن شگفتی ندید

(۲) تاریخ طبری' ڈاکٹر جواد مشکور' ص ۱۱۶

(۳) نولدکی' ترجمہ طبری' ص ۷۷

خطاب کیا' اس میں کہا تھا کہ میرے باپ نے اپنے عہد سلطنت کے شروع میں انصاف اور مہربانی کا رویہ اختیار کیا لیکن اس کی رعایا نے یا بعض لوگوں نے اس کی قدر نہ پہچانی اور نافرمانی کرنے لگے' اس لیے ناچار اس نے سختی اختیار کی اور لوگوں کا خون بہایا۔

یزدگرد کی اولاد

یزدگرد نے تین بیٹے چھوڑے جن کے نام شاپور' بہرام اور نرسی ہیں۔ شاپور کو یزدگرد نے آرمینیا کا حکم ران مقرر کیا تھا۔ بہرام ریاستِ حیرہ کے عرب حکم ران کے ہاں' جو ایران کا باج گزار تھا' پرورش پا رہا تھا۔ یہی وہ بہرام ہے جو تاریخ میں ''بہرامِ گور'' کے نام سے مشہور ہوا۔ پیشتر اس کے کہ اگلے باب میں بہرام گور کے عہد کے واقعات لکھے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ریاستِ حیرہ اور اس کے حکم ران کے ہاں بہرام کی پرورش کے بارے میں قدما کا بیان اختصار سے درج کر دیا جائے۔[1]

ریاستِ حیرہ

حیرہ ایک قدیم شہر ہے جو کوفے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ شاپور اعظم نے اپنے زمانے میں اس ریاست کا حکم ران عمرو بن امرا القیس کو بنایا تھا۔ عمرو فوت ہوا تو وہاں کی حکومت شاپور کے بھائی نے امرا القیس کو سونپی۔ بہرام بن شاپور کے زمانے میں امرا القیس بنا اور بہرام نے اس کی جانشینی تسلیم کر لی۔

بہرام گور صحرائے عرب میں

یزدگرد چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے بہرام کو سرزمین عرب میں بھیج دے تاکہ اس کی پرورش صحرا میں ہو۔ اس نے نعمان بن امرا القیس کو اپنے ہاں بلایا اور اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور خواہش کی کہ بہرام کو اپنی ریاست میں لے جا کر اس کی پرورش کرے۔ نعمان نے اس خدمت کو اپنے لیے فخر کا سبب سمجھا اور شاہی تزک و احتشام کے ساتھ بہرام کو نعمان کے ساتھ بھیج دیا گیا۔

نعمان نے بہرام کی پرورش کے لیے تین دائیاں مقرر کیں۔ ایک وہ ایران سے ہم راہ لایا تھا اور دو عرب سے منتخب کی گئی تھیں۔ نعمان کی پرورش حیرہ کی آب و ہوا میں ہونے لگی جس کا صفائی اور پاکیزگی میں جواب نہ تھا۔ نعمان نے اب یہ بھی چاہا کہ شہزادے کی پرورش صحرا کی کھلی

---

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۱۰-۱۱۱

فضا میں کی جائے اور اس لیے صحرا میں؛ ایک بلند و بالا محل تیار کرایا جائے۔ چناں چہ سنمار نامی ایک رومی فنکار کا، جس کا شام و عراق میں کوئی ثانی نہ تھا، محل بنانے کے لیے انتخاب کیا گیا۔ سنمار نے پانچ سال کے عرصے میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کر دیا۔ اس میں ایک گنبد نما قلعہ تھا جس کے اِرد گرد بلند دیواریں تھیں۔ یہ وہی محل تھا جو خورنق کے نام سے مشہور ہوا۔ نعمان محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ معمار کی تعریف و توصیف کی اور انعام و اکرام سے نوازا۔

اس محل کے ساتھ ایک نہایت گھناؤنی یاد بھی وابستہ ہے؛ معمار نے اپنی تعریف و توصیف سن کر اور خلاف توقع انعام پا کر کہا ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری محنت رائگاں نہیں جائے گی تو ایسا محل تیار کرتا ہے کہ رات ہوتی تو یہ اندر سے چاند کی طرح چمکتا، صبح ہوتی تو یہاں طلوع سحر کا سماں ہوتا۔ جوں جوں آفتاب بلند ہوتا اس کی رنگت بھی ویسی ہی ہوتی جاتی، یہاں تک کہ شام کے وقت اس میں شفق کا سہانا منظر دکھائی دیتا''۔ نعمان نے سنا تو سخت برافروختہ ہوا اور بولا ''تم اس سے بھی زیادہ خوب صورت محل تیار کر سکتے تھے تو کیوں تیار نہ کیا۔ وہ کون سا حکم ران ہے جس کے لیے تم ایسا محل تعمیر کرو گے؟۔'' چناں چہ حکم دیا کہ اسے محل کی سب سے اونچی چھت پر سے گرا دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور یہ فن کار ہلاک ہو گیا۔ ہلاکتِ سنمار نے عرب میں ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی۔ جب کسی کی محنت رائگاں جاتی ہے یا محنت کا صلہ خاطر خواہ نہیں ملتا تو اسے جزائے سنمار کہتے ہیں:

جزانی جز اللہ شر جزائہٗ

جزا سنمار و ما کان ذا ذنب

نعمان فوت ہوا تو یزدگرد نے اس کے بیٹے منذر بن نعمان کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ منذر، بہرام کا ہم عمر تھا اور دونوں نے ایک ساتھ پرورش پائی تھی۔

بہرام کی خواہش پر اسے علم سکھانے کے لیے عرب و ایران کے علما بلائے گئے اور پندرہ سال تک تعلیم پا کر اس نے مختلف علوم میں دسترس حاصل کر لی پھر شہ سواری اور شکار کا فن سیکھا۔ ایک بہترین عربی نسل کا گھوڑا اس کے لیے مخصوص کر دیا گیا جس پر اکثر وہ شکار کے دوران سواری کرتا تھا۔[1]

بہرام کے شکار کے کئی واقعات تذکروں میں ملتے ہیں؛ طبری لکھتے ہیں: ''ایک دن بہرام اور منذر سپاہ عرب کے ساتھ شکار کو گئے۔ دور سے دیکھا کہ ایک گورخر ڈر کر بھاگ رہا ہے،

(۱) تاریخ طبری، تاریخ بلعمی، ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ۱۱۱-۱۱۲

ایک شیر اس کا پیچھا کر رہا ہے' جس نے آ کر اسے دبوچ لیا- بہرام اور منذر نے ان کا پیچھا کیا- بہرام نے نشانہ باندھ کر تیر چلایا تو یہ تیر شیر کی پشت میں سے گزر کر گورخر کی پشت میں جا گھسا اور اس کے پیٹ سے نکل کر زمین پر آ پڑا اور دونوں جانور گر کر ہلاک ہو گئے- منذر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور حکم دیا کہ شکار کے اس منظر کی تصویر خورنق کی دیوار پر بنائی جائے-'' چناں چہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی- گورخروں کا شکار بہرام کا خاص مشغلہ تھا جس کی وجہ سے وہ بہرام گور کے نام سے مشہور ہوا-

بہرام پنجم یا بہرام گور

(۴۲۰ء تا ۴۴۰ء)

یزدگرد فوت ہوا تو اس کے تین بیٹے تھے جو تخت و تاج کے وارث ہو سکتے تھے- ایک شاپور تھا' اسے یزدگرد نے ایرانی آرمینیا کا حکم ران بنایا تھا' دوسرا بہرام تھا جو حیرہ میں مقیم تھا اور جو نابالغ تھا-

یزدگرد کی زندگی میں امراے سلطنت اس سے سخت ناراض تھی- ان کا خیال تھا کہ خدا نے انھیں ایک ظالم بادشاہ کے استبداد سے نجات دلا دی ہے- اس لیے وہ کسی ایسے شہزادے کو تخت و تاج سپرد کرنا' جو اس کے نقش قدم پر چلنے والا ہو' سخت حماقت سمجھتے تھے- بہرام کے متعلق ان کا خیال تھا کہ اس کی پرورش صحراے عرب میں ہوئی ہے اس لیے اس کا اخلاق عربوں کا سا ہو گیا- شاپور اقتدار پسند شخص ہے کیوں کہ وہ باپ کی خبر سنتے ہی آرمینیا کی حکومت چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہے- نرسی ابھی نابالغ ہے اور یوں بھی وہ یزدگرد کے کسی بیٹے کو ایران کی قسمت کا مالک نہیں بنانا چاہتے تھے-

خسرو کی تخت نشینی

تخت نشینی کے اہم مسئلے پر غور کرنے کے لیے تمام امراے سلطنت مدائن میں جمع ہوے- آخر سب نے یزدگرد کے بیٹوں کو نظر انداز کر کے شاہی خاندان کے ایک فرد خسرو کا انتخاب کیا اور اس کی اطاعت کا حلف اٹھا کر اسے تخت نشیں کر دیا-

بہرام کی کامیابی

بہرام ایک بہادر شخص تھا- اسے عربوں کی حمایت حاصل تھی- وہ بن لڑے اپنے حق سے محروم نہ ہونا چاہتا تھا- منذر نے بہرام کے لیے عرب لشکر منظم کیا- خود بھی اس کا ساتھ دیا- یہ

جمعیت مدائن کی طرف بڑھی- عرب و عجم کی فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں بہرام نے فتح پائی اور بزور شمشیر اپنی وراثت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا- بہرام کے تخت و تاج حاصل کرنے کے متعلق ایرانی روایت مندرجہ ذیل ہے:

''بہرام' خسرو کی تخت نشینی کی خبر سن کر سخت رنجیدہ ہوا اور منذر کے ہم راہ اس کی دس ہزار عرب فوج کو ساتھ لے کر مدائن پر حملہ کرنے کے لیے آیا- مدائن کے قریب آ کر اس نے خیمے ڈالے- یہاں سے اس نے ایلچی بھیج کر یہ ظاہر کرنا چاہا کہ میں حملہ کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں کیوں کہ ایرانی میرے بھائی بند ہیں- مجھے یہ گوارا نہیں کہ ایران کی سرزمین کو میدانِ جنگ بناؤں اور ایرانیوں کا خون بہاؤں- میں اپنا حق حاصل کرنے آیا ہوں اور اس حق سے کسی صورت میں دست بردار نہیں ہوں گا- اگر آپ اپنی رضامندی سے میرا حق مجھے دے دیں تو میں شکر گزار ہوں گا اور عدل و انصاف کو زندگی کا شعار بنا کر حکومت کروں گا اور حق شناسی کو کبھی فراموش نہ کروں گا- میں یہ اندیشہ آپ کے دلوں سے نکالنے کے لیے آیا ہوں کہ میں بھی اپنے باپ کا سا رویہ اختیار کروں گا- لیکن اگر ان باتوں کے باوجود آپ میری مخالفت پر اڑے رہے اور میرا حق مجھے دینے سے گریز کیا تو لشکر کشی کروں گا اور تم وہ دیکھو گے جو آج تک تم نے کبھی نہیں دیکھا-''[1]

ایلچی کی آمد پر امرائے سلطنت جمع ہوئے اور بہرام کے پیغام پر غور کرتے رہے- آخر ایلچی کے ہاتھ یہ جواب بھیجا کہ آج ہماری مجلس برخاست ہوتی ہے' ہم خود ہی اس کا جواب کل بھیج دیں گے- بہرام کا یہ پیغام سن کر ایرانی امرا میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا- اب کچھ امرا بہرام کے حق میں ہو گئے اور اسے تخت و تاج دلانا چاہا-

دوسرے دن' پیش تر اس کے کہ امرا کی طرف سے کوئی جواب موصول ہوتا' بہرام خود مدائن آیا اور ایرانی امرا کو خطاب کر کے کہا کہ حکومت پر اُس شخص کا حق ہے جو حسب نسب کے لحاظ سے اس کا حق دار ہو اور بہادر بھی ہو- آپ جانتے ہیں کہ حسب نسب کے اعتبار سے میرا حق اُس شخص پر فائق ہے جس کو آپ نے مجھ پر ترجیح دی ہے اور جہاں تک بہادری کا تعلق ہے' اس کے لیے امتحان کر لیا جائے- ایرانی تاج دو شیروں کے درمیان رکھ دو' ہم میں سے جو تاج کو اٹھا کر لے جائے' ایران کی حکومت اسی کے سپرد کر دی جائے- بہرام کی تجویز کو امرا نے منظور کر لیا اور بہت بڑے کٹہرے کے درمیان تاج شاہی رکھ کر دو بھوکے شیر زنجیریں باندھ کر چھوڑ دیے گئے-

(۱) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۶۲

بہرام نے خسرو کو خطاب کر کے کہا ''تم ایرانی تاج کے حق دار بننا چاہو تو پہل کرو-'' خسرو نے شیروں کے درمیان تاج شاہی پڑا دیکھا تو کہا کہ تاج وہ اٹھائے جو تاج پر اپنا حق جتانے آیا ہے- اور پھر میں بوڑھا ہوں اور تم جوان ہو' جوان کو چاہیے کہ پیش دستی کرے-(۱)

یہ سن کر بہرام کٹہرے کے اندر داخل ہوا- ایک شیر اس کی طرف بڑھا تو اس نے اپنا گرز شیر کے سر پر مارا اور وہ چوٹ کھا کر دور ہٹ گیا- اتنے میں دوسرا شیر آگے آیا تو شمشیر کا وار کر کے اسے بھی ڈھیر کر دیا- داد و تحسین کے نعرے بلند ہوئے- تالیوں کی آواز سے آسمان گونج اٹھا- نعرے ابھی بلند ہو رہے تھے کہ امرائے سلطنت نے تاج اٹھا کر بہرام کے سر پر رکھ دیا- سب سے پہلے جس شخص نے اطاعت کا اظہار کیا- وہ خسرو تھا(۲)'' اس کے بعد تمام امرا نے وفاداری کا حلف اٹھایا-

یہ قصہ غالباً اس حقیقت کو چھپانے کے لیے گھڑا گیا ہے کہ چند ہزار عرب فوج نے ایران کے امرائے کبار کے فیصلے کو الٹ کر رکھ دیا اور انھیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو بادشاہ تسلیم کر لیں جسے وہ رد کر چکے تھے-(۳)

روم کے خلاف بہرام گور کی مہم

پہلے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ یزدگرد نے عیسائیت ترک کر کے دوبارہ اپنا قدیمی مذہب اختیار کر لیا تھا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی' بادشاہ کی حمایت سے محروم ہو گئے اور آتش پرست موبدوں کو عیسائیوں پر ظلم و ستم کرنے کا بھی موقع مل گیا- اس سے عیسائی کثیر تعداد میں ملک

---

(۱) فردوسی:

چو خسرو بدید آن دو شیر ژیان	نہادہ یکی افسر اندر میان
بدان موبدان گفت راج از نخست	مرآنرا سزا تر کہ شاہی بجست
و دیگر کہ من پیرم و او جوان	بچنگال شیر ژیان ناتوان
بدین کارگر پیش دستی کند	ببر نائی و تندرستی کند
بدو گفت بہرام آری رواست	نہائی ندرایم گفتار راست
ہم آورد این نرہ شیران منم	خریدار جنگ دلیران منم

(۲) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۶۳-۲۶۴

(۳) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال' ص ۳۶۲

سے ہجرت کر کے روم چلے گئے- بہرام نے حکومت سنبھالی تو ہجرت کا سلسلہ جاری تھا- اس نے مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن قیصر روم تھیوڈوسیس انھیں واپس بھیجنے کو تیار نہ تھا- اس پر بہرام نے روم کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا- اتنے میں رومی لشکر دریائے دجلہ کو عبور کر کے ارزانین پہنچ گیا- یہ ان پانچ صوبوں میں سے ایک تھا جو ڈیوکلیس نے نرسی کے ہاتھوں سے چھینے تھے' پھر شاپور نے انھیں واپس لیا تھا- رومیوں نے اس صوبے میں بڑی تباہی مچائی- روم کے فوجی جرنیل اردابوریس نے' جو آلانی قبائل سے تعلق رکھتا تھا' بین النہرین کا رخ کیا اور نصیبین کا محاصرہ کرلیا- بہرام نے ایرانی لشکر کی کمان مہر نرسی کے سپرد کی تھی جو اپنا حسب نسب داریوشِ اعظم سے ملاتا تھا- رومی قلعۂ نصیبین کو فتح نہ کر سکے- اتنے میں بہرام خود بھی لشکر لیے ہوئے موقع پر پہنچ گیا- رومی جرنیل کو بہرام کے آنے کی خبر ملی تو محاصرے کا تمام ساز و سامان نذرِ آتش کر کے پسپا ہو گیا-

رومیوں کی پسپائی کے بعد بہرام نے ارزروم کا رخ کیا جو رومی آرمینیا کا مشہور شہر تھا- بہرام نے ارزروم کا محاصرہ کرلیا- محاصرہ تیس دن تک جاری رہا لیکن شہر مسخر نہ ہو سکا- اب بہرام اور رومی جرنیل اس بات پر رضامند ہو گئے کہ دونوں طرف سے دو نوجوان دست بدست لڑائی کریں- جس بادشاہ کا نوجوان فتح پالے' اسے فتح یاب سمجھا جائے- آخر اطراف کے دو جوان مقابلے کے لیے آگے بڑھے- دست بدست لڑائی میں رومی نوجوان نے ایرانی کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا اور پھر کمند کے ذریعے اس پر قابو پا کر اسے ہلاک کر دیا- بہرام نے رومیوں کی فتح کو تسلیم کرلیا- اس عرصے میں اردابوریس ایک ایرانی لشکر کا قلع قمع میں کام یاب ہو چکا تھا- بہرام کے عرب حلیفوں کو بھی لڑائی میں کافی نقصان اٹھانا پڑا تھا- اس لیے بہرام صلح کے لیے آمادہ ہو گیا- رومی بھی لڑائی جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے اپنا سفیر بہرام کے پاس بھیجا-[1]

صد سالہ صلح کا معاہدہ

۴۲۱ء میں ایران و روم کے مابین صد سالہ صلح کا معاہدہ ہو گیا- اس معاہدے کی رو سے ایرانیوں نے عیسائیوں کی آزادی کو تسلیم کرلیا اور جو عیسائی روم جانا چاہتے تھے' انھیں جانے کی اجازت مل گئی- بہرام نے رومیوں کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ عیسائیوں کا تحفظ کرے گا اور انھیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دے گا- اُدھر قیصرِ روم نے یقین دلایا کہ زرتشت کے پیرو کار رومی سلطنت میں امن و امان سے رہ سکیں گے- اس کے علاوہ رومیوں نے یہ شرط بھی مان لی کہ قفقاز کے دروں

(۱) حسن پیرنیا' ایران قدیم' ص ۱۲۹

کی حفاظت اور قبائل کی یلغاروں کی روک تھام کے لیے جو مالی امداد وہ پہلے دیا کرتے تھے' اب پھر ادا کیا کریں گے۔

مشرقی چرچ کی آزادی

سلطنت ایران میں جو عیسائیوں پر مظالم ہوے تھے' اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی چرچ مغربی چرچ کے زیر اثر تھا۔ ایرانی عیسائیوں کی وفاداریاں اس لیے بھی مشکوک سمجھی جاتی تھیں کہ وہ مغربی چرچ کے ماتحت تھے۔ اب ان کی آنکھیں کھلیں اور احساس ہو گیا کہ انھیں مغربی چرچ کی ماتحتی سے آزاد ہونا چاہیے۔ چناں چہ مشرقی چرچ کے لیے الگ ایک بشپ مقرر ہوا جو مغربی بشپ سے بالکل آزاد تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ایرانی عیسائی ہر قسم کی دست درازی سے محفوظ ہو گئے۔

ایرانی آرمینیا کا سلطنت ایران میں شمول

بہرام گور کا بھائی شاپور' جو ایرانی آرمینیا کا حکم ران تھا اور حکومت ایران کو خراج ادا کیا کرتا تھا' فوت ہو گیا۔ اس کے بعد امراے آرمینیا نے ایک شخص اردشیر کو' جو اشکانی خاندان کا فرد تھا' وہاں کا بادشاہ بنایا۔ اسے بہرام نے تسلیم کر لیا۔ اردشیر نے دس سال تک حکومت کی لیکن امرا اس کے طرز حکومت سے مطمئن نہ تھے اس لیے انھوں نے بہرام سے استدعا کی کہ کسی ایرانی کو ایرانی آرمینیا کا بادشاہ مقرر کیا جائے' چناں چہ ان کی خواہش کے مطابق بہرام نے امراے سلطنت میں سے ایک شخص مہر شاپور کو وہاں کا حکم ران بنا دیا اور ایرانی آرمینیا کو مملکت ایران کا جزو بنا لیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خود آرمینیا ہی کے امرا کی کوتاہ اندیشی سے ایرانی آرمینیا کی رہی سہی آزادی بھی ختم ہو گئی اور ایرانی آرمینیا کی حیثیت ایران کے ایک صوبے کی ہو کر رہ گئی۔

سفید ہنوں کی یلغار

بہرام گور[1] کے زمانے میں بلخ اور شمال مشرقی علاقوں کے قبائل نے' جنھیں سفید ہن کہا جاتا تھا' ایران کا رخ کیا۔ ان کی آمد کی خبر پورے ایران میں پھیل گئی۔ بہرام اس بلاے ناگہانی کی خبر سے سخت ہراساں ہوا اور بجاے اس کہ وہ ہنوں کے ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک کے طول و عرض سے فوج فراہم کرتا' وہ آذربائیجان کی طرف شکار کو جانے لگا

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۲۱' ۱۲۲

تیاریاں کرنے لگا- امرا کو اس بات پر اصرار تھا کہ بادشاہ شکار کا ارادہ ترک کرے اور پایۂ تخت میں موجود رہے تاکہ ہنوں کے خطرے کا سدِ باب کرنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جاسکیں، لیکن اس نے ایک نہ مانی اور شکار کی تیاری کا اہتمام ہونے لگا- ایسے وقت میں جب ملک ایک ناگہانی خطرے سے دوچار ہو' بادشاہ کا تفریح کے لیے شکار کو چلے جانا کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا- امرا یہ سمجھتے تھے کہ بہرام بزدل ہے اور ہنوں کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتا- آخر شکار کے بہانے فرار کی تدبیر سوچی ہے- اس لیے وہ لاچار اس بات پر تیار ہو گئے کہ ہنوں کو تحفے تحائف پیش کریں اور خراج ادا کرنے کے وعدے پر ان سے مصالحت کرلیں-

بہرام کا مصمم ارادہ تھا- چناں چہ اس نے اپنے بھائی نرسی کو نائب السلطنت مقرر کیا اور تین ہزار سوار ساتھ لے کر کوہ البرز کی طرف روانہ ہوا- وہاں پہنچ کر اس نے پہاڑی اقوام کا لشکر فراہم کرنا شروع کیا اور اپنے اقدامات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی- وہ اصل میں یہ چاہتا تھا کہ ملک کی بہترین فوج جمع کر کے اچانک ہنوں کی جمعیت پر ٹوٹ پڑے- ادھر ہنوں کے امیر کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ بہرام' حکومت نرسی کے سپرد کر کے خود فرار ہو گیا ہے- ادھر بہرام نے سوچی سمجھی ہوئی تدبیر کے ماتحت عین اُس وقت ہنوں پر شب خون مارا جب کہ وہ گروہ در گروہ یلغار کرتے ہوئے مملکت ایران میں داخل ہو رہے تھے- بہرام کا شب خون اس قدر کامیاب ہوا کہ ہن قبائل کا خان' جو خاقان کہلاتا تھا اور اس کے کئی معتمد سردار ہلاک ہو گئے- خان کی ملکہ اسیر ہو گئی اور بہت سا مال غنیمت ایرانی لشکر کے ہاتھ لگا- مال غنیمت میں اور گراں مایہ چیزوں کے ساتھ خاقان کا تاج بھی تھا' جس پر جواہرات جڑے تھے- "یہ تاج آذر گشنسپ کے آتش کدے میں اس فتح کی یادگار کے طور پر آویزاں کر دیا گیا- یہ آتش کدہ آذربائجان کے شہر شیز میں تھا-"(۱)

بہرام نے ہنوں کی پسپائی پر اکتفا نہ کی اور انھیں دریائے جیحوں سے پار کر کے دم لیا- انھیں اتنی عبرت ناک شکست ہوئی تھی کہ جب تک بہرام زندہ رہا' انھیں پھر ایران کی مملکت میں داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی-

سفید ہن قبائل

پیش تر اس کے کہ سفید ہن قبائل کی سرگزشت کو ختم کیا جائے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

---

(۱) [illegible] ایران [illegible]

ان کے متعلق مزید چند سطور لکھ دی جائیں جیسا کہ کسی باب میں ذکر آ چکا ہے' حضرت مسیح کی پیدائش سے ۱۶۳ سال پہلے جیحوں اور سیحوں دو دریاؤں کے مابین سکائی قبائل آباد تھے۔ چین کے یوچی قبائل ان پر حملہ آور ہوئے اور انھیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ سکائی قبائل وطن کو خیرباد کہہ کر بلخ آ گئے لیکن یہاں بھی انھیں چین نصیب نہ ہوا کیوں کہ یوچی قبائل نے ان کا یہاں بھی پیچھا کیا اور ۱۳۹ ق م میں انھیں بلخ سے بھی نکال باہر کیا۔ پھر یوچی قبائل کی ایک شاخ کوشان نے' جو دوسروں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھی' دوسرے قبائل کو اپنا مطیع کر کے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی' جو ان کے نام کی مناسبت سے حکومت کوشان کہلائی۔ رومیوں کو خیال تھا کہ ایران کے قریب ہی چینی قبائل کی ایک طاقت ور حکومت قائم ہوئی ہے اور اگر ایران پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہو تو ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس خیال سے رومیوں نے حکومت کوشان سے دوستانہ روابط قائم کر لیے۔ انھی قبائل نے پانچویں صدی کے اوائل' یعنی بہرام گور کے عہد میں دریائے جیحوں کو عبور کیا اور پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے ایران میں وارد ہوئے' لیکن بری طرح شکست کھائی' جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ یہ قبائل یوچی قبائل کے قرابت دار تھے جو مختلف ناموں سے موسوم ہوئے۔ اہل چین انھیں یزا (Yetha) اور رومی ہفتالی کہتے تھے۔ ایرانی مؤرخ انھیں ہیتالی لکھتے ہیں۔ ان ہی کو سفید ہن بھی کہا جاتا ہے۔

ایران و ہند کے روابط

کہا جاتا ہے کہ بہرام گور نے ہند پر بھی فوج کشی کی تھی۔ لیکن ہند کا مہاراجا شنگلت اس وجہ سے بہرام کا شکر گزار تھا کہ اس نے ایک مشترکہ دشمن یعنی ہن قبائل کے ٹڈی دل کو ایران کی سرحدوں سے لوٹا کر ایران کو تو بچایا لیکن اس سے ہند بھی محفوظ ہو گیا[۱]۔ اس احسان مندی کے خیال سے شنگلت نے ایرانی لشکر کا خیر مقدم کیا اور مکران اور ایران کی سرحد سے ملتے ہوئے کئی علاقے حکومت ایران کے سپرد کر دیے۔ ثعالبی تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ شنگلت نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی تھی۔[۲]

سائیکس لکھتے ہیں کہ بہرام کی ہند پر فوج کشی کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی لیکن ثعالبی کے اس قول سے انھیں اتفاق ہے کہ بہرام کی خواہش کے مطابق مہاراجا شنگلت نے چار

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۲۵

(۲) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۶۹

ہزار (بقول سائیکس بارہ ہزار) سازندے اور خوش الحان موسیقار دربار ایران میں بھیجے تھے جنھیں بہرام نے ایران کے مختلف علاقوں میں بسایا- سیاہ پوست لوری ان ہی کی نسل سے ہیں- اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایران اور ھند کے روابط بہرام گور کے زمانے میں بھی تھے-[1]

بہرام کے خصائل

بہرام نے روم کے خلاف جنگ کی؛ اگرچہ اس کی مہم ناکام رہی لیکن اس نے اپنے حریف کے ساتھ آبرومندانہ شرائط پر صلح کی- آرمینیا کا قضیہ' جو حکومت ایران کے لیے ہمیشہ سے دردسر بنا ہوا تھا' بہرام نے ختم کیا- ہن قبائل کو جس کامیابی سے زیر کیا وہ اس کے تدبر کی شان دار مثال ہے- وہ اپنے شکار کی وجہ سے مشہور ہے- اس کی رومانی داستانیں فارسی ادب کا سرمایہ ہیں- رومان پرور زندگی کے باوجود وہ اہم ملکی مسائل سے غافل نہ رہا- اس کی طبیعت کی رنگارنگی کی وجہ سے اس کے خصائل کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا جائے گا-

بہرام ایک شکاری کی حیثیت سے

بہرام شکار کا دل دادہ تھا- اس کا اکثر فارغ وقت شکار ہی میں گزرتا تھا- اس کے شکار کے متعلق متعدد داستانیں مشہور ہیں' طبری کے حوالے سے اس کے شکار کی ایک داستان لکھی جا چکی ہے کہ کس طرح اس نے گورخر کا پیچھا کرنے والے شیر پر تیر چلایا اور اس کے تیر نے دونوں کا خاتمہ کر دیا اور اس حیرت انگیز منظر کی تصویر حیرہ کے محل خورنق کی دیوار پر بنائی گئی-

ثعالبی اس کے شکار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایک دن بہرام نے چاہا کہ شکار اور شکار کے لوازم سے حظ اٹھائے- چناں چہ شکار کے سامان مہیا کیے گئے- ان میں ایک مشکیزۂ شراب اور طلائی جام بھی تھا- بہرام ایک اونٹنی پر سوار ہوا- ایک رباب بجانے والی عورت آزادوار (آزادہ) بھی اس کے ہم رکاب تھی- یہ دلآرام رباب بجاتی اور بہرام شکار کا پیچھا کرتا تھا- جب ہرنوں کا ایک دستہ سامنے سے گزرا تو اس نے آزادہ سے پوچھا: ''بتاؤ کون سا ہرن گراؤں؟'' اس نے جواب دیا: ''میں چاہتی ہوں کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ نر ہرن' مادہ ہرن کی شکل میں نظر آئے اور مادہ ہرن' نر ہرن کی شکل میں-'' بہرام بولا: بہت مشکل کام کی فرمائش کی ہے تو نے'' بہرحال

---

(۱) اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۲۳۴

(۲) [illegible] ص ۲۵۸

اس نے ہلالی پیکان والا تیر چلایا اور ہرن کے دونوں سینگ زمین پر آ رہے[2] گویا نر ہرن اس وقت مادہ ہرن کی صورت میں نظر آنے لگا- اسی وقت ایک مادہ ہرن کا نشانہ کیا اور دو تیر اس طرح مارے کہ دو سینگوں کی طرح اس کے سر کی کھوپڑی میں سے جا نکلے اور وہ مادہ' نر کی صورت میں نظر آئی- آزادہ نے اس کے نشانے کی تعریف کی اور کہا: اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ تیر سے مادہ ہرن کے سر اور پیر کو پرو دیں-'' بہرام اس کی پیا پے فرمایشوں سے برہم ہوا لیکن بہرحال اس نے مادہ ہرن کے سر پر نشانہ مارا- جونہی ہرن نے اپنا پاؤں سر کی طرف بڑھایا تو ایک اور تیر اس طرح مارا کہ اس کے سر اور پاؤں کو ایک ہی وار میں پرو دیا[1]- لیلن گراڈ میں ہرمیتاژ کے عجائب خانے میں ایک چاندی کا پیالہ ہے جس میں اس منظر کو منقش کیا گیا ہے- ثعالبی نے بہرام کی مہارت کے ساتھ ساتھ ایک تلخ روایت یہ بھی رقم کی ہے کہ بہرام نے آزادہ کو غصے کی حالت میں اونٹ سے نیچے دے مارا اور کہا: ''تم نے یہ عجیب وغریب فرمایشیں اس لیے کی تھیں کہ میں تیر اندازی میں ناکام رہوں-'' آزادہ سخت مجروح ہوئی- بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ وہیں ہلاک ہو گئی-

اس کی شکار پسندی کا اثر ادب و آرٹ پر بھی پڑا- شاعروں اور افسانہ نویسوں نے اس کے شکار کو موضوع بنا کر ادب کے سرمایے میں اضافہ کیا- دست کاروں نے چاندی اور تانبے کے برتنوں اور قالینوں پر شکار کے مختلف مناظر کی تصویریں بنائیں' گویا حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ نازک خیالی کے لیے انھیں نیا موضوع ملا-

بہرام کا علم و فضل

بہرام نے عرب میں پرورش پائی تھی اس لیے عربی اس کی مادری زبان ہی کی طرح ہو گئی تھی- وہ پہلوی اور ترکی میں بھی بے تکلف گفت گو کرتا تھا- ان ملکوں کے سفیروں سے وہ ان ہی کی زبان میں بات چیت کرتا تھا-

بہرام کا شعر و سخن کی طرف میلان

بہرام نے' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' عربوں میں پرورش پائی تھی' جس کا اثر بہرام کے مذاق لطیف پر پڑا اور اس کی طبیعت شعر گوئی کی طرف بھی مائل ہوئی- عوفی لکھتے ہیں: ''عربی

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۶۲

میں ایک دیوان اس کی یادگار ہے۔ میں نے بخارا کے کتب خانہ سرپل میں اس کا عربی دیوان دیکھا تھا اور اس میں سے چند شعر نقل بھی کر لیے تھے۔"(۱) عوفی نے لباب الالباب میں بہرام کے بعض شعروں کا اقتباس بھی دیا ہے۔ بہرام کی زبان پر کبھی کبھی فارسی کے مصرعے بھی موزوں ہو جاتے تھے۔ چناں چہ عوفی لکھتے ہیں:

وقتی آں بادشاہ در مقام نشاط و موقف انبساط این چند کلمہ موزوں بلفظ راند۔

منم آں شیر گلہ' منم آں پیل یلہ

نام بہرام مرا و کنیت بو جبلہ

عوفی نے اس قسم کے اشعار کو کلماتِ موزوں کہا ہے۔ اکثر تذکرہ نویس اس شعر کو بہرام گور ہی سے متعلق سمجھتے ہیں اور ان سب کا مآخذ عوفی ہی ہے۔

بہرام کی رومانی زندگی

بہرام کی رومانی داستانیں بعض تذکرہ نویسوں نے لکھی ہیں۔ اسی قسم کی داستان نظامی گنجوی نے اپنی مشہور مثنوی "ہفت پیکر" میں نظم کی ہے۔ نظامی لکھتے ہیں کہ ان داستانوں کا ماخذ طبری ہیں۔ مثنوی کا تعارف اس طرح ہوا ہے: "ایک دن بہرام نے نعمان کے شاہی محل خورنق کے ایک پوشیدہ ایوان میں سات تصویریں دیکھیں جو ہفت اقلیم کی سات شہزادیوں کی تھیں۔ بہرام ان تصویروں پر فدا ہو گیا اور جوں ہی ایران کی حکومت اسے ملی اس نے ہفت اقلیم کے بادشاہوں کی شہزادیوں کا رشتہ مانگا' جن کی وہ تصویریں تھیں اور انھیں حاصل کرنے میں کام یاب ہوا۔"(۲)

زراعت و تعمیرات

بہرام زراعت کو ملکی خوش حالی کا سب سے بڑا وسیلہ سمجھتا تھا اس لیے کھیتی باڑی کی طرف اس نے خاص توجہ دی۔ کاشت کاروں کو مراعات دیں اور آب پاشی کے لیے قناتیں کھدوائیں۔

فارس کے ضلع اردشیر خورہ اور ضلع شاپور میں جہاں اس کی بڑی بڑی جاگیریں تھیں' اس نے محل تعمیر کرائے۔ ایک آتش کدہ بھی بنوایا جس کا نام اس نے مہر نرسیاں رکھا۔ موضع آبرواں کے نزدیک' جو ضلع اردشیر خورہ میں تھا اور جہاں وہ پیدا ہوا تھا' اس نے چار گاؤں بسائے

(۱) لباب الالباب' سعید نفیسی' ص ۲۱

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۲۵

اوران میں آتش کدے بنوائے- ایک گاؤں اس کے اپنے لیے تھا اور تین گاؤں اس کے بیٹوں کے لیے- اس نے تین باغ بھی لگوائے؛ ایک کھجوروں کا' ایک زیتون کا اور ایک سردوں کا' جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک ہزار درخت تھے- ہر باغ اس نے آتش کدے کے نام وقف کیا ہوا تھا-[1]

شیراز سے داراب گرد اور بندر عباس کی طرف جائیں تو راستے میں ایک قدیم محل کے آثار نمایاں ہیں- یہ محل ''سروستان'' کے نام سے موسوم ہے-

بہرام کی وفات

بہرام ۴۴۰ء میں فوت ہوا- طبری اس کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں: ''ایک دن بہرام شکار کو گیا ہوا تھا- دور سے ہرن نظر آیا' بہرام نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا- راستے میں ایک بہت پرانا کنواں تھا- بہرام اچانک گھوڑے سمیت کنویں میں گر پڑا- گھوڑا تو سپاہیوں نے باہر نکال لیا لیکن بہرام کا کہیں پتا نہ چلا''[2] فردوسی نے شاہ نامہ میں اس کی موت کو طبعی ہی بتایا ہے- ممکن ہے 'گور' جو بہرام کا لقب تھا اور ''گور بمعنی قبر'' کے تلازمہ سے اس کی وفات کے واقعے کو یہ رنگ دیا گیا ہو- چناں چہ عمر خیام نے اپنی ذیل کی رباعی میں اسی تلازمہ کو پیش نظر رکھا ہے:

آن قصر کہ جمشید در و جام گرفت
آہو بچہ کرد و شیر روبہ آرام گرفت
بہرام کہ گور می گرفتی ھمہ عمر
دیدی کہ چگونہ گور بہرام گرفت

یزدگرد دوم

(۴۴۰ء تا ۴۵۷ء)

بہرامِ گور کی وفات پر اس کا بیٹا یزدگرد دوم ۴۴۰ء میں تخت نشین ہوا- اس میں نہ اپنے باپ کی سی شجاعانہ صفات تھیں' نہ اُس جیسا تدبر ہی تھا- چناں چہ اس نے تخت نشیں ہوتے ہی امرائے سلطنت سے جو خطاب کیا' اس میں اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ مجھ سے میرے باپ

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۲۶

(۲) ایضاً' ص ۱۲۷

کی سی بہادری کی توقع نہیں رکھ سکیں گے، لیکن حکومت کو چلانے کے لیے عقل و تدبر سے کام ضرور لوں گا- مذہبی روش اور نیک نیتی کو کسی حال میں نہ چھوڑوں گا- باپ کی طرح دیر دیر تک بیٹھ کر دربار نہیں کیا کروں گا بلکہ گوشے میں بیٹھ کر سلطنت کی بہبودی کی تدبیریں کیا کروں گا- کرسٹن سن [1] لکھتے ہیں کہ ایک سریانی کتاب میں اس تبدیلیِ حالات کا ذکر کیا گیا ہے- اس میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے سے دستور چلا آتا تھا کہ ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں حکومت کے عہدے داروں کو یہ اجازت تھی کہ بادشاہ کے حضور آ کر تمام بے اعتدالیوں اور بے قاعدگیوں کو، جو کہیں واقع ہوں، عرض کریں اور اس کا مداوا طلب کریں، لیکن یزدگرد نے اس دستور کو موقوف کر دیا-

یزدگرد کی مشکلات

یزدگرد دوم نے تخت و تاج سنبھالا تو اسے تین بڑے مسائل کا سامنا تھا: پہلا یہ کہ رومی مشترکہ طور پر ایرانیوں سے چھیڑ خانی کرتے رہتے تھے جو جنگ کا پیش خیمہ بن سکتی تھی- دوسرا یہ کہ ہن قبائل نے پھر ایران کی شمال مشرقی سرحد پر حملے شروع کر دیے تھے- تیسرا مسئلہ عیسائیوں کا تھا- عیسائی پادری بڑے جوش و خروش کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے جس سے عیسائی مذہب بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا، یزدگرد کو کسی صورت گوارا نہ تھا-

رومیوں سے جنگ

یزدگرد نے سب سے پہلے رومیوں کی طرف توجہ کی- رومیوں کے ساتھ اس کی جنگ ۴۴۲ء میں ہوئی لیکن کوئی بڑا واقعہ رونما نہ ہوا- قیصر روم تھیوڈوسیس بھی کسی بڑی جنگ کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے اس نے صلح کی پیش کش کی- صلح کے معاہدے کی رو سے یہ طے ہوا کہ ایران و روم کی مشترکہ سرحد پر کوئی حکومت قلعے نہیں بنائے گی ایک شرط یہ بھی طے ہوئی کہ ایران کی حکومت دربند میں، جو قبائلیوں کے آنے کا راستہ تھا، مستحکم چوکیاں بنائے گی اور اس کے اخراجات کا کچھ حصہ حکومتِ روم ادا کرے گی- چناں چہ حکومتِ ایران نے وہاں چوکیاں قائم کر لیں-

ہُن قبائل کی پیش قدمی اور پسپائی

مسئلہ روم سے فارغ ہو کر یزدگرد نے ہن قبائل کی طرف رجوع کیا اور انھیں شکست دی؛ یہاں تک کہ انھیں گرگان سے بھی، جہاں ان کی بود و باش تھی، مار بھگایا- جو علاقہ اس نے اس

---

(۱) [illegible]

مہم میں فتح کیا' وہاں ایک نیا شہر بسایا' جو ''شہرستانِ یزدگرد'' کے نام سے موسوم ہوا- یہاں وہ چند سال مقیم رہا کیوں کہ یہیں سے چل کر ہن غارت گری کیا کرتے تھے- اس کے بعد ہنوں کے کداری قبائل نے ایران کے مشرقی علاقے طالقان پر حملہ کیا- یہ قبائل بار بار پسپا ہوتے اور ہر بار پھر یلغار کرنے لگتے' یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۴۴۳ء سے ۴۵۱ء تک جاری رہا- یزدگرد کو ابتدائی کام یابی کے بعد کوئی اور نمایاں کام یابی حاصل نہ ہو سکی- بہر حال ان چپقلشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس نے اپنی سرحدوں کو محفوظ کر لیا-

عیسائیوں کی تبلیغ مذہب

عیسائیوں نے یزدگرد کے زمانے میں بڑے زور شور سے تبلیغِ مذہب کا کام شروع کیا اور آرمینیا کو اپنا مرکز بنایا' جس سے حکومتِ ایران اور موبدوں کو سخت تشویش ہوئی- حکومت کو اس وجہ سے اور بھی زیادہ تشویش لاحق ہوئی کہ عیسائی مبلغوں کو مشرقی روم کی حمایت حاصل تھی- ایرانی موبد اب حکومت سے یہ مطالبہ کرنے لگے تھے کہ آرمینیا کے جو زرتشتی عیسائی مبلغوں کے اثر میں آ کر عیسائیت قبول کر چکے ہیں' انھیں قدیمی مذہب پر لایا جائے اور یہ فیصلہ ہوا کہ یہ کام محبت او رشفقت سے کیا جائے- چناں چہ بادشاہ نے اپنے وزیر مہر نرسی کو اس غرض کے لیے آرمینیا بھیجا لیکن اسے کام یابی نہ ہوئی اور وہ لوٹ آیا-

ایرانی دارالحکومت طیسفون میں اب یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ جب تک آرمینیا میں عیسائیت کا زور رہے گا' ایران کا تسلط برقرار نہیں رہ سکے گا- آخر امرائے سلطنت اور موبدوں کے مشورے سے مہر نرسی نے بادشاہ کی طرف سے آرمینیا کے امرا کے نام فرمان جاری کیا- لازار فربی جو اس زمانے سے تقریباً نصف صدی بعد میں ہوا ہے- فرمان مذکور کو بالفاظ ذیل بیان کرتا ہے:

ہم نے اپنے مذہب کے اصول و قواعد' جو حقیقت پر مبنی اور مضبوط بنیاد پر قائم ہیں' لکھوا کر تم کو بھجوائے ہیں- ہماری خواہش ہے کہ تم' جو ملک کے حق میں اس قدر مفید ہو اور ہمیں عزیز ہو' ہمارے پاک اور سچے مذہب کو قبول کرو اور اپنے مذہب کو چھوڑ دو' جس کے متعلق ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ باطل اور بے فائدہ ہے- ہمارے اس فرمان پر توجہ کرو اور بطیبِ خاطر اور برضا و رغبت اس کی تعمیل کرو اور کسی اور قسم کے خیالات کو دل میں نہ آنے دو- ہم نے از راہِ موافقت تم کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اپنے موہوم مذہب کے اصول' جو اب تک تمھاری

خرابی کا موجب رہے ہیں، ہمیں لکھ کر بھیجو۔ اگر تم ہمارے ہم مذہب ہو جاؤ گے تو گرجستانی اور البانی اقوام ہرگز ہماری نافرمانی کی جرأت نہیں کریں گی۔"[1]

اس فرمان کے پیشِ نظر آرمینیا کے عیسائیوں کا ایک عام اجلاس ہوا جس میں طے ہوا کہ مراسلے کا جواب سختی سے دیا جائے۔ چناں چہ ایک گستاخانہ مراسلہ[2] یزدگرد کو بھیجا گیا جس کا مفہوم یہ تھا:

"ایک ایسا مذہب جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے سروپا ہے اور چند بے عقل آدمیوں کے اوہامِ باطلہ کا نتیجہ ہے اور جس کی تفاصیل آپ کے بعض جھوٹے اور مکار عالموں نے ہمیں پہنچائی ہیں، ہرگز اس قابل نہیں کہ انھیں سنایا یا پڑھا جا سکے۔ ہم ہرگز آپ لوگوں کی طرح عناصر اور سورج اور چاند اور آگ کی پرستش نہیں کرتے اور زمین اور آسمان پر آپ کے جتنے معبود ہیں، ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے بلکہ خدائے واحد و برحق کی عبادت کرتے ہیں جو زمین اور آسمان اور اُن تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، جو ان کے اندر ہیں..."

یزدگرد نے بعض ارمنی امرا اور شہزادوں کو، جو عیسائی مبلغوں کی حمایت میں پیش پیش تھے، اپنے ہاں بلا بھیجا۔ یہاں آ کر انھوں نے منافقت سے کام لیا اور عیسائی ہونے کے باوجود بادشاہ کو یقین دلایا کہ وہ زرتشتی مذہب کے پیرو ہیں۔ یہ اُس زمانے کا واقعہ ہے جب کہ یزدگرد ہنوں کی جنگ میں مصروف تھا۔ یزدگرد کو امرا کی باتوں کا یقین آ گیا اور ان کی وہ جاگیریں واپس کر دیں جن کی ضبطی کا بادشاہ نے حکم دیا تھا۔ صرف بعض شہزادے یرغمال کے طور پر رکھ لیے، اس کے بعد یزدگرد نے اپنے موبد تبلیغ کے لیے آرمینیا بھیجے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یزدگرد نے ہنوں کو شکست دے کر گرگان سے نکالا، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔

اس عرصے میں آرمینیا کے رؤسا حکومتِ ایران کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے اور پادری لوگوں کو کھلم کھلا مذہبی جنگ پر ابھارنے لگے۔ لیکن آرمینیا کے بعض سرداروں میں رقابت چلی آتی تھی جس کی وجہ سے وہ ایک جھنڈے تلے جمع نہ ہو سکے۔ بہر حال حکومتِ ایران کے خلاف شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہاں کا مرزبان وزگ، جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، وفادار رہا اور عیسائیت ترک کر کے پھر اپنے قدیمی مذہب پر آ گیا۔ باغیوں نے قیصرِ روم سے مدد مانگی لیکن اسے بھی ہنوں کے خطرے کا سامنا تھا اس لیے انھیں کمک بہم نہ پہنچا سکا۔ اسی عرصے میں باغیوں

(۱) ایران بعہد ساسانیاں، ص ۲۷۲-۲۷۳

(۲) ایضاً، ص ۲۷۴

نے ایرانی فوج کو شکست دی اور وزگ پر قابو پا کر اسے جبراً عیسائیت کا حلقہ بگوش بنالیا۔

اسی زمانے میں کداریوں نے طالقان پر حملہ کیا تھا جس کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔ ان قبائیلوں کے مقابلے میں اگرچہ یزدگرد کو نمایاں کامیابی تو حاصل نہ ہو سکی تھی بہرحال وہ اپنی سرحدوں کے متعلق مطمئن ضرور ہو گیا تھا۔ اب اس نے آرمینیا کا رُخ کیا اور ۴۵۱ء میں باغیوں کو شکست دے کر انھیں کیفرِ کردار کو پہنچایا اور وہ پادری اسیر کر کے ایران لائے گئے جو بغاوت کا اصل باعث تھے۔ یہاں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد آرمینیا کی حکومت ایک ایرانی مرزبان کو سونپ دی گئی اور آرمینیا میں امن و امان قائم ہو گیا' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرمینیا میں عیسائیت نے پوری طرح جڑیں نہیں پکڑی تھیں۔ بغاوت کو فرو کرنے میں متعدد عیسائی قتل ہوئے تھے۔ سائیکس بعض یورپی مؤرخین کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''کرکوک میں' جو حلوان کے قریب واقع ہے' ہزاروں عیسائی مع لارڈ بشپ کے ہلاک ہوئے۔ یہاں اب تک شہر کے باہر پہاڑی کے اوپر' جہاں عیسائیوں کا خون بہایا گیا تھا' ہر سال اجتماع ہوتا ہے اور مقتولین کی یاد منائی جاتی ہے۔''[1]

ہرمز سوم

(۴۵۷ء تا ۴۵۹ء)

یزدگرد دوم ۴۵۷ء میں فوت ہوا تو اس کا بڑا بیٹا فیروز سیستان میں تھا جہاں کی حکومت اسے باپ نے سپرد کی تھی۔ فیروز کے چھوٹے بھائی ہرمز سوم نے' جو پایۂ تخت میں موجود تھا' موقع سے فائدہ اٹھا کر تخت و تاج کا دعویٰ کیا اور امرائے سلطنت اور موبدوں نے اسے بادشاہ کا جانشین کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ فیروز اپنے دعوے سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا لیکن اُس کے پاس اتنی فوج نہ تھی' نہ اتنے وسائل ہی تھے کہ ایران کے پایۂ تخت پر حملہ کرتا۔ یہی نہیں بلکہ سیستان میں اس کی اپنی حکومت کو بھی خطرہ لاحق تھا۔

اتفاق سے خاندانِ مہران کا ایک طاقت ور سردار رہام نامی فیروز کا حامی تھا۔ اس نے لشکر فراہم کر کے ہرمز پر حملہ کیا۔ ہرمز نے شکست کھائی اور اسیر ہو کر بالآخر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ رہام نے فیروز کو سیستان سے بلا کر ۴۵۹ء میں اسے تخت نشیں کیا اور سب امرا نے اسی کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔

طبری نے یہ لکھا ہے کہ فیروز سیستان سے نکل کر ہیتالیوں یعنی سفید ہن قبائل کے سردار

(۱) اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۳۶

خوش نواز کے ہاں پناہ گزین ہوا'[۱] جس کی مدد سے وہ غاصب ہرمز سوم کو شکست دے کر ایران کی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا- فردوسی[۲] نے بھی یہی واقعہ نظم کیا ہے-

فیروزِ اول

(۴۵۹ء تا ۴۸۳ء)

فیروز اول ۴۵۹ء میں ہرمز کو شکست دے کر تخت نشیں ہوا- اسی سال البانیہ میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی' جو بحیرۂ خزر کے مغربی سمت واقع ہے- فیروز نے البانیہ پر لشکر کشی کی اور باغیوں کی سرکوبی کر کے وہاں پھر ساسانی حکومت کا علم لہرایا-

قحط سالی

فیروز انتہا درجے کا مدبر بادشاہ تھا- اس کے زمانے میں خشک سالی کا آغاز ہوا اور دریائے جیحوں سے دریائے دجلہ تک کا تمام علاقہ اس بلائے ناگہانی کا شکار رہا- یہ قحط تین سال تک جاری رہا لیکن فیروز نے رعایا کو قحط سے بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا- طبری[۳] لکھتے ہیں کہ فیروز نے ہر شہر میں ایلچی بھیج کر اعلان کیا کہ تونگر اپنے غلوں کے ذخیرے مساکین کو دیں- امرا کو مراسلے بھیجے کہ غلہ بہم پہنچانے میں کوتاہی نہ کریں- یہ بھی تنبیہ کی کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مرے گا تو اس کے بدلے تونگر کی جان لی جائے گی- فیروز نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ روم' ترکستان اور حبشہ سے غلہ درآمد کیا- اس کے علاوہ اس نے خیرات کے لیے شاہی خزانوں کے دروازے کھول دیے- اس طرح اس کی دانش مندی سے اہلِ ایران موت کا شکار

---

(۱) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۲۸

(۲) شاہ نامہ:

چو ہرمز برآمد بہ تختِ پدر — بسر برنہاد آن کئی تاج زر
تو فیروز را ویژہ گفتی بخشم — ہمی آب رشک اندر آمد بچشم
سوی شاہ ہیتال شد ناگہان — ابا لشکر و گنج و چندی مہان
بدو داد شمشیر زن سی ہزار — ز ہیتالیان لشکری نامدار
بر آویخت با ھرمز شہریار — فراوان نہ برداشت شان کارزار
سرانجام ہرمز گرفتار شد — ہمہ تاجہا پیش او خوار شد

(۳) تاریخ طبری' بلعمی' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۳۰

ہونے سے بچ گئے- قحط کا زمانہ ختم ہونے کے بعد فیروز نے قحط کے اثرات دور کرنے میں جدوجہد کی- ملک کی قناتیں جو خشک ہونے کی وجہ سے برباد ہوگئی تھیں' پھر سے تعمیر کرائیں- اسی کی نسبت سے یوم ''عیدِ آبریز گان'' منایا گیا جو ہر سال منایا جاتا رہا- فیروز نے زمینیں آباد کرانے کی پوری پوری جدوجہد کی- مالیے کے طور پر جو محصول لیا جاتا تھا' معاف کر دیا- مفت بیج تقسیم کیے- ملک کی آبادی کے لیے اس نے رے کے علاقے میں رام فیروز' گورگان میں روشن فیروز اور آذربائیجان میں رام فیروز بستیاں بسائیں-

عہدِ فیروز میں یہودی اور عیسائی

فیروز کے عہد میں یہودیوں پر بہت تعدی ہوئی- اس کا باعث یہ تھا کہ ملک میں مشہور ہو گیا کہ انھوں نے دو زرتشتی موبدوں کو زندہ کھال کھنچوا کر مروا ڈالا ہے- اس کا یہودی قوم کو خمیازہ بھگتنا پڑا- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ سختی اصفہان کے یہودیوں پر ہوئی جہاں اس زمانے میں ان کی اکثریت تھی جیسا کہ آج بھی ہے-''[1]

عیسائی دنیا میں بہت انتشار پیدا ہو رہا تھا- عیسائی اس زمانے میں ایک اصولی مسئلے پر سخت جھگڑے میں مبتلا تھے- ان[2] میں دو انتہا پسند فرقے ہو گئے تھے: ''نسطوری'' اور ''یک فطری''- نسطوری اس بات کے قائل تھے کہ مسیح کی دو جدا جدا فطرتیں ہیں: ایک بشری اور ایک ربانی- برخلاف اس کے یک فطری فرقے کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مسیح کی شخصیت میں یہ دونوں فطرتیں باہم مل کر ایک ہو گئی ہیں- دونوں فرقے آپس میں سخت کینہ رکھتے تھے- یہ جھگڑا بالخصوص الرہا کے مکتب میں' جہاں ایران کے عیسائی' مذہبی تعلیم پاتے تھے' نہایت شدید تھا- اس مکتب کا ایک نامور استاد ابیس تھا جو پر جوش نسطوری تھا- جب وہ ۴۵۷ء میں مر گیا تو نسطوری علما الرہا سے نکال دیے گئے- ان علما میں سب سے زیادہ پر جوش بارصوما تھا- اس نے ۴۴۹ء میں ایک جلسے میں نسطوری عقاید کی اتنے جوش سے حمایت کی تھی کہ پادریوں نے اس کے اخراج کا مطالبہ کیا تھا- بارصوما بظاہر ایک جاہ طلب اور سازشی آدمی تھا لیکن بہر حال وہ ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا اور ایک حد تک اسے شاہ فیروز کی حمایت حاصل ہو گئی تھی- فیروز کو ان پادریوں سے کوئی انس تو نہ تھا لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ نسطوری فرقے سے ایک سیاسی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کی وجہ

---

(۱) نولدیکی' ترجمہ طبری' ص ۱۱۸' حمزہ اصفہانی' ج ۱' ص ۵۶

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۸۱-۳۸۲

سے ایران کے عیسائیوں میں ان کے ہم مذہبوں کے ساتھ' جو مغربی سرحد کے پار رہتے تھے' تنافر پیدا کیا جا سکتا تھا۔ جب قیصر زینو (Zeno) نے ایک منافقانہ مذہبی پالیسی اختیار کی' یعنی بظاہر وہ غیر جانب دار بنا رہا اور دل میں ''یک فطری'' عقاید رکھتا تھا' تو بارصوما نے' جس کو نصیبین کا بشپ اور سرحدی فوجوں کا سردار بنا دیا گیا تھا' چند اور پادریوں کی تائید سے نصیبین میں ایک جلسہ منعقد کرایا' جس میں یہ طے پایا کہ جاثلیق بالووائی کو' جس کی نالائقی مسلم ہو چکی تھی' معزول کیا جائے۔ بالووائی نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ بارصوما اور اس کے ساتھیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس کے نتیجے میں بالووائی کو قید کر لیا گیا اور پھر اسے لٹکا کر اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ مر گیا۔ اس کے بعد بارصوما کا پرانا رفیق اکاس جاثلیق مقرر ہوا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان بھی پوری موافقت نہ تھی۔ چناں چہ اکاس نے سلوکیہ میں ایک جلسہ منعقد کرانا چاہا' تو بارصوما نے کئی ایک بہانے کر کے اس میں مدد دینے سے انکار کر دیا۔

سفید ہُنوں کے خلاف ناکام فوج کشی

شاہ فیروز کے عہد میں سفید ہُن قبائل روم میں یلغاریں کرتے تھے۔۔ اب انھوں نے ایران کی طرف بھی رجوع کیا' جس سے دونوں حکومتیں پریشان ہوئیں۔ مشترکہ دشمن کے خوف کی وجہ سے ان کے قدیمی اختلافات کچھ عرصے کے لیے دبے رہے۔

شاہ فیروز کے سامنے اب بڑا مسئلہ ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ سفید ہُنوں کا سدّ باب کرے۔ سفید ہُنوں پر اس نے فوج کشی کی لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر ان قبائل کے سردار خوش نواز اور شاہ فیروز کے درمیان یہ طے پایا کہ فیروز اپنی شہزادی کی شادی خوش نواز سے کر کے باہمی اختلافات کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔ اس شرط پر مصالحت تو ہو گئی لیکن بعد میں فیروز نے اس شرط کو پورا کرنا ایرانی وقار کے منافی سمجھتے ہوئے اپنی ایک کنیز خوش نواز کے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کے لیے اس کے ہاں بھیج دی جسے خوش نواز نے اپنے حرم میں داخل کر لیا' لیکن یہ راز کھل گیا کہ فیروز کی بھیجی ہوئی لڑکی شہزادی نہیں بلکہ ایک کنیز ہے۔ خوش نواز' فیروز کی اس بدعہدی پر سخت برہم ہوا اور انتقام لینا چاہا۔ اس نے فیروز کے پاس ایلچی بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے سفید ہُنوں کی ایک مہم کے لیے کچھ فوجی افسر چاہئیں جو انھیں مدد بھی دیں اور لشکر کی تربیت بھی کریں۔ فیروز نے اس کے جواب میں تین سو فوجی سوار افسروں کا دستہ خوش نواز کے پاس بھیج دیا۔ جوں ہی یہ سوار پہنچے خوش نواز نے بعض کو قتل کرا دیا اور بعض کے ہاتھ کاٹ

کر واپس ایران بھیج دیا کہ اہلِ ایران کو اپنے بادشاہ کی بدعہدی کا پتا چل سکے۔

سفید ہُنوں کے خلاف فیروز کی دوسری پیش قدمی

سفید ہنوں نے فیروز کے سوار افسروں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا' اس کا لازمی نتیجہ جنگ تھا۔ فیروز نے بڑے پیمانے پر جنگ کرنے کے لیے پچاس ہزار نوجوانوں کا لشکر تیار کیا اور گرگان کی طرف سے سفید ہُنوں پر حملہ کرنا چاہا' جہاں ایک قدیمی دیوار تھی جو بحیرۂ خزر تک بڑھتی چلی گئی تھی۔ سائیکس' رالنسن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اسکندر اعظم نے یہ دیوار سفید ہُنوں کی یلغاروں کو روکنے کے لیے تعمیر کرائی تھی۔(۱)

سفید ہُنوں کے خلاف پیش قدمی کے متعلق طبری لکھتے ہیں:

''فیروز جب لشکر لے کر بلخ پہنچا تو راستے میں ایک بہت بڑا بیابان حائل تھا۔ خوش نواز کو لشکر کشی کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت ہراساں ہوا اور دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے اپنے سرداروں سے مشورے طلب کیے۔ ایک بوڑھے سردار نے اپنے آپ کو اس بات کے لیے پیش کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے جائیں اور بیابان میں فیروز کی گزرگاہ پر ڈال دیا جائے۔ اس طرح وہ ایرانیوں کو فریب دے کر اپنے ملک کو بچا لے گا۔ چناں چہ اس بوڑھے کا ہاتھ پاؤں کٹوا کر فیروز کی گزرگاہ پر ڈال دیا گیا۔ راستے میں جب فیروز کو بتایا گیا کہ ایک مظلوم پڑا ہے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں تو وہ خود اس کے پاس آیا اور اس کی بدبختی کا سبب پوچھا۔ بوڑھے نے بتایا کہ میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے خوش نواز سے کہا تھا کہ وہ رعایا پر ظلم و ستم نہ کرے اور خدا سے ڈرے۔ رعایا اس وقت بددل ہے' اگر ایرانیوں نے حملہ کر دیا تو تم ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ آخر اس نے میرے ہاتھ پاؤں کٹوا کر مجھے اس بیابان میں پھنکوا دیا۔ فیروز کو اس پر رحم آیا اور کہا: ''میں تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گا اور خوش نواز کے ساتھ جنگ کر کے اسے کیفر کردار کو پہنچاؤں گا۔''(۲) بے دست و پا شخص نے فیروز کو دعا دی اور کہا: ''یہاں سے خوش نواز کا صدر مقام اکیس دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اس عرصے میں وہ مقابلے کی پوری پوری تیاری کر لے گا۔ میں آپ کو ایک ایسا مختصر راستہ بتا دوں گا جو صرف پانچ دن میں آپ کو ترکستان کی سرحد پر پہنچا دے گا۔ راستے میں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ پانی کی قلت ضرور ہو گی اس

(۱) اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۳۶

(۲) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد مشکور' ص ۱۳۵

لیے یہیں سے پانی کا ذخیرہ کرلیا جائے۔

امرائے لشکر نے ہر چند کہا: ''ممکن ہے کوئی سازش ہو' ہمیں اپنا راستہ نہیں چھوڑنا چاہیے لیکن فیروز نے ایک نہ سنی۔ بوڑھے کو گھوڑے پر لا دلیا گیا اور تمام لشکر اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آخر لشکر کو بے راہ کر کے اس نے ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں پانی نام کو نہ تھا۔ پانی کا ذخیرہ جو لشکر کے پاس تھا' ختم ہو گیا۔ شدت پیاس کے سبب کئی جوان جاں بحق ہو گئے۔ فیروز نے جب محسوس کیا کہ ایرانی لشکر دشمن کے جال میں پھنس گیا ہے تو اس نے اپنے ایلچی خوش نواز کے پاس بھیج کر صلح کی گفت و شنید کرنی چاہی۔ خوش نواز نے مصالحت کے لیے دو شرطیں پیش کیں؛ ان میں سے ایک یہ تھی کہ فیروز منہ کے بل لیٹ کر اظہار اطاعت کرے اور دوسری یہ کہ سرحد پر ایک ستون گاڑا جائے اور فیروز لشکر کو لے کر کبھی اس ستون سے آگے نہ بڑھے۔ بادشاہ ایران کو مجبوراً یہ دونوں شرطیں ماننی پڑیں۔(۱)

پہلی شرط انتہائی رسوا کن تھی۔ بہر حال جب سورج طلوع ہوا اور اس شرط کو پورا کرنے کا وقت آیا تو موبدوں نے مشورہ دیا کہ لیٹتے ہوئے یہ سمجھ لے کہ وہ یزدان کے حضور جھکا ہے' کسی انسان کے سامنے نہیں جھکا۔ اس طرح یہ شرط پوری ہو گئی اور معاہدۂ صلح ہو گیا۔

آرمینیا کی بغاوت (۴۸۱ء تا ۴۸۳ء)

آرمینیا میں زرتشتی مذہب کی تبلیغ زور شور سے جاری تھی۔ ایرانی حکام اور وہ ارمنی' جو عیسائیت ترک کر کے دینِ زرتشتی کے پیرو ہو چکے تھے' مل کر یہ مذہبی مہم چلا رہے تھے۔ اہلِ آرمینیا اس تحریک سے سخت برافروختہ تھے۔ آخر جب انھوں نے سنا کہ فیروز کو سفید ہنوں کے خلاف پیش قدمی میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو ان کے حوصلے بڑھے اور حکومتِ ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے آرمینیا کے پایۂ تخت ارتاکستا پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ نیز ایک ارمنی امیر ساہاک کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس بغاوت میں گرجستانیوں نے بھی آرمینیوں کا ساتھ دیا تھا۔ فیروز نے گرجستان اور آرمینیا دونوں ملکوں پر فوج کشی کا حکم دیا۔ گرجستان کے حکم ران نے ارمنیوں کا ساتھ چھوڑ کر حکومت ایران کی اطاعت اختیار کر لی۔ ارمنیوں نے بری طرح شکست کھائی جس میں ساہاک مارا گیا اور ارمنی فوجوں کا سپہ سالار رواہان بھاگ نکلا جس کا تعاقب ایرانیوں نے کیا۔

---

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۳۷

سفید ہُنوں کے خلاف فیروز کی تیسری لشکر کشی

سفید ہُنوں کے خلاف لشکر کشی کرنے کے بعد جو ذلت اور رسوائی فیروز کو ہوئی تھی، اس کا اسے انتہائی قلق تھا- وہ بدنامی کے اس دھبے کو اپنے دامن سے دور کرنے کے لیے بے تاب تھا- چناں چہ تیسری مرتبہ پھر اس نے ۴۸۳ء میں سفید ہُنوں پر حملہ کرنے کے لیے لشکر کثیر تیار کیا جس میں پانچ سو ہاتھی بھی تھے-

فیروز نے مشرقی سمت چل کر بلخ کا رُخ کیا- جوں جوں فوج صحرا میں بڑھتی چلی گئی، دشمن کے ہاتھوں تباہ ہوتی گئی- آخر فیروز خود بھی مارا گیا اور اس کی لاش کا کچھ پتا نہ چل سکا- بعض عربی اور فارسی مؤرخوں کی روایت کے مطابق فیروز کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ وہ اپنے متعدد ساتھیوں کے ہم راہ ایک گہرے گڑھے میں جا گرا، جسے خوش نواز نے گزرگاہ پر کھدوا کر چوں اور شاخوں سے ڈھانپ دیا تھا[1] خوش نواز کو کثیر تعداد میں مال غنیمت کے علاوہ فیروز کی بیٹی بھی ہاتھ لگی، جسے اس نے اپنے حرم میں داخل کر لیا- اس کے بعد سفید ہُن سلطنت ایران کی حدود میں داخل ہو کر مرورود اور ہرات پر قابض ہو گئے اور لوراایرانیوں پر سالانہ خراج عائد کر دیا-[2]

بلاش

(۴۸۳ء تا ۴۸۷ء)

شاہ فیروز کے زمانے میں ایرانی امرا میں سب سے زیادہ بااثر دو شخص تھے: ایک کا نام سوفرا تھا جو شیراز کا رہنے والا تھا- یہ فیروز کے زمانے میں سیاہ و سفید کا مالک تھا- فیروز نے اسے سیستان کی حکومت سونپی ہوئی تھی- دوسرا شاپور تھا جو رے کا رہنے والا تھا- ان دونوں کو فیروز نے گرجستان اور آرمینیا کی مہم پر بھیجا تھا- انھیں فیروز کی موت کی خبر ملی تو یہ دونوں سیدھے طیسفون پہنچے تا کہ نئے بادشاہ کے انتخاب میں مدد دے سکیں- چناں چہ ان کے اثر و رسوخ سے فیروز کا بھائی بلاش ۴۸۳ء میں تخت نشین ہوا-

حکومت سنبھالتے ہی بلاش کو سب سے بڑی مہم سفید ہُنوں کی درپیش تھی- بلاش نے سوفرا کو مامور کیا کہ خوش نواز سے صلح کی بات چیت کرے- سوفرا نے صلح کی گفت و شنید کے ساتھ

---

(۱) تاریخ طبری، بلعمی، ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۱۳۸-۱۳۹

(۲) ایضاً

ساتھ خاصی بڑی فوج بھی جمع کی تاکہ لشکر کشی کا ماحول بھی پیدا کیا جائے۔ آخر سفید ہنوں کے ساتھ اس کی بات چیت کامیاب ہوئی اور یہ شرائط طے ہوئیں کہ خوش نواز ایرانی اسیروں کو رہا کر دے گا اور اس کے عوض حکومت ایران خوش نواز کو دو سال تک خراج ادا کرے گی۔

ایران و آرمینیا کی مصالحت

شاہ فیروز کے زمانے میں آرمینیا کا حکمران ساہاک ایرانیوں کے حملے میں مارا گیا تھا لیکن ارمنی فوجوں کا سالار رواہان بچ کر بھاگ گیا تھا۔ فیروز کی موت کے بعد صورت حال مختلف ہو گئی اور رواہان نے واپس آ کر پھر اقتدار قائم کر لیا۔ واہان نے نئے بادشاہ بلاش سے استدعا کی کہ عیسائیوں کو مذہبی امور میں آزاد کر دیا جائے اور ان کے ساتھ رواداری برتی جائے۔ بلاش شروع شروع میں تو رضامند نہ تھا لیکن اسی عرصے میں فیروز کے بیٹے قباد نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے شورش بپا کر دی جس سے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ واہان اپنی پوری جمعیت لے کر بلاش کی مدد کو آیا۔ ایرانی اور ارمنی فوجوں نے مل کر قباد کی شورش کو کچل دیا اور اسے بھاگ کر سفید ہنوں کے ہاں پناہ لینی پڑی۔ بلاش نے احسان مندی کی وجہ سے واہان کی استدعا قبول کر لی اور عیسائی مذہب کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ واہان نے یہ بات بھی منوالی کہ آرمینیا سے زرتشتیت کو بالکل خارج کیا جائے اور تمام آتش کدے مسمار کر دیے جائیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ایران کے زرتشتیوں کی نسبت عیسائی زیادہ متعصب تھے۔ ان اعلانات کے بعد آرمینیا اور گرجستان دونوں کو ایرانی صوبوں کی حیثیت میں داخلی خود مختاری حاصل ہو گئی اور وہاں کے امرا اور عوام مطمئن ہو گئے۔

بلاش بظاہر ایک باہمت آدمی تھا اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب کسی کسان کی کھیتی باڑی ویران ہو جاتی تو وہ گاؤں کے دہقان (نمبردار) کو سزا دیتا کہ اس نے کیوں کسان کی مدد نہیں کی۔ بعض عیسائی مصنف بھی بلاش کے حلم و شرافت کی تعریف کرتے ہیں لیکن ان خوبیوں کے باوجود وہ ایسا بادشاہ نہ تھا جس کا وجود سلطنت کے وقار کو دوبارہ بحال کر سکتا۔ اس کی وجہ سے امرا میں بے اطمینانی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ چار ہی سال گزرے تھے کہ امرا نے بلاش کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔[1]

---

(۱) کرسٹن سن: ایران بعہد ساسانیان، ص ۳۸۸

بلاش کے عہد حکومت میں عیسائیت

بارصوما عیسائیوں کا مشہور بشپ تھا جس کا ذکر شاہ فیروز کے عہد میں آ چکا ہے- اسے بلاش کے عہد حکومت میں دربار شاہی میں تقرب حاصل ہوا اور قسطنطنیہ میں سفیر بنا کر بھیجا گیا- بارصوما کو قیصر روم نے سرحد کے بعض مسائل سلجھانے کا کام سپرد کیا- ان مصروفیتوں کی وجہ سے اسے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا کہ وہ اکاس کے بلائے ہوئے اجلاس میں، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، شریک نہ ہو- اس کے باوجود سیلوکیہ میں عیسائیوں کا اجلاس ہوا جس میں تین اہم فیصلے ہوئے؛ ایک یہ کہ نسطوری مذہب ایران کے عیسائیوں کا واحد مذہب قرار دیا جائے- دوسرے یہ کہ مذہبی رسوم ادا کرانے میں راہبوں کو پادریوں کی ہم سری کرنے سے منع کر دیا جائے- تیسرے یہ کہ پادری شادی کر سکیں گے جو اس سے پہلے ممنوع تھی- یہ مزدک کی تعلیم کا اثر تھا جس کے نزدیک شادی کرنا بدی میں اضافہ کرنے کا موجب تھا- اس کے علاوہ اب یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ شادی کرنا تہذیب و شائستگی کا تقاضا ہے- عیسائیوں کا خیال تھا کہ "تجرد کی اس دیرینہ رسم کی وجہ سے بدچلنی اور بے حیائی کو جو فروغ ہوا ہے اس پر اغیار ہمارا مضحکہ اڑاتے ہیں-"[1]

پچھلے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ عیسائیوں کے رہا کے مدرسہ میں چوں کہ نسطوری عقائد کا عمل دخل زیادہ ہو گیا تھا، اس لیے قیصر روم زینو کے حکم سے یہ مکتب بند کرا دیا گیا- اب بارصوما نے، جو نسطوری مذہب سے تعلق رکھتا تھا، پادریوں کی تعلیم کے لیے نصیبین میں نیا مدرسہ قائم کیا جس سے نصیبین نسطوری مذہب کا مرکز بن گیا- بارصوما اور اکاس دونوں ۴۹۵ء میں فوت ہو گئے اور ان کی وفات سے ایران کی عیسائیت کا ایک نہایت اہم دور ختم ہو گیا-

قباد

(۴۸۷ء تا ۵۳۱ء)

جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، شاہ فیروز کے بیٹے قباد (کواذ) نے بلاش کے عہد میں تخت و تاج حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ناکامی ہوئی اور ترک وطن کر کے سفید ہُن قبائل کے ہاں پناہ لینی پڑی-

طبری لکھتے ہیں کہ قباد سفید ہُن قبائل کے خاقان خوش نواز کے ہاں پناہ لینے کے لیے

---

(۱) کرسٹن سن، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۳۹۰

روانہ ہوا تو اس کے ساتھ بعض امرا تھے، جن میں سوفرا کا بیٹا زرمہر بھی تھا- قباد نے راستے میں نیشاپور کے ایک دہقان کے ہاں قیام کیا- دہقان کی بیٹی پر قباد کا دل آ گیا- آخر دہقان نے اپنی بیٹی قباد کی زوجیت میں دے دی- یہی دہقان زادی آخر نوشیروانِ عادل کی ماں بنی- قباد نے یادگار کے طور پر اسے ایک انگشتری دی جس میں ایک یاقوت تھا جو رات کے وقت بھی چمکتا تھا- حالات ناموافق تھے اس لیے بیوی کو وہیں چھوڑ کر قباد نے ترکستان کی راہ لی-[1]

خوش نواز نے اسے اپنے ہاں پناہ دی اور اس کی تواضع میں کوئی فرق نہ آنے دیا- اسے مدد دینے کا وعدہ بھی کیا-[2] خوش نواز کے حرم میں فیروز کی بیٹی تھی جو اسے قباد کی مدد پر آمادہ کرتی رہی، لیکن دفع الوقتی کرتے کرتے اس نے تین سال گزار دیے- آخر اسے یہ خیال آیا کہ بلاش نے معاہدۂ صلح میں یہ شرط بھی قبول کی تھی کہ مقررہ سالانہ رقم بطور خراج ادا کرے گا لیکن اس نے حسبِ معاہدہ وہ رقم ادا نہیں کی تھی، اس لیے قباد کو آلۂ کار بنانا چاہا- چناں چہ اس نے سفید ہنوں کا لشکر تیار کیا تاکہ قباد حملہ کر کے بلاش سے تخت و تاج چھین لے- قباد نے لشکر کشی کی تو بلاش مر چکا تھا اور حملے کی ضرورت نہ رہی تھی- آخر امرائے سلطنت نے اسے ۴۸۷ء میں تخت نشیں کر دیا- قباد نے ۴۸۷ء سے ۵۳۱ء تک دوبارہ حکومت کی- اس کے عہد میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے جن کا ذکر ذیل میں آتا ہے-

بااقتدار امیر سوفرا کا قتل

سوفرا بلاش کے زمانے میں بہت بااقتدار امیر تھا- عہدِ قباد میں بھی امرائے سلطنت میں اسے سب پر فوقیت حاصل تھی- لشکر تمام اس کے ساتھ تھا اس لیے قباد ایسے طاقتور اور جاہ پسند امیر کو گوارا نہ کر سکتا تھا- اس نے سوفرا کو پایۂ تخت طیسفون سے دور رکھنے کے لیے اسے شیراز کی حکومت سونپ دی- ادھر سوفرا کے مخالفین نے سوفرا پر طرح طرح کی تہمتیں لگا کر قباد کے کان بھرے- قباد یوں بھی اس کے خلاف دل میں کینہ رکھتا تھا؛ چناں چہ اس نے شاپور مہران اور سوفرا کی دیرینہ رقابت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور شاپور کو رے سے بلا کر اس بات پر مامور کیا کہ شیراز

(۱) فردوسی:

ابا او یک انگشتری بود و بس	کہ ارزش بگیتی ندانست کس
بدو داد و گفت این نگین را بدار	بوگ روز کاین را شوم خواستاد

(۲) شاہنامہ ثعالبی، محمود ہدایت، ص ۲۸۱

جائے اور سوفرا کو ساتھ لے کر دربار میں حاضر ہو- چناں چہ شاپور شیراز گیا اور سوفرا کو ساتھ لے کر دربار میں آیا- سوفرا کے پہنچتے ہی بادشاہ کے حکم سے اسے اسیر کر کے زندان میں ڈال دیا گیا اور اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی لیکن افترا پردازوں نے اس خیال سے کہ اگر کبھی سوفرا کی خطا معاف ہو جائے اور اس کا منصب اسے دوبارہ مل جائے تو وہ ضرور انتقام لے گا' بادشاہ کو اس کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر بھڑکایا- آخر اس نے سوفرا کو قتل کرا دیا- اس واقعے کے متعلق یہ مثل مشہور ہوئی کہ ''باد سوفرا قطع و باد شاپور بلند شد'' یعنی سوفرا کی ہوا اکھڑ گئی اور شاپور کی ہوا چلنے لگی[1]

خزر قبائل کی سرکوبی

قباد کو آغاز سلطنت میں خزر قبائل کی یلغاروں کا سامنا کرنا پڑا- خزر قبائل تورانی اَلتائی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور بحیرۂ خزر کے سواحل سے لے کر شمالی قفقاز کی حدود تک پھیلے ہوئے تھے- یہ صحرا نورد تھے اور ہمسایہ ممالک میں تاخت و تاراج کرنا ان کا مشغلہ تھا- ان قبائل کا سردار ترخان کہلاتا تھا- شروع میں اس کا صدر مقام تمرخان شورا میں تھا' بعد میں اس نے اپنا صدر مقام اتل کو بنایا- ان قبائل نے لوٹ مار سے ایرانی تاریخ پر بہت گہرا اثر ڈالا- بحیرۂ کیسپین کو بحیرۂ خزر[2] بھی کہا جاتا ہے- خزر قبائل نے قفقاز یہ سے ہوتے ہوئے وادیِ کور پر یلغار کی- قباد نے ان کے خلاف لشکر کشی کر کے ان کی سرکوبی کی- خزر قبائل کے بیشتر افراد تہِ تیغ ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ایرانیوں کے ہاتھ لگا-

مزدک

قباد کے عہد میں ایک اہم شخصیت رونما ہوئی جو مزدک کے نام سے موسوم ہے- مزدک نے ایک نیا مذہب پیش کیا جسے 'اشتراکیت' کی ابتدائی صورت سمجھنا چاہیے- اس نے ہوشیاری سے قباد کو اپنا گرویدہ بنا لیا- قباد کا قرب اسے کیسے حاصل ہوا؟ اس کے متعلق تاریخوں سے کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں- البتہ ثعالبی[3] لکھتے ہیں: ''جب مزدک نے پہلی بار اپنا حلقۂ اقتدار پیدا کر لیا تو کچھ قحط سالی کا دور دورہ ہوا- غربا اس سے سخت پریشان ہوئے- ان میں سے متعدد بھوک کا شکار ہو گئے- مزدک بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور کہا ''میں اجازت چاہتا

---

(۱) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۸۲

(۲) گبن' فال آف دی رومن ایمپائر' ج ۱' ص ۲۳

(۳) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۸۶

ہوں کہ ایک اہم قومی مسئلے کے متعلق کچھ عرض کروں۔'' بادشاہ نے عرضِ حال کی اجازت دی تو اس نے کہا ''اے بادشاہ رؤف! اگر کسی شخص کے پاس تریاق ہو اور وہ ایسے شخص کو نہ دے جسے سانپ نے کاٹا ہو اور اس کی موت یقینی ہو' تو تریاق رکھنے والے کی کیا سزا ہونی چاہیے؟'' قباد بولا ''ایسے شخص کی سزا موت ہے۔'' پھر اس نے سوال کیا ''اگر کوئی شخص کسی کو قید کرے اور اسے غذا نہ دے اور بھوکا مار دے تو اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟'' بادشاہ نے جواب دیا ''وہ واجب القتل ہے''۔ اس قسم کی باتوں سے اس نے قباد کو یہ فرمان جاری کرنے کی ترغیب دی کہ جو شخص غلہ ذخیرہ کرے گا اور محتاجوں کو نہ دے گا' اسے سزائے موت دی جائے گی۔ اس کے بعد اس نے غربا کو اکسایا کہ امرا کے انباروں میں جس قدر غلہ جمع ہے' لوٹ لیں۔''[1] ممکن ہے' ثعالبی کے بیان میں کچھ مبالغہ ہو لیکن قحط سے قباد پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ایران کے معاشرتی نظام میں دولت کی تقسیم غیر مساوی ہے اور دولت اور قوت تمام تر امرا کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ خود بھی امرا کے اقتدار سے خائف تھا۔ اسی وجہ سے اس نے سوفرا کو مروا دیا تھا۔ بہر حال قباد نے مزدکی مذہب قبول کر لیا اور اس کے اصولوں پر عمل کرنے لگا۔ بادشاہ کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد مزدکی مذہب کو کچھ عرصے کے لیے فروغ حاصل ہوا۔

قباد کی تخت و تاج سے محرومی

سوفرا اگرچہ بہت با اقتدار امیر تھا جس سے قباد بھی خائف تھا لیکن اس کی وجہ سے اکثر فتنہ پرداز دبے ہوئے تھے۔ جوں ہی کہ وہ قتل ہوا' بادشاہ کے کئی دشمن پیدا ہو گئے۔ لیکن اس خبر نے امرا کو بہت زیادہ برہم کیا کہ اس نے ایک ملحد کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور نظامِ حکومت میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا کر رہا ہے۔ امرا اس سے بددل اور موبد متنفر ہو گئے۔ امرا کے محلات میں قباد کے خلاف منصوبے بننے لگے۔ آخر انھوں نے ایک انتہائی قدم اٹھایا اور اسے تخت سے اتار کر اس کے بھائی جاماسپ کو تخت نشیں کر دیا۔ شروع شروع میں لوگوں کو قباد پر اتنا شدید غصہ تھا کہ وہ اس کے قتل کا مطالبہ کرتے تھے۔[2] بہر حال قدیمی مآخذ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسے ۴۹۸ء میں قلعۂ فراموشی میں قید کر دیا گیا۔

---

(۱) قحط کا ذکر ابن بطریق نے بھی کیا ہے

(۲) خوزستان میں ایک مشہور قلعہ گیل گرد تھا' اس کو انوش برد (قلعہ فراموشی) بھی کہتے تھے اس لیے کہ وہاں سیاسی قیدی رکھے جاتے تھے۔ ان کا نام لینا بلکہ خود قلعے کا نام لینا بھی ممنوع تھا

قباد کی قلعہ سے رہائی اور دوبارہ تخت نشینی

قباد تین سال تک قلعۂ فراموشی میں محبوس رہا لیکن آخر وہ وہاں سے نکلنے میں کام یاب ہوگیا- اس کے فرار کے متعلق کئی قصے مشہور ہوئے- طبری نے یہ روایت بیان کی ہے کہ قباد کی بیوی قلعۂ فراموشی میں اس سے ملنے آئی' قلعے کا کوتوال اس پر فریفتہ ہوگیا' آخر کوتوال کو فریب دے کر وہ قباد کو زندان سے نکالنے میں کام یاب ہوگئی- لیکن کرسٹن سن'[1] ختائی نامک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیاوش نے' جو قباد کا معتمد امیر تھا' اسے کسی ترکیب سے وہاں سے نکالا- بہر حال وجہ کوئی بھی ہو' قباد وہاں سے چل کر ہپتالیوں (سفید ہنوں) کے خاقان خوش نواز کے ہاں پہنچا جس کے حرم میں فیروز کی بیٹی تھی- خاقان نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس کی شادی اپنی بیٹی کے ساتھ' جو شاہ فیروز کی بیٹی کے بطن سے تھی' کردی' اور قباد کو مدد کے لیے فوج دی- قباد نے یہ عہد کیا کہ اگر میں اپنا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں کام یاب ہوگیا تو خراج ادا کیا کروں گا- قباد نے تیس ہزار کا لشکر لے کر ایران کا رخ کیا

جاماسپ نے اگرچہ عدل وانصاف میں خاصی شہرت حاصل کرلی تھی' لیکن امرا کی کوئی جماعت اس کی حامی نہ تھی' اس لیے اس نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ تخت وتاج سے دست بردار ہو جائے- چناں چہ اس نے قباد ہی کو دوبارہ تخت نشیں ہونے میں مدد دی اور ۵۰۲ء میں وہ تخت نشیں ہوگیا- قباد یہ محسوس کرتا تھا کہ امرا اور عوام کا غم وغصہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے مزدکی عقائد قبول کرلیے تھے اس لیے اب اس نے دانش مندی سے کام لے کر ظاہری طور پر مزدکی مذہب کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا لیکن دل سے وہ ابھی تک مزدک ہی کا طرف دار تھا-[2] سیاوش کی وفاداری کے صلے میں قباد نے اسے ایرانی فوجوں کا سپہ سالار اور وزیر جنگ بنا دیا-

دوبارہ تخت نشیں ہونے کے بعد قباد نے اپنی حکومت کو استوار کیا- کدیشی اور تموری قبائل کو اطاعت گزار بنایا' جو وقتاً فوقتاً ایرانی سرحد پر حملے کرتے رہتے تھے- عرب قبائل کے حملوں کا سدِ باب کیا' بالآخر وہ قباد کے حلیف بن گئے اور جب قباد نے رومیوں کے ساتھ جنگ کی تو عربوں کے بادشاہ نعمان نے عرب فوج اس کی کمک کے لیے بھیجی-

---

(۱) ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۶۵

(۲) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۴۶

رومیوں کے خلاف قباد کی مہمیں

ہپتالیوں نے قباد کو جو مدد دی، اس کے صلے میں قباد نے خوش نواز کو گراں قدر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن شاہی خزانہ خالی تھا۔ اسے دفعتاً وہ معاہدہ یاد آیا جو یزدگرد دوم اور تھیوڈوسیس کے مابین ہوا تھا۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ حکومت ہپتالیوں کی یلغاروں کو روکنے کے لیے دربند میں ایک مستحکم فوج متعین کرے گی، جس کے عوض حکومت روم شاہ ایران کو گراں قدر مالی امداد دے گی۔ قباد نے یہ معاہدہ قیصر روم آناستاسیس (Anasatasius) کو یاد دلایا اور پچھلی تمام رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے اس خیال سے کہ اگر یہ رقم ادا نہ کی جائے تو قباد ہپتالیوں کو وقت پر رقم ادا نہ کر سکے گا جس سے پھر ان کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے، مطلوبہ رقم دینے سے پہلو تہی کی اور یہ کہلا بھیجا کہ صلح کے دوران حکومتِ ایران نے کبھی اس رقم کا مطالبہ نہیں کیا لہٰذا اب اس رقم کی ادائیگی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قباد اس جواب سے سخت برافروختہ ہوا اور جنگ شروع کر دی۔

روم کو ابھی جنگی تیاری کی مہلت نہ ملی تھی کہ قباد نے ۵۰۲ء میں اپنی فوجیں رومی آرمینیا میں لاکھڑی کیں اور ارز روم کا محاصرہ کر کے اسے مسخر کر لیا، پھر اس نے آمدہ (دیار بکر) پر چڑھائی کی جسے شاپور اعظم نے فتح کیا تھا۔ یہ قلعہ اگرچہ نہایت مستحکم تھا لیکن پچاس ہزار نوجوانوں کی قربانی دے کر اس نے یہ قلعہ فتح کر لیا۔

آمدہ کی فتح کے بعد ایرانی لشکر کا براہ راست رومیوں سے آمنا سامنا ہوا جس میں رومیوں کو شدید جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر ایران و روم کے مابین مصالحت کے لیے گفت و شنید شروع ہوئی۔ ممکن تھا کہ فاتح بادشاہ صلح کے لیے نہایت کڑی شرائط پیش کرتا لیکن عین اس وقت ہپتالیوں نے خراسان کے علاقے میں تاخت و تاراج شروع کر دی اور قباد مجبور ہو گیا کہ ۵۰۳ء میں ان کی سرکوبی کے لیے خراسان کا رخ کرے۔

قباد نے میدان جنگ کو چھوڑا ہی تھا کہ رومیوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور آمدہ اور نصیبین کو محاصرے میں لے لیا۔ اس عرصے میں قباد نے اپنا سفیر قیصرِ روم کے پاس بھیجا اور اس شرط پر دونوں حکومتوں کے مابین ۵۰۵ء میں معاہدۂ صلح طے ہو گیا جس کی رو سے رومیوں نے ایک ہزار پاؤنڈ وزن کا سونا ایرانیوں کے حوالے کر کے آمدہ کو پھر اپنے تسلط میں لے لیا۔ یہ صلح سات سال کے عرصے کے لیے تھی اس لیے یہ معاہدہ "صلح ہفت

سالہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔[1]

اقوامِ ہُن سے قباد کی آخری جنگ

۵۰۳ء میں اقوامِ ھن کے بعض قبائل جو 'سابیر' کہلاتے تھے' آرمینیا اور ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے حملے لگاتار ہوتے رہے جن کی وجہ سے حکومتِ ایران کو بہت تشویش تھی۔ آخر رومیوں کی طرف سے اطمینان ہوا تو قباد نے ان قبائل سے جنگ کی تیاری شروع کی۔ سابیر قبائل کی لاتعداد فوجوں کی سرکوبی کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان کے خلاف قباد کی مہم دس سال تک جاری رہی۔ آخر قباد نے انھیں عبرت ناک شکست دے کر لوٹا دیا اور پھر انھیں حدودِ ایران کی طرف رجوع کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ قباد کا یہ کارنامہ بہت بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ آیندہ ان وحشی قبائل کو روکنے کے لیے قباد نے صوبۂ قفقاز کے ایک شہر کو' جس کا نام پرتو تھا' ایک مضبوط سرحدی قلعے کی صورت دے دی اور اس کا نام فیروزِ قباد رکھا۔

مزدکیوں کا قتلِ عام

مزدکیت شروع شروع میں ایک مذہبی تحریک تھی۔ مزدک خود معاشرے کی اصلاح کا خواہش مند تھا اس لیے دنیاوی نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے اس نے جو قوانین بنائے وہ بہت انقلابی قسم کے تھے۔ ابتدا میں اشتراکیت کے عقائد کی ترقی کی رفتار سست رہی لیکن آخر میں وہ بڑی سرعت سے پھیلے۔ مزدکی اپنے فرقے کی بڑھتی ہوئی تعداد سے بہت دلیر ہو گئے اور دست درازیاں کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان میں ایسے رہنما پیدا ہوئے' جو مفاد پرست تھے' اس لیے بے اطمینانی بڑھنے لگی۔ تنسر نے لکھا ہے:

''ناموس کا پردہ اُٹھ گیا۔ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل۔ نہ ان کی موروثی جاگیر تھی' نہ انھیں خاندان اور قوم سے ہمدردی تھی۔ صنعت و حرفت سے وہ بیگانہ تھے۔ کسی کی فکر انھیں دامن گیر نہ تھی۔ چغلی اور شرارت میں بے باک اور دروغ گوئی اور تہمت تراشی میں مشاق تھے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا اور اسی کو وہ مال و جاہ کے حصول کا وسیلہ بناتے تھے۔''[2]

---

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۴۳

(۲) نامہ تنسر' ترجمہ مجتبیٰ مینوی' ص ۱۳

اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جگہ جگہ کسانوں نے بغاوتیں کیں اور لوٹ مار کا دور دورہ شروع ہو گیا اور ملک ابتری کا شکار ہونے لگا۔

قباد اب مزدکیوں کی سرگرمیوں سے سخت بیزار تھا اور مزدکیوں کے سدِ باب کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اتنے میں مزدک نے چاہا کہ قباد کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کاؤس کے حق میں دست بردار ہو جائے کیوں کہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ مزدکی کاؤس کی تخت نشینی کے حق میں اس لیے تھے کہ وہ مزدکیوں کا کھلم کھلا حامی تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر کاؤس بادشاہ بنا تو وہ مزدکیت کو سرکاری مذہب کا درجہ دے دے گا۔ مزدکیوں کی اس سازش نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ظاہر تو اس نے یہی کیا کہ وہ مزدکیوں کی تجویز پر عمل کرے گا لیکن فرضی دست برداری کی تقریب میں سرکردہ مزدکیوں کو بلا کر ہلاک کرا دیا۔[1]

گرجستان میں بغاوت

اقوام ہُن کا قضیہ نمٹا کر اور داخلی معاملات کی اصلاح کر کے اس نے رومیوں کی طرف توجہ کرنی چاہی لیکن گرجستان کے باشندوں نے جو عیسائی تھے، حکومت ایران کے خلاف بغاوت کر دی۔ بغاوت کی وجہ حسب ذیل ہے:

قباد مذہب کے معاملے میں تنگ نظر تھا۔ اس کے پیش رو نے عیسائیوں کو جو مذہبی آزادی دے رکھی تھی، وہ اس نے سلب کر لی۔ اہلِ گرجستان کو اس نے دینِ زرتشتی قبول کرنے پر مجبور کیا جس پر وہ سخت برافروختہ ہوئے اور ایرانی حکومت کا جوا اتار پھینکنے کے لیے علم بغاوت بلند کر دیا۔ گرجستان کے حکمران گرگین نے قیصر روم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور مدد کا طلب گار ہوا۔ قیصرِ روم نے مدد دینے کا وعدہ تو کیا لیکن کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔ قباد نے گرجستان پر فوج کشی کی، گرگین مقابلے کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور لازیکا پہنچ گیا۔

قباد کی رومیوں سے دوسری جنگ

جب قباد قبائل کے خلاف جنگ میں مصروف تھا، رومی ایرانی حدود کے اندر آ گھسے اور دارا کے مقام پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کر لیا جو نصیبین سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ قباد نے ایلچی بھیج کر قلعے کی تعمیر پر احتجاج کیا اور اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا لیکن قیصرِ روم

(۱) سائیکس، اے ہسٹری آف پرشیا، ص ۴۴۳-۴۴۴

اناستاسیس فوت ہو گیا اور ۵۱۸ء میں جسٹن اس کا جانشین بنا اس نے ایرانیوں کے خلاف جارحانہ پالیسی اختیار کی اور اس غرض سے ایرانیوں کے خلاف قبائل ہُن کے خاقان سے معاہدۂ دوستی کر لیا- یہی نہیں بلکہ لازیکا کے حکمران کو بھی ساتھ ملا لیا جس کے متعلق قباد کو یقین تھا کہ وہ حکومتِ ایران کے تسلط میں ہے- اس کے باوجود ۵۲۰ء تک اطراف میں سے کسی نے پیش قدمی نہ کی- آخر قباد نے پہل کی اور عیسائیوں کے ملک گرجستان کو مسخر کر لیا- پھر لازیکا میں اپنی فوجیں اتار دیں- اس کے جواب میں حکومتِ روم نے ۵۲۶ء میں ایرانی آرمینیا پر حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی- یہی نہیں بلکہ بین النہرین میں بھی انھیں ایرانیوں نے پسپا کر دیا- دوسرے سال دونوں میں سے کسی حکومت نے کوئی جارحانہ قدم نہ اٹھایا- ۵۲۸ء میں ایک مشہور رومی جرنیل بلی سارے نے فوج کی کمان سنبھالی اور بین النہرین میں ایرانیوں کے خلاف صف آرا ہوا لیکن اب کی بار بھی رومیوں کی قسمت میں شکست ہی تھی- آخر جب جسٹینین قیصرِ روم بنا تو اس نے پچیس ہزار رومی جوانوں کی مضبوط فوج تیار کی اور بلی سارے کو اُس کا سپہ سالارِ کل مقرر کیا- اس موقع پر ماساجات[1] قبائل نے رومیوں کا ساتھ دیا- اِدھر ایرانی سپہ سالار فیروز مہران لشکر جرار لیے ہوئے قلعۂ دارا کی طرف بڑھا- دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ قلعۂ دارا کے قرب و جوار میں ہوئی- اس جنگ میں رومیوں نے مدافعانہ لڑائی لڑی- رومی فوج ایک خندق کے کنارے صف آرا تھی جس کی وجہ سے ان کے لیے خاص بچاؤ کی صورت پیدا ہو گئی تھی- ایرانیوں نے تیراندازی سے جنگ شروع کی- تیروں کا ذخیرہ ختم ہوا تو دست بدست لڑائی شروع ہوئی- ایرانیوں نے رومی فوج کے دائیں اور بائیں بازو کو مغلوب کر لیا لیکن ماساجات قبائل بدستور رومیوں کو مدد پہنچاتے رہے- ایرانی لشکر بالآخر پسپا ہو گیا- رومیوں کا بھی اس قدر نقصان ہوا تھا کہ انھیں ایرانیوں کا تعاقب کرنے کا حوصلہ نہ ہوا- اس جنگ میں رومی فتح یاب تو ہوئے لیکن یہ بات واضح ہو گئی کہ رومیوں میں اب پہلا سا دم خم باقی نہیں- ماساجات قبائل کی مدد حاصل نہ ہوتی تو رومیوں کی شکست یقینی تھی-

اس فتح کے بعد رومیوں نے ایرانی آرمینیا کا رخ کیا اور دو مقامات پر جنگ کر کے ایرانیوں کو شکست دی-

---

(۱) ماساجات' سکائی قبائل کی ایک شاخ تھے- ہخامنشی عہد میں یہ قبائل بحیرۂ ارال اور جنوب مشرقی بحیرۂ خزر کے درمیانی علاقے میں آباد تھے جو ایرانی مملکت میں شامل تھا- خوارزم اب ان کا مسکن تھا- حسن پیرنیا' ایران قدیم' ص ۳۲۳

حیرہ کے حکم ران منذر کا حملہ

۵۲۹ء میں حیرہ کے حکم ران منذر نے حملہ کر کے شام سے انطاکیہ تک کا علاقہ پامال کر دیا اور چار سو عیسائیوں کو العزیٰ دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا، جس سے روم کے طول وعرض میں غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی۔ ۵۳۱ء میں ایرانی لشکر نے منذر کے ساتھ مل کر شام پر حملہ کیا۔ بلی ساریے موقع پر آ پہنچا اور ایک خوں ریز لڑائی کے بعد متحد لشکر پسپا کر دیا۔ قباد کے زمانے کی یہ آخری جنگ تھی۔ اسی سال قباد فوت ہو گیا اور ایرانی لشکر کو پایۂ تخت میں واپس بلا لیا گیا۔

ولی عہد کا مسئلہ

قدیم زمانے سے بادشاہ خود اپنا ولی عہد نامزد کیا کرتے تھے، لیکن امرائے سلطنت کے تسلط کی وجہ سے اب بادشاہ خود ولی عہد نامزد نہیں کر سکتا تھا۔ بادشاہ کے بیٹوں میں سے امرا جس کو بادشاہ بنانا چاہتے، اس کے سر پر تاج رکھ دیتے تھے لیکن قباد نے خود اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہا۔

قباد کے تین بیٹے تھے: کاؤس، جام اور نوشیرواں۔ کاؤس سب میں بڑا اور نوشیرواں سب سے چھوٹا تھا۔ کاؤس مزدکی عقائد رکھتا تھا اس لیے قباد نے اسے نظر انداز کر دیا۔ جام کی ایک آنکھ میں بینائی نہ تھی، جس کی وجہ سے وہ بھی ولی عہدی کے لیے نا قابل سمجھا گیا۔ نوشیرواں کو قباد ویسے بھی بہت چاہتا تھا۔ چناں چہ اس نے ولی عہد مقرر کرنے کی پرانی رسم کو پھر سے تازہ کیا اور نوشیرواں کے حق میں موبدانِ موبد کو وصیت لکھوا دی۔ قباد یوں تو عرصے سے یہ فیصلہ کر چکا تھا لیکن اسے خدشہ تھا کہ مبادا اس کے بڑے بھائی وراثت کا حق جتائیں اور ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے اس لیے جب ایرانیوں اور رومیوں کے مابین جسٹن کے زمانے میں صلح کی گفتگو ہوئی تو قباد نے یہ خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ جسٹن نوشیرواں کو اپنی حمایت میں لے لے جس طرح قیصر روم آرکیڈلیس نے خواہش کی تھی کہ یزدگرد اس کے خورد سال بیٹے تھیوڈوسیس کی تربیت اپنے ذمے لے لیکن جسٹن نے یہ ذمے داری قبول نہ کی اور صلح کی گفت وشنید بھی ناکام رہی۔

قباد کی حکومت

اگر جاماسپ کی حکومت کے عبوری دور کو شامل کر لیا جائے تو قباد کا عرصۂ حکومت چالیس سال ہوتا ہے۔ وہ ایک دلیر، مدبر اور دانش مند حکم ران تھا۔ اس کی حکومت کی کام یابی کا پتا اس بات سے چلتا ہے کہ وہ لگاتار دس سال تک ہُن اقوام کو زیر کرنے کے لیے جنگ کرتا رہا۔ آخر

انھیں زیر کر کے دم لیا۔ یہ وہی قبائل تھے جن کے ہاتھوں اس کا باپ شاہ فیروز مارا گیا تھا اور آخر ساسانیوں کی عظیم حکومت مجبور ہو گئی تھی کہ قبائل کو سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لے۔[1]

زرعی اصلاحات

قباد یہ سمجھتا تھا کہ زراعت پیشہ لوگ ملک کی خوش حالی کا بہت بڑا وسیلہ ہیں اس لیے اس نے زرعی اصلاحات کی طرف خاص توجہ دی۔ قباد سے پہلے کاشت کاروں سے مالیہ نقدی کی صورت میں لینے کا رواج نہ تھا بلکہ پکی ہوئی فصل کا ایک چوتھائی یا پانچواں حصہ کسانوں سے لیا جاتا تھا اور جہاں سے پانی دور ہوتا اور آب پاشی کی سہولتیں نہ ہوتیں، وہاں کاشت کاروں سے فصل کے دسویں حصے سے لے کر بیسویں حصے تک بطور لگان لیا جاتا۔ کسی کاشت کار کو یہ اختیار نہ تھا کہ کہ سرکاری کارندوں کے آنے سے پہلے فصل کو ہاتھ لگا سکے۔ قباد نے اس رائج الوقت طریقے کو ترک کرنے کے لیے یہ حکم دیا کہ زمینوں کی پیمائش کی جائے اور فصل کے مطابق لگان کے لیے رقم مقرر کی جائے۔ قباد کو یہ خیال کیوں کر آیا؟ اس کی وجہ طبری یہ لکھتے ہیں:

''ایک دن قباد گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ موبدانِ موبد اس کا ہم رکاب تھا۔ قباد نے شکار دیکھا اور اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو دیکھا کہ انگور کی فصل پکی ہے، تنور کے پاس ایک عورت کھڑی ہے، پاس ہی اس کا لڑکا ہے، جس کی عمر تین سال کی ہو گی۔ لڑکے نے انگوروں کے گچھے پر ہاتھ ڈالا اور توڑنے کے لیے اپنی طرف کھینچا، عورت خفا ہوئی اور لڑکے کو ایک دو چپت رسید کیے۔ قباد کو عورت کی بخیلی پر بڑا تعجب ہوا اور پوچھا ''یہ انگور کس کے ہیں؟'' اس نے جواب میں کہا کہ ہمارے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے سوال کیا ''تم نے انگوروں کا گچھا اس کے ہاتھ سے کیوں چھینا اور اسے مارا کیوں؟'' عورت بولی ''ہمیں اپنی فصل پر پورا پورا اختیار نہیں، اس میں بادشاہ کا بھی حصہ ہے۔ جب تک کوئی سرکاری کارندہ نہ آئے گا اور بادشاہ کا حصہ الگ نہ کر لے، ہم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔''[2] بٹائی کا یہ طریقہ قباد کو ناگوار گزرا اور موبدان موبد سے کہا کہ ایسا طریقہ سوچا جائے کہ کاشت کار سرکاری لگان بھی ادا کریں اور فصل پر انھیں پورا اختیار بھی ہو۔ اس پر اس نے مشورہ دیا کہ زمین کی پیمائش کرا کر کھیتی اور باردار درختوں پر نقد لگان وصول کیا جائے۔ قباد نے اپنی زندگی میں زمین کی پیمائش کا حکم دے دیا تھا لیکن اس کی تکمیل بالآخر

---

(۱) تاریخ طبری، ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۱۴۷

(۲) الضاً ص ۲۲۷ اور شاہنامہ ثعالبی، محمود ہدایت، ص ۳۸۵

نوشیرواں کے ہاتھوں ہوئی۔

مزدک و مزدکیت

مزدک کا ضمناً پہلے ذکر آ چکا ہے۔ یہاں اس کی کچھ تفصیل پیش کی جائے گی۔

مزدک کی شخصیت کے متعلق قدیمی تاریخوں میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ اس بات پر تو سب مؤرخین متفق ہیں کہ وہ بامداد کا بیٹا تھا؛ لیکن وہ رہنے والا کہاں کا تھا؟ اس کے متعلق مؤرخین کی آرا مختلف ہیں طبری لکھتے ہیں کہ وہ صوبۂ خراسان کے شہر نسا کا رہنے والا تھا۔ دینوری اسے استخر کا باشندہ لکھتے ہیں۔ تبصرۃ العوام میں لکھا ہے کہ وہ تبریز کا رہنے والا تھا۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایرانی الاصل تھا۔

مزدک نے جو نیا مذہب پیش کیا اس کے بیش تر عقائد مذہب مانی سے ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مزدکی عقائد' مانوی عقائد کی اصلاح شدہ صورت ہیں۔ مزدک بھی زرتشت اور مانی کی طرح نور اور ظلمت دو قدیم جوہروں کا قائل ہے لیکن اس نے تخلیق کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا کہ جس طرح نور کا فعل کسی ارادے پر مبنی نہیں' اسی طرح ظلمت کا فعل بھی کسی تدبیر کا نتیجہ نہیں۔ دونوں کا فعل اتفاقی ہے۔ ان دونوں کے باہم ملنے کی وجہ سے کائنات وجود میں آئی ہے اور مانی کے عقائد کے خلاف مزدک کا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات کا وجود میں آنا کسی باقاعدہ منصوبے کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ محض اتفاق تھا۔ مزدک نے مانی کی نسبت نور کی ظلمت پر برتری کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ مزدک کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جس طرح نور اور ظلمت کا مل جانا محض اتفاقی ہے' اسی طرح ان دونوں کا الگ ہو جانا بھی اتفاقی ہو گا۔ بہرحال انسانوں کو' جو تمام مخلوق میں افضل ہیں' چاہیے کہ اس دنیا میں نیک عمل کر کے نور اور ظلمت کے الگ الگ ہونے کے آرزومند رہیں۔[1]

مزدک نے لوگوں کو ایک دوسرے سے ہمدردی کرنے کی تلقین کی اور نفرت اور مخالفت سے بچنے پر زور دیا۔

مزدکیوں کا اہم ترین عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے روئے زمین پر زندگی کے وسائل پیدا کیے تا کہ سب یکساں طور پر ان سے متمتع ہوں اور کسی کو دوسرے کی نسبت زیادہ حصہ نہ ملے لیکن لوگ دوسرے پر ظلم روا رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مخالفت پر تل جاتے ہیں۔ طاقت ور کم زوروں پر غلبہ پا کر اناج اور زر و مال کو اپنے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ امرا سے دولت

لے کر غربا میں تقسیم کی جائے۔ ''مال و دولت کو اس طرح مشترک بنانا چاہیے جس طرح کہ پانی، آگ اور چراگاہیں ہیں۔ خدا نے مخلوقات کے لیے مساوات کی بنیاد قائم کی ہے' اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ نہ کسی کو اس کے حق سے زیادہ ملتا ہے نہ کم۔ ہر چیز سب کے لیے مشترک ہے، یہاں تک کہ ازواج بھی۔''(۱)

مزدک کی یہ تحریک شروع شروع میں مذہبی تھی لیکن بعد میں اس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ مزدک نے قباد سے ملاقات کی اور اپنی مؤثر گفتگو سے اسے گرویدہ بنا لیا۔ چناں چہ اس نے مزدک کے عقائد اختیار کر لیے اور اس تحریک کو نہ صرف تقویت حاصل ہوگئی بلکہ اس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ لوگ دلیر ہو گئے۔ اشتراکیت کا پرچار ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جگہ کسانوں نے بغاوتیں برپا کیں۔ لوٹ مار کرنے والے امرا' کے محلوں میں گھس جاتے تھے اور مال و اسباب لوٹ لیتے تھے' عورتوں کو پکڑ کر لے جاتے تھے اور جاگیروں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ زمینیں رفتہ رفتہ غیر آباد ہونے لگیں۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابتری کس حد تک پھیل چکی تھی۔(۲)

قباد نے شروع میں مزدکیوں کو اپنی حمایت میں اس لیے لیا تھا کہ اس طرح وہ اُمرا کے اقتدار کو ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اب صورت حال بے قابو ہوتی دیکھی تو مزدکیوں سے بے زار ہو گیا۔ آخر جب مزدکیوں نے یہ کوشش کی کہ نوشیرواں کے بڑے بھائی کاؤس کو شاہ قباد کا جانشین مقرر کیا جائے جو مزدکیوں کا پرجوش حامی تھا' تو قباد کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

قباد نے مزدکیوں کو نیچا دکھانے کے لیے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جس میں مزدکیوں کے سرکردہ رہنماؤں کو مناظرے کی دعوت دی گئی۔ قباد نے اس میں خاصی دل چسپی لی۔ نوشیرواں اب ولی عہد سلطنت مقرر ہو چکا تھا' اس کے لیے مزدکیوں کا گروہ سب سے بڑے خطرے کا باعث تھا' اس لیے اس نے اس کانفرنس میں سرگرمی سے حصہ لیا وہ چاہتا تھا کہ مزدکی مناظرے میں شکست کھائیں۔ مزدکی پیشواؤں سے زرتشتی عالموں نے مذاکرہ کیا جس میں مزدکیوں کو شکست ہوئی۔ شکست کا اعلان ہونا تھا کہ سپاہی مزدکیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ مزدکی پیشوا سب کے سب مارے گئے۔ ان میں خود مزدک بھی تھا۔ ان سب کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور مزدکی خطرے کا خاتمہ ہو گیا۔ مزدکیت اگر باقی رہی بھی تو اس کی

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۴۴

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۳۷۷

حیثیت خفیہ مذہب کی سی ہو کر رہ گئی۔

تعمیرات

امن کے زمانے میں قباد نے ملک کی آبادی کی طرف توجہ دی اور چند نئے شہر بسائے۔ طبری لکھتے ہیں کہ قباد نے شہر کازروں آباد کیا جو بوشہر اور شیراز کے درمیان واقع ہے۔ حدود اہواز میں اس نے شہر ایکاں بسایا اور حدود خیلان میں قباد آباد کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا۔ دریائے جیحوں کے کنارے بھی اس نے ایک شہر آباد کیا تھا جو قبادیان کے نام سے موسوم ہوا۔ قفقاز کا شہر گنجہ بھی اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ نئے شہر بسانے کے علاوہ اس نے قناتیں کھدوائیں اور پل بھی تعمیر کرائے۔ (۱)

خسرو اول (نوشیروانِ عادل)

(۵۳۱ء تا ۵۷۹ء)

قباد نے، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، نوشیرواں کے حق میں وصیت لکھوا دی تھی۔ یہ وصیت سربمہر موبدانِ موبد ماہند کے پاس تھی۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد قباد نے وفات پائی۔ شاہ زادہ کاؤس اس وقت اپنے صدر مقام میں تھا، جہاں کی حکومت اس کے سپرد تھی۔ اس نے باپ کے وفات کی خبر سنی تو اپنا حق حاصل کرنے کے لیے دارالحکومت میں آ پہنچا اور ایران کے تخت و تاج کا دعویٰ کیا۔ جانشینی کا فیصلہ کرنے کے لیے اُمرا کی مجلس منعقد ہوئی۔ ماہند نے قباد کی لکھوائی ہوئی وصیت پیش کر دی۔ یوں بھی امرا کاؤس سے، جو مزدکیوں کا حامی تھا، بددل تھے۔ انھیں یقین تھا کہ ملکی شورشوں کو مٹانے کے لیے نوشیرواں ہی موزوں حکم ران ہو سکتا ہے؛ اسی لیے انھوں نے کاؤس کا دعویٰ مسترد کر کے قباد کی وصیت پر عمل کیا اور ملک کی باگ ڈور نوشیرواں کے سپرد کر دی گئی۔ کاؤس نے بزورِ شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کام یاب نہ ہو سکا اور آخر تخت و تاج ہی کی ہوس میں مارا گیا۔

نوشیرواں کی تخت نشینی کے مسئلے پر بعض لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ اس کا بڑا بھائی جام ایک آنکھ سے اندھا سہی، اس کے بیٹے قباد کو تخت نشیں کر دیا جائے اور جام کو اس کا مدارالمہام مقرر کر دیا جائے۔ اس سازش کو نوشیرواں نے تخت نشین ہوتے ہی سختی سے دبا دیا۔ چناں چہ اس شہنشاہ نے بھی، جو تاریخ میں عادل کے نام سے مشہور ہے، اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خون سے

اپنے ہاتھ رنگین کیے۔ البتہ جام کا بیٹا قباد خورد سال ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔

داخلی امن

نوشیرواں نے حکومت سنبھالتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ دی، جسے مزدکیوں نے تہ و بالا کر دیا تھا۔ اس نے ملک کی بدامنی کو دور کرنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے سخت ترین قدم اٹھانے میں دریغ نہ کیا۔ مزدک اور اس کے عقائد نوع انسان کے کے لیے مہلک تھے اس لیے ان کا صفایا کرنے میں نوشیرواں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ نوشیرواں کی سخت گیری اور تدبر سے ملک کے طول و عرض میں امن و امان قائم ہو گیا اور تمام کاروبار معمول کے مطابق چلنے لگے۔

نوشیرواں نے ملک کے مستقبل پر غور کرنے کے لیے ماضی پر نظر ڈالی اور اردشیر بابکاں کے خاص خاص فرامین لکھوا کر اُمرا اور عوام کو ان سے روشناس کرایا اور اُس کی وصیتوں پر عمل کرایا۔

روم سے معاہدۂ صلح

نوشیرواں نے ملکی معاملات کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کے لیے قیصرِ روم سے معاہدۂ صلح کرنا چاہا۔ ادھر قیصر روم جسٹن شمالی افریقہ اور اٹلی کی مہموں میں مصروف تھا اس لیے وہ بھی مشرقی ممالک میں جنگ چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھتا تھا۔ چناں چہ دُونوں حکومتوں کے مابین ۵۳۳ء میں دوستی کا معاہدہ ہو گیا اور شرائط مندرجہ ذیل قرار پائیں:

۱۔ حکومت روم ایران کو گیارہ سو پاؤنڈ سونا سالانہ، قلعۂ دربند اور قفقاز کے دوسرے قلعوں کی حفاظت کے لیے دے گی۔

۲۔ روم اپنا صدر مقام بین النہرین میں نہیں رکھے گا لیکن قلعہ دارا بدستور روم کے قبضے میں رہے گا۔

۳۔ لازیکا کے علاقے میں دونوں حکومتوں نے جو قلعے فتح کیے تھے، ان سے دست بردار ہو جائیں گے۔

۴۔ روم اور ایران ہمیشہ کے لیے اتحادی ہوں گے۔

اٹلی اور مشرقی افریقہ میں رومیوں کی فتوحات

ایران کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد روم نے ایک بڑی پریشانی سے نجات پائی اور ۵۳۳ء تا ۵۳۹ء اٹلی اور مشرقی افریقہ کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ اس طویل عرصے میں بیلی ساریوس کو نمایاں کامیابی ہوئی اور انوشیرواں کو خطرہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے یہ رومی سالار فتوحات کے نشے میں مشرقی ممالک کا رُخ کرے۔ ادھر اٹلی اور آرمینیا کے سفیر ۵۳۹ء میں نوشیرواں کے پاس آئے۔ انھوں نے رومی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس موقع پر رومیوں سے جنگ نہ چھیڑی گئی تو ممکن ہے پھر رومیوں کا مقابلہ کرنا ایرانیوں کے لیے مشکل ہو جائے۔ اس صورت حال سے نوشیرواں سخت فکر مند ہوا اور یہی مناسب سمجھا کہ معاہدۂ صلح کو ختم کر دے۔

نوشیروان کا انطاکیہ پر حملہ

حکومت روم نوشیرواں کی طرف سے مطمئن تھی اس لیے وہ اپنی مشرقی سرحدوں سے غافل تھی۔ نوشیرواں رومیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیے دریائے فرات کو عبور کر کے شام پر حملہ آور ہوا اور پہلا شہر' جو اس نے فتح کیا' اس میں انوشیرواں نے بہت ظلم و ستم کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس کی ہیبت اور دبدبے کی آواز شام کے طول و عرض میں پہنچ جائے۔ اس کے بعد وہ شام کے دارالسلطنت انطاکیہ کی طرف بڑھا' جس کی دولت کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اہل انطاکیہ کچھ عرصہ پہلے زلزلوں کی وجہ سے بری طرح تباہ ہوئے تھے۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ نوشیرواں نے شہر پر حملہ کر دیا' جس سے ہر طرف ہراس پھیل گیا۔ نوشیرواں کا حملہ اچانک ہوا تھا اس لیے رومیوں نے یہاں مدافعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔ انطاکیہ بڑی آسانی سے فتح ہو گیا اور یہاں کے بھرپور خزانوں پر نوشیرواں کا قبضہ ہو گیا۔

نوشیرواں کا مقصد شام کو اپنی مملکت میں شامل کرنا نہ تھا اور نہ ہی یہاں حکومت قائم کرنے کا خیال تھا۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ یہاں بھی تباہی مچا کر اپنی ہیبت کا سکہ بٹھائے۔ چناں چہ جس گھر سے دولت نہ ملتی تھی' اسے برباد کر دیا جاتا تھا۔ نوشیرواں اب اپنا مقصد پورا کر کے صلح پر آمادہ ہو گیا۔ اس کی حسب ذیل شرائط ماننے پر رومی تیار ہو گئے:

۱۔ حکومت روم پانچ ہزار پاؤنڈ سونا بطور تاوان پیش کرے گی۔

۲۔ دربند اور قفقاز کے دوسرے قلعوں کی حفاظت کے لیے حکومت روم مزید پانچ ہزار پاؤنڈ سونا نوشیرواں کو دے گی۔

فتح کے بعد نوشیرواں انطاکیہ کی بندرگاہ سیلوکیہ آیا- یہاں اس نے بحیرۂ روم کے نیلگوں پانی میں غسل کیا اور شامیوں کی طرح معبد تعمیر کرا کے قربانی اور نذر نیاز دی- اس تقریب کے بعد نوشیرواں نے واپسی اختیار کی اور راستے میں اپامی' اڈیسہ' دارا اور دوسرے شہروں کے لوگوں نے خراج عقیدت کے طور پر نوشیرواں کو نذرانے پیش کیے-

بین النہرین میں انطاکیہ کی ایک اور تعمیر

انطاکیہ جسے نوشیرواں نے فتح کیا' فن تعمیر کے لحاظ سے بہت خوب صورت شہر تھا- نوشیرواں اس کی خوب صورتی سے بہت متاثر ہوا تھا- چناں چہ اس نے انطاکیہ کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا اور طیسیفون (مدائن) پہنچنے پر قریب ہی ایک نیا شہر بسایا جو رومیہ کے نام سے موسوم ہوا- پھر انطاکیہ کے لوگوں کو بسانے کے لیے رومیہ میں بلا بھیجا- یہاں کے کوچے اور بازار بالکل انطاکیہ کی طرح کے تھے- چناں چہ طبری [1] لکھتے ہیں کہ جب انطاکیہ کے مہاجر رومیہ آئے تو اسے اپنا ہی شہر سمجھا اور اپنے اپنے گھر پہچان کران میں جا مقیم ہوئے- نوشیرواں نے اس میں بہت سے حمام بنوائے اور ایک گھوڑ دوڑ کا میدان تعمیر کروایا اور وہاں آ کر بسنے والوں کو خاص رعایات اور حقوق دیے- مثلاً یہ کہ عیسائیوں کو پوری پوری مذہبی آزادی ملی- اہل رومیہ براہ راست بادشاہ ایران کے ماتحت تھے اور وہاں آ کر پناہ لینے والے مجرموں کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا- [2]

لازیکا کی مہم

لازیکا ۵۲۲ء میں رومیوں کی حمایت میں آیا تھا- رومی گورنر نے جو پیترا (موجودہ خرطوم) کی بندرگاہ میں مقیم تھا اور لازیکا میں تجارت کا اجارہ قائم کر رکھا تھا- شروع شروع میں رومی گورنر نے لازیکا سے کوئی خراج نہیں مانگا تھا اور نہ رومی فوج رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن رومی گورنر کے مستقل قیام کی وجہ سے یہاں فوج متعین کر دی گئی اور اس کے اخراجات کا بوجھ اہلِ لازیکا پر ڈالا گیا- اب رومیوں کی حمایت اہلِ شہر کے لیے باعث زحمت بن گئی- لازیکا کے حکمران نے حکومت ایران سے مدد مانگی- نوشیرواں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اس خیال سے کہ لازیکا پہنچنے کے بعد اس کے لیے بحیرۂ اسود تک راستہ صاف ہو جائے گا اور قسطنطنیہ یا دوسرے رومی مقبوضات پر حملہ کر سکے گا' لازیکا کو مدد دینے پر آمادہ ہو گیا- آخر لشکر کشی کر کے نوشیرواں نے وہاں پر قبضہ کر

---

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۵۳

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۵۱۷ و ۵۱۸

لیا لیکن ایرانیوں نے بھی وہاں کے رہنے والوں پر' جو مذہباً عیسائی تھے' اچھا سلوک نہ کیا جس سے وہ ایرانیوں سے نفرت کرنے لگے تھے۔ انھیں بہت جلد محسوس ہو گیا کہ ایرانیوں کا تسلط رومیوں کی نسبت مہنگا پڑا ہے۔ نوشیرواں بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جب تک لازیکا میں انقلابی تبدیلیاں نہ کی جائیں گی' یہاں ایرانی تسلط برقرار نہ رہ سکے گا۔ چناں چہ اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ یہاں کی پوری آبادی کو نکال کر اُن کی جگہ ایرانی بسائے جائیں۔ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اس نے یہ بھی چاہا کہ لازیکا کے حکم ران گوبیزس کو ٹھکانے لگا دے لیکن اس میں اسے کام یابی نہ ہو سکی۔ گوبیزس نے قیصرِ روم سے مدد مانگی اور وہ فوراً مدد دینے پر آمادہ ہو گیا۔

قیصرِ روم اور شاہِ ایران ایک دوسرے کے خلاف بھرے بیٹھے تھے۔ آخر ۵۴۹ء میں جنگ چھڑ گئی جو پورے آٹھ سال جاری رہی۔ رومیوں نے پیترا کا محاصرہ کر لیا۔ انھیں اپنی فتح کا یقین تھا لیکن ایرانیوں کی تیس ہزار فوج موقع پر پہنچ گئی اور رومیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اب اتنی کثیر فوج کا پیترا میں قیام ممکن نہ تھا اس لیے صرف پانچ ہزار فوج وہاں رکھ کر باقی فوج ایران واپس بھیج دی گئی۔

ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ رومیوں نے پھر پیترا کا محاصرہ کیا۔ ایرانی لشکر قلعے کی مدافعت کے لیے آگے بڑھا۔ پیترا کے میدان میں خوں ریز جنگ ہوئی۔ صورت حال لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہی۔ ایرانی جرنیل تیر لگنے سے جاں بحق ہو گیا' لیکن ایرانی بغیر جرنیل ہی کے لڑتے رہے۔ رومیوں کا پلہ بھاری ہو رہا تھا کہ جنگ کا رخ ایک دفعہ پھر بدلا اور ہارا ہوا میدان ایرانیوں نے پھر جیت لیا۔ ۵۵۱ء میں رومیوں کو نہ صرف میدان ہی چھوڑ کر فرار ہونا پڑا بلکہ انھیں لازیکا کے بیش تر علاقے بھی خالی کرنے پڑے۔ آخر ایران اور روم کے مابین پھر عارضی صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن اس صلح سے لازیکا کے حکم ران کی مشکل حل نہ ہو سکی۔ ۵۵۲ء میں گوبیزس کا رومی جرنیلوں سے کچھ اختلاف ہو گیا۔ گوبیزس پر رومی جرنیلوں نے غداری کا الزام لگایا۔ بالآخر اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اہلِ لازیکا اپنے حکم ران کے قتل ہونے پر سخت برہم ہوئے اور رُخ بدل کر ایرانیوں کا سہارا لینا چاہا لیکن ایرانیوں نے انھیں مدد دینا مناسب نہ سمجھا۔ ان سے مایوس ہو کر گوبیزس کے جانشین نے رومیوں سے مصالحت کر لی لیکن یہ مطالبہ کیا کہ گوبیزس کے قاتلوں کو سزا دی جائے اور مقتول کے بھائی ذاتھس (Tzatbes) کو اس کا جانشین بنا دیا جائے۔

ایرانی سالار نے جب دیکھا کہ رومیوں نے پھر اہلِ لازیکا سے ساز باز کر لی ہے تو وہ رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں آیا اور فیزس کی رومی چوکی پر حملہ آور

ہوا- رومی لشکر کی تعداد بہت کم تھی اس لیے ممکن تھا کہ وہ مغلوب ہو جاتے کہ اتنے میں رومی جرنیل نے چال چلی اور یہ خبر مشہور کر دی کہ ایک تازہ دم رومی فوج آ پہنچی ہے- یہ سنتے ہی ایرانی سالار نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور اس طرح پوری ایرانی فوج رومیوں کا مقابلہ نہ کر پائی- آخر ایرانیوں کو شکست ہوئی اور رومیوں نے انھیں وہاں سے نکال باہر کیا- اس شکست سے نوشیرواں کو یقین ہو گیا کہ رومیوں سے بحری جنگ کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور جغرافیائی دوری کی وجہ سے لازیکا پر قبضہ برقرار رکھنا بھی ممکن نہ ہو گا- نوشیرواں کو قبائل کا بھی سامنا تھا اس لیے اس نے گلو خلاصی کرانا ہی مناسب سمجھا-

روم سے دوسرا معاہدۂ صلح

۵۵۷ء میں ایران و روم کے مابین پھر صلح کے لیے گفت و شنید ہوئی' جس نے ۵۶۲ء میں باقاعدہ معاہدے کی صورت اختیار کر لی اور حسب ذیل شرائط طے پائیں:

۱- حکومت ایران لازیکا کو خالی کر دے گی اور حکومت روم اس کے عوض ۳۰ ہزار پاؤنڈ سالانہ حکومت ایران کو ادا کرتی رہے گی-

۲- عیسائیوں کو مذہبی معاملات میں کامل آزادی حاصل ہو گی-

۳- حکومت ایران قفقازیہ کے دروں کی حفاظت کرے گی-

۴- قلعۂ دارا کو ایرانی فوج کا مرکز نہیں بنایا جائے گا-

۵- یہ معاہدۂ صلح پچاس سال تک کے لیے ہو گا-

معاہدہ صلح دونوں حکومتوں کے لیے آبرومندانہ تھا- ایرانی اس بات پر مطمئن تھے کہ لازیکا اگرچہ رومیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے لیکن اس کے عوض وہ گراں قدر رقوم بطور خراج انھیں ادا کریں گے- رومی اس بات پر مطمئن تھے کہ انھیں تاوان کے عوض ایک زرخیز صوبہ ہاتھ آیا ہے' جس کی سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے- تو گویا یہ شرائط دونوں حریفوں کے لیے قابل قبول تھیں- اس معاہدے سے پتا چلتا ہے کہ دونوں فریق اب جنگ سے تنگ آ چکے تھے-

ترک اور ان کے روابط ایران کے ساتھ

ترکوں کا نام ایرانی تاریخ میں پہلی مرتبہ نوشیرواں کے زمانے میں آیا ہے- ترکوں کو اہل چین ''توچی'' (Tachueh) لکھتے ہیں- یہ ایسنا قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو اقوام ہن کی شاخ تھی- ۴۳۳ء میں توبا حکمران نے ان پر سختی کی جس کی وجہ سے ان کے پانچ سو کنبے وہاں

سے ہجرت کر کے جوین جوین کی مملکت میں آ بسے- جہاں ان کنبوں نے ٹھکانا بنایا' وہاں ایک کلاہ نما پہاڑی چوٹی تھی- کلاہ کوتر کی زبان میں 'درک' کہتے ہیں- اس لیے اسی چوٹی کی نسبت سے ان کا نام درک یا ترک پڑ گیا-

یہ لوگ پیشہ ور تھے لیکن رفتہ رفتہ اتنے طاقتور ہو گئے کہ ان کے امیر نے جوین جوین قبیلے کی شہزادی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی' جسے جوین جوین حکم ران نے مسترد کر دیا- اس پر دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی اور جوین جوین قبیلے نے بری طرح شکست کھائی- اس کے بعد مغلوب قبیلے کا کہیں ذکر نہیں آیا-

چھٹی صدی کے وسط میں یہ ترک دو حصوں میں بٹ گئے- شمالی علاقہ منگولیا سے لے کر کوہ یورال تک مشرقی ترکوں کے حصے میں آیا اور کوہ التائی سے لے کر سیر دریا تک کے علاقے مغربی ترکوں کو ملے- ترکوں کا پہلا حکم ران خاقان تومن تھا' جو ۵۳۳ء میں فوت ہوا اور قولو اس کا جانشین بنا- اس کی حکومت کا زمانہ بہت مختصر تھا- اس کے بعد اس کا بھائی موقان خاں حکم ران بنا- یہ وہ پہلا ترک حکم ران تھا' جس نے نوشیرواں سے دوستانہ روابط قائم کیے- نوشیرواں نے تعلقات استوار کرنے کے لیے خاقان سے بیٹی کا رشتہ مانگا جو خاقان نے قبول کر لیا- شادی دھوم سے ہوئی اور دونوں حکومتوں کے تعلقات استوار تر ہو گئے- نوشیرواں کا شہزادہ ولی عہد اسی ملکہ کے بطن سے تھا-[1]

ہیتالیوں کی سرکوبی

رومیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے نوشیرواں کو یہ فائدہ بھی ہوا تھا کہ اس نے ہیتالیوں کے سد باب پر پوری پوری توجہ دی- نوشیرواں سے پہلے اس کے باپ شاہ قباد نے ہیتالیوں کو نیچا دکھایا تھا- اب اس خیال سے کہ یہ قبائل پھر ایرانی سرحدوں پر حملہ نہ کر دیں' نوشیرواں نے بلخ پر لشکر کشی کی- اس سلسلے میں اس نے ترکوں سے بھی مدد مانگی- چناں چہ انھوں نے کثیر تعداد میں لشکر بھیجا- اب یہ دونوں لشکر ہیتالیوں پر حملہ آور ہوے- اُن کا حکم ران لڑتا لڑتا مارا گیا- ہیتالیوں نے بری طرح شکست کھائی اور ان کا علاقہ ایرانیوں اور ترکوں کے مابین تقسیم ہو گیا- اس فتح سے نوشیرواں کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگے-

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۵۴

قبائل خزر کے خلاف مہم

ہپتالیوں کی سرکوبی کے بعد نوشیرواں ۵۷۶ء میں قبائل خزر کی طرف متوجہ ہوا جو گاہے گاہے سر اٹھانے اور ایرانی سرحدوں پر لوٹ مار کرتے تھے۔ نوشیرواں نے ان پر حملہ کر کے انھیں بھی عبرت ناک شکست دی۔ اس حملے میں خزر قبائل کے ہزاروں افراد تہہ تیغ ہوئے۔[1]

یمن میں نوشیرواں کی بالادستی

یمن پر نوشیرواں کی لشکر کشی کے متعلق طبری لکھتے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں یمن میں شہزادہ سیف بن یزن کی حکومت تھی۔ حبشہ کے حکمران ابرہہ نے' جو مذہباً عیسائی تھا' یمن پر حملہ کیا۔ سیف بن یزن مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور وہاں سے فرار ہو کر نوشیرواں کے دربار میں پناہ گزیں ہوا۔ ابرہہ نے یمن میں اپنی حکومت قائم کر لی اور صنعا اور بعض دوسرے شہروں میں کلیسا تعمیر کر لیے۔ ایک عرب ملک میں عیسائی حکومت کے قیام پر قیصرِ روم قدرتی طور پر خوش ہوا لیکن نوشیرواں اس سے سخت برافروختہ ہوا۔ شہزادہ سیف نے نوشیرواں کو مشورہ دیا کہ یمن پر حملہ کر کے عیسائیوں کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ اس سے نہ صرف ایران کے ہمسایے میں عیسائی حکومت قائم نہ ہو سکے گی بلکہ حکومت ایران کے شاندار کارناموں میں اضافہ بھی ہوگا۔ آخر نوشیرواں نے ۵۷۶ء میں اپنے ایک مشہور سالار ہرز کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جو خلیج فارس سے بحری بیڑے پر سوار ہو کر عرب کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر یمن پہنچ گیا۔ پناہ گزیں شہزادہ سیف بھی ایرانی لشکر کے ساتھ تھا۔ اہلِ یمن کو شہزادے کے واپس آنے کی خبر ملی تو کثیر تعداد میں اس کے خیر مقدم کو آئے۔ ایرانی لشکر نے یمن پر حملہ کیا۔ ابرہہ کے خاندان کا ایک فرد مسروق نامی حبشیوں کا لشکر لیے ہوئے مقابلے کو آیا لیکن اس نے شکست کھائی۔ اس شکست پر آخر ابرہہ حبشی لشکر کو لے کر یمن سے نکل بھاگا اور حق بحق دار رسید کے مصداق یمن کی حکومت پھر شہزادہ سیف کو مل گئی۔

ترکوں کے خلاف نوشیرواں کی فوج کشی

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' نوشیرواں نے خاقانِ ترک کی مدد سے ہپتالیوں پر فتح پائی تھی اور بیشتر علاقے ان سے چھین لیے تھے۔ ترکوں کی مدد کے صلے میں نوشیرواں نے جیجوں پار

(۱) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۵۸-۱۶۰ (ماخوذ)

کا سب علاقہ انھیں دے دیا تھا۔ یہاں ترکوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تو وہ حکومت ایران کے لیے دردِ سر بن گئے۔ اب یہ ایران کے لیے ہپتالیوں سے بھی زیادہ خوف ناک تھے۔ بعض ترک قبائل تو قفقاز تک بھی آ دھمکے۔ نوشیرواں نے ایرانی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لیے قلعۂ دربند کو از سرِ نو مستحکم کیا۔ ان ہی دنوں ترک قبائل کے سردار سنجیو نے رومیوں کے اشتعال دلانے پر ایران کی سرحد پر حملہ کیا اور قفقاز کے بعض قلعوں کو' جو نوشیرواں نے بنوائے تھے' تباہ و برباد کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران اور روم کے مابین پھر کشیدگی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی آرمینیا سے بھی کش مکش شروع ہو گئی۔ ۵۷۲ء میں ایران اور روم میں جنگ ٹھن گئی اور بین النہرین ایک بار پھر آماج گاہ بنا۔

ترکوں کے حکم ران ڈزبول نے اس خیال سے کہ مبادا پھر ایرانی ان کی طرف رجوع کریں' اپنے ایلچی ۵۶۷ء میں نوشیرواں کے دربار میں بھیجے اور مصالحت کرنی چاہی۔ نوشیرواں ترکوں کی بے باکی کی وجہ سے سخت برافروختہ تھا۔ سائیکس لکھتے ہیں کہ نوشیرواں نے ایلچیوں کو زہر دے کر مروا دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ وہ طبعی موت مر گئے ہیں۔ ڈزبول' شاہ ایران کے اس سلوک سے سخت برہم ہوا۔ اپنے ایلچی ۵۶۹ء میں قیصرِ روم جسٹن کے پاس بھیجے۔ آخر ترکوں اور رومیوں کے مابین معاہدہ ہو گیا۔ رومیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ترکوں کے سردار سنجیو نے ایران کی سرحد پر حملہ کیا اور قفقاز کے بعض قلعوں کو' جو نوشیرواں نے تعمیر کرائے تھے' تباہ و برباد کر دیا۔ آخر جب ایرانی لشکر صورت حال سے نمٹنے کے لیے آیا تو ترک بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس ناکامی پر ڈزبول نے ۵۷۱ء میں پھر اپنے ایلچی قیصرِ روم کے پاس بھیجے اور یہ خواہش کی کہ رومی حکومت ایران سے اپنا معاہدہ منسوخ کر دے۔[1]

رومیوں سے نوشیرواں کی تیسری جنگ

ایران و روم کے مابین پچاس سالہ معاہدۂ صلح ہوا تھا' لیکن ابھی نو سال ہی گزر رہے تھے کہ جسٹن نے معاہدے کو توڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترکوں کی پشت پناہی کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ایرانیوں کے لیے دردِ سر بنے رہیں۔ اسے کچھ یہ خیال بھی تھا کہ نوشیرواں اب بوڑھا ہو چکا ہے اور اس میں پہلا سا دم خم نہیں' لیکن جسٹن کو غلط فہمی ہوئی۔ چناں چہ جب اس نے نصیبین کی طرف اپنی فوجیں بڑھائیں اور اس مستحکم قلعے کو مسخر کرنا چاہا تو نوشیرواں خود لشکر لیے ہوئے میدان میں

(۱) [illegible] ہسٹری آف پرشیا، ج ۱، ص ۴۵۶

آ گیا اور رومیوں کو مار بھگایا اور قلعہ دارا تک ان کا تعاقب کیا۔ اس عرصے میں چھ ہزار ایرانی لشکر نے شام پر حملہ کیا اور انطاکیہ کے آس پاس کے علاقوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ پھر اپاما کو بھی تباہ و برباد کیا۔ آخر دور تک کا علاقہ روندتا ہوا قلعۂ دارا کے پاس نوشیرواں سے آ ملا۔

دارا کا قلعہ بھی نصیبین کی طرح بہت مستحکم تھا۔ نوشیرواں نے اسے محاصرے میں لے لیا۔ دریا کا پانی جو دریا سے قلعے تک آتا تھا' اس کا رخ موڑ دیا گیا اور اہلِ قلعہ کو پانی فراہم نہ ہو سکا جس سے وہ ۵۷۳ء میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ جسٹن کو ایرانیوں کے ہاتھوں پے بہ پے ذلت اٹھانی پڑی تھی' جس کا اسے سخت صدمہ ہوا۔ بالآخر وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ اس کے جانشین ٹیبیریس نے ۴۵ ہزار پاؤنڈ بطور تاوان ادا کر کے حکومت ایران سے ایک سال کے لیے معاہدۂ صلح کر لیا' لیکن وہ غافل نہ بیٹھا اور ایامِ صلح میں بھی بدستور جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہا اور سرحدی علاقوں سے تازہ دم سپاہی بھرتی کر لیے۔ اتنی دوڑ دھوپ کے باوجود اسے محسوس ہوا کہ خاطر خواہ تیاری نہیں ہو سکی اس لیے تین سال کے لیے تیس ہزار پاؤنڈ سالانہ ادا کرنے کی شرط پر معاہدۂ صلح کی تجدید کر لی۔

اس معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی نوشیرواں نے ایرانی آرمینیا پر حملہ کر کے اسے اپنے تسلط میں لے لیا۔ پھر رومی آرمینیا کا رخ کیا۔ یہاں کے سکائی حکمران نے' جو رومی حکومت کا وظیفہ خوار تھا' ایرانی لشکر کا مقابلہ کیا اور نہ صرف انھیں پسپا کیا بلکہ ان کے ساز و سامان پر بھی قبضہ کر لیا' جس سے ان کی یلغار رک گئی۔ اس کا انتقام نوشیرواں نے ایک رومی چوکی پر شب خون مار کر لے لیا۔ اس کے بعد موسم سرما گزارنے کے لیے نوشیرواں نے اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دیں۔

رومی جرنیل نے موقع کو غنیمت جان کر ایرانی آرمینیا میں غارت گری شروع کر دی۔ نوشیرواں صورت حال سے آگاہ ہوا تو اپنا لشکر بھیجا جس نے ۵۷۶ء میں رومیوں کے لشکر کا قلع قمع کر دیا۔ اس سے اگلا سال خاموشی سے گزر گیا لیکن ۵۷۸ء میں دونوں حکومتوں کی سرگرمیاں پھر سے شروع ہو گئیں۔ دونوں حریف ایک دوسرے کے علاقے کو تہ و بالا کرتے رہے۔ اس اثنا میں مارس قیصر روم بنا۔ اس نے ایرانی آرمینیا پر فوج کشی کی اور وہاں تباہی مچا کر ارزانین اور بین النہرین میں پیش قدمی کی۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس نے کردستان میں بھی چھاپہ مار دستے بھیجے۔ نوشیرواں گرمائی سرد مقام چھوڑ کر طیسفون واپس آ گیا اور رومیوں سے صلح کی گفت و شنید ہوئی' لیکن کسی معاہدے سے پہلے ہی ۵۷۹ء میں نوشیرواں اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔

۵۷۲ء و ۵۷۳ء کا سال

یہ سال نوشیرواں کے عہدِ سلطنت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ ادھر اس سال نوشیرواں نے یمن کی قدیمی سلطنت فتح کی' اُدھر مکہ میں آنحضرت رسول اکرمؐ کی ولادت باسعادت ہوئی' جن کی تعلیمات سے مقدر ہو چکا تھا کہ سطح مرتفع ایران میں 'درفش کاویانی' کی جگہ اسلامی پرچم لہرائے گا۔ حضور کی ولادت کی رات مملکت ایران میں شدید زلزلہ آیا جس سے نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ مقدس آگ' جو آتش کدوں میں ایک ہزار سال سے جلتی آئی تھی' دفعتاً بجھ گئی۔ ساوہ ندی کا پانی خشک ہو گیا۔ موبدان موبد نے خواب دیکھا کہ عربوں کے اونٹ اور گھوڑوں نے دریائے دجلہ عبور کر کے مغربی ایران کو روند ڈالا ہے۔ نوشیرواں کو محل شاہی کے چودہ کنگروں کے گرنے اور موبدان موبد کے خواب اور مقدس آگ کے خاموش ہونے کا حال سن کر پریشانی ہوئی۔ اس نے غسان قبیلے کے ایک عرب عیسائی کو اس کے بوڑھے چچا سطیح کے پاس بھیجا جو شام کے ریگستان میں مقیم تھا۔ سطیح خواب کی تعبیر کرنے اور آنے والے واقعات کا اندازہ کرنے کے علم کا ماہر تھا۔ عرب کاہن نے ان اشارات و واقعات کا بیان سن کر کہا: ''نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگروں کا گرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کنگروں کی تعداد کے برابر یعنی چودہ بادشاہ حکمران رہیں گے۔ ان کے بعد ساوہ کی وادی میں' جہاں بالآخر قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی' عرب فوجیں جمع ہوں گی۔ ساوہ ندی خشک ہو جائے گی اور ایران کی مقدس آگ بجھ جائے گی اور جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔''

نوشیرواں کو کاہن کی پیش گوئی سنائی گئی تو اسے سخت رنج ہوا۔ یہ خیال اس کی برداشت سے باہر تھا کہ ساسانیوں کی عظیم حکومت ختم ہو جائے گی۔ صرف ایک بات سے اس کی تسلی ہوتی تھی کہ اس کے بعد چودہ بادشاہ اور بھی حکومت کریں گے۔ ساسانی عہد کے پہلے بادشاہوں نے ۳۰۵ سال حکومت کی تھی۔ خود اس کی اپنی حکومت کا بھی چالیسواں سال تھا۔ اسی نسبت سے وہ باقی کے چودہ بادشاہوں کی مدت حکومت کا اندازہ کر کے مطمئن ہو جاتا تھا' لیکن اس وقت کون جانتا تھا کہ یہ چودہ بادشاہ صرف ۷۳ سال ہی حکومت کر پائیں گے۔

نوشیرواں کے بیٹے کی بغاوت

طبری لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کو آخری عمر میں' جب کہ وہ بیمار تھا' اپنے بیٹے نوشنگ زاد کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ بغاوت بہت جلد فرو ہو گئی۔ ایسے باغی کی سزا تو قتل تھی لیکن

نوشیرواں نے اسے قتل نہیں کرایا بلکہ اندھا کرا دیا تاکہ وہ جانشینی کے قابل نہ رہے[۱]

نوشیرواں اور عیسائی رعایا

نوشیرواں نے زرتشتی عالموں سے اتحاد تو کیا تھا لیکن اس لیے کہ مزدکیت کا خاتمہ ہو سکے، جس کا وجود نوعِ انسان کے لیے تباہ کن تھا۔ بہر حال وہ اس بات میں ممتاز تھا کہ مذہب کے معاملے میں وہ نہایت فراغ دل تھا۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں اسے عیسائیوں سے مدد لینے میں کوئی دریغ نہ تھا۔ شہر رومگان کو آباد کرنے کے بعد اس نے یعقوبی عیسائیوں کو اجازت دے دی کہ اپنے آپ کو ایک ملت کی شکل میں منظم کر کے اپنا جاثلیق مقرر کر لیں۔ ایران کے عیسائیوں کو نوشیرواں کی یہ مہربانی مدتوں تک یاد رہی۔[۲]

عیسائیوں کو تبلیغ مذہب کی بھی آزادی تھی۔ ان کی تبلیغ ہی کا یہ اثر تھا کہ خود بادشاہ کے بیٹے نوشنگ زاد (نوشاد) نے ایک عیسائی پادری ماربہا کی کوشش سے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اب عیسائیوں کے حوصلے اور بڑھے تو انھوں نے بعض ناعاقبت اندیشی کی باتیں بھی کیں۔ موبدوں نے کوشش کی کہ ماربہا کو مروا دیا جائے۔ آخر جب نوشاد نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دی اور ماربہا نے بغاوت میں اس کا ساتھ دیا تو اس کے خلاف زرتشتیوں کا غیض و غضب اور بڑھ گیا، لیکن نوشیرواں نے ماربہا کو آزاد کر دیا اور اسے اس بات پر مامور کیا کہ اپنے ہم مذہبوں کو نوشاد کی رفاقت سے علاحدہ کرے چناں چہ اس نے اس کام میں توقع سے بڑھ کر کام یابی حاصل کی۔

نوشیرواں اور مزدکیت

نوشیرواں نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اُن قومی نقصانات کی طرف توجہ کی جو مزدک کے پیرؤوں کی دست درازیوں سے ہوئے تھے۔ نوشیرواں نے حکم دیا کہ اشتراکیت کے نظریے کے مطابق جو جائیدادیں مزدکیوں نے غصب کر لی تھیں، وہ اصل مالکوں کو لوٹائی جائیں۔ مزدکیوں کی جس جائیداد کا کوئی وارث نہ ہو، اسے فروخت کر دیا جائے اور جو رقم حاصل ہو اسے فلاح عامہ کے کاموں پر صرف کیا جائے۔ جن مزدکیوں نے قباد کے عہد میں لوگوں کو کسی طرح کا ضرر پہنچایا تھا، انھیں حکم دیا کہ اس کی تلافی کریں، جو لوگ مزدکی فتنے کے دوران مارے گئے تھے

(۱) نولدیکی، ترجمہ طبری، ص ۱۶۲، ح

(۲) کرسٹن سن، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۵۷۱-۵۷۲

اور ان کے پس ماندگان خستہ حالت میں تھے' انھیں مالی امداد دی گئی' جو بچے یتیم رہ گئے تھے نوشیرواں نے ان کی پرورش کا انتظام کیا اور یتیم لڑکیوں کی شاہی اخراجات سے شادیاں کرائیں۔

نوشیرواں کا علمی شغف

نوشیرواں کو مطالعے کا بہت شوق تھا۔ یورینیوس' جو فلسفی اور طبیب تھا اور قوم کا سریانی تھا' خسرو کو فلسفہ پڑھاتا تھا۔ ایک عیسائی مسمیٰ پالوس پرسا نے نوشیرواں کے لیے ارسطو کی منطق کا سریانی میں ترجمہ کیا جس میں خدا اور کائنات کے متعلق عقیدے بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ کو فلسفیانہ خیالات سے دلچسپی تھی' جو موبدوں کے مزاج کے موافق نہ تھی۔

نوشیرواں نے علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے جندی شاپور میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جسے یونیورسٹی کہنا چاہیے۔ یہاں فلسفہ' ادبیات اور طب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نے اردشیر کے خطبات کا پہلوی میں ترجمہ کرایا اور انھیں قانون کا درجہ دیا۔ قدیم فارسی کی مشہور کتاب 'ختائی نامک' نوشیرواں ہی کے زمانے میں لکھی گئی' جو شاہ نامہ' فردوسی کا ماخذ ہے۔ پہلے پایے کی مشہور کتاب 'کلیلک ودمنک' نوشیرواں ہی کے زمانے میں ہندوستان سے منگوائی گئی اور اس کا ترجمہ سریانی اور پہلوی میں ہوا' جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

علما کی قدر و منزلت

نوشیرواں علما کی بہت قدر کرتا تھا۔ شہزادہ ہرمز کی تعلیم کے دوران اس نے حکیم بزرجمہر کے علم و فضل کا شہرہ سنا تو اسے دربار میں بلا بھیجا۔ شہزادے کی تعلیم اسے سونپ دی اور اس کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آخر اسے وزارت کے عہدے پر فائز کیا۔ اس منصب جلیلہ کو بزرجمہر نے بڑی خوبی سے نباہا۔ نوشیرواں کے زمانے کی بیشتر اصلاحات بزرجمہر ہی کے فہم و فکر کا نتیجہ تھیں۔ بزرجمہر کے کردار کی جھلک حکایتِ ذیل میں نمایاں ہے: نوشیرواں کے دربار میں بہت سے علما جمع تھے۔ نوشیرواں نے ایک سوال پیش کیا کہ دنیا میں سب سے بڑی ناخوشی کون سی ہے؟ ایک ایرانی نے جواب دیا: ''بڑھاپا جس کے ساتھ مفلسی بھی ہو'' ایک ہندوستانی فلسفی بولا: ''بیماری جس کے ساتھ مفلسی بھی ہو۔'' بزرجمہر نے یہ جواب دیا کہ انسان کی سب سے بڑی

ناخوشی یہ ہے کہ موت نظر آ رہی ہو لیکن ساتھ ہی اسے یہ غم ستائے کہ اس نے کوئی نیکی نہیں کی۔
بزرجمہر کا جواب سب علما کو پسند آیا اور اسے خراجِ تحسین پیش کیا۔''

نوشیرواں کے عہد میں سلطنتِ روم میں مذہبی تعصب چھایا ہوا تھا لیکن ادھر ایران میں مذہبی رواداری اور علم پروری کی شہرت عام تھی۔ ''۵۲۹ء[1] میں ایتھنز کا مدرسۂ فلسفہ بند ہو جانے کے بعد حکما پر تعدی کا آغاز ہوا تو اس کی وجہ سے سات فلسفی یعنی (۱) ڈیمیسیوس سریانی (۲) سمپلیسیوس جو کیلیکیا کا رہنے والا تھا (۳) یولیمیوس باشندۂ فریگیا (۴) پر یسینیوس باشندۂ لیڈیا (۵) ہرمیاس فینیقی (۶) دیو جانس فینیقی (۷) ایسیڈور غزی طیسفون میں آ کر پناہ گزین ہوئے[2] جہاں بادشاہ نے نہایت اشتیاق کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور قیصرِ روم کے ساتھ جو عہد نامہ اس نے کیا' اس میں یہ شرط بھی لکھوائی کہ ان کو اپنے ملک واپس جانے کی آزادی دی جائے۔

طبیب برزویہ

برزویہ دربار نوشیرواں کا طبیب تھا جسے ہندوستان جانے کی پوری پوری سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ یہی طبیب ہندوستان کی شہرۂ آفاق کتاب 'کلیلک و دمنک' لایا تھا' جس سے نوشیرواں بہت خوش ہوا اور اسے پہلوی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ خدمت برزویہ ہی کے سپرد کی گئی۔ اس نے یہ کتاب سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ کر دی اور اس کا نام 'کلیلک دمنک' رکھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں عبداللہ ابن المقفع نے' جو پہلوی اور عربی دونوں زبانوں میں کامل دست گاہ رکھتا تھا' اس کا ترجمہ 'کلیلہ دمنہ' کے نام سے عربی میں کیا۔ اسے پیشِ نظر رکھ کر نصر بن احمد سامانی کے عہد میں رودکی نے اسے فارسی نظم میں لکھا' پھر حمید الدین ابوالمعالی نصر اللہ نے بارھویں صدی میں فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔ سولھویں صدی کے آخر میں حسین واعظ کاشفی نے اسے پھر اپنی فارسی میں لکھا۔ اسی کتاب کو ابوالفضل فیضی نے 'عیارِ دانش' کے نام سے اکبر اعظم کے لیے نظم کیا۔

کلیلک و دمنک کے ہندوستان سے ایران لانے کے متعلق طرح طرح کی داستانیں

---

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۵۵۴

ان سات فلسفیوں کے نام انگریزی حروف میں حسب ذیل ہیں

(۱) Damascios of Syra (۲) Simplicios of Cilica (۳) Eulamios of Phrygia

(۴) Pricscianos of Lydia (۵) Hermias of Phoenicia (۶) Diogenes

(۷) Isidore of Ghaza

تذکروں میں لکھی گئی ہیں- اس سلسلے میں ثعالبی کا بیان دل چسپی سے خالی نہ ہوگا-

''نوشیرواں کے دربار سے ایک سو بیس طبیب وابستہ تھے- ان میں ایرانیوں کے علاوہ رومی اور ہندی بھی تھے- ان ہی میں ایک نامور ایرانی طبیب برزویہ بھی تھا- اس نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ہندوستان کے پہاڑوں میں ایک بوٹی پائی جاتی ہے' جو مردے کو زندہ کر دیتی ہے- برزویہ کو یہ آرزو بے چین رکھتی تھی کہ جیسے بھی بن پڑے یہ بوٹی حاصل کرے- آخر اس نے اس بوٹی کا ذکر نوشیرواں سے کیا اور ہندوستان جانے کی اجازت چاہی تاکہ اس کی تلاش کرے- بادشاہ نے اسے اجازت دے دی اور اس کے لیے سامانِ سفر تیار کرنے کا بھی حکم دیا-''[1]

''برزویہ پایۂ تخت ہندوستان پہنچا تو نوشیرواں کا مراسلہ بادشاہِ ہندوستان کو دیا- بادشاہ نے برزویہ کو خوش آمدید کہا اور پہاڑوں پر سے بوٹی دریافت کرنے کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں- برزویہ نے بڑی جدوجہد کی اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں لیکن بوٹی ہاتھ نہ آسکی- اب وہ حیران تھا کہ ناکام واپس ہو کر بادشاہ کو کیا منہ دکھائے گا- آخر اس نے ہندوستان کے لائق ترین طبیب کا پتا پوچھا- برزویہ اس کے پاس گیا اور اس کتاب کا ذکر کیا جس میں مردے کو زندہ کرنے والی بوٹی کا حال پڑھا- بوڑھے طبیب نے جواب دیا کہ آپ اس حکایت کے اصل مطلب تک نہیں پہنچ سکے- یہ قدیمی بزرگوں کی ایک رمز ہے- پہاڑوں سے مراد علما ہیں اور مردے کو زندہ کرنے والی بوٹی ان علما کے اقوال ہیں اور مردوں سے جاہل مراد ہیں- اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دانا لوگ اپنے پند و نصائح سے جاہلوں کی تربیت کرتے ہیں' گویا مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں- پند و نصائح کی یہ تعلیم کتاب کلیلک دمنک سے حاصل ہوتی ہے جو بادشاہ کے خزانے کے علاوہ اور کہیں سے دست یاب نہیں ہو سکتی- برزویہ یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور بادشاہ سے استدعا کی کہ اسے 'کلیلک و دمنک' سے استفادہ کرنے کی اجازت دی جائے- بادشاہ نے جواب دیا کہ نوشیرواں کے پاسِ خاطر سے صرف اس شرط پر اجازت دی جا سکتی ہے کہ اسے آپ سرکاری نگرانی میں پڑھیں اور مطلب اخذ کر لیں- برزویہ اجازت پا کر خوش ہو گیا- وہ ہر روز دربار میں حاضر ہوتا' کتاب کا مطالعہ کرتا اور اس کا مفہوم یاد کر لیتا اور جب واپس اپنی قیام گاہ پر آتا تو اسے احاطۂ تحریر میں لے آتا- یہاں تک کہ کتاب مکمل ہو گئی- آخر وہ بادشاہ ہندوستان سے رخصت حاصل کر کے ایران واپس آ گیا-''[1]

---

(۱) شاہنامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۰۴-۳۰۵

عدل وانصاف

نوشیرواں کے عدل وانصاف کی داستانیں زبان زدعوام ہیں- اگر چہ پروکوپیوس اور بعض اور رومی مؤرخوں کو اس کے عدل کے بارے میں اتفاق نہیں بلکہ وہ اسے ظالم' سفاک اور عیار تک لکھتے ہیں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے دشمن کی حیثیت سے اسے دیکھا اور جانب دار مؤرخوں کی حیثیت میں اس پر خیال آرائی کی- اس کے برخلاف تاریخ نے اسے عادل کا لقب دیا ہے اور تاریخ کے صفحات میں جو لقب کسی کو ملتا ہے' اس کا کوئی تاریخی پس منظر ضرور ہوتا ہے- علمائے مشرق نے متعدد ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے اس کے عدل وانصاف کا پتا چلتا ہے- نظام الملک لکھتے ہیں کہ نوشیرواں نے اپنے محل میں ایک گھنٹی لٹکا رکھی تھی اور اس کے ساتھ ایک زنجیر بندھوا دی تھی تا کہ جس شخص پر کوئی ظلم ہو' وہ بادشاہ سے شکایت کرنے کے لیے زنجیر کھینچے-[۲]

مسعودی لکھتے ہیں کہ نوشیرواں جب فتح یاب ہو کر عراق آیا تو مختلف ممالک کے حکمرانوں کے سفیر دربار میں حاضر ہونے-[۳] ان میں قیصر روم کا سفیر بھی تھا- اس نے شاہی محل کو دیکھ کر بڑی تعریف وتوصیف کی لیکن محل کے صحن میں کچھ کجی دیکھی تو کہا کہ اسے مربع شکل کا ہونا چاہیے تھا- اسے بتایا گیا کہ جس جگہ کجی ہے' یہاں ایک بڑھیا کا مکان تھا جو باوجود ترغیب دلانے کے اس کو بیچنے پر آمادہ نہ تھی- بادشاہ نے زبردستی اس کے مکان کی زمین نہ لینا چاہی اور حکم دیا کہ اس کی زمین چھوڑ دی جائے' جس سے یہ گوشہ غیر متناسب ہو گیا- یہ سن کر رومی سفیر بولا کہ یہ غیر متناسب گوشہ' غیر متناسب مربع سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے-

مؤرخوں کے بیان کیے ہوئے واقعات وحکایات کے علاوہ نوشیرواں نے جو ملکی قوانین میں ترمیمیں کیں' ان سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ ایک عادل بادشاہ تھا- اس نے سزائیں کسی قدر ہلکی کر دی تھیں - نامۂ تنسر میں' جو نوشیرواں کے عہد کی تصنیف ہے' لکھا ہے کہ اگلے وقتوں میں بغاوت' غداری اور میدان جنگ سے فرار ہونے کی سزا فوری موت ہوتی تھی- رہزنی' بدکاری اور ظلم وستم کرنے کے لیے سخت جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں- شہنشاہ نے ایسے جرائم

(۱) سیاست نامہ' ص ۳۶

(۲) مروج الذہب' ج ۲' ص ۹۷

(۳) ایضاً

کے لیے پہلے کی نسبت بہتر قوانین نافذ کیے۔ زمانہ سابق میں جو شخص مذہب سے پھر جاتا تھا اس کو بلا تاخیر قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اب شہنشاہ نے حکم دیا کہ مجرم کو کامل ایک برس حوالات میں رکھا جائے اور اس عرصے میں علمائے مذہب اس کو ہر وقت نصیحت کرتے رہیں اور دلائل و براہین سے اس کے شکوک کو رفع کریں' اگر وہ اپنی غلطی کو مان لے اور توبہ کرے تو اسے آزاد کر دیا جائے لیکن اگر وہ ضد اور تکبر سے اپنے کفر پر اڑا رہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔[1]

شاہی اقتدار کا استحکام

ساسانی عہد کے بادشاہ اُمرا و اشراف کے رہینِ منت تھے۔ ان کا بادشاہ پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ وہ امرا' اشراف اور موبدوں کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا۔ قباد نے مزدکی مذہب محض اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے جاں نثاروں کی جماعت پیدا کر کے عوام اور بادشاہ کے اس درمیانی طبقے کو ختم کر دے' جو اس کے اختیارات میں رکاوٹ کا موجب ہے' لیکن اسے انتہا پسندی کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس نوشیرواں نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ شاہی اختیارات کو اُمرا اور موبدوں سے محفوظ رکھے گا اور ان کی وجہ سے جو ملک کو نقصان ہوتا ہے' اس کی تلافی کرے گا۔ اس کے لیے نوشیرواں نے دانش مندانہ طریقے اختیار کیے۔ جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' نوشیرواں نے یتیم بچوں کی تعلیم کے لیے خاص انتظامات کیے۔ مقصد یہ تھا کہ بچے لکھ پڑھ کر اس قابل ہو جائیں کہ انھیں سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا جائے۔ اس طرح اس نے ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو اس کی احسان مندی کی وجہ سے ہمیشہ اس کی وفادار رہی۔

نوشیرواں نے رفتہ رفتہ مکمل اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور اپنی فراست سے ایسی حکومت قائم کرنے میں کام یاب ہو گیا جو اُمرا اور موبدوں سے آزاد تھی۔ بالآخر یہ لوگ بھی اس کی مرضی کے تابع ہو گئے۔ نامۂ تنسر میں لکھا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا اور اپنے لشکر میں بہ منزلہ قانون اور نظام کے ہے' جشن کے دن کی وہ زینت ہے' خوف کے دن وہ رعیت کا ملجا و ماویٰ اور دشمن کے خلاف رعایا کا پشت پناہ ہے۔ خسرو (نوشیرواں) نے یہ ٹھان لی ہے کہ وہ بالکل اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرے گا اور اُمرا کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کو گوارا نہیں کرے گا۔[2]

(۱) مصطلحات زبان پہلوی' ج ۲' ص ۱۴' ۱۵

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۴۸۶

زرعی اصلاحات

ملکی معیشت میں زراعت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اس لیے نوشیرواں نے اس پر بہت توجہ دی۔ کھیتی باڑی کی اصلاح کے لیے اس نے کاشت کاروں کو اچھا بیج مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ بیل اور کھیتی باڑی کے اوزار انھیں مہیا کیے۔ آب پاشی کے ذرائع کو بہتر بنایا۔ نوشیرواں نے حکم دیا تھا کہ ملک میں چپہ بھر زمین ایسی نہیں ہونی چاہیے' جس میں کاشت نہ ہو۔ جس زمین کا کوئی مالک نہیں اس کی کاشت کا انتظام حکومت کرے۔[1] یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص اگر بے سرمایہ ہونے کی وجہ سے کاشت نہ کر سکے تو اسے شاہی خزانے سے قرض دیا جائے۔

مالیہ

کاشت کاروں سے جس طرح لگان لیا جاتا تھا' وہ ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ حکومت کو بھی لگان وصول کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ قباد کے زمانے میں' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' کاشت کاروں کو پکی ہوئی فصل کو ہاتھ لگانے کا اختیار نہ تھا۔ وہ سرکاری کارندوں کے منتظر رہتے تھے کہ وہ آ کر سرکاری حصہ وصول کر لیں تو فصل اٹھائی جائے۔ لگان میں آسانیاں پیدا کرنے کی طرف پہلے قباد نے توجہ کی تھی۔ نوشیرواں نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دیا کہ قباد کی وصیت کے مطابق زمینوں کی پیمائش کرائی جائے اور جنس کا حصہ لینے کی بجائے کاشت کاروں سے مناسب نرخ کے مطابق نقد رقم وصول کی جائے۔ یہ کام بہت بڑا تھا لیکن منصف اور ایماندار افسروں کے ذریعے اس کی تکمیل ہو گئی۔[2] لگان کی نئی شرحیں مندرجہ ذیل مقرر ہوئیں: گیہوں اور جو فی جریب (۲۵۸۰ گز) سالانہ ایک درم' انگوروں پر فی جریب آٹھ درم' چارے پر فی جریب سالانہ سات درم' چاولوں پر فی جریب سالانہ ۵/۶ درم' چار ایرانی کھجوروں کے درختوں پر یا چھ ارمنی کھجوروں یا چھ زیتون کے درختوں پر سالانہ ایک درم۔ ان کے علاوہ باقی ہر قسم کی پیداوار کا لگان معاف تھا۔ کھجوروں کے درخت' جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے' ان پر بھی لگان نہیں لیا جاتا تھا۔

لگان کا یہ طریقہ بالکل نیا تھا' اس لیے رعایا کو اس سے متعارف کرانے کے لیے ملک کے سرکردہ لوگوں کو جمع کر کے نوشیرواں نے یہ خطبہ دیا[3]: "لوگو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے

(۱) شاہنامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۲۹۳

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۴۸۹

(۳) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲-۱۷۲' ۱۷۳

ہمیں آبا و اجداد کی بہ نسبت زیادہ نعمتیں عطا کیں اور ہماری مملکت کو وسیع کیا' اسی طرح یہ بھی ضروری ہوا کہ ہمارا عدل بھی اُن کی نسبت زیادہ ہو۔ اس غرض سے میں نے رعایا کے کاروبار پر توجہ دی۔ ملک کے لیے ایک بیت المال قائم کیا ہے تاکہ ملک کو دشمن کے حملوں سے بچانے کے لیے اسے استعمال میں لایا جا سکے۔ کوئی دشمن حملہ آور ہو تو ضروری ہے کہ لشکر لوگوں کی حفاظت کرے اور لشکر کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ انھیں تنخواہیں دی جائیں اور تنخواہیں لگان وغیرہ ہی سے ادا کی جا سکتی ہیں۔ اگر حکومت کا اپنا کوئی بیت المال نہ ہو اور مصیبت کے وقت پہلے طریقے کے مطابق لوگوں سے دفعتاً زر و مال لیا جائے تو اس صورت میں رعایا پر بہت بوجھ پڑتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ ہر سال لگان وصول کیا جائے اور وہ بیت المال میں جمع ہوتا رہے' تاکہ حسب موقع وہاں سے رقم لے کر خرچ کی جائے۔ یہ رقم جبر سے نہیں لی جائے گی بلکہ اس کا حصول عدل و انصاف کے قاعدوں کے مطابق ہو گا۔ ہمارے بزرگوں نے بھی کوشش کی تھی کہ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خزانہ پُر کریں لیکن وہ ملکی مدافعت میں مشغول رہے اور زمانے نے انھیں مہلت نہ دی۔ خدا نے اب ہمیں یہ بادشاہت دی ہے۔ ہم نے زمینوں پر جو لگان لگایا ہے' عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ہم نے تمام زمینوں کی پیمائش کرا لی ہے اور پیداوار کا حصہ لینے کی بجائے مناسب نقد لگان عائد کیا ہے......''

نوشیرواں نے نئے لگان کا نرخ نامہ لکھوا کر مالیات کے دفتر میں رکھوا دیا اور اس کی ایک ایک نقل محکمۂ مال کے سب افسروں اور اضلاع کے ججوں کو بھجوائیں۔ ان ججوں کا فرض اس بات کی نگرانی کرنا تھا کہ لگان کی وصولی انصاف کے ساتھ ہو اور یہ کہ اگر کسی شخص کی کھیتی باڑی یا درختوں کو نقصان پہنچا ہو تو لگان معاف کر دیا جائے۔ ایسی معافی کی اطلاع ججوں کو مرکزی حکومت کو بھیجنی پڑتی تھی اور وہاں سے تحصیل داروں کے نام مناسب احکام صادر کر دیے جاتے تھے۔ نوشیرواں کا مقصد یہ تھا کہ لگان کی وصولی میں جو زیادتیاں عام طور پر ہو رہی تھیں ان کا سدباب ہو جائے۔'' پیداوار لانے اور لے جانے کے لیے نوشیرواں نے آمد و رفت کے ذرائع کو بہتر بنایا۔ سڑکوں کی حفاظت کے لیے پاسبان مقرر کیے اور ٹوٹے ہوئے پلوں کو پھر سے تعمیر کرایا۔[1]

نوشیرواں نے مالیات کے حکام کی تجویز کے مطابق شخصی لگان کی بھی اصلاح کی۔ یہ لگان ان سب آدمیوں پر عائد کیا جاتا تھا' جن کی عمر بیس اور پچاس سال کے درمیان ہوتی تھی۔ اُمرا و اشراف' سپاہی' موبد' دبیر اور دوسرے سرکاری ملازم لگان سے مستثنیٰ ہوتے تھے۔ تمول کے

اعتبار سے لگان دینے والوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ بعض بارہ درم کی شرح سے لگان دیتے تھے' بعض آٹھ درم کے حساب سے اور بعض چھ درم کے حساب سے۔ زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو چار درم کے حساب سے لگان دیتے تھے۔ لگان سہ ماہی قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے۔ [۱]

دربار عام

کرسٹن سن بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دربار عام طاق کسریٰ کے ہال میں ہوتا تھا۔ [۲] روز معین پر لوگوں کا انبوہ محل کی ڈیوڑھی پر جمع ہو جاتا' فرش پر نہایت نرم قالین بچھائے جاتے اور دیواروں کے بعض حصوں پر بھی قالین لٹکائے جاتے۔ دیواروں کا جتنا حصہ ننگا رہ جاتا اس کو تصویروں سے سجایا جاتا' جو خسرو اول (نوشیرواں) کے حکم سے غالباً ان رومی مصوروں نے بنائی تھیں' جنھیں قیصر جسٹینین نے اس کے دربار میں بھیجا تھا۔ ان تصویروں میں من جملہ مضامین کے انطاکیہ کا محاصرہ اور ان لڑائیوں کے سین دکھائے گئے تھے جو اس شہر کے اردگرد ہوئی تھیں۔ خسرو اول کو تصویر میں اس طرح دکھایا گیا تھا کہ سبز لباس پہنے' کمیت گھوڑے پر سوار' ایرانیوں اور رومیوں کی صفوں کے آگے سے گزر رہا ہے۔ شاہی تخت ہال کمرے کے سرے پر پردے کے پیچھے رکھا جاتا تھا۔ اعیان سلطنت اور حکومت کے اعلا عہدے دار پردے سے مقررہ فاصلے پر جاگزیں ہوتے تھے۔ درباریوں کی جماعت اور دوسرے ممتاز لوگوں کے درمیان ایک جنگلا حائل رہتا تھا۔ اچانک پردہ اٹھتا تو شہنشاہ تخت پر بیٹھے' دیبا کے تکیے پر سہارا لگائے' زربفت کا بیش بہا لباس جلوہ گر نظر آتا تھا۔ تاج جو سونے اور چاندی کا بنا ہوا اور زمرد' یاقوت اور موتیوں سے مرصع تھا' بادشاہ کے سر کے اوپر چھت کے ساتھ ایک سونے کی زنجیر کے ذریعے لٹکا رہتا تھا جو اس قدر باریک تھی کہ جب تک تخت کے بالکل قریب آ کر نہ دیکھا جائے' نظر نہیں آتی تھی۔ اگر کوئی شخص دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا تھا کہ تاج بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس قدر بھاری تھا کہ کوئی انسانی سر اس کو نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کا وزن ۹۱ ۱/۴ کیلو (۹۱ ۱/۴ × ۲ ۱/۵ پونڈ) یا ڈھائی من تھا۔ ہال کی چھت میں ۱۵۰ روشن دان تھے جن کا قطر بارہ سے پندرہ سینٹی میٹر تھا۔ ان میں سے جو روشنی چھن چھن کر اندر داخل ہوتی تھی' اس کی پُر اسرار کیفیت میں جو شخص پہلی مرتبہ اس رعب و جلال کے منظر کو دیکھتا' وہ اس قدر ہیبت زدہ ہوتا کہ بے اختیار گھٹنوں کے بل گر پڑتا۔

---

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' بحوالہ طبری' ص ۴۹۵

(۲) ایضاً' ص ۵۳۰

دربار کے بعد جب بادشاہ اٹھ کر جاتا تو تاج اسی طرح لٹکا رہتا تھا لیکن اس پر دیبا کا ایک کپڑا لپیٹ دیا جاتا تھا تاکہ اس پر گرد نہ پڑے۔

دربار میں اجنبیوں کو آنے کی اجازت نہ تھی اور دربار تو درکنار وہ یہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ براہِ راست پایۂ تخت کی طرف آ سکیں۔ انھیں ذیل کے پانچ شہروں میں سے کسی ایک میں روک لیا جاتا تھا۔ شام کی طرف سے آنے والوں کو ہیت میں، حجاز کی طرف سے آنے والوں کو العذیب میں، فارس کی طرف سے آنے والوں کو فریقین میں، ترکستان سے آنے والوں کو حلوان میں اور خزر اور الان سے آنے والوں کو الباب الابواب (دربند) میں۔ ان شہروں سے مسافروں کی اطلاع بادشاہ کو بھیجی جاتی تھی۔ جب بادشاہ کی طرف سے حکم صادر ہوتا تو یہ آگے بڑھ سکتے تھے۔[1]

فوجیوں کے مشاہدے

نوشیرواں کے نزدیک خارجی اور داخلی دشمنوں کی مدافعت سب سے اہم مسئلہ تھا لہٰذا اس نے فوجی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی۔ اس وقت تک عام قاعدہ یہ تھا کہ کم تر درجے کے لوگ، جو پیادہ فوج میں شامل تھے، بلا تنخواہ کام کرتے تھے، یہاں تک کہ انھیں اسلحہ اور لباس بھی خود اپنی گرہ سے مہیا کرنا پڑتا تھا۔ نوشیرواں نے عرضِ سپاہ کا قاعدہ جاری کیا، یعنی پیادوں اور سواروں کا معائنہ کیا جاتا تھا، جو لوگ نادار ہوتے ان کو گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے جاتے تھے۔ تنخواہیں سب کے لیے حسبِ مرتبہ مقرر کر دی گئیں۔

طبری عرضِ سپاہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''نوشیرواں نے اپنے ایک دبیر کو بلایا جس کا نام بابک یزدان تھا۔ اسے نوشیرواں نے کہا کہ لشکر کو کچھ معاوضہ تو ملتا ہے لیکن ایسے لوگوں کو ملتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے اور جو اہل ہوتے ہیں وہ معاوضے سے محروم رہتے ہیں۔ جس کو ایک ہزار درہم ملنے چاہییں اسے صرف سو درہم ملتے ہیں۔ کسی کے پاس گھوڑا نہیں ہوتا، لیکن اسے سوار کا وظیفہ ملتا ہے۔ کسی کے پاس گھوڑا ہے تو وہ سواری نہیں جانتا۔ کسی کو تیر اندازی کا وظیفہ ملتا ہے تو وہ تیر اندازی کے فن سے ناواقف ہوتا ہے۔ یہ سخت بے انصافی ہے۔ میں ناانصافی کو گوارا نہیں کرتا ہوں۔ تمھیں دیوانی کا منصب سونپا جاتا ہے۔ تمھارا فرض ہے کہ فوج کو ان کے حقوق کے مطابق معاوضے ملیں۔ تمھیں عرضِ سپاہ کا مکمل اختیار دیا جاتا ہے۔ اس غرض کے لیے ایک میدان تیار کرایا

(۱)

جائے گا۔ اس میدان میں تم سوار فوج کا معائنہ کیا کرو۔ ان کے لباس، گھوڑوں کے ساز و سامان زرہ بکتر، غرض کہ تمام لوازمات کو دیکھنے کی ضرورت ہے...... جب مسلح سوار تمھارے سامنے آئے تو اس سے کہو کہ گھوڑا دوڑائے اور دیکھو کہ وہ گھوڑے پر سوار ہونے اور گھوڑا دوڑانے کے آداب سے واقف ہے، پھر دیکھو کہ اسلحہ درست طور سے استعمال کر سکتا ہے۔ اس معائنے کے بعد اس کا معاوضہ مقرر کیا جائے۔ یہ معاوضہ سو سے چار سو درم تک دیا جائے۔ جو پیادہ ہو اسے سو درہم سے کم معاوضہ نہ دیا جائے۔“[1]

”بابک نے دوسرے دن منادی کرادی کہ سوار مسلح ہو کر میدان میں آئیں۔ ہر سوار کے پاس وہ تمام اسلحہ ہونا چاہیے، جو وہ میدان جنگ میں جانے کے لیے زیب تن کرتا ہے۔ تین دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس پورا اسلحہ نہ ہو تو اس عرصے میں تیار کرالے۔ چوتھے دن معائنے کے لیے سواروں کا لشکر جمع ہو گیا۔ اس نے سواروں کو دیکھا اور حکم دیا کہ تم میں سے جو سب سے افضل ہے، وہ یہاں موجود نہیں اس لیے آج تم لوٹ جاؤ۔ یہ خبر نوشیرواں تک پہنچی تو وہ سمجھا کہ اُمرا و اشراف شاید نہیں آئے اس لیے بابک نے اعتراض کیا ہوگا۔ چناں چہ دوسرے دن یہ لوگ بھی لشکر گاہ میں فوج کے ساتھ شامل ہوئے۔ بابک نے ان سے مخاطب ہو کر پھر وہی جملہ دہرایا کہ تم میں سے جو سب سے افضل ہے، وہ موجود نہیں، اس لیے آج بھی لوٹ جاؤ۔ نوشیرواں نے سنا تو سمجھا کہ بابک کا روئے سخن میری طرف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں بھی معائنے میں شریک ہوں۔ اس پر نوشیرواں بولا، عدل کا یہی تقاضا ہے۔ اگلے دن اس نے بھی اسلحہ پہنا، سر پر خود رکھا، پہلو میں کمان لٹکائی لیکن دوسری کمان جو زین کے پیچھے باندھنے کی ہدایت کی گئی تھی، وہ نہ باندھی گئی۔ نوشیرواں سوار ہو کر لشکر گاہ میں آ گیا۔ بابک شہنشاہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ”اے خداوند تاج و تخت! گھوڑا پیچھے کی طرف موڑیے تاکہ میں اچھی طرح آپ کے اسلحہ کو دیکھ سکوں۔“ گھوڑا مڑا تو پیچھے کی کمان نہ تھی۔ اس پر بابک نے کہا کہ دوسری کمان موجود نہیں جس کی سوار کو ضرورت ہوتی ہے۔ چناں چہ بادشاہ نے دوسری کمان منگوائی اور اسلحہ مکمل کر لیا۔“[2]

فوجی مصلحتیں اور انتقالِ آبادی

نوشیرواں فوجی مصلحتوں کے پیشِ نظر مختلف قوموں اور قبیلوں کو ایک جگہ سے دوسری

---

(۱) تاریخ طبری، ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۱۷۲

(۲) کرسٹین سین، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۴۹۳

جگہ منتقل کر کے فوجی خدمات پر مامور کر دیتا تھا۔ کرسٹن سن لکھتے ہیں کہ صوبۂ کرمان میں ایک پہاڑی قوم بسی ہوئی تھی' جو پاریز کے نام سے موسوم تھی۔ ان لوگوں پر نوشیرواں نے فتح پائی تو انھیں مختلف مقامات پر منتقل کرا کے گھروں میں آباد کر دیا۔ ابخار' خزر اور آلان قبائل پر فتح پائی' جو ایرانی سرحدوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے' تو انھیں آذربائیجان اور اس کے گرد و نواح میں لا بسایا اور فوجی خدمات سپرد کر دیں۔ انطاکیہ کو فتح کرنے کے بعد نوشیرواں نے وہاں کے تمام باشندوں کو ایک نئے شہر میں لا بسایا' جسے اس نے مدائن کے قریب رومیہ کے نام سے آباد کرایا تھا۔ وحشی اقوام کے لوگ' جو کسانوں سے بھی زیادہ تنومند ہوتے تھے' انھیں عموماً نوشیرواں غیر محفوظ علاقوں میں آباد کرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کے حملوں کو روک سکیں۔

اس طریقے سے نوشیرواں نے جو فوج تیار کی اس میں چیدہ چیدہ سواروں کے علاوہ وہ مہاجرین بھی شامل تھے جو نقل مکانی کرنے کے بعد مختلف مقامات پر بسائے گئے تھے۔[1]

مملکت کے منطقے

نوشیرواں نے اپنی مملکت کو چار حصوں میں منقسم کیا: پہلے حصے میں خراسان تھا' جس میں طخارستان' زابلستان اور سیستان کے علاقے شامل تھے۔ دوسرے حصے میں میڈیا تھا' جس میں رے' ہمدان' نہاوند' دینور' کرمان شاہ' اصفہان' قم' کاشان' ابہر' زنجان' آرمینیا' آذربیجان' جرجان اور طبرستان شامل تھے۔ تیسرے حصے میں فارس' کرمان' اہواز (خوزستان) شامل تھے۔ چوتھے حصے میں عراق سے یمن تک کا علاقہ' حدود شام اور سرحدات روم شامل تھیں۔

اس نئے نظام کے پیش نظر سپہ سالاری کے عہدوں میں بھی تبدیلی کرنی پڑی۔ نوشیرواں کے زمانے سے پہلے افواج کا ایک سپاہ بد ہوتا تھا۔ نوشیرواں نے یہ عہدہ منسوخ کر کے چار سپاہ بد مقرر کیے۔ مشرق کے سپاہ بد کے ماتحت خراسان' سیستان اور زابلستان وغیرہ کی فوج تھی۔ جنوب کے سپاہ بد کے ماتحت فارس اور خوزستان کی فوج تھی۔ مغرب کا سپاہ بد عراق سے لے کر سرحد روم کا سالار تھا۔ شمال کے سپاہ بد کے ماتحت میڈیا اور آذربیجان وغیرہ کی افواج تھیں۔

پایۂ تخت نوشیرواں

نوشیرواں کا پایۂ تخت طیسفون تھا جسے عرب مؤرخ مدائن لکھتے ہیں۔ طیسفون دراصل کئی ش . ں کا مجموعہ تھا جس کی وجہ سے عربوں نے اسے مدائن کا نام دیا۔ عہد ساسانی کی آخری

صدی میں طیسیفون سات شہروں پر مشتمل تھا۔ عرب اور ایرانی مصنفین کے بیان کی رو سے دو شہروں کے سوا باقی برباد ہو چکے تھے۔ بہر حال بڑے شہر دو تھے: ایک طیسیفون اور دوسرا دیہہ اردشیر (جو پہلے سیلوکیہ کے نام سے موسوم تھا)۔ طیسیفون دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا اور دیہہ اردشیر مغربی کنارے پر۔ دونوں شہر ایک پل کے ذریعے ملے ہوئے تھے۔ شاپور دوم نے جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' ایک اور پل بھی بنوایا تھا تاکہ ایک آنے والوں کے لیے اور دوسرا جانے والوں کے لیے استعمال ہو۔

یہ دونوں شہر بہت مستحکم تھے۔ ان کے ارد گرد دیواریں تھیں۔ طیسیفون کے گرد نصف دائرے کی دیوار تھی جس پر برج بنے ہوئے تھے۔ اس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔ دجلہ کے مغربی کنارے پر اب دیہہ اردشیر کے کھنڈرات نظر آتے ہیں جو کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ شاہی محلات دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر تھے۔ ساسانی بادشاہ عموماً طیسیفون میں سکونت رکھتے تھے۔

طاق کسریٰ

ساسانی عہد کی عمارتوں میں سب سے زیادہ مشہور طاقِ کسریٰ تھا' جسے نوشیرواں نے تعمیر کرایا۔

طاقِ کسریٰ یا ایوانِ مدائن کے متعلق کرسٹن (1) نے بحوالۂ موسیو رائٹر جو تفصیل پیش کی ہے' اسے درج ذیل کیا جاتا ہے:

''طاقِ کسریٰ خسرو اول (نوشیرواں) کے محل میں دربار کا ہال تھا۔ محل اور اس کے متعلقات کے کھنڈرات کا مجموعی رقبہ ۳۰۰×۴۰۰ میٹر ہے' جس میں ایک تو طاق ہے اور اس کے مشرق کی جانب تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک عمارت کی کچھ ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف ایک ٹیلہ ہے' جس کو حریم کسریٰ کہتے ہیں اور شمال کی طرف بعض عمارتوں کے ڈھیر ہیں' جو ایک جدید قبرستان کے نیچے آ گئے ہیں۔ ان تمام عمارات میں سے صرف طاق ایک ایسا حصہ ہے' جس کے کافی آثار اب تک باقی ہیں۔ اس کے سامنے رُخ' جو مشرق کی جانب کو ہے' ۹ گز اونچا ہے۔ اس میں ایک دیوار ہے جس میں کوئی کھڑکی نہیں لیکن وہ برجستہ ستونوں اور محرابوں سے آراستہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی محرابوں کی قطاریں چار منزلوں میں بنی ہوئی ہیں۔ اس قسم کی دیواروں

(1) ایران بعہد ساسانیاں' ص ۵۱۲-۵۲۳

کے نمونے مشرق کے ان شہروں میں، جہاں یونانیت کا اثر زیادہ ہوا، خصوصاً پیلمرا میں ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ اس عمارت کے سامنے رُخ پر شاید رنگین استر کاری کی گئی تھی یا سنگِ مرمر کی تختیاں مڑھی گئی تھیں یا (جیسا کہ بعض جدید مصنفوں نے دعویٰ کیا ہے) تانبے کے پترے، جن پر سونے یا چاندی کا ملمع کیا گیا تھا، چڑھائے گئے تھے۔ ۱۸۸۸ء تک سامنے رُخ کا اور مرکزی کمرا اپنی جگہ قائم تھے لیکن اس سال شمالی بازو خراب ہو چکا تھا اور اب جنوبی بازو بھی گرنے کو ہے۔ سامنے کی دیوار کے وسط میں بیضوی شکل کی عظیم الشان محراب کا دہانہ ہے جس کی گہرائی محل کی عمارت کے آخر تک چلی گئی ہے۔ یہ دربار کا ہال تھا اور اس کی لمبائی ۴۳ میٹر اور چوڑائی ۲۵ میٹر تھی۔ سامنے کے رُخ کے دونوں بازوؤں کے عقب میں پانچ پانچ کمرے تھے، جو اونچائی میں طاق سے بہت کم تھے اور جن پر محراب دار چھتیں تھیں اور باہر کی طرف سے ایک بلند دیوار سے گھری ہوئی تھیں۔ عمارت کی مغربی دیوار کے پیچھے غالباً وسط میں ایک مربع شکل کا ہال تھا، جو دربار کے کمرے کا جوڑ تھا اور اس کے دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ تمام دیواریں اور محرابیں اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں اور ان کے آثاروں کی چوڑائی غیر معمولی تھی۔ اہلِ جرمنی نے جو حال ہی میں کھدائی کی ہے، اس سے عہد ساسانی کی آرائشی استر کاری کے قطعات برآمد ہوئے ہیں۔

طاقِ کسریٰ کی ساخت تمدن کے ابتدائی مدارج کا نمونہ ہے۔ وہ دیکھنے والوں کو اپنی مجموعی شکل یا جزئیات کی خوب صورتی سے اس قدر حیرت و رعب میں نہیں ڈالتی جتنا کہ اپنی جسامت اور اپنے طول و عرض سے۔ بادشاہ معمولاً یہیں رہتا تھا۔''

عرب شاعر بحتری نے ایوان کسریٰ کی شان میں چند شعر لکھے ہیں جو اس کی عظمت و شوکت کی گواہی دیتے ہیں:

وکانَّ الایوانَ منِ عَجَبِ الصَّنعة
جوب فی جنب اَرْعَنَ جلس
مُشْمَخِرٌّ تعلو له شُرُفاتٌ
رُفِعَتْ فی رؤوس رَضْوی و قُدس
لَیس یُدری اُصُنْعُ انسٍ لِجِنّ
سکنوه ام صُنْعُ جِنٍّ لِانس

ترجمہ: [یعنی محل کی حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کی

اور کوہ قدس پر اٹھائے گئے ہیں- پتا نہیں چلتا کہ آیا اس کو آدمیوں نے جنوں کے رہنے کے لیے بنایا ہے یا جنوں نے آدمیوں کے لیے]

خاقانی جب فریضۂ حج ادا کر کے واپس ہوئے تو اس کا گزر مدائن سے ہوا- اس کے کھنڈرات سے متاثر ہو کر اس نے ایوان مدائن کے نام سے ایک نظم لکھی ہے- معلوم ہوتا ہے عقیدت کے آنسو ہیں جو اشعار میں ڈھل گئے ہیں- چند شعر درج ذیل ہیں:

ھان ای دل عبرت بین' از دیدہ نظر کن ھان
ایوان مدائن را آئینہ عبرت داں
تا سلسلۂ ایوان بگست مدائن را
در سلسلہ شد دجلہ چوں سلسلہ شد پیچان
گہ گہ بزبان اشک آواز دہ ایوان را
تا بوکہ بگوش دل پاسخ شنوی ز ایوان
دندانۂ ھر قصری پندی دھدت نو نو
پند سر دندانہ بشنو ز بن دنداں
گوید کہ تو از خاکی ما خاک توایم اکنون
گامی دو سہ برمانہ و اشکی دو سہ ھم بفشان
ما بارگہِ دادیم این رفت ستم برما
بر قصر ستم گاران تا خود چہ رسد خذلانُ

پیش تر اس کے کہ اس عادل شہنشاہ کا باب ختم کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے اس کے بعض اقوال کا ذکر کر دیا جائے جو اب بھی مشعل راہ کا کام دیتے ہیں:

''اگر زمانہ ہمارے موافق نہ ہو تو ہمیں زمانے کے مطابق ہو جانا چاہیے-''

''دنیا سرائے فانی ہے' ہم مسافر ہیں' سرائے کو چھوڑ کر مسافر کو جانا ہی ہوتا ہے-''

''کسی ساکت چیز کو متحرک نہ کرو اور ہر متحرک کو ساکت کر دو-''

''وہ بادشاہ جو رعایا کے زر و مال سے خزانے کو پر کرتا ہے' اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر کی مٹی کھود کر چھت پر ڈالتا ہے-''

''گنہ گاروں کو معاف کر دینے میں میں نے وہ لذت دیکھی جو ان سے انتقام لینے میں نہیں-''

''کوئی چیز مملکت کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی جتنا سستی- کوئی چیز ایسا درست راستہ نہیں دکھاتی جیسا باہمی مشورہ- تائید ایزدی حاصل کرنے کا عدل سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں- مقصد کے حصول کا صبر سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ نہیں-''

''ہم اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ خاندان کی بزرگی اور شرافت ہی امتیازات حاصل کرنے کے لائق ہے-''

نوشیرواں سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص اپنے وسائل سے بڑھ کر بخششیں اور سخاوت کرتا ہے- اس کے جواب میں نوشیرواں نے کہا: ''کبھی دیکھا ہے کہ دریا پہلے خود سیراب ہوئے بغیر زمینوں کو سیراب کرے-''

ہرمز چہارم

(۵۷۹ء تا ۵۹۰ء)

نوشیرواں کی وفات پر اس کا بیٹا ہرمز چہارم تخت نشیں ہوا' جس کی جانشینی کے متعلق نوشیرواں نے وصیت کی تھی- ہرمز ترکوں کے خان کی بیٹی کے بطن سے تھا-

رومیوں سے جنگ

ہرمز نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی فوج کو منظم کیا اور رومیوں سے جنگ شروع کی' جس کا آغاز اس کے باپ نے کیا تھا لیکن اس جنگ کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا- رومیوں نے صلح کے لیے گفت وشنید کرنی چاہی- ان کی خواہش یہ تھی کہ قلعہ دارا ایرانیوں کے حوالے کر دیں اور اس کے عوض ان سے ارزانین حاصل کر لیں- چناں چہ اس سودے کے لیے مذاکرہ ہوا لیکن ہرمز کے نزدیک یہ سودا خسارے کا تھا اس لیے گفت وشنید ناکام رہی- اس ناکامی کی خبر رومی جرنیل مارس کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور ۵۷۹ء میں اس نے چھاپہ مار دستے بھیجے' جنھوں نے دجلہ کو عبور کر کے بین النہرین اُدھم مچایا- کوئی ایرانی لشکر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود نہ تھا اس لیے انھوں نے آس پاس کے علاقوں کی فصلوں کو تباہ و برباد کیا اور دیہات کو نقصان پہنچایا- اس سے مارس کا حوصلہ بڑھا تو اس نے ایک سال بعد یعنی ۵۸۰ء میں بحری بیڑا تیار کیا اور سرکیسیئم کی بندرگاہ پر لا کھڑا کیا- اس نے ریگستان عرب کے قبائل کو ساتھ ملانا چاہا جس میں اسے کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن بعد میں انھوں نے رومیوں کا ساتھ چھوڑ دیا-

۵۸۱ء میں ایرانی لشکر نے اپنے علاقوں کے نقصانات کا انتقام لینے کے لیے قسطنطیا (Constania)

پر حملہ کیا- لیکن مارس نے مقابلہ کر کے ان کی پیش قدمی کو روک دیا اور ایرانی اپنے مقصد میں کام یاب ہو سکے-

۵۸۸ء میں رومی لشکر میں بغاوت کے آثار پیدا ہوے جس سے رومیوں کی دفاعی قوت کمزور ہو گئی- اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب ارزانین پر رومیوں نے حملہ کیا تو ایرانیوں نے آسانی سے انھیں مار بھگایا- پھر دونوں حریفوں کا مقابلہ مارٹیروپولس کے مقام پر ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور مارٹیروپولس کا اہم قلعہ رومیوں نے مسخر کر لیا- لیکن اگلے ہی سال رومیوں کے لشکر کی پھوٹ کی وجہ سے یہ قلعہ ایرانیوں نے حملہ کر کے پھر واپس لے لیا- رومی جرنیل فلپی کس نے اس قلعے کو حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کی' لیکن اسے ناکامی ہوئی- اس ناموافق صورتِ حال پر رومی حکومت نے فوج کی کمان فلپی کس کی بجاے کومینیوس کے سپرد کی اور ھراقلیوس کو اس کا نائب مقرر کیا- انھوں نے بین النہرین پر حملہ کیا' لیکن نصیبین کے مشہور میدان کومینیوس نے شکست کھائی اور اسے بھاگ کر جان بچانی پڑی- اس کی جگہ اب ہراقلیوس نے لے لی- مقابلے میں ایرانی جرنیل مارا گیا اور رومی لشکر فتح یاب ہو گیا-

ترکوں کا حملہ

بین النہرین میں ایرانی پھر رومیوں کے مقابلے میں آے- صورتِ حال یہ تھی کہ کبھی ایرانی پیش قدمی کرتے اور کبھی میدان رومیوں کے ہاتھ آ جاتا- فیصلہ کن ہار جیت ابھی نہیں ہوئی تھی کہ ترکستان کے حکم ران ساوہ شاہ[1] نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور لشکر جرار لے کر بلخ کا رخ کیا- بلخ فتح کرنے کے بعد اس نے ایران پر چڑھائی کی- اس خبر سے ایرانی لشکر نے بین النہرین میں اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دیں- ہرمز نے ترکوں کی سرکوبی کے لیے اپنے ایک نام ور اور بہادر جرنیل بہرام چوبین کو نامزد کیا جو ایران کے امرا کے مشہور خاندان مہران کا رئیس تھا اور آذربائیجان کا حاکم تھا- وہ اپنے چیدہ چیدہ نوجوانوں کی فوج لے کر مقابلے پر آیا- نہایت خوں ریز جنگ کے بعد ساوہ شاہ مارا گیا اور ترک پسپا ہو گئے- ترکوں کے خان کے بیٹے پرمودہ نے جو بیکنڈ میں مقیم تھا' باپ کے مرنے کی خبر سنی تو تازہ دم لشکر لے کر مقابلے کو آیا لیکن لڑتے لڑتے اسیر ہو گیا- ترکوں نے اپنے سردار کی اسیری کی خبر سنی تو راہِ فرار اختیار کی- ایرانیوں نے تعاقب کر کے ترکوں کا قتل عام کیا- اس فتح میں بہرام چوبین کو لاتعداد مالِ غنیمت ہاتھ لگا-

---

(۱) ساوہ شاہ بقول ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۱۵' شابہ شاہ بقول طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ از محمد جواد مشکور' ص ۱۸۱

مالِ غنیمت کی جو اشیا بادشاہ کے لائق تھیں وہ مدائن بھیج دی گئیں- زر و مال جو ہاتھ لگا تھا وہ بہرام نے لشکر میں تقسیم کر دیا جس سے وہ لشکر میں بہت مقبول ہو گیا-

لازیکا کی ناکام مہم

۵۸۹ء میں ترکوں کو نہایت تباہ کن شکست ہوئی تھی جسے بہرام چوبین کی بہادری اور جاں بازی کی شہرت ایران کے طول و عرض میں پھیلی- بہت کم سالاروں کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی جتنی کہ بہرام کو حاصل ہوئی- بالآخر یہی مقبولیت اس کی بربادی کا موجب بنی- بہرام کی مقبولیت ہرمز کو گوارا نہ ہوئی- آخر اس نے بہرام چوبین کو لازیکا پر حملہ کرنے کے لیے نامزد کیا- مقصد یہ تھا کہ اگر اسے فتح ہوئی تو حکومت ایران کی عظمت میں اضافہ ہوگا اور جو شکست ہوئی تو بہرام کی مقبولیت ختم ہو جائے گی- حسب الحکم بہرام لشکر لے کر لازیکا کی طرف بڑھا لیکن رومی غافل نہ تھے وہ پوری تیاری کے ساتھ مقابلے کو آئے- بہرام نے ہر چند اپنی روایتی بہادری کے جوہر دکھائے لیکن میدان میں اس کے پاؤں جم نہ سکے آخر راہ فرار اختیار کی-

بہرامِ چوبین کے لیے طوق، تکلا اور روئی

ہرمز بہرام کی مقبولیت سے ناخوش تھا اب میدان جنگ سے اس کی پسپائی کی خبر سنی تو غیض و غضب سے بھڑک اٹھا اور بہرام پر طرح طرح کے بہتان تراشی کرتے ہوئے کہا: ''اس نے لازیکا کے میدان میں جاں بازی سے گریز کیا- ملک اور قوم کا فرض، جو اس پر عائد ہوتا تھا، اسے انجام دینے میں اس نے کوتاہی کی- اپنی اور اہلِ لشکر کی جانوں کو ملکی آبرو پر ترجیح دی- آخر ہرمز نے ایک طوق، تکلا، روئی اور عورت کا لباس بہرام کو بھیجا- ساتھ ہی ایک تذلیل آمیز مراسلہ بھی ارسال کیا جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

''یہ خیانت جو تم نے کی ہے، اس کے صلے کے طور پر تمھیں یہ طوق بھیجا جا رہا ہے- اسے تم اپنے گلے کی زینت بناؤ، تکلا عورتوں کے استعمال کی چیز ہے اور تم ان سے بھی بدتر ہو-''

ایلچی بہرام کے پاس پہنچا تو اس نے مراسلہ پڑھا اور تحفے قبول کر لیے- دوسرے دن اس نے طوق گلے میں پہنا- تکلا، روئی اور عورت کا لباس لے کر لشکر کے سامنے آیا- اہلِ لشکر نے پوچھا: ''یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں'' اس نے جواب میں کہا: ''یہ میری جاں نثاری کا صلہ ہے جو بادشاہ ایران کے لیے میں نے کی ہے- میں چاہتا ہوں ان تحفوں کو تم بھی دیکھ لو-'' اور وہ پیغام بھی کہہ سنایا، جو بادشاہ نے اسے ارسال کیا تھا- پیغام سن کر اہل لشکر کے دل آزردہ اور آنکھیں آب

دیدہ ہو گئیں اور سب بیک وقت کہہ اٹھے: ''اگر آپ کی جاں بازیوں کا یہ صلہ ہے تو ہمیں کیا صلہ ملے گا' وہ بھی ظاہر ہے۔ ہم اپنے بادشاہ سے بیزار ہیں۔''[1]

بہرام چوبین نے دیکھا کہ لشکر اس کے ساتھ ہے تو اس نے ہرمز کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا تہیہ کیا۔ اسے اب اگر ڈر تھا تو ہرمز کے بیٹے خسرو پرویز کا تھا۔ اس لیے اس نے باپ کو بیٹے سے بدگمان کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ رے میں خسرو پرویز[2] کے نام کے فرضی سکے جاری کرا دیے اور سوداگروں کے ہاتھ انھیں مدائن بھیجا۔ سکے ہرمز تک پہنچے تو اس نے سوداگروں کو بلا بھیجا جو انھیں مدائن میں لائے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ تم یہ سکے کہاں سے لائے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا' یہ سکے رے میں خسرو پرویز نے اپنے نام کے جاری کیے ہیں۔ شہزادہ ولی عہد کے سکوں سے انکار کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ اب جو حکم ہو' وہی کیا جائے گا۔ ہرمز یہ سن کر سخت برہم ہوا اور سکے جاری کرنے کے متعلق خسرو پرویز سے استفسار کیا۔ اس نے ہرچند اپنی بے گناہی کا اظہار کیا لیکن ہرمز کو یقین نہ آیا۔ آخر خسرو پرویز باپ کی سخت گیری سے ڈر کر آذربائیجان چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ آذر گشنسپ کے معبد میں پناہ گزین ہو گیا۔ ہرمز کو خیال تھا کہ خسرو کے دونوں ماموں بندوی اور بسطام اس سازش میں شریک ہیں اس لیے انھیں جیل میں ڈال دیا۔

بہرام چوبین کی بغاوت اور ہرمز کا قتل

خسرو پرویز' جس سے بہرام چوبین خائف تھا' اپنے باپ سے الگ ہو کر آذربائیجان میں خلوت گزیں ہو چکا تھا۔ لشکر بہرام کا دم بھرتا تھا۔ بین النہرین کے ایرانی لشکر نے بھی بہرام کا ساتھ دیا۔ اب حالات سازگار دیکھ کر اس نے رے میں علم بغاوت بلند کیا۔ شاہی لشکر بادشاہ سے بددل تھا۔ عوام کے دلوں میں ہرمز کی ہردلعزیزی باقی نہیں رہی تھی۔ ادھر بادشاہ فوج کی وفاداری سے محروم ہوا اُدھر رعایا کی ہمدردیاں ختم ہو گئیں۔ ہر طرف سے بادشاہ کے خلاف نعرے بلند ہونے شروع ہوئے۔ لوگوں نے زندان کو توڑ کر بندوی اور بسطام کو وہاں سے نکالا۔ عوام نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ تخت سے دست بردار ہو جائے۔ آخر ۵۹۰ء میں امرا نے نہ صرف اسے تخت و تاج سے محروم کیا بلکہ اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور بعد میں بندوی اور بسطام نے اسے قتل کر دیا۔[3]

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور ص ۱۹۱

(۲) شاہ نامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۱۹

(۳) ایضاً' ص ۳۲۰-۳۲۱

سیرت و کردار

ثعالبی لکھتے ہیں: ''وہ کمزوروں اور مظلوموں پر مہربانی کرتا تھا لیکن امرا کے ساتھ سخت سلوک روا رکھتا تھا-''(۱)

طبری نے ہشام بن محمد سے روایت کی ہے کہ ہرمز نہایت مہذب تھا اور غربا اور مساکین پر بہت مہربانی کرتا تھا لیکن امرا کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا- اسی وجہ سے وہ اس کے مخالف تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے...... عدل و انصاف کا احساس اسے حد سے زیادہ تھا-(۲) ہرمز اصل میں اپنے باپ نوشیرواں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا لیکن اس میں وہ دور اندیشی نہ تھی جو نوشیرواں میں تھی- امرا تو اس کے خلاف تھے لیکن عیسائیوں سے جو اس نے رواداری برتی' اس کی وجہ سے موبد بھی اس کے خلاف ہو گئے- آخر وہ امرا اور موبدوں کے ہاتھوں مارا گیا-

خسرو پرویز

(۵۹۰ء تا ۶۲۸ء)

ہرمز قتل ہوا تو اس کا بڑا بیٹا خسرو دوم' جو آذربائیجان میں تھا' فوراً آذربائیجان سے چل کر مدائن پہنچا- ۵۹۰ء میں امرا نے اسے تاج پہنایا- اس نے عنانِ حکومت سنبھالی تو ملکی فضا بگڑی ہوئی تھی- باغیوں کے حوصلے بلند تھے- امرا اپنا تسلط جمانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے- اس ناموافق صورت حال کے پیشِ نظر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ حکومت کتنے دن چلے گی-

بہرامِ چوبین سے صلح کی خواہش

ان ناموافق حالات میں خسرو پرویز نے چاہا کہ بہرام چوبین کو اطاعت پر مائل کرے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرے- اسی خیال سے اس نے مشفقانہ لہجے میں بہرام کو مراسلہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا: ''ہرمز' جس سے تمھیں اختلاف تھا' اب دنیا سے رخصت ہو چکا ہے' اگر تم اطاعت قبول کر لو اور پایۂ تخت واپس آ جاؤ تو تمھیں فوجوں کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے گا- اس طرح تمھیں بادشاہ سے دوسرے درجے کا منصب مل جائے گا-'' بہرام نے خسرو کے شفیقانہ

(۱) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۰۸

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۵۹۲

مراسلے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور نہایت گستاخانہ جواب لکھ بھیجا: ''تو نے اپنے باپ سے وحشیانہ سلوک کیا- تو نے لوگوں کو آمادہ کر کے اسے اندھا کروایا اور تخت و تاج سے محروم کیا اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لی- بیٹا کبھی باپ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا- تم اپنا تاج اتار کر میرے حضور میں آؤ تا کہ تمھیں کسی ایرانی صوبے کی حکومت سونپ دوں-''[1] خسرو نے اس گستاخانہ مراسلے سے قطع نظر کرتے ہوئے پھر بہرام کو مراسلہ بھیجا- جس میں یہ لکھا کہ ''ہرمز کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک ہوا اس میں میرا کوئی تعلق نہ تھا-'' اس کے علاوہ اس نے ہر طرح سے بہرام کی دل داری اور دل جوئی کی لیکن اس کا بھی بہرام پر کوئی اثر نہ ہوا- آخر خسرو خود فوج لے کر باغی سردار کے مقابلے میں آیا لیکن بیش تر اس کے کہ جنگ ہو خسرو نے پھر بھی صلح کی گفت و شنید کرنی چاہی لیکن وہ باغی کسی صورت مصالحت پر آمادہ نہ ہوا- وہ خود ایران کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا- وہ ایران کے نامور خاندان 'مہران' کا فرد تھا اور خاندانِ مہران کا دعویٰ تھا کہ وہ اشکانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں- یہی وجہ تھی کہ بہرامِ چوبین کو ایران کا بادشاہ بننے کا خیال آیا- خسرو پرویز کے ساتھ وہ کسی قسم کی گفت و شنید کرنے پر آمادہ نہیں تھا- وہ بڑے فاتحانہ انداز میں رے سے چل کر مدائن آیا- خسرو پرویز خود اس کے مقابلے کے لیے لشکر لے کر میدانِ جنگ میں اترا لیکن خسرو کے پاؤں نہ جمے- آخر اس نے راہِ فرار اختیار کی اور دریائے فرات کو عبور کر گیا-

بہرام پایۂ تخت میں داخل ہوا- امرا نہیں چاہتے تھے کہ ایک ایسا شخص وارثِ تخت و تاج بنے' جو ساسانی بادشاہوں کی نسل سے نہیں لیکن اس نے امرا کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور شاہی تاج پہن کر اپنے نام کے سکے جاری کرائے-[2]

خسرو پرویز کا فرار

طبری نے خسرو پرویز کے فرار اور لشکرِ بہرام کی حسب ذیل تفصیل پیش کی ہے جو دل چسپی سے خالی نہیں-

''بہرام چوبین نے اپنے رفقا سے پوچھا کہ خسرو نے کہاں جانے کا قصد کیا ہوگا اور کس راستے سے گیا ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ شام سے ہوتا ہوا روم جائے گا تا کہ قیصرِ روم سے کمک حاصل کرے- یہ سن کر بہرام نے بہرام سیاوشان کو چار ہزار سوار دے کر خسرو کے

---

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۹۹

(۲) ایضاً' ص ۲۰۲-۲۰۵

تعاقب میں بھیجا۔ خسرو پرویز دوپہر کو ستانے کے لیے ہم راہیوں سمیت عیسائیوں کے ایک معبد میں ٹھہر گیا۔ یہ لوگ تھکے ہارے تھے' پڑتے ہی گہری نیند سو گئے۔ دفعتاً راہب نے انھیں بیدار کیا اور کہا ایک لشکر چلا آ رہا ہے۔ خسرو نے پوچھا کتنی دور ہو گا وہ لشکر؟ اس نے جواب دیا' تقریباً دو فرسنگ کے فاصلے پر۔ لشکر کی آمد کی اطلاع سے ان سب پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور سمجھ گئے کہ بہرام کا لشکر ان کے تعاقب میں آیا ہے۔ خسرو نے کہا: اب کیا تدبیر کی جائے۔ تمھاری کیا رائے ہے؟ عقل مند آدمی کسی حالت میں بھی ثمرۂ عقل سے نا اُمید نہیں ہوتے۔ خسرو کے ماموں بندوی نے کہا' میں تو اب ایک ہی تدبیر جانتا ہوں کہ تمھیں رہائی دلا دوں اور خود اپنی جان دے دوں۔ خسرو بولا: ''خالِ محترم! ممکن ہے اس چارہ گری میں تمھاری جان بھی بچ جائے۔ چارہ گری کا نتیجہ یزدانِ پاک کے ہاتھ ہے۔ لیکن اگر تم ہلاک بھی ہو جاؤ تو تمھاری ہلاکت ہمیشہ کے لیے یادگار رہے گی اور اگر بچ جاؤ تو تمھارا خطرے کو قبول کرنا تمھارے لیے جاہ و منزلت کا موجب بنے گا۔''

بندوی نے خسرو کو کہا: ''اپنا لباس اتار کر مجھے دے دو۔ خود سادہ کپڑے پہن کر ہم راہیوں کے ساتھ نکل جاؤ اور تعاقب کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دو۔'' پرویز نے شاہانہ پوشاک اتار کر بندوی کے حوالے کی اور خود بسطام اور دوسرے رفقا کے ساتھ سوار ہو کر وہاں سے نکل گیا۔ بندوی نے شاہی پوشاک زیب تن کی اور راہب سے استدعا کی کہ یہ ہمارا راز ہے' تم ہمارے راز کو افشا نہ کرنا' ورنہ میں تمھیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ راہب بولا: ''تم جو چاہو کرو' میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔'' اتنے میں بہرام کا لشکر آ پہنچا۔ بندوی نے شاہی پٹکا سر پر باندھا۔ معبد کا دروازہ اندر سے مقفل کیا اور خود معبد کی دیوار پر چڑھ آیا۔ اہلِ لشکر نے دیکھا کہ کوئی شخص زربفت کا شاہی لباس زیب تن کیے دیوار پر کھڑا ہے۔ اس کا لباس آفتاب کی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ خسرو یہی ہے انھوں نے معبد کے اِردگرد گھیرا ڈال لیا۔ بندوی دیوار سے نیچے اتر آیا۔ شاہی لباس اتار کر اپنے کپڑے پہن لیے اور پھر دیوار پر چڑھ آیا اور لشکر کو خطاب کر کے بولا: ''اہلِ لشکر! میں بندوی ہوں۔ آپ اپنے امرا سے کہہ دیجیے کہ دیوار کے قریب آ جائیں تاکہ میں انھیں خسرو کا پیغام پہنچا دوں۔'' بہرام سیاوشان لشکر سے باہر نکل کر دیوار کے پاس آیا۔ بندوی نے اسے سلام کیا اور بولا: ''خسرو کی طرف سے آپ کو سلام پہنچے'' اور یہ بھی کہا: ''یزدانِ پاک کا شکر ہے کہ ہمارا پیچھا کرنے والے آپ ہیں۔ آپ ہمارے ہی آدمی ہیں۔ بہرام سیاوشان نے بندوی کو پہچانتے ہوئے کہا' بے شک میں خسرو کا غلام ہوں۔''

اس پر بندوی نے کہا کہ خسرو نے یہ پیغام دیا ہے کہ میں تین دن رات سے گھوڑا دوڑائے چلا آرہا ہوں اس وقت سخت پریشان اور مضمحل ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے تمھارے ساتھ بہرام چوبین کے پاس جانا ہوگا اور اپنے آپ کو قضائے یزداں کے سپرد کرنا ہوگا لیکن اگر آپ نامناسب نہ سمجھیں تو میں کچھ ستالوں۔ آپ اور آپ کے ہم راہی بھی آرام کرلیں۔ شام ہوتے ہی چلے چلیں گے۔ بہرام سیاوشان یہ سن کر بولا: ''یہ مناسب بات ہے۔ میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔ بادشاہ کا یہ مجھ پر حق ہے اور مجھے یہ حق ادا کرنا ہوگا۔''

شام کو بندوی پھر دیوار پر آیا اور بہرام سیاوشان کو کہا: ''اب خسرو نے یہ پیغام دیا ہے' آپ نے شام تک انتظار کیا ہے۔ اب رات ہونے کو آئی ہے۔ تاریکی چھانے لگی ہے اگر ممکن ہو تو رات بھر اور صبر کرلو۔ تمھاری یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیں گے۔'' بہرام بولا: ''جیسا تم چاہتے ہو' ویسا ہی ہوگا۔ یہ کہہ کر بہرام نے اپنے لشکر کو معبد کے ارد گرد پھیلا دیا اور انھیں ہر طرف سے خبردار رہنے کا حکم دیا۔ صبح ہوئی' سورج نکلا۔ بہرام نے لشکر کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ اتنے میں بندوی پھر دیوار پر آیا۔ بہرام نے کہا: ''اب چلنا چاہیے۔'' بندوی نے کہا: ''چلنا تو ہوگا' لیکن سورج کچھ اوپر آجائے تو چلیں گے۔'' اسی طرح دوپہر آگئی اور بندوی نے پھر استدعا کی کہ دوپہر ڈھل جائے تو چلیں گے اس پر بہرام نے بے صبری کا اظہار کیا تو بندوی نے معبد کا دروازہ کھول دیا اور خود معبد سے باہر نکل آیا اور بولا: ''یہاں تو تنہا میں ہوں' پرویز کل کا جاچکا ہے۔ میں نے چاہا تھا تمھیں کسی حیلے سے ایک دن اور ایک رات روکے رکھوں تاکہ پرویز تمھاری دسترس سے باہر ہوجائے۔ اب اگر تم اس کا تعاقب کرو بھی تو تمھاری کوشش رائیگاں جائے گی۔ اب میں حاضر ہوں' مجھے جہاں چاہو لے چلو۔'' یہ سنا تو بہرام ششدر رہ گیا اور یہ سوچا کہ اگر بندوی کو یہاں قتل کردیتا ہوں' تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کو بہرام چوبین کے پاس لے چلوں۔ آخر بہرام کا لشکر اسے اسیر کرکے واپس ہولیا۔

بہرام چوبین کو صورت حال کا علم ہوا تو بندوی کو خطاب کرکے بولا: ''اے فاسق و فاجر انسان! کیا یہ کافی نہ تھا کہ تم نے ہرمز کی آنکھیں نکلوا کر اسے قتل کیا' اب خسرو کو ہماری دسترس سے باہر کردیا ہے۔ تمھیں ایسی ذلیل موت مروایا جائے گا کہ اس کے ذکر سے لوگوں کو عبرت ہوگی لیکن یہ اس وقت ہوگا' جب تمھارا بھائی بسطام بھی ہمارے قابو میں آجائے گا' جو ہرمز کو قتل کرانے میں برابر کا شریک تھا'' ۔ بہرام نے بندوی کو بہرام سیاوشان ہی کے سپرد کردیا کہ اسے زندان میں ڈال دے' یہاں تک کہ سب حریف ہمارے ہاتھ لگ جائیں۔ بہرام سیاوشان اسے زندان میں

ڈالنے کی بجائے اپنے گھر لے گیا اور وہاں اسے نظر بند کر دیا۔

بہرام سیاوشان کے دل میں بندوی کا احترام تھا اس لیے بندوی کو اسے اپنا ہم نوا بنانے میں زیادہ کوشش نہ کرنی پڑی۔ آخر دونوں نے سازش کی کہ بہرام چوبین کو چوگان کھیلتے ہوئے قتل کر دیں۔ دوسرے دن بہرام سیاوشان نے زرہ بکتر پہنا اور اوپر چوگان کھیلنے کا لباس زیب تن کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ اتنے میں بہرام سیاوشان کی بیوی نے' جو بہرام چوبین کی بھانجی تھی' بہرام کو کہلا بھیجا: ''آج میرا شوہر چوگان کھیلنے نکلا ہے لیکن نیچے اس نے زرہ بکتر پہنا ہوا ہے۔ معلوم نہیں اصل ماجرا کیا ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔'' آخر راز فاش ہو گیا اور بہرام چوبین نے اپنے ہاتھ سے بہرام سیاوشان کا سر قلم کیا لیکن بندوی بچ کر فرار ہو گیا اور آذربائیجان کی راہ لی۔

ہرمز کے دوسرے شہزادے شہریار کو بادشاہ بنانے کی تجویز

خسرو پرویز مملکت ایران سے نکل چکا تھا۔ اب اس کا بھائی شہریار تخت وتاج کا وارث موجود تھا۔ بہرام چوبین کو یقین تھا کہ شہزادے کی موجودگی میں اس کا اپنی حکومت کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہو گا۔ اب اس نے چال چلی اور لشکر سے کہا کہ ملک کا بادشاہ شہریار ہو گا لیکن ابھی وہ بچہ ہے۔ جب تک وہ جوان ہو' میں اس کے نام پر حکومت کروں گا لیکن اس یقین دہانی کے باوجود بعض لوگ خسرو پرویز ہی کے حق میں تھے۔ بہرام کو لوگوں کے اختلاف کا علم ہوا تو اس نے مخالفین کو وہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ بقول طبری بیس ہزار مخالفین مدائن سے نکلے اور آذربائیجان کا رخ کیا جہاں یہ لوگ بندوی سے جا ملے۔[1]

خسرو پرویز دربار روم میں

خسرو کو بھاگ نکلنے میں کافی وقت مل گیا تھا۔ اب وہ ایک عرب سردار ایاس کی رہنمائی میں سرکیسیئم پہنچنے میں کام یاب ہو گیا۔ یہاں رومیوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ قیصر روم مارس نے اپنے مشیروں کے ساتھ کافی عرصے تک صلاح مشورہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ قیصر روم' اس معزز مہمان کو اپنا فرزند سمجھتا ہے۔ بہرام چوبین کے ساتھ جنگ کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کی جائے گی لیکن حکومت روم اس سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہو گی کہ ایرانی آرمینیا پر رومی تسلط قبول کر لیا جائے اور دارا اور مائیرو پولس (میافارقین) کے علاقے رومیوں کے

حوالے کر دیے جائیں- بہرام نے یہ شرائط قبول کر لیں- آخر اپنے میزبان سے رخصت ہونے کے لیے وہ قیصر روم کے ہاں گیا تو مارس نے اسے یہاں تک سرفراز کیا کہ اپنی بیٹی مریم اس کی زوجیت میں دے دی-

خسرو کی دوبارہ تاج پوشی

مارس نے خسرو کو جو امداد دینے کا وعدہ کیا' اس کی خبر ایران بھر میں پھیل گئی- بہرام چوبین کے مخالفین خوش ہوے- امرا و اشراف کو ایسے آدمی کا ساسانی تخت و تاج حاصل کرنا گوارا نہ تھا جس کی رگوں میں شاہی خون نہیں تھا- فوج میں بہرام کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہوے- عوام اپنے حقیقی بادشاہ کا خیر مقدم کرنے کے لیے مضطرب تھے- اچانک خبر ملی کہ ۵۹۱ء کے موسم بہار میں خسرو پرویز رومی لشکر کی معیت میں دریاے دجلہ کو عبور کر آیا ہے- بہرام چوبین کا ایک معتمد سالار بری زیکلس مقابلے کو آیا لیکن رومیوں کے سامنے اس کے پاؤں نہ جم سکے- آخر بری زیکلس کو انھوں نے اسیر کر لیا- خسرو پرویز نے اس باغی سالار کے کان اور ناک کٹوا کر منظر عام میں اس کی نمایش کی اور بالاخر اسے قتل کرا دیا-

ادھر بندوی نے خسرو کی آمد کی خبر سنی تو وہ آذربائیجان فوج منظم کر کے خسرو سے آملا- یہ جمعیت سیلوکیہ اور مدائن کو فتح کرنے میں کام یاب ہو گئی- بہرام چوبین اس شکستوں سے تخت ہراساں ہوا اور آخری بازی لگانے کے لیے لشکر لے کر خود میدان میں آیا- دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو خسرو کا لشکر بہرام چوبین کے قلب لشکر پر ٹوٹ پڑا- بہرام کی فوج نے مقابلے کی تاب نہ لا کر راہ فرار اختیار کی اور بہرام بچ کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا- خسرو نے اس کا تعاقب کیا- پہاڑی علاقے میں بہرام چوبین نے رومیوں کو کافی نقصان پہنچا کر پسپا کر دیا لیکن رات کی تاریکی چھائی تو وہ اپنی جمعیت کی کم زوری محسوس کرتے ہوے کردستان کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کنزاکا (دشیز) کے مشہور قلعے میں پناہ گزین ہو گیا- خسرو کے راستے میں سب سے بڑا کانٹا بہرام تھا اس لیے اس نے بہرام کا تعاقب جاری رکھا- آخری مرتبہ پھر بہرام اور خسرو کے مابین جنگ ہوئی جس میں ہاتھیوں کا سوار دستہ بہرام کی کمک کے لیے آیا- اس جنگ میں بھی بہرام نے بہادری کے جوہر دکھاے- رومیوں کے دائیں بازو کو پسپا کرنے کے لیے پے بہ پے حملے کیے لیکن رومی سردار نرسس نے دائیں بازو کو کمک بہم پہنچا کر دفاع کو مضبوط کر لیا- آخر رومیوں نے پھر بہرام کے قلب لشکر پر حملہ کیا جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے- لشکر نے راہ فرار

اختیار کی اور بہرام بھاگ کر ترکوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔

بہرامِ چوبین اور اس کا فرار

طبری نے بہرام چوبین کی شخصیت اور اس کے فرار کی سرگذشت بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ لوگوں کو شاہی خاندان سے کتنی عقیدت تھی۔ کوئی باغی، خواہ کتنا ہی طاقت ور ہو، مگر اس کی رگوں میں ساسانی خون نہ ہو تو تخت و تاج حاصل کرنے میں کام یاب نہیں ہو سکتا تھا۔ طبری[1] لکھتے ہیں: ''بہرام گشنسپ کا بیٹا تھا۔ وہ رے کا رہنے والا تھا اور خاندانِ مہران کا رئیس تھا۔ اس زمانے میں ایران بھر میں اس سے زیادہ نڈر، شجاع اور صاحب تدبیر اور کوئی شخص نہ تھا۔ وہ سیاہی مائل رنگ کا دراز قامت اور دبلا پتلا شخص تھا۔ دبلا ہونے کی وجہ سے اسے 'چوبین' کہتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا لقب چوبین نہیں بلکہ 'شوبین' تھا۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں رے کے کسی شخص سے اس کی لڑائی ہو گئی۔ اس نے اپنے مخالف کو تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وہ سر سے لے کر گھوڑے کی زین تک کٹ کے گر گیا۔ لوگ حیران کھڑے دیکھتے تھے۔ ایک دوسرے سے کہتا ''شوبین آن ضربت'' یعنی اس ضرب کو دیکھ بس اس کو ''شوبین'' کہنے لگے، جو رفتہ رفتہ چوبین ہو گیا۔'' طبری بہرام کے فرار کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:[2] ''وہ فرار کے دوران ہمدان پہنچا اور ایک دہقان کے گھر میں ستانے کے لیے ٹھہر گیا۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے اس کا خیر مقدم کیا۔ بہرام نے اپنا کھانا نکال کر ناشتہ کیا، پھر شراب پینے کے لیے عورت سے برتن مانگا۔ عورت ایک ٹوٹا ہوا پیالہ لے آئی اور کہا: ''ہم تو اسی میں پانی پیتے ہیں۔ یہ حاضر ہے۔'' بہرام نے پیالہ میں ڈال کر شراب پی، نقل کی ضرورت محسوس ہوئی تو عورت سے برتن مانگا وہ مٹی کی ایک رکابی لائی جس میں گوبر اٹھایا جاتا تھا اور کہا: ''ہم اسی پر روٹی رکھ کر کھاتے ہیں۔''

بہرام دو ایک جام پی چکا تو بڑھیا سے پوچھا: ''کہو دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔'' اس نے جواب میں کہا: ''سنتے ہیں خسرو، بادشاہ روم سے لشکر لایا اور بہرام سے اس کی جنگ ہوئی، جس میں بہرام شکست کھا کر کہیں بھاگ گیا ہے۔''

بہرام نے پوچھا: ''اچھا تو بہرام نے جو کچھ کیا وہ درست تھا یا غلط۔ عورت بولی:

(۱) تاریخ طبری، ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۲۱۵

''کہتے ہیں اس نے غلطی کی۔ بہرام کو بھلا سلطنت سے کیا واسطہ کیوں کہ وہ شاہوں کی نسل سے نہیں۔ بہرام کو چاہیے تھا کہ آرام سے اس کی نوکری کر لیتا تاکہ امن و چین سے زندگی بسر کرتا۔''
بہرام بولا: ''ہاں یہی وجہ ہے کہ آج میری شراب سے کدو کی بو آ رہی ہے اور میرے نقل سے گوبر کی۔''

بہرام ہمدان سے چل کر ترکستان پہنچ گیا۔ وہاں کے خاقان نے اس کی آؤ بھگت کی لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ترکستان ہی میں کسی نے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح خسرو کو ایک بہادر اور خطرناک دشمن سے نجات مل گئی۔

خسرو کی تخت نشینی

خسرو فاتحانہ شان سے مدائن میں داخل ہوا اور اپنے بزرگوں کا تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنی پہلی فرصت میں رومیوں کے لشکر کی عزت افزائی کی اور تحفے تحائف دے کر رخصت کر دیا۔

خسرو کی حکومت ابھی مستحکم نہ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ رعایا اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ موبدوں کے لیے بھی اس کا آنا خوشی کا موجب نہ تھا کیوں کہ رومیوں کا احسان مند ہونے کی وجہ سے اس کا عیسائیوں کی طرف مائل ہونا قدرتی امر تھا۔ اس کے میلان کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس کی چہیتی ملکہ شیریں عیسائی تھی۔ اسے جو خطرے ہو سکتے تھے' وہ ابھی رفع نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے خسرو نے ایک ہزار فوجیوں کا دستہ اپنی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے باپ کے قاتلوں کی طرف رجوع کیا اور انھیں چن چن کر مروایا' یہاں تک کہ اس نے کسی حیلے بہانے سے بندوی اور بسطام کو بھی تہِ تیغ کرایا کیوں کہ وہ اس کے باپ کے قتل میں شریک تھے۔

رومیوں سے جنگ

خسرو' قیصر روم مارس کا احسان مند تھا۔ اس لیے جب تک مارس زندہ رہا ایران و روم کے تعلقات خوش گوار رہے۔ لیکن ۶۰۲ء میں بعض سیاسی طالع آزماؤں نے مارس کو قتل کر دیا' جس سے خسرو کو انتہائی صدمہ ہوا۔ نرسس بھی' جس کی مدد سے خسرو نے بہرام کو شکست دی تھی' اس وحشیانہ قتل پر سخت ناراض تھا' چناں چہ اس نے نئے قیصر روم فوکاس کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور راڈیسہ میں قیصر روم کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنی حکومت کر لی۔

خسرو نے رومیوں کے علاقے میں ۶۰۳ء میں پیش قدمی کی۔ جہاں جہاں اس کا قدم

پڑا اسے فتح حاصل ہوئی- یہاں تک کہ اس کے لشکر نے ۶۰۵ء میں قلعۂ دارا کا محاصرہ کر لیا' جو نو ماہ تک جاری رہا- آخر اہلِ قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے اور یہ مضبوط قلعہ بھی خسرو کے تصرف میں آ گیا- اس کے بعد ایرانیوں نے آمدہ (دیار بکر) کا رُخ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا' پھر بین النہرین کے رومی قلعے یکے بعد دیگرے ایرانیوں کے قبضے میں آ گئے- ۶۰۷ء میں اڈیسہ اور حران بھی مسخر ہوے- ایرانی فتوحات کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہ ہوا بلکہ خسرو نے دریاے فرات کو عبور کیا اور هیرو پولس (موجودہ حلب) اور بعض دوسرے شہر بھی فتح کیے-

ان فتوحات کے بعد خسرو نے ایک اور لشکر آرمینیا بھیجا- آرمینیا پر حملہ کر کے قریبی شہر کا پادوکیہ پر چڑھائی کی اور فریکیہ اور بتھینیا کو تباہ و برباد کیا- روم کی بدنصیبی کہ فوکاس جیسا کمزور شخص قیصر روم تھا- وہ خسرو کی پیش قدمی کو دیکھتا رہا اور اسے روکنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھا سکا- اس وجہ سے روم کے مشرقی ممالک میں بھی بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی- خسرو نے اپنی یلغاروں کو یہاں تک بڑھایا کہ سائیکس کے بیان کے مطابق قسطنطنیہ کے رہنے والوں نے پہلی مرتبہ سامنے کے کنارے کے دیہات جلتے دیکھے-

ذو قار کی جنگ

۶۱۰ء اور ۶۱۴ء کے مابین حیرا کی عرب ریاست کا حکم ران نعمان' خسرو کی کینہ پروری کا شکار ہوا- حیرا' جس کا پچھلے صفحات میں اکثر ذکر آیا ہے' دریاے فرات اور بیت المقدس کو جدا کرنے والے ریگستان کے دائیں کنارے واقع تھی- طبری نے اس کینہ پروری کی جو تفصیل پیش کی ہے اسے بالفاظ ذیل بیان کیا جاتا ہے: ''عدی نام ایک شاعر جو پہلوی زبان میں بھی مہارت رکھتا تھا خسرو کے دربار میں مترجم کی حیثیت میں ملازم تھا- یہ حیرا کا رہنے والا تھا- نعمان نے اس کو کسی ذاتی رنجش کی بنا پر قتل کرا دیا- اس کے بعد عدی کا بیٹا زید دربار خسرو کا مترجم مقرر ہوا- زید نے نعمان سے اپنے باپ کا انتقام لینا چاہا- اس خیال سے کہ عرب رئیس اپنی بیٹیوں کا رشتہ ایرانیوں کو دینا گوارا نہیں کرتے' زید نے مشہور کر دیا کہ نعمان کی بیٹی حذیفہ حسن و جمال میں یکتا ہے- یہ خبر خسرو پرویز کو پہنچی تو اس نے نعمان کی بیٹی کو اپنے حرم میں لانا چاہا- اس نے ایلچی بھیج کر نعمان پر اس خواہش کا اظہار کیا لیکن عرب رئیس نے اس کی خواہش کو قبول کرنا گوارا نہ کیا- عرب حکم ران کی اس جسارت پر خسرو پرویز کی پیشانی پر بل آ گیا اور طے قبائل کے رئیس ایاس کو نعمان کے خلاف لشکر کشی کے لیے بھیجا- یاد رہے کہ یہ وہی ایاس ہے جس نے خسرو پرویز کے دورانِ فرار

اسے روم پہنچانے میں مدد دی تھی- نعمان کو لشکر کشی کا علم ہوا تو وہ بھاگ کر شیبانی قبائل کے رئیس ہانی کے پاس آ گیا اور اپنا خزانہ اس کے سپرد کر دیا- نعمان کو یقین تھا کہ خسرو پرویز کی لشکر کشی زید بن عدی کی سازش کا نتیجہ ہے- اس لیے نعمان صورت حال واضح کرنے کے لیے خسرو کے دربار میں آیا اور عرض حال کی لیکن خسرو کا غصہ فرو نہ ہوا- اس نے نعمان کو تین دن روکے رکھا اور چوتھے دن اس کے حکم سے نعمان کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچل دیا گیا- اب خسرو نے شیبانی رئیس ہانی کو پیغام بھیج کر نعمان کا خزانہ طلب کیا لیکن اس نے جواب دیا کہ جب تک جان میں جان ہے نعمان کی امانت کسی دوسرے کو نہیں دی جا سکتی- خسرو پرویز نے چالیس ہزار کا لشکر' جو ایرانیوں اور عربوں پر مشتمل تھا' شیبانی قبائل کی سرکوبی کے لیے بھیجا- چھوٹی چھوٹی چپقلشوں کے بعد آخر ذوقار کے میدان میں صف آرائی ہوئی- ایرانی لشکر کے عرب سپاہیوں نے' یہ محسوس کر کے کہ عربوں کی تلواروں سے عربوں ہی کے گلے کٹیں گے' ایرانی لشکر کا ساتھ چھوڑ دیا- اس سے ایرانیوں کو سخت زک پہنچی- ایرانی لشکر کا ایک ایک سپاہی شیبانیوں نے تہ تیغ کر دیا- طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ عربوں نے ایرانیوں سے انتقام لیا-

ہرقل قیصر روم کی حیثیت میں

اس عرصے میں روم میں بدستور خانہ جنگی کا دور دورہ تھا- فوکاس جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' کم زور شخص تھا اور نازک حالات پر قابو پانے کا اہل نہ تھا- اس نے ایرانی پیش قدمیوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی- آٹھ سال تک بحران کی کیفیت طاری رہی- یہاں تک کہ ۶۱۰ء میں افریقہ کے رومی گورنر کے بیٹے ہراقلیوس (Heraclius) کو' جسے عرب مؤرخ ہرقل لکھتے ہیں' رومی سینٹ نے طلب کیا تاکہ فوکاس کے خلاف مہم کا آغاز کرے- وہ افریقہ سے بحری بیڑا لے کر روم آ پہنچا- ہرقل اس ارادے سے آیا تھا کہ فوکاس پر فتح پا کر روم کو اس سے نجات دلائے لیکن اس نے مقابلہ کرنے کی بجائے تخت سے دست بردار ہونے کو ترجیح دی- آخر ہرقل کو روم کا قیصر بنا دیا گیا- تخت نشین ہوتے ہی اس نے روم کے نازک حالات کی طرف توجہ دی اور نظم ونسق کو بہتر بنانے میں مصروف رہا-

خسرو کا انطاکیہ پر حملہ اور بیت المقدس کی فتح

ہرقل کی اگرچہ خارجی حالات پر کڑی نظر تھی لیکن ایرانی سپہ سالاروں نے پھر بھی مزید فتوحات حاصل کر لیں- پہلے الرہا' انطاکیہ اور دمشق کو مسخر کیا' پھر ۶۱۴ء میں ایرانی لشکر بیت المقدس

کی طرف بڑھا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ ایرانیوں کی بیت المقدس کی فتح عیسائی دنیا کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا کیوں کہ ایرانیوں نے وہاں سے حضرت مسیح کی حقیقی صلیب اٹھا کر مدائن پہنچا دی۔ اس موقع پر خسرو نے قیصر روم ھرقل کو مراسلہ بھیجا جو غرور و نخوت کی ایک تاریخی دستاویز ہے:

''دیوتاؤں کے دیوتا اور کرۂ ارض کے بادشاہ خسرو کی طرف سے اس کے بے حیا پاجی غلام ہرقل کی طرف: تم کہتے ہو تمھارا یقین خدا پر ہے تو پھر تمھارے خدا نے بیت المقدس کو میرے ہاتھ سے کیوں نہ بچایا...... تم مسیح سے بے فائدہ امید لگا کر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا نہ رکھو' جو خود بھی یہودیوں کے ہاتھوں سے بچ نہ سکا تھا اور صلیب پر لٹکا کر اس کے جسم میں کیل ٹھونک کر اسے مار دیا گیا تھا۔''[1]

وادیٔ نیل کی تسخیر

خسرو نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ہخامنشیوں کے نقش قدم پر چلنا چاہا۔ اس نے اپنے ایک نام ور سپہ سالار شہر براز کو لشکر جرار دے کر مصر کی طرف بھیجا۔ شہر براز ۶۱۶ء میں شام اور مصر کے درمیانی صحرا کو عبور کر کے وادیٔ نیل کے مشہور شہر سکندریہ آ پہنچا اور اسے مسخر کرنے میں کام یاب ہو گیا۔ اس فتح کا اس وقت کی دنیا پر عجیب و غریب اثر ہوا۔ چوں کہ صدیوں پہلے مصر کا تمام علاقہ ایرانیوں کے تسلط سے آزاد ہو چکا تھا اور ساسانی بادشاہوں کی انتہائی تمنا تھی کہ ساسانی سلطنت ہخامنشی سلطنت کی حدود تک پھیلے۔ آخر پوری نو صدیوں کے بعد ایک بار پھر وادیٔ نیل پر درفش کاویانی لہرایا۔ اس کام یاب مہم سے یقیناً ایرانی حکومت کے جاہ و جلال میں اضافہ ہوا اور خسرو کی حکومت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ہپتالیوں کی سرکوبی اور ہندوستان میں پیش قدمی

۶۱۵ء میں ایران کی مشرقی سرحد پر کوشانیوں کے حکم ران نے جو ہپتالی قبیلے سے تھا۔ حملہ کیا لیکن آرمینیا کے سپہ سالار نے ان کی سرکوبی کی جس میں ان کا حکم ران مارا گیا[2] اس کے بعد خسرو نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر حملہ کیا اور اسے زیرِ نگیں کر لیا[3] جس کا ثبوت خسرو کے بعض سکوں سے ملتا ہے جو اس علاقے میں پائے گئے ہیں۔

---

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ص ۴۸۲

(۲) ایران شہر' ص ۲۶

(۳) [illegible]

کالسیڈوٹن کی فتح

۶۱۷ء میں ایک ایرانی لشکر نامور سپہ سالار شاہین کی سرکردگی میں کاپادوکیہ آیا اور وہاں سے گزر کر کالسیڈوٹن پر حملہ آور ہوا' جو قسطنطنیہ کے قریب واقع ہے۔ قیصرِ روم نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو شاہین سے ملاقات کی اور اس کے مشورے سے ہرقل نے اپنا سفیر ایران کے دربار میں بھیجا تاکہ صلح کے لیے گفت و شنید کی جائے لیکن خسرو اپنی فتوحات کے نشے میں سرشار تھا اس نے کسی مذاکرے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سفیروں کو قید کر لیا اور اپنے سپہ سالار شاہین کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہرقل کو بیڑیاں پہنا کر ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجا اس فروگزاشت کی سزا موت ہے۔ بہرحال کالیسڈوٹن ۶۱۷ء میں ایرانیوں نے فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد وہ تمام ممالک ایک بار پھر ایرانی بادشاہ کے تسلط میں آ گئے جو کبھی ہخامنشی مملکت کا حصہ تھے۔ لیکن شہنشاہ ایران نے ان ممالک میں اپنی حکومت قائم نہ کی' صرف خراج وصول کرنے پر اکتفا کیا۔[1]

روم کی حالتِ زار

روم کے حوصلے پست ہو گئے۔ رومتہ الکبریٰ کی عظمت شہنشاہ ایران کے سامنے خاک میں مل گئی۔ رومی آرمیدیا' بین النہرین کے اہم ترین رومی قلعے' ایشیائے کوچک کے تمام ممالک' شام' فلسطین اور مصر ایرانی مملکت کے تسلط میں آ گئے۔ روم کے پاس صرف قسطنطنیہ' ایشیائے کوچک کی چند بندرگاہیں' اطالیہ کا کچھ حصہ اور یونان و افریقہ کے بعض علاقے رہ گئے۔ ادھر قبائل کے حملوں نے روم کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا۔ ان قبائل نے تھریس (Thrace) کو لوٹا اور اب خشکی کی راہ رومی پایۂ تخت کی طرف بڑھے۔ حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ ان کا سنبھلنا مشکل تھا۔ ہرقل گو ایک جواں ہمت حکمران تھا لیکن ناموافق حالات کی وجہ سے وہ کچھ ایسا بے بس ہوا کہ اس نے پایۂ تخت کو چھوڑ کر قرطاجنہ فرار کر جانا چاہا۔ اس نے رومی خزانہ کشتیوں پر لاد کر قسطنطنیہ کو روانہ کیا ہی تھا کہ اس کے فرار کا راز کھل گیا۔ عوام نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ روحانی پیشواؤں نے عوام کی ہم نوائی کی اور ہرقل سے حلف لے لیا گیا کہ وہ پایۂ تخت کو نہیں چھوڑے گا۔[2]

---

(۱) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۸۳

(۲) ایضاً

ہرقل نے بالآخر روم کو بچالیا

ہرقل کی آنکھوں کے سامنے مملکتِ روم کے ٹکڑے ہوئے۔ عیسائیوں کی مقدس صلیب اس کے سامنے ایرانیوں نے چھینی۔ اور تو اور' خود قیصر روم نے پایۂ تخت کو خیر باد کہنے کا منصوبہ بنایا۔ ایسی حالت میں کون کہہ سکتا تھا کہ ہرقل کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم سکیں گے۔ اس کے مردہ جسم میں پھر روح دوڑے گی لیکن عالمی تاریخ نے یہ معجزہ بھی دیکھ لیا۔ ہرقل کو اس کے ضمیر نے جھنجھوڑا اور عزت اور اقتدار کے نقصان نے اس کی غیرت کو بیدار کیا اور کچھ ایسی ڈرامائی تبدیلیاں ہوئیں کہ رومی سلطنت کی گرتی ہوئی دیواریں دفعتہً سنبھل گئیں۔ گو رومیوں کے بہت سے وسائل ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے لیکن بحری طاقت ابھی ان کے پاس تھی۔ یہی ان کا آخری سہارا تھی۔ ہرقل اب اس کو بھی داؤں پر لگا دینا چاہتا تھا۔ ۶۲۲ء میں وہ اپنا بحری بیڑا لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ اس خیال سے کہ یا تو یورپ کو ایرانی تسلط سے بچالوں گا یا روم کی رہی سہی سلطنت کو پاش پاش کر دوں گا۔

شہر براز پر رومیوں کی پہلی فتح

مہم کا آغاز کرنے کے لیے موسم ناموافق تھا لیکن ہرقل نے موسم کی پروا کیے بغیر ۶۲۲ء میں ہیلس پوائنٹ کو عبور کیا اور ایسوس پہنچ گیا۔ یہ وہی مقام ہے جو داریوش اور اسکندر کا میدان جنگ بنا تھا۔ شاہ ایران نے رومی مہم کو ناکام بنانے کے لیے شہر براز کو لشکر دے کر بھیجا۔ آرمینیا کی سرحد پر پہلی مڈبھیڑ ہوئی۔ اس میں ہرقل کو فتح ہوئی' جس نے رومی تقدیر کا پانسا پلٹ دیا۔ مارس کے بعد یہ رومیوں کی پہلی فتح تھی۔ قیصرِ روم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی لیکن وہ آگے بڑھنے کی بجائے موسم سرما گزارنے کے لیے قسطنطنیہ واپس آ گیا۔

خسرو پرویز کی شکست اور فرار

اگلے ہی سال یعنی ۶۲۳ء میں ہرقل نے اپنا بحری بیڑا لازیکا کے ساحل پر آ ٹھہرایا اور وہاں سے سیدھا آرمینیا پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ اس وقت اس کے ساتھ کچھ اتحادی بھی شامل تھے۔ ان میں خزر قبائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس وقت خسرو پرویز آذربائیجان کے شہر شیز میں مقیم تھا۔ رومیوں کی پیش قدمی کی خبر سنی تو چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر آ پہنچا۔ ادھر شہر براز بھی لشکر لیے ہوئے آیا۔ پیش تر اس کے کہ دونوں ایرانی لشکر ایک

دوسرے سے مل سکتے' رومیوں نے حملہ کر کے خسرو کو شکست دے دی- خسرو کو میدان چھوڑ کر زاگروس پہاڑوں کی راہ لینی پڑی- اسی عرصے میں ہرقل نے متعدد شہر اور دیہات تباہ و برباد کیے- یہاں تک کہ زرتشت کا مولد ارومیہ بھی اس کی دست برد سے نہ بچ سکا- ہرقل کے حکم سے آتش کدے خاموش کر دیے گئے- ان ہی میں آذر گشتاسپ کا قدیمی آتش کدہ بھی تھا- ہرقل کی ان مہموں نے روما کا گرتا ہوا وقار پھر بڑی حد تک بحال کر دیا- قیصرِ روم اپنی تباہ کاریوں سے فارغ ہو کر البانیہ واپس آیا اور وادی کور میں موسم سرما گزارنے کے لیے ٹھہر گیا- خسرو کو اس غیر متوقع شکست کا سخت صدمہ ہوا- اس نے دوسرے سال اپنا وقار بحال کرنے کے لیے پھر لشکر فراہم کیا اور شہر براز کی کمان میں اسے البانیہ روانہ کیا تا کہ ہرقل کی متوقع پیش قدمی کو روک سکے لیکن لشکر ناکافی تھا اس لیے قیصرِ روم کا راستہ روکا نہ جا سکا- وہ سیل تند کی طرح بڑھتا ہوا آرمینیا تک آ پہنچا- یہاں اسے فرداً فرداً تین لشکروں کا سامنا کرنا پڑا لیکن تینوں کو شکست دے کر اس نے ایرانیوں کے حوصلے پست کر دیے-

شہر بزار کی سارس میں ایک اور شکست

ہرقل کو ابھی بہت سا حساب چکانا تھا- چناں چہ ۶۲۵ء میں ارزانین پر چڑھائی کر کے اسے فتح کیا- پھر آمدہ (دربار بکر) اور مارٹیروپولس (میافارقین) کے قلعوں کو مسخر کیا- اب وہ عقابی شان سے دریائے فرات کی طرف بڑھا- یہاں شہر براز ڈیرے ڈالے ہوئے تھا- بہر حال فرات کو عبور کر کے اس نے کیلیکیا کی طرف کوچ کیا- شہر براز اس کے پیچھے پیچھے آیا اور سارس کے میدان میں ایک خوں ریز جنگ کے بعد شہر براز کو پسپا ہونا پڑا-

شاہین کا قسطنطنہ پر حملہ اور شکست

خسرو کو فتوحات کا پانسہ پلٹ جانے کا سخت قلق تھا لیکن وہ اب بھی مایوس نہ تھا- ۶۲۶ء میں اس نے بہت بڑے پیمانے پر حملہ کرنا چاہا اور تمام ملکی وسائل جنگی تیاری کے لیے وقف کر دیے- اب کی دفعہ آورقبائل کے خاں کو بھی اپنا حلیف بنا لیا- اس طرح دو لشکر تیار ہو گئے- ایک لشکر ہرقل کا مقابلہ کرنے پر مامور ہوا اور دوسرا قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے- قیصر روم بھی غافل نہ تھا- اس نے تین لشکر تیار کیے- ایک لشکر قسطنطنیہ کی حفاظت کیلیے متعین کیا' دوسرا لشکر اپنے بھائی تھیوڈور کی کمان میں ایرانی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا- تیسرا لشکر خود لے کر لازیکا روانہ

ہوا جہاں اس نے حملہ کیا لیکن ناکام رہا- تھیوڈور نے ایرانی سالار شاہین کو شکست دی جو فاتح کالسیڈونِن تھا- شاہین شکست کی ذلت کو برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر لی- اس عرصے میں آور قبائل کے خان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا- ایرانی لشکر کی کمک بھی آئی لیکن روم کے بحری بیڑے نے بڑھ کر ایرانی لشکر کو روک لیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خان اپنے ارادے میں ناکام ہوا اور محاصرہ اٹھا کر وہاں سے واپس ہو گیا-

دستگرد پر حملہ اور خسرو کا فرار

اب حالات حکومت روم کے موافق تھے- ایران جیتی ہوئی بازی ہار رہا تھا- ۶۲۷ء میں ہرقل نے حکومت ایران پر کاری ضرب لگانے کے لیے دستگرد کی طرف رجوع کیا' جہاں کے قلعے میں خسرو مقیم تھا- یہ قلعہ مدائن سے ستر میل کے فاصلے پر تھا- ہرقل ابھی نینوا پہنچا تھا کہ ایرانی لشکر رومیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے آگے بڑھا- یہاں رومیوں اور ایرانیوں میں خوں ریز جنگ ہوئی- اس میں ایرانی سپہ سالار لڑتا لڑتا مارا گیا اور لشکر چھاؤنی میں واپس آ گیا- یہاں ہزیمت خوردہ لشکر کو اور کمک مل گئی لیکن دشمن بدستور دباؤ ڈالتا رہا- آخر خسرو نے دستگرد کے قریب ایک گہری ندی کے کنارے' جو ''براز روذ'' کے نام سے موسوم ہے' لشکر آراستہ کیا' لیکن جوں ہی حریف کا لشکر نمودار ہوا' خسرو کی ہمت جواب دے گئی- آخر اس نے ننگ و ناموس بالائے طاق رکھتے ہوئے پایۂ تخت کو خیرباد کہا اور جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا- اس موقع پر ہرقل کو بے اندازہ دولت ہاتھ لگی- تین سو رومی جھنڈے بھی ہاتھ لگے جو ایرانیوں کی فتوحات میں ان کے ہاتھ آنے تھے- ان کے علاوہ چاندی کی کثیر مقدار' کمخواب کے پارچات اور ریشمی ملبوسات بھی انھیں ملے- خسرو کے فرار کے باوجود ایرانی لشکر نے میدان نہ چھوڑا اتنے میں انھیں اور ایرانی کمک ملی- دو سو جنگی ہاتھیوں کا دستہ بھی پہنچ گیا- ہرقل نے ایرانی لشکر کی ثابت قدمی دیکھی تو خسرو کے تعاقب کا ارادہ بدل ڈالا اور مدائن کا محاصرہ کرنے کا خیال بھی ترک کر دیا اور ان ہی فتوحات پر قناعت کر لی' جو اب تک اسے حاصل ہو چکی تھیں- ہرقل آخر کنزا کا پہنچ گیا اور اپنی سرگرمیوں کو موسم سرما کے اختتام تک ملتوی کر دیا-

رسول اکرمؐ کا نامۂ مبارک خسرو کے نام

خسرو پرویز کے عہد کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ۷ھ مطابق ۶۲۸ء میں

ایک نامۂ مبارک بادشاہ ایران خسرو پرویز کے نام لکھا جس کا متن درج ذیل ہے:

"من محمد رسول الله، الی پرویز بن هرمز - اما بعد:
فانی احمد الیک الله لا اله الا هو الحیّ القیوم، الذی ارسلنی بالحق بشیراً و نذیراً الی قوم علیهم الشقا و سلب عقولهم، ومن یهدی الله فلا یضلّ له و من یضلل فلا هادی له ان الله بصیر بالعباد، لیس کمثله شیئی و هو السمیع البصیر - امّا بعد: فاسلم تسلم او اذن بحرب من الله و رسوله ولم یعجزها "[1]

طبری لکھتے ہیں کہ کسریٰ نے جب یہ خط دیکھا تو غصے میں آ گیا اور کہا: (نعوذ باللہ) "یہ کون ہے کہ جس نے اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھا ہے۔" آخر اس کے حکم سے نامۂ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچی تو فرمایا: "اس نے اپنی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے"۔ طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو نے دو امرا باقور اور اجر کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ انھیں دو مراسلے دیے ایک جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور دوسرا یمن کے حکمران بازان کے نام، جو بادشاہ ایران کے ماتحت تھا۔ بازان کو اس نے لکھا تھا کہ مدینہ پر فوج کشی کرو اور جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہیں، انھیں یہاں لاؤ۔ ایلچیوں کو اس نے یہ ہدایت بھی کی کہ وہ پہلے مدینہ جائیں اور جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہیں، انھیں یہاں آنے کی دعوت دیں تاکہ میں سنوں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

ایلچی آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے، حضرت سلمان فارسی نے ان کی ترجمانی کی۔ حضورؐ نے ایلچیوں کو حضرت سلمان کے ہاں قیام کرنے کے لیے فرمایا۔ وہ ہر روز آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت سلمان کے ذریعے اپنی خواہش کا اظہار کرتے۔ حضورؐ ان سے شفقت کا سلوک کرتے۔ ایلچی چھ ماہ مدینے میں ٹھہرے رہے۔ آخر وہ پریشان ہوئے کیوں کہ ان کا مقصد پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی۔ آخر حضورؐ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ شیرویہ نے خسرو کو ہلاک کر دیا۔ اسی عرصے میں ایلچی پھر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے ترجمان کے ذریعے کہا: "یا تو ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں یا ہمیں واپس جانے کی اجازت دے دیں۔ ہمارا بادشاہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ ہم اور زیادہ دیر

(۱) تاریخ طبری، ترجمہ تاریخ بلعمی، ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۲۳۵ تا ۲۳۷

یہاں ٹھہریں۔'' آنحضرتؐ نے فرمایا: ''انّ ربی عزّوجلّ قد قتل ربکما، سلّط اللّٰہ علیھہ ابنہ، شیرویہ حتیٰ قتلہ البارحۃ[1]

حضور کے ارشاد کا ترجمہ حضرت سلمان نے کہہ سنایا یعنی پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے تمھارے بادشاہ کو ہلاک کیا۔ اس کے بیٹے شیرویہ کو (اس کام پر) مامور کیا جس نے اسے کل رات کو قتل کر دیا۔[2]

ایلچی یہ سن کر مدینہ سے چل پڑے اور یمن پہنچ گئے اور کسریٰ کا مراسلہ بازان کو دیا۔ اتنے میں ایران کے نئے حکمران شیرویہ کا مراسلہ بازان کو پہنچ چکا تھا، جس کا مضمون یہ تھا۔ خسرو نے اس دنیا کو خیرباد کہا اور اس کی بادشاہت مجھے ملی۔ اب تم لشکر سے میرے نام پر بیعت لو اور مدینہ پر فوج کشی نہ کرو، جیسا کہ خسرو نے تمھیں حکم دیا تھا۔ اس کے لیے تم میرے حکم کا انتظار کرو۔

خسرو کی معزولی اور وفات

خسرو کی پے در پے شکستوں سے اس کے وقار کو سخت ٹھیس لگی تھی اور دستگرد کے میدان میں جو اس نے بزدلی دکھائی، اس سے اس کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل گئی۔ عوام کے دلوں میں اب خسرو کے متعلق نفرت اور غصے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنے نامور سپہ سالاروں کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا تھا۔ شہر براز کو جب شکست ہوئی، تو اسے مروا دینا چاہا۔ شاہین نے خودکشی کی تو اس کی لاش نکلوا کر اس کی توہین کی۔ یہ دونوں سپہ سالار اپنی جاں نثاریوں کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے سالاروں کو، جنھیں رومیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی، زندان میں ڈال دیا۔ یہ وہ واقعات تھے جن کی وجہ سے عوام اور امرا خسرو سے سخت برافروختہ تھے۔

خسرو اب یہ چاہتا تھا کہ اپنے چھوٹے بیٹے مردان شاہ کو، جو اس کی عیسائی ملکہ شیریں کے بطن سے تھا، ولی عہد مقرر کر دے۔ ایرانیوں کے لیے یہ بات اور بھی ناگوار تھی اس لیے خسرو کے خلاف بغاوت کا مواد پکنے لگا۔ آخر امرا کی مقتدر جماعت نے خسرو کے بڑے لڑکے قباد کو ولی عہد سلطنت مقرر کیا۔ ادھر مدائن کے فوجی دستوں نے شہنشاہ کو اسیر کر کے ''قلعۂ فراموشی'' میں ڈال دیا، جہاں اسے روٹی اور پانی کے سوا کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ اسی زندان میں اس کے متعدد شہزادے

---

(۱) تاریخ طبری، ترجمہ تاریخ بلعمی، ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۲۳۵ تا ۲۳۷

(۲) دیکھیے ص ۵۲۰ کتاب ہذا

اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیے گئے۔ ان ہی میں اس کا چہیتا شہزادہ مردان بھی تھا۔

خسرو کے عہد میں عیسائیت کا فروغ

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' خسرو نے عیسائیوں سے بڑی رواداری برتی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے روم میں عیسائیوں کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ عیسائیوں کا احسان بھی بڑا تھا اور پھر اس کی ملکہ مریم قیصر روم کی بیٹی تھی۔ نیز اس کی محبوبہ شیریں بھی عیسائی تھی۔ شیریں نے متعدد کلیسا اور راہبوں کے لیے خانقاہیں تعمیر کروائیں' جن میں خسرو نے بھی بڑی دل چسپی لی۔ عیسائی راہبوں کی دعاؤں پر اسے بڑا اعتقاد تھا یہاں تک کہ وہ اپنی ابتدائی مہموں میں دعاؤں کی برکت کے لیے راہبوں کو میدان جنگ میں ساتھ لے جاتا تھا۔ خسرو کی خاص توجہ کی وجہ سے عیسائیوں کے لیے اشاعت دین کی راہ ہموار ہو گئی۔

خسرو کا کردار

خسرو پرویز کے عہد میں ایران کو وہ دور بھی نصیب ہوا جب یہ مملکت ہخامنشی سلطنت کے برابر پھیلی ہوئی تھی۔ اس دور میں ایران کو وہ شان و شوکت بھی حاصل ہوئی' جو اب تک ساسانی بادشاہوں کو نصیب نہ ہو سکی تھی۔ طبری لکھتے ہیں ''خسرو شجاعت اور تدبر میں دوسرے ساسانی بادشاہوں سے بڑا ہوا تھا' اسی وجہ سے اسے الپرویز یعنی مظفر کہتے تھے۔'' تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ جب بہرام چوبین نے خسرو کے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا تو اس کو سب سے بڑا خطرہ خسرو پرویز ہی کی وجہ سے تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کی شجاعت کی شہرت ضرور ہو گی' لیکن عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد اس کا کردار جو ظاہر ہوا اس سے خسرو کی شجاعت یا تدبر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ وہ بہرام چوبین کے مقابلے میں آیا' تو راہ فرار اختیار کر کے دربار روم میں پناہ لی۔ پھر جب رومیوں کی مدد سے اسے دوبارہ ایران کی حکومت ملی اور جو فتوحات اسے حاصل ہوئیں' ان کا سہرا حقیقت میں دو مشہور سپہ سالاروں شاہین اور شہر براز کے سر تھا۔

ان فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہرقل کو صلح کی پیش کش کرنی پڑی۔ خسرو پرویز اگر صاحب تدبر ہوتا تو صلح کی پیش کش قبول کر لیتا اور ایرانی حدود بحیرۂ اسود اور دریائے فرات تک تسلیم کر لی جاتیں اور لازیکا' رومی آرمینیا اور بین النہرین ایرانی سلطنت کا جزو بن جاتے لیکن خسرو اپنی نخوت پسندی کی وجہ سے یہ حقیقت نہ سمجھ سکا اور اپنے وسائل کو بے فائدہ ان ملکوں میں ضائع کرتا رہا جن پر وہ بحریہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا تسلط برقرار نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا عہد حکومت لڑائیوں

میں گزرا لیکن ایران کو ان لڑائیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس اس نے ایران کو کمزور کر دیا اور یہی کمزوری بالآخر ساسانی حکومت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو کو اقبال مندی نے متکبر اور خود پسند بنا دیا تھا اور وہ تباہ کن حرص میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ لوگوں کے مال و متاع پر حسد کرتا تھا۔

خسرو سے عوام اس لیے ناراض تھے کہ وہ جبر سے ان سے روپیہ وصول کرتا تھا۔ امرا اس سے اس لیے ناخوش تھے کہ وہ ان کے اقتدار کو پسند نہ کرتا تھا۔ وہ سخت کینہ پرور تھا۔ ان امرا کو بھی اس نے مروانے سے دریغ نہ کیا جنھوں نے بڑی وفاداری سے اس کی خدمت کی تھی۔ ان میں بندوی اور بسطام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

خسرو بہت زر پرست بادشاہ تھا کرسٹن سن طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اپنی اڑتیس سال کی حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کی بجائے اپنے خزانوں میں محفوظ کیا۔ اپنے عہد کے اٹھارویں سال ۶۰۷ء تا ۶۰۸ء میں جب اس نے طیسفون میں اپنے خزانے کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں تقریباً چھیالیس کروڑ اسی لاکھ مثقال (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) کا سونا تھا۔ جواہرات اور قیمتی کپڑوں کی کثیر تعداد اس کے علاوہ تھی۔ اس کی حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اس کے خزانے میں اسی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا اور تیسویں سال میں باوجود طویل لڑائیوں کے اس کی مقدار ایک ارب ساٹھ کروڑ مثقال تک پہنچ گئی۔ لڑائیوں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا' وہ اس کے علاوہ تھا۔''[1]

خسرو پرویز کے خزانے

خسرو جن باتوں کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہے ان میں اس کے خزانے بھی ہیں۔ طبری لکھتے ہیں کہ مشہور خزانوں میں ایک گنز واز آورد (گنج باد آورد) جو حقیقت میں ہرقل قیصر روم کا خزانہ تھا[2] اس نے اپنے ملک سے فرار کا ارادہ کیا تو اپنا خزانہ کشتیوں میں بھر کر حبشہ بھیجنا چاہا۔ اس خزانے میں سونا' جواہرات' مروارید' یاقوت اور گوناگوں دیبائیں تھیں۔ اتفاق سے تند و تیز ہوا چلی' سمندر میں طغیانی آئی۔ خزانہ بہتا ہوا خلیج فارس کے ساحل پر آ لگا اور خسرو پرویز کے ہاتھ لگ گیا۔

(۱) ایران بعہد ساسانیاں' ص ۶۱۱

(۲) تاریخ طبری' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۲۱

اس نے کہا تھا کہ اس خزانے کا زیادہ حق دار میں ہوں کیوں کہ ہوا اسے مجھ تک لے آئی۔

خسرو کا ایک اور خزانہ ''گنج گاؤ'' کے نام سے موسوم تھا۔ ثعالبی نے اس کی تفصیل یوں پیش کی ہے''[1]: ''ایک انسان اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ اتفاقاً ہل کی نوک ایک مٹکے کے دستے میں الجھ گئی' جو اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسان نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر یہ سرگذشت بیان کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سارے کھیت کو کھودا جائے اور جو مال و دولت وہاں سے نکلے حاضر دربار کیا جائے۔ کھیت کھودنے سے سونا' چاندی اور جواہرات سے بھرے ہوئے ایک سو مٹکے برآمد ہوئے جو اسکندر اعظم نے زمین میں گڑوا دیے تھے۔ ان پر اسکندر کے نام کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے ایک مٹکا کسان کو بطور انعام دیا اور باقی مٹکوں کے متعلق حکم دیا کہ ''گنج گاؤ'' کے نام سے انھیں خزانے میں محفوظ رکھ دیا جائے۔'' فردوسی نے شاہ نامہ میں ایک اور خزانے کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ''گنج عروس'' تھا۔ ان کے علاوہ بھی فردوسی نے بعض خزانوں کا ذکر کیا ہے' جن میں گنج خسروی اور گنج افراسیاب بھی تھے۔

خسرو زر پرست تو تھا لیکن جہاں اپنے جاہ و جلال کو نمایاں کرنا مقصود ہوتا' وہاں بے دریغ دولت خرچ کرتا جس کا نقش اس کے تمام ہم عصر بادشاہوں کے دلوں پر تھا۔ اس کے شاہی تجملات کا اکثر ادیبوں اور شاعروں نے ذکر کیا ہے۔

مشہور ایرانی روایت ہے کہ سنار سونے سے سبزیوں کے نمونے تیار کرتے تھے اور جب مہمان ضیافت کھانے دسترخوان پر بیٹھتے تو یہ سبزیاں بھی' جنھیں ''زرین ترہ'' کہتے تھے دستر خوان پر چن دی جاتیں اور جب مہمان رخصت ہوتے تو یہ سبزیاں بھی انھیں دے دی جاتیں۔ خاقانی نے اپنی نظم ''ایوانِ مدائن'' میں زرین ترہ کا حوالہ دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

کسریٰ و ترنج زر' پرویز و ترہ زرین
برباد شدہ یکسر' با خاک شدہ یکسان
پرویز بہر خوانی' زرین ترہ گستردی
کردی ز بساط زر' زرین ترہ را بستان

عجائباتِ خسرو

خسرو کے 'ترنج زر' اور 'دستار' کا ذکر اکثر شاعروں نے کیا ہے۔ ان کا شمار عجائبات میں

(۱) شاہ نامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۳۸

ہوتا تھا- ترنجِ زرکو زردشت افشار بھی کہتے تھے- یہ سونے کی نارنگی تھی جو ہاتھ کے دباؤ سے دب جاتی تھی- اسے اکثر خسرو پرویز اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا[1] اس کی دستار کی یہ خصوصیت تھی کہ اگر اس پر دھبے پڑ جاتے تو دستار آگ میں ڈال دی جاتی- آگ کی جلن سے دھبے تو دور ہو جاتے لیکن دستار پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوتا- بعض مورخین نے دستار کی بجائے دستمال بھی لکھا ہے-[2]

تختِ طاقدیس

ایک اور عجوبۂ روزگار تختِ طاقدیس تھا- ثعالبی لکھتے ہیں:[3] گنبد کی شکل کا یہ تخت ہاتھی دانت اور ساگوان کا بنا ہوا تھا- اس کے پترے اور کٹہرے سونے اور چاندی کے تھے- اس کی لمبائی ۱۸۰ ذراع (ہاتھ)' چوڑائی ۱۳۰ ہاتھ اور اونچائی ۱۵ ہاتھ تھی- سیڑھیاں آبنوس کی تھیں- سیڑھیوں کے اوپر سونے کا گنبد تھا- تخت کا طاق سونے کا اور لاجوردی رنگ کا تھا' جس میں آسمان' ستاروں' برجوں اور ہفت اقلیم کی شکلیں بنائی گئی تھیں- بادشاہوں کی تصویریں اور رزم و بزم کے مناظر بھی دکھائے گئے تھے- اس میں ایک آلہ تھا جس سے دن کے مختلف وقتوں کا پتا چلتا تھا- تخت پر بچھانے کے لیے دیبائے زربفت کے چار قالین تھے جو چار موسموں کو ظاہر کرتے تھے- یہ قالین یاقوتوں اور مرواریدوں سے مرصع تھے- تاج سونے کا تھا اور اس میں چڑیا کے انڈوں کے برابر مروارید اور انار کے رنگ کے یاقوت جڑے تھے' جو رات کے وقت صبح کا سماں پیدا کرتے تھے- گنبد کی چھت سے طلائی زنجیر آویزاں تھی' جس کے ساتھ تاج بندھا تھا جو بادشاہ کے عین سر پر لٹکتا تھا-

فرشِ زمستانی

کرسٹن سن نے بحوالہ بلعمی لکھا ہے:[4] مدائن کے محل کے ہال کمرے میں ایک قالین بچھایا جاتا تھا- اس کا نام وہارِ خسرو (بہارِ خسرو) تھا- یہ قالین ساٹھ ہاتھ لمبا اور ساٹھ ہی ہاتھ چوڑا تھا- موسم سرما میں اس پر بادشاہ کی محفل لگتی تھی تاکہ آنے والی بہار کا منظر پیش نظر رہے- قالین کے بیچوں بیچ پانی کی نہریں اور روشیں دکھائی گئی تھیں- ان کے گرد باغ کے سبزے' ہرے

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۲۱

(۲) ایضاً

(۳) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۳۷

(۴) ایران بعہد ساسانیاں' ص ۶۳۹

بھرے کھیت' میوہ دار درختوں اور پودوں کے منظر تھے جن کی شاخیں اور پھول سونے' چاندی اور مختلف رنگوں کے جواہرات کے تھے۔

داستانِ شیریں

شیریں جو فارسی اور اُردو ادب کے سرمایے میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئی' ایران کے ایک گھرانے کی عیسائی لڑکی تھی۔ حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھی۔ اسے خسرو نے زینتِ حرم بنایا۔ امرا و اشراف کے نزدیک ایک ادنیٰ گھرانے کی لڑکی کا شاہی حرم میں جگہ پانا سخت ناروا تھا۔ ان کی ناپسندیدگی کی خبر خسرو تک پہنچی تو انھیں بلایا' حکم دیا کہ طلائی جام کو خون سے بھرا جائے اور اس میں میل کچیل ڈال دی جائے۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور خون اور آلایش سے بھرا ہوا جام پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا ''یہ جام کیسا ہے؟'' سب بہ یک زبان بولے ''سخت غلیظ اور ناپاک ہے۔'' پھر بادشاہ کے حکم سے اس جام کو خاکستر اور الکلی سے صاف کیا گیا اور اسے مشک وعنبر کی دھونی دی گئی اور چشم خروش کی مانندے گلگوں اس میں ڈال دی گئی۔ خسرو نے پوچھا: ''اب یہ جام کیسا ہے؟'' سب نے کہا ''بہت صاف صاف اور گوارا ہے۔'' اس پر خسرو بولا ''شیریں بھی ایسی ہی ہے۔ جب تک وہ ہمارے پاس نہ تھی' جام کی اولین صورت میں تھی۔ اب یہ شاہی حرم کی زینت ہے اور اس نے جام جیسی صاف اور گوارا صورت اختیار کر لی۔'' خسرو کی اس دلیل سے سب خاموش ہو گئے۔(۱)

جوں جوں وقت گزرتا گیا خسرو کی توجہ شیریں کی طرف بیش اُز پیش ہوتی گئی اور وہ وقت بھی آ گیا جب عام گھرانے کی یہ عیسائی لڑکی بادشاہ کے دل کی حکمران بن بیٹھی اور جب قیصر روم کی بیٹی مریم' جو خسرو کی ملکہ تھی فوت ہوئی تو شیریں محل سرا میں مختارکل ہو گئی۔ مریم کی موت کے متعلق یہ'' بھی کہا جاتا ہے کہ شیریں نے اسے زہر دے کر مروا دیا تھا۔(۲)

---

(۱) شاہ نامہ' ثعالبی' ص ۳۳۷

(۲) شاہ نامہ:

ز مریم همی بود شیر بن بدرد — همیشه ز رشکش دو رخساره زرد
بفرجام شیرین و را زهر داد — شد آن خو به رخ ماه قیصر نژاد
ازان چاره آگه بند هیچ کس — که او داشت این راز پنهان و بس

خسرو اور شیریں کی محبت کے افسانے قدیم زمانے ہی میں بہت مشہور ہو گئے تھے۔ اسی نسبت سے فرہاد اور شیریں کی داستان بھی بہت پرانی ہے۔ بعد میں تو یہ داستان عشقیہ شاعری کا مقبول عوام موضوع بن گئی۔ نظامی کی مثنوی 'شیریں خسرو' امیر خسرو کی مثنوی 'خسرو شیریں' اسی محبت کی یادگار ہیں۔

شعر و ادب کے علاوہ شیریں کی ایک یادگار کھنڈرات کی صورت میں بھی نظر آتی ہے' جو قصر شیریں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کھنڈرات طیسیفون سے ہمدان کو آنے والی سڑک پر واقع ہیں۔

خسرو کے محل سرا میں دو نامور بیگمات مریم اور شیریں کے علاوہ بارہ ہزار[1] کنیزیں بھی تھیں۔ ان میں وہ چند ہزار لونڈیاں بھی تھیں جو رقص و سرور کے فن میں ماہر تھیں۔

گھوڑے اور بار برداری کے جانور

خسرو کے پاس پچاس ہزار گھوڑے' بارہ ہزار شتر اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔ 'شبدیز' نام گھوڑا اس کی سواری کے لیے مخصوص تھا' جو نہایت اصیل اور خوب صورت تھا اور بقول ثعالبی آب و آتش کی صفات کا مجسمہ تھا۔ جس طرح رستم کی وجہ سے رخش نے شہرت پائی اسی طرح خسرو کے سبب شبدیز مشہور ہوا۔[2] مشہور روایت ہے کہ یہ گھوڑا خسرو کو اس قدر عزیز تھا کہ وہ کہتا تھا' جو شخص کبھی اس گھوڑے کی موت کی خبر مجھ تک پہنچائے گا اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اچانک شبدیز بیمار ہو گیا اور آخر کچھ دنوں کے بعد چل بسا۔ خسرو کے لیے اس کا مرنا ایک حادثہ تھا۔ جان کے خوف سے کوئی شخص یہ اطلاع بادشاہ کو نہ دینا چاہتا تھا۔ خبر تو بہرحال پہنچانی تھی۔ داروغۂ اصطبل نے خسرو کے مشہور گویے باربد کو وسیلہ بنایا۔ باربد نے خسرو کے حضور گا کر شعر پڑھے' جن کا مفہوم یہ تھا۔ ''شبدیز نہ اب دوڑ سکے گا' نہ چر سکے گا اور نہ سو سکے گا'' یہ سن کر خسرو چونک کر بولا: ''بدبخت! شبدیز مر گیا'' باربد نے کہا: ''حضور ہی یہ فرما رہے ہیں اور تو کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔'' بادشاہ بولا: ''بہت خوب! تو تم نے اپنے آپ کو بھی بچا لیا اور دوسروں کو بھی'' ۔ یہ بیان ثعالبی[3] کا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ایک عربی شاعر خالد الفیاض نے یہ واقعہ نظم کیا ہے۔[4]

---

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۲۱

(۲) ایضاً' ۲۲۱

(۳) شاہ نامہ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۳۹

(۴) ای۔ جی براؤن' اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۷

آرٹ سے خسرو کی دل چسپی

خسرو پرویز موسیقی اور مصوری کا دل دادہ تھا اور اہل فن کی دل کھول کر قدر دانی کرتا تھا- دو نام ور موسیقار نیکسا اور بار بد اس کے دربار سے وابستہ تھے- بار بد نے متعدد راگ راگنیاں ایجاد کی تھیں- اسے اگر ایرانی موسیقی کا باپ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا-

ثعالبی[1] نے بار بد کے دربار خسرو میں آنے کی حسب ذیل افسانوی روئداد بیان کی ہے: ''خسرو کے دربار میں گویوں کا رئیس نیکسا تھا- مرو کے ایک شخص بار بد کو بادشاہ کی فن شناسی کا حال معلوم ہوا تو پایۂ تخت کا رُخ کیا- نیکسا کو معلوم ہوا کہ مرو کا ایک موسیقار آیا' جو عود نوازی میں یکتا ہے- ساز کے ساتھ خود گاتا بھی ہے- سننے والے اس کے نغموں سے مسحور ہو جاتے ہیں- وہ اس خیال سے آیا ہے کہ بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرے- نیکسا کے دل میں کچھ حسد اور کچھ خدشہ پیدا ہوا- مبادا وہ ساز و نغمہ سے دربار پر چھا جائے اور اس کا فن ماند پڑ جائے- اس نے بار بد کو دربار سے دور رکھنے کی کوشش کی- اس غرض کے لیے اس نے درباریوں اور خادموں کو بے دریغ دولت دی- چناں چہ کافی عرصہ اسے دربار شاہی میں رسائی نہ ہو سکی اور کسمپرسی کی حالت میں دن گزارتا رہا- آخر بادشاہ کے روز و شب کا حال معلوم کر کے بار بد کو ایک تدبیر سوجھی وہ بادشاہ کے باغبان کے پاس گیا اور اسے اپنے حال زار سے آگاہ کیا اور کچھ نذرانہ پیش کر کے استدعا کی کہ اس سے پیش تر کہ بادشاہ باغ میں آئے اور بادہ گساری میں مشغول ہو' اسے بادشاہ کی مجلس کے قریب کے درخت پر چڑھنے کی اجازت دے دے- باغبان اس پر راضی ہو گیا- بادشاہ کے باغ میں آنے کا وقت ہوا تو وہ سبز ریشمی لباس پہن کر درخت پر چڑھ گیا اور درخت کے ہرے پتوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا- بادشاہ نے نزول اجلال فرما کر اپنی مخصوص کرسی کو زینت دی- سامنے ندیم اور مصاحب حلقہ باندھ کر اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے- پرویز نے جام ہاتھ میں لیا- ادھر بار بد نے عود سنبھالا اور 'دبستانِ یزدان آفرید' راگنی چھیڑ دی- حاضرین اس کی دل نشیں آواز سے بہت محظوظ ہوئے- پرویز اس راگنی سے بہت متاثر ہوا- پوچھا کون گا رہا ہے- سب نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کچھ پتا نہ چل سکا کہ گانے والا کون ہے اور کہاں ہے- خسرو نے دوسرا جام ہاتھ میں لیا- ادھر بار بد نے 'دستان پرتو فرحار' راگنی شروع کی' پرویز کی حیرانی کی

(۱) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۳۶

انتہا نہ رہی اور پکار اٹھا کتنا دل نشیں نغمہ ہے- دل چاہتا ہے تمام جسم سراپا گوش بن جائے- ندیموں سے کہا جس طرف سے یہ سہانی صدا آ رہی ہے ادھر کچھ دور جا کر دیکھیں لیکن موسیقار کا کہیں نشان نظر نہ آیا- اتنے میں خسرو نے دوسرا جام ختم کر کے تیسرا جام لیا- باربد نے ایک اور راگنی 'سبز اندر سبز' چھیڑی- بادشاہ یہ سن کر تڑپ اٹھا اور جگہ سے اٹھ کر کہا شاید کوئی فرشتہ ہے' جسے خدا نے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کے نغموں سے بہرہ مند ہوں- پھر بآواز بلند کہا' اے نیکوکار آزاد مرد! تو نے ہمیں اپنے نغموں سے لذت بخشی اب اپنے دیدار سے ہماری آنکھوں کو روشنی دے- باربد یہ سن کر درخت سے نیچے اتر پڑا اور بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہوا- بادشاہ نے اس کی کیفیت سن کر اس کی عزت افزائی کی- اسے اپنے ساتھ رکھا اور ہمیشہ اس کے فن سے لطف اندوز ہوتا رہا- آخر خسرو نے اسے گویوں کا رئیس مقرر کر دیا'' ثعالبی یہ بھی لکھتے ہیں کہ نکیسا نے بالآخر زہر دے کر باربد کا کام تمام کر دیا-[1]

حجاری طاق بوستان

خسرو بھی ہخامنشی اور دوسرے ساسانی بادشاہوں کی طرح یہ چاہتا تھا کہ اس کی جنگوں کے حالات' اس کے شکار کے مناظر اور شاہی تجملات کے خد و خال چٹانوں میں محفوظ کر دیے جائیں- چناں چہ اس کے لیے اس نے طاق بوستان کا انتخاب کیا' جس کا شاپور کے عہد میں ذکر آ چکا ہے- شاپور سوم کے غار کے برابر میں خسرو پرویز نے بھی ایک وسیع غار چٹان کے اندر کھدوایا تھا جس کا دہانہ محراب کی شکل کا ہے- محراب دو ستونوں پر قائم ہے جن پر آرائشی کام کیا گیا ہے- کرسٹن سن[2] نے یورپ کے بعض دوسرے مؤرخین کے حوالے سے ان تصویروں کی تفصیل بتائی ہے' جو مختصر طور پر ذیل میں پیش کی جاتی ہے: ''محراب پر ایک درخت دکھایا گیا ہے' جس کی لہراتی ہوئی شاخیں تناسب اور ترتیب کے ساتھ ستونوں کے گرد لپٹی ہوئی ہیں- ان شاخوں پر شوکتہ الیہود کے پتے دکھائے گئے ہیں- غالباً وہ درخت زندگی کا نمونہ ہے جو بہت قدیم افسانوں میں مذکور ہے- اس کے متعلق عقیدہ تھا کہ وہ تمام بیماریوں کو شفا دیتا ہے- دونوں ستونوں کے اوپر جس جگہ کہ محراب کے پائے شروع ہوتے ہیں' شکن دار فیتوں کے سرے بنائے گئے ہیں' جو ساسانی بادشاہوں کے لباس کا جزو ہوا کرتے تھے- محراب کے نصف دائرے کے اوپر دونوں

(۱) شاہنامہ' ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۳۹

(۲) ایران بعہد ساسانیاں' ص ۶۱۵

طرف کونوں میں دو فرشتوں کی شکلیں بنائی گئی ہیں جن کی وضع اور لباس میں بالکل یونانی طرز نمایاں ہے- دونوں کے ہاتھوں میں فتح مندی کے تاج ہیں- محراب کے اوپر عین وسط میں ایک ہلال بنا ہے جس کے دونوں کونے اوپر کی جانب ہیں-

مربع غار کی پچھلی دیوار پہ دو بڑی اُبھرواں تصویریں اوپر نیچے دو منزلوں میں بنائی گئی ہیں- نیچے کی منزل میں دونوں طرف دو ستون پتھر سے تراش کر نکالے گئے ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ نیچے کی منزل کی چھت کو اٹھائے ہوئے ہیں- اوپر کی تصویر میں عطائے منصب شاہی کا منظر دکھایا گیا ہے- بادشاہ درمیان میں کھڑا ہے اور اس کے بائیں ہاتھ پر آہورامزدا ہے جس نے بادشاہ کی طرف تاج بڑھا رکھا ہے اور بادشاہ اسے داہنے ہاتھ سے لے رہا ہے- دوسری طرف اناہتا دیوی بھی اسے ایک تاج دے رہی ہے- بادشاہ کا لباس ایک آستین دار قبا پر مشتمل ہے اور ایک بڑی شلوار ہے جس میں شکن پڑے ہوئے ہیں- دونوں جواہرات سے مرصع ہیں- بادشاہ نے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے ہوئے ہیں- آہورامزدا نے ایک لمبی قبا پہن رکھی ہے لیکن اس کے اوپر ایک ایک فراخ جبہ بھی ہے جس کے کناروں پر موتی جڑے ہیں- پاؤں میں موزے ہیں جن کے سرے شلوار کے نیچے چھپے ہوئے ہیں- اس کی لمبی اور نوک دار ڈاڑھی اور اس کے فیتے دار تاج میں قدیمانہ وضع پائی جاتی ہے- عورت جو بادشاہ کے دائیں طرف ہے یہ پانی کی دیوی اناہتا ہے- اس نے یونانی وضع کی قبا پہن رکھی ہے- اس کے اوپر ایک جبہ ہے جس پر ستاروں کے نشان بنے ہیں- اس کا تاج آہورامزدا کے تاج کے مشابہ ہے جس کے نیچے سے اس کے بالوں کی چار لٹیں اس کے سینے اور کندھوں پر لٹک رہی ہیں-

غار کی پچھلی دیوار کے نچلے حصے میں ایک اُبھرواں تصویر بنی ہے جو اس وقت شکستہ حالت میں ہے- اس میں خسرو کو ہتھیار سجے گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے- سر پر خود ہے' جس کے اوپر تاج رکھا ہے- تاج پر پَر لگے ہیں' اوپر ہلال اور گیند ہے- بدن پر لوہے کے حلقوں کا بنا ہوا زرہ بکتر ہے- اس گھوڑے اور سوار کی اُبھرواں تصویر کے متعلق اسلامی روایت یہ ہے کہ وہ خسرو پرویز اور اس کے محبوب گھوڑے شبدیز کی تصویر ہے- وہ حقیقت میں صنعت حجاری کا شاہکار ہے جس میں تناسب اور جزئیات کو خوب دکھایا گیا ہے-

طاق بوستان کے اس بڑے غار میں خسرو پرویز کی شکارگاہ کی بھی منظر کشی کی گئی ہے-

قبادِ دوم

(۶۲۸ء تا ۶۲۹ء)

پرویز اب بوڑھا ہو چکا تھا لیکن ہوس زر ابھی جوان تھی اور جس طرح بن پڑتا لوگوں سے دولت وصول کرتا تھا- اس کے علاوہ عالی مرتبہ امرا کو مرعوب کرنے کے لیے بعض کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا- آخر سب امرا نے چاہا کہ اسے برطرف کر کے اس کے بیٹے شیرویہ کو تخت نشیں کر دیں- رات کی تاریکی نے ایران کو سیاہ پردے سے ڈھانپ دیا- اس سے پہلے دستور تو یہ تھا کہ محل سرا کے پاسبان ''شاد باد پرویز شاہ'' کی آواز لگایا کرتے تھے- اس رات دفعتاً ''شاد باد ملک شیرویہ'' کی صدائیں بلند ہونے لگیں- شیریں نے یہ آواز سنی تو چونک کر بولی ''یہ ملعون آج کیسی آوازیں لگا رہے ہیں؟'' خسرو بھی بیدار ہوا اور یہ نیا نعرہ سنا' جو اس کے لیے شور قیامت سے کم نہ تھا- وہ سمجھا کہ رات کی تاریکی اس کے لیے معزولی کا پیغام لائی ہے-[1]

سورج طلوع ہوا تو محل سرا کا دروازہ کھول دیا گیا اور شاہی لشکر ہجوم کر کے اندر گھس آیا لیکن خسرو وہاں سے نکل کر باغ میں آ گیا تھا- سپاہی یہاں بھی آ پہنچے- آخر اسے اسیر کر کے ''قلعۂ فراموشی'' میں قید کر دیا گیا- جہاں اسے روٹی اور پانی کے سوا اور کچھ مہیا نہ کیا جاتا تھا- طبری لکھتے ہیں کہ اس کے سترہ میں سے سولہ بیٹے اس کے سامنے قتل کیے گئے' جن میں مردان شاہ بھی تھا' جو شیریں کے بطن سے تھا آخر چند روز بعد پرویز کو زندان ہی میں مروا دیا گیا- بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ خود شیرویہ نے اسے مروایا تھا-[2]

شیرویہ' قباد دوم کے نام سے ۶۲۸ء میں تخت نشیں ہوا- اس وقت ملت ایران رومیوں سے جنگ جاری رکھنے کی وجہ سے نہایت خستہ ہو چکی تھی- قباد نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی سلامت روی کا طریقہ اختیار کیا اور ہرقل قیصر روم سے مصالحت کرنی چاہی- قیصر بھی اب یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ باہمی لڑائیاں دونوں ملکوں کے لیے سودمند نہیں- لڑائیوں کی وجہ سے ملکی ترقی کی طرف توجہ نہیں دی جا سکتی- مصالحت کے لیے پہل قباد نے کی- اس نے اپنا سفیر قیصر روم کے دربار میں بھیجا- رومیوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حکومتوں کے مابین صلح ہو گئی- شرائط یہ طے پائیں کہ مصر' فلسطین' شام' ایشیائے کوچک

(۱) محمود ہدایت' شاہ نامہ ثعالبی' ص ۳۴۴

(۲) [illegible] تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۳۴۳

مغربی بین النہرین اور دوسرے رومی مقبوضات حکومت روم کے حوالے کر دیے جائیں' قیدی آزاد کر دیے جائیں اور عیسائیوں کی حقیقی صلیب واپس کر دی جائے' جو خسرو پرویز بیت المقدس سے ایران لے آیا تھا۔ صلیب کا روم میں واپس جانا عیسائیوں کے نزدیک اہم ترین تاریخی واقعہ تھا' جسے ہرقل نے سرانجام دیا۔ اس تقریب پر ۶۲۹ء میں طول و عرض روم میں جشن منائے گئے۔ قباد نے صاف دلی سے رومی مقبوضات بھی واپس کر دینے کا حکم دیا لیکن شہر براز کو حکم شاہی سے اتفاق نہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ تھا' اس لیے رومی مقبوضات انھیں واپس کرنے میں پس و پیش کرتا رہا۔

اسی زمانے میں رومیوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ یہ عرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ انھوں نے دریائے اُردن کے قریب رومیوں کے ایک دستے پر حملہ کیا اور رومیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ یہ لڑائی کسی بڑی تاریخی اہمیت کی حاصل نہ تھی لیکن اس لحاظ سے یہ ضرور اہم تھی کہ یہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلی لڑائی تھی۔

قباد کا رعایا سے سلوک

قباد نے رعایا کی ہر طرح سے دل جوئی کی۔ کسانوں کو تین سال کے لیے لگان معاف کر دیے۔ جن لوگوں پر زیادتیاں ہوئی تھیں' انھیں نوازا۔ قیدیوں کو آزاد کیا اور برمک بن فیروز کو جو برامکہ کا جد امجد تھا' اپنا وزیر بنایا۔ گویا پہلی بار برمکیوں کا ذکر قباد کے عہد میں آیا۔[1]

بھائیوں کا قتل

قباد نے رعایا کو تو ضرور سہولتیں بہم پہنچائیں لیکن اسے خدشہ تھا کہ بھائیوں میں سے کوئی تخت و تاج کا وارث نہ بن بیٹھے۔ چناں چہ شاہی خون اس نے بڑی بے دردی سے بہایا۔ طبری لکھتے ہیں کہ قباد کے سولہ بھائی تھے۔ ان سب کے خون سے اس نے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے اس کے ظالمانہ اقدام نے ساسانی نسل کے کئی گراں مایہ گوہر خاک میں ملا دیے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت جلد ایسا وقت آ گیا کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ساسانی خاندان کا کوئی لائق فرد ایسا نہ ملتا تھا' جس کے سر پر ساسانی تاج رکھا جا سکے۔[2]

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور ص ۲۵۳

(۲) ایضاً' ص ۲۵۳

قباد کی موت

قباد کے عہد حکومت میں مشرق قریب میں پلیگ کی وبا پھوٹ پڑی اور بے شمار لوگ اس مرض کا شکار ہو گئے- قباد خود بھی اس مرض کی نذر رہوا- قباد کی مدت حکومت صرف چھ ماہ تھی-

اہل یمن کا قبول اسلام

قباد کے زمانے کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ یمن کا بادشاہ بازان جسے خسرو پرویز نے اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ پر لشکر کشی کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایران لائے' مشرف بہ اسلام ہوا اور رفتہ رفتہ یمن کے تمام باشندے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے-

قباد کے سات سالہ بچے کی تخت نشینی

قباد کی وفات ۶۲۹ء میں ہوئی- اس کے بعد اس کے سات سالہ شہزادے اردشیر سوم کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا اور ایک دانش مند وزیر مہر حسیس کو اس کی وزارت سونپی گئی-

ایک غیر ساسانی تخت ایران پر

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے قباد نے اپنے مشہور جرنیل شہر براز کو حکم دیا تھا کہ ایران وروم کے معاہدۂ صلح کی رو سے مفتوحہ علاقے خالی کر دے لیکن اس نے پس و پیش کیا اور ہوا کا رُخ دیکھتا رہا- آخر قباد کی وفات پر جب اس کے خورد سال شہزادے کی بادشاہت کا اعلان ہوا تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا- بہرام چوبین کی طرح اسے بھی بادشاہ بننے کا خیال آیا- اس نے ہرقل کی حمایت حاصل کرنی چاہی اور نہ صرف مصر' شام اور ایشیائے کوچک کے رومی مقبوضات خالی کر دینے کی پیش کش کی بلکہ حمایت حاصل کرنے کے لیے زر کثیر دینے کا بھی وعدہ کیا- ہرقل اس کا ساتھ دینے کو آمادہ ہو گیا اور دوستانہ روابط استوار کرنے کے لیے اپنی بیٹی بھی اس سے بیاہ دی- اب بظاہر شہر براز کے لیے راستہ ہموار ہو گیا- اس نے چھ ہزار فوج کے ساتھ ۶۲۹ء میں مدائن پر چڑھائی کی اور اسے مسخر کر کے فاتحانہ پایۂ تخت میں داخل ہوا- شروع میں امرا کو بھڑکایا کہ پہلے خسرو پرویز نے بعض امرا کو ناحق قتل کرایا تھا' پھر قباد بھی اس کے نقش قدم پر چلا اس کے علاوہ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا' جن سے اسے خطرہ ہو سکتا تھا- شہر براز نے یہ بھی کہا کہ وہ نوعمر شہزادے کی سرپرستی کرے گا' لیکن یہ محض ایک حیلہ تھا- آخر اس نے ۶۲۹ء میں سات سالہ حکمران کو موت کے گھاٹ اتار کر ساسانی تخت و تاج حاصل کیا-

شہر براز بہت دانش مند اور دلیر سپہ سالار تھا۔ ممکن تھا کہ وہ ایران کی حکومت سنبھال لیتا۔ لیکن اہلِ ایران کا شروع ہی سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ بادشاہت ایک مقدس حق ہے جو اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کی رگوں میں بادشاہ کا خون ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ایران میں شاہی خاندان کا کوئی باغی حکومت نہ کر سکا۔ چناں چہ اس بڑھیا کے الفاظ' جو اس نے بہرام چوبین کو اس کے فرار کے دوران کہے تھے' پھر ایک مرتبہ ایران کی فضا میں گونجتے سنائی دیے اور شہر براز صرف دو ماہ تک تخت حکومت پر جلوس کر پایا تھا کہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہوا تو ایک خراسانی سالار' پس فرخ نامی نے' جو شاہی گارد میں ملازم تھا' اسے یہ طعنہ دیا کہ تم کون سے شاہی نسل سے تعلق رکھتے ہو کہ ساسانی تخت و تاج کے وارث بن بیٹھے ہو۔ آخر نیزہ مار کر اسے گھوڑے سے گرا دیا اور پھر دوسرے سپاہیوں نے اسے تلواروں کے واروں سے ہلاک کر دیا اور اس کی لاش کو مدائن کے گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔ لاش کو گھسیٹنے والے کہتے جاتے تھے کہ جس شخص کی رگوں میں شاہی خون نہ ہو اور وہ مکاری سے ساسانی تخت پر جلوس کرے تو اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اردشیر کے زمانے کے دو مشہور واقعات ہیں۔ ایک یہ کہ مصر' شام اور ایشیائے کوچک کے رومی مقبوضات انھیں واپس کر دیے گئے اور خزر قبائل آرمینیا پر غالب آ گئے۔[1]

خاندان ساسانی کے آخری تاج دار

ساسانی عہد کے آخری تاج داروں کا دور ہمیں خسرو پرویز کی یاد دلاتا ہے۔ خسرو میں کچھ ذاتی کم زوریاں تو ضرور تھیں لیکن اس نے داخلی حالات کو قابو میں رکھا۔ امرا کو' جو بعض اوقات ہوس زر اور جاہ طلبی کے خیال سے دست درازیاں کرنے لگتے تھے' روکے رکھا۔ لیکن وہ سب سے بڑا زر پرست تھا۔ اس نے اپنے خزانوں کو بھرنے کے لیے لوگوں سے بہ جبر مال و دولت وصول کیا جس سے شاہی خزانے تو بھرپور ہو گئے لیکن اہل ملک نادار بن گئے۔ رومیوں کے ساتھ جنگ کی مصیبتیں آئیں تو ایران اور اہلِ ایران کی بدبختیوں میں اور اضافہ ہوا۔ خسرو کے بعد ایران کو کوئی طاقت ور بادشاہ نصیب نہ ہو سکا۔ امرا پر قابو نہ پایا جا سکا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ شروع تھی۔ حکم ران تخت نشیں ہوتے اور کمزور ہاتھوں سے ساسانی تاج دوسروں کے حوالے کر کے خود صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتے۔ صرف چار سال کے عرصے میں دس حکم ران' عظیم ساسانی بادشاہوں کے تخت پر بیٹھے۔ گویا آخری دور ایک تیز متحرک فلم کی طرح تھا۔ جس میں لحظہ بہ لحظہ منظر

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۵۷

بدلتے جاتے ہیں- ان حکمرانوں کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

شہر براز کے قتل کے بعد خسرو سوم' جو قباد دوم کا بیٹا تھا تخت نشیں ہوا- اس کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت تخت نشیں ہوئی- ثعالبی لکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کو پوران دخت کے تخت نشیں ہونے کی خبر ملی تو فرمایا: ''وہ قوم جو ایک عورت کو حکومت کی عناں سونپتی ہے' وہ کبھی آسایش نہیں دیکھ سکتی-''[1] وہ چھ ماہ ہی حکومت کر پائی تھی کہ بیمار ہو گئی اور بیماری سے جاں بر نہ ہو سکی اس کے بعد خسرو سوم کا بھائی گشتاسپ دہ' تخت نشیں ہوا لیکن اسے بھی نااہل سمجھ کر تخت سے اتار دیا گیا- اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی یعنی پوران دخت کی بہن آزرمی دخت تخت نشیں ہوئی- آزرمی دخت نے یہ پسند نہ کیا کہ کسی کو اپنا وزیر بنائے چناں چہ خود ہی اپنے نازک ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور عدلؒ اور داد گستری سے حکومت چلاتی رہی- کہا جاتا ہے کہ آلِ کسریٰ میں اس جیسی حسین عورت اور کوئی نہ تھی-[2] اس زمانے میں ایک نامور سپہ سالار فرخ ہرمز' جسے خسرو پرویز نے اپنے عہد میں خراسان کا حاکم بنایا تھا' آزرمی دخت سے شادی کا خواست گار ہوا- اس کے جواب میں آزرمی دخت نے کہلا بھیجا کہ تخت نشیں ہونے سے پہلے اگر شادی کی درخواست کی جاتی تو ضرور قبول کر لی جاتی لیکن اب ملکہ بننے کے بعد رعایا کے کسی فرد کے ساتھ شادی کرنا نامناسب ہو گا- ساتھ ہی امورِ سلطنت کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے اسے پایۂ تخت آنے کی دعوت دی- اس دعوت پر فرخ ہرمز مدائن پہنچا لیکن کوئی مشورہ کرنے کی بجائے آزرمی دخت نے اس کا سر قلم کرا دیا- یہ وہی سپہ سالار تھا' جو آخری ساسانی دور کے مشہور سالار رستم کا باپ تھا-[3] فرخ ہرمز کے قتل کے بعد اس کا بیٹا رستم خراسان کا حاکم مقرر رہا' لیکن باپ کے قتل سے وہ سخت بے چین تھا- آخر اس نے انتقام لینے کے لیے خراسانی لشکر کے ساتھ مدائن پر حملہ کیا- آزرمی دخت نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی- رستم نے اسے اسیر کر کے اندھا کیا اور پھر قتل کر کے انتقام کی آگ بجھائی-[1]

(۱) شاہ نامۂ ثعالبی' محمود ہدایت' ص ۳۵۵

(۲) شاہ نامہ فردوسی

چو شش ماہ بگذشت بر کار او   بہ ناگہاں کژ پر کار او

بیک ہفت بیمار گشت و بمرد   ابا خویشتن نام نیکی نبرد

(۳) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۶۰

آزرمی دخت کے بعد ۶۳۰ء اور ۶۳۴ء کے درمیان ہرمز پنجم' خسرو چہارم اور فرخ زاد خسرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے اور ساسانی تخت و تاج بازیچۂ اطفال بنا رہا جس سے مملکت ایران خطروں سے دوچار ہو گئی۔

ایران کی مرکزی حکومت کا انتشار

ایران اس وقت ابتری کا شکار ہو رہا تھا۔ مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ فوجی سالاروں کا اقتدار روز بہ روز بڑھ رہا تھا۔ مختلف صوبوں کے حاکم اپنے منصب کو موروثی سمجھنے لگے تھے۔ بعض صوبوں' مثلاً مرو' مرورود' سرخس اور کہستان کے حاکم خود مختار بن بیٹھے تھے۔ مملکت کا بہت سا علاقہ چھن چکا تھا۔ ایسے حالات میں ایک مستحکم مرکزی حکومت قائم کرنا آسان نہ تھا اور پھر پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد ایران کے مغربی صوبوں کی سرحد پر مسلمانوں کی طاقت ور اور پر جوش اسلامی خلافت قائم ہو چکی تھی جس کی بنیاد اسلامی نظریات پر قائم تھی۔

تعلیم اسلام اور عربوں پر اس کا اثر

شریعت اسلام کی بنیاد حق تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کی مخلوق ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ خدا کا اور کوئی شریک نہیں۔ وہ کسی ایک قبیلے کا خدا نہیں بلکہ رب الناس اور ملک الناس ہے۔ اسلام میں خدائے خیر کے مقابلے میں خدائے شر کا کوئی تصور نہیں۔

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بعض کا انتخاب کر کے انھیں نبوت سے سرفراز کیا اور وحی کے ذریعے انھیں لوگوں کی ہدایت پر مامور کیا۔ حضرت محمد الرسول اللہؐ آخری نبی ہیں' جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مختلف وقتوں پر انبیا کرام نے جو دین پیش کیے ان کا اصل الاصول ایک ہے اور سب نبیوں نے اپنی اپنی امت کو اسی اصل الاصول یعنی توحید پرستی کی تلقین کی۔ اس مادی دنیا کے علاوہ دنیائے عقبیٰ بھی ہے' جہاں انسانوں کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اعمال کے مطابق جزا اور سزا ہوگی چناں چہ خدا کی وحدانیت' نبوت پر ایمان اور آخرت کا یقین آئین اسلام کی اساس ہے۔

اطاعت خداوندی کے علاوہ اسلام نے اخلاق حمیدہ پر زور دیا ہے۔ اسلام کی رو سے خداوند تعالیٰ کا مقرب وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے' عدل اور احسان کرتا ہے۔ وعدے کا ایفا' یتامیٰ اور فقرا کی دست گیری' سختی کے وقت صبر و استقلال' غلبہ حاصل کرنے میں عفو' اسلامی اخلاق

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۶۰

کا حصہ ہیں- اسلام میں رہبانیت کی قطعاً گنجایش نہیں- اچھی خوراک اور اچھے لباس سے بھی منع نہیں کیا گیا-

شریعت اسلامی کا عربوں کے فکر اور اخلاق پر بہت گہرا اثر پڑا- زمانۂ جاہلیت میں اعراب محض حسب ونسب کو سرمایۂ فخر سمجھتے تھے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے سب انسان برابر ہیں- بہ حیثیت انسان چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں- برتری اگر کسی کو ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے- حسب نسب اور قبیلہ بندی کے تعصبات' جو باہمی دشمنی اور نفرت کا سبب تھے' یک سرختم ہو گئے- اہلِ عرب جو ظہورِ اسلام سے پہلے انتقام اور خوں خواہی کو بہترین انسانی صفت سمجھتے تھے' اسلامی اخلاق اختیار کرنے کے بعد عفو ونیکی کو بہترین انسانی صفت سمجھنے لگے- قبیلے کے خداؤں کی جگہ دو عالم کے خدا نے لے لی' جو اچھائی اور برائی کا پرکھنے والا ہے- یہ ہیں وہ عقائد جن سے ہر مسلمان متصف تھا اور اشاعت دین کو اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ سمجھتا تھا-

عرب وعجم کی سرحدیں اور سرحدی قبائل

عرب وعجم کا تصادم' عرب کے شمال مشرقی علاقے سے شروع ہوا- پیش تر اس کے کہ اس تصادم کی تفصیل پیش کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عرب وعجم کی سرحدوں اور سرحدی قبائل پر ایک نظر ڈال لی جائے- ایران اور عرب کی سرحد پر حیرہ کی ریاست واقع تھی جس کے حکم ران نعمان کو مروایا گیا تھا- اس پر ایرانیوں کا تسلط تھا- شمال مشرقی سرحد پر کلدہ تھا جسے اہلِ عرب عراق کہتے ہیں- یہاں ایرانیوں کی حکومت تھی- فرات کے مغربی کنارے پر ایک بے آب علاقہ پھیلتا چلا گیا ہے جہاں خانہ بدوش قبائل پھرا کرتے تھے ان میں بیشتر عیسائی تھے- اس علاقے کا جو حصہ شام کی سرحد سے ملتا تھا وہاں غسان قبیلہ کے لوگ رہتے بستے تھے اور رومیوں کے ماتحت تھے- مشرقی طرف قبیلہ بنو تغلب آباد تھا جس کی وفاداریاں حکومت ایران کے ساتھ تھیں- ان سب کا تعلق عرب قبائل کے ساتھ تھا- بعض ان میں ایک دوسرے کے رشتے دار تھے' بعض کے مابین دوستانہ روابط تھے- فرات کے ڈیلٹے میں عرب آباد تھے' جنھوں نے صحرا گردی ترک کر کے اب باقاعدہ کھیتی باڑی شروع کر دی تھی-

خلیج فارس کے مغربی کناروں کے قبائل حجاز پر حملہ کیا کرتے تھے اور ہمسایہ قبائل' جو حکومت ایران کے تسلط میں تھے' ان کی مدد کیا کرتے تھے- یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے بہت پریشان کن تھی-

عرب و ایران کا تصادم

پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد اسلامی خلافت قائم ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کی خلافت کے آغاز میں بعض لوگ جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ محض موقع شناسی سے مسلمان ہو گئے تھے' پھر اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں نے شعائر اسلامی کے خلاف زکوٰۃ دینے میں بھی پس و پیش کیا۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار تو آنحضرتؐ کے زمانے ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔

حضرت ابوبکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید داخلی فتنوں کا سدباب کر چکے تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو ان قبیلوں کی سرکوبی کا حکم دیا' جو ہر آئے دن حملے کرتے رہتے تھے۔ پھر ان کی کمک کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا۔ قبائل کو نیچا دکھانے کے بعد فوجیں عراق کی طرف بڑھیں۔ یہ مہم ۱۲ تا ۱۳ ہجری مطابق ۶۲۳ء تا ۶۳۴ء جاری رہی۔ حکومت ایران کی طرف سے عراق کا حاکم ہرمز تھا۔ حضرت خالد نے ہرمز کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا: "اگر آپ اسلام قبول کر لیں تو آپ ہر طرح سے محفوظ و مصئون رہیں گے۔ آپ پر کوئی بھی ہاتھ نہ اٹھائے گا۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہو تو خراج ادا کرنا قبول کیجیے اور اگر دونوں شرطیں قبول نہ ہوں تو آپ کو ایسی قوم سے سامنا کرنا پڑے گا جو موت کو اتنا ہی عزیز سمجھتی ہے جتنا آپ زندگی کو عزیز سمجھتے ہیں۔" ہرمز نے کسی شرط کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

جنگِ سلاسل

ایران کی سرحد خلیج فارس کے نزدیک حفیر کے مقام تک تھی' جو موجودہ کویت سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں حضرت خالد کی پہلی جنگ لڑی گئی۔ ایرانیوں نے عربوں کا پانی روک لیا۔ حضرت خالد یہ کہہ کر آگے بڑھے: "چشمے پر اختیار اس کو ہو گا جو زیادہ بہادر ہو گا" ہرمز کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا' سنتے ہی خود آگے بڑھا اور للکار کر بولا: "کوئی بہادر ہو تو میدان میں آئے" حضرت خالد خود مقابلے کو آئے۔ دونوں حریفوں کی دست بدست لڑائی ہوئی جس میں ہرمز مارا گیا۔ سپہ سالار کا مارا جانا ایرانیوں کے لیے بہت بڑا نقصان تھا جس سے اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ بہر حال وہ صف آرا ہوئے۔ عرب لشکر نے ایرانیوں پر حملہ کیا اور ایک خوں ریز لڑائی کے بعد انھیں شکست دی۔ اس فتح میں لاتعداد مال غنیمت عربوں کو ملا۔ ایک ہاتھی بھی عربوں کے ہاتھ آیا جسے مال غنیمت کی معینہ مقدار کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ لڑائی 'جنگِ

سلاسل' کے نام سے مشہور ہے کیوں کہ ہرمز نے بعض جری سپاہیوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی تھیں تا کہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

فتح مذار

حکومت ایران نے اپنے ایک مشہور جرنیل قارن کی کمان میں ہرمز کی مدد کے لیے فوج بھیجی جو دجلے کے کنارے مذار کے مقام پر خیمہ زن ہوئی۔ یہاں انھیں ہرمز کی موت اور ایرانی لشکر کی ہزیمت کی خبر ملی۔ حضرت خالد کو تازہ دم ایرانی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنا لشکر لیے ہوئے مذار پہنچے۔ یہاں بھی ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں عربوں نے فتح پائی اور کثیر تعداد میں مال غنیمت عربوں کے ہاتھ آیا۔

فتح ولجہ

شکست کی خبر پایۂ تخت ایران میں پہنچی تو حکومت ایران نے دو نام ور سالاروں اندرزگر اور بہمن کو لشکر جرار دے کر حضرت خالد کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ ایرانی لشکر میں حیرہ اور کسکر کے عرب اور عیسائی فوجی دستے بھی شامل تھے۔ یہ لشکر دجلہ اور فرات کے سنگم کے قریب ولجہ کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالد نے نئے ایرانی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو ولجہ کی طرف بڑھے۔ آپ نے فوج کا کچھ حصہ نشیبی علاقے میں متعین کیا اور باقی لشکر لے کر ایرانیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ دن بھر گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر ایرانی لشکر میں کچھ بے حوصلگی کے آثار پیدا ہوئے تو نشیب میں چھپے ہوئے مسلمان مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایرانی نئے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور بے شمار ایرانیوں کو تہ تیغ کیا۔

الیس کی فتح

ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ حضرت خالد کو ایک اور شدید جنگ کا سامنا ہوا۔ آپ دریائے فرات کے شمالی سمت جا رہے تھے کہ ابلہ اور حیرہ کے مابین الیس کے مقام پر عرب قبائل اور ایرانیوں کا متحدہ لشکر ان پر ٹوٹ پڑا۔ ایرانی لشکر کے عرب دستوں نے حضرت خالد کی فوج پر حملہ کر کے پہل کی۔ اس میں عربوں کا رئیس حضرت خالد کے ہاتھوں مارا گیا اور پھر پورا لشکر شکست کھا گیا۔ ان کی بہت بڑی تعداد تلواروں کی بھینٹ چڑھی۔

امغیشیہ میں اسلامی لشکر کا ورود

الیس سے فتح یاب ہو کر حضرت خالد نے امغیشیہ کا رُخ کیا لیکن یہاں کے باشندے حضرت خالد کی فتوحات کی خبر سن کر پہلے ہی شہر کو خالی کر چکے تھے- چناں چہ بغیر کسی مقابلے کے یہ شہر مسلمانوں کے تسلط میں آ گیا-

فتح حیرہ

ان معرکوں کے بعد حضرت خالد نے ارادہ کیا کہ فرات کے تمام مغربی علاقے کو مسخر کیا جائے- حیرہ کا شہر اس علاقے میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا- حضرت خالد کشتیوں پر سوار ہو کر حیرہ کی طرف روانہ ہوئے- حاکم حیرہ کو خبر ہوئی تو اس نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے اپنے بیٹے آزادبہ کو لشکر دے کر بھیجا- آزادبہ کا لشکر دیکھ کر حضرت خالد کشتیوں سے اتر پڑے- فرات کے دہانے پر ایک مختصر سی جنگ ہوئی جس میں آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا- اب حضرت خالد حیرہ کی طرف بڑھے- حیرہ کا حکمران قلعے کو چھوڑ کر جا چکا تھا لیکن اہلِ شہر نے مدافعت کی غرض سے قلعے کے دروازے بند کر لیے- حضرت خالد نے شہر کا محاصرہ کیا- چند ہی روز گزرے تھے کہ اہلِ شہر نے گھبرا کر قلعے کے دروازے کھول دیے اور مصالحت کی پیش کش کی- آخر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ بطور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح ہو گئی- جزیہ کے عوض حضرت خالد نے حیرہ کی حفاظت اپنے ذمے لے لی- اہلِ شہر مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے- لشکر کے کسی سپاہی نے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا-

حیرہ کی شکست سے ایرانی حکومت کو خطرہ بڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا- اب ایک ایسی حکومت ایران کی سرحدوں پر قائم ہو رہی تھی جو قومیت کے جذبے سے سرشار تھی- حکومت ایران اگر اس وقت دانش مندی سے کام لیتی تو مسلمانوں کے ساتھ کوئی باوقار سمجھوتا کر سکتی تھی لیکن ابھی اس میں دم خم باقی تھا- اس وقت ایرانی مملکت میں موجودہ ایران، بلخ، ایشیائے کوچک کے بعض اضلاع، ترکستان کے بعض علاقے اور ہندوستان کی سرحدوں تک کا سب علاقہ شامل تھا- اس لیے کسی سمجھوتے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا-

اسی اثنا میں ایران کا بادشاہ خسرو چہارم فوت ہو گیا اور فرخ زاد اس کا جانشین بنا- اس وقت ایرانی فوجیں شمالی عراق میں تھیں اور انبار، عین التمر سے لے کر فراض تک پھیلی ہوئی تھیں-

فتح انبار

حضرت خالد حیرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے انبار کی طرف بڑھے- انبار کے اردگرد ایرانیوں نے خندق کھود رکھی تھی- خندق کی دوسری طرف سے ایرانیوں نے تیر برسانے شروع کیے' جس سے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی- آخر ان کا جواب دینے کے لیے مسلمان تیر انداز آگے بڑھے اور ایرانی بددل ہو گئے- مسلمانوں نے اپنے بیلچوں سے خندق کو پُر کیا اور انبار پہنچ گئے- یہاں ایرانی لشکر نے ہتھیار ڈال دیے-

فتح عین التمر

انبار کی فتح کے بعد حضرت خالد عین التمر کی طرف بڑھے' جہاں مشہور ایرانی سپہ سالار بہرام چوبین کا بیٹا تازہ دم لشکر لے آیا تھا- اس کے لشکر میں عربوں کے تمر' تغلب اور ایاد قبائل بھی شامل تھے- ایرانی سالار نے مسلمانوں کے مقابلے میں سب سے پہلے عرب حلیفوں کو آگے بڑھایا تاکہ حریف کے ہاتھوں خود اسی کی قوم کا خون بہے- مقام کرخ پر فوجوں کا آمنا سامنا ہوا- حضرت خالد نے عرب دستوں کے سردار عقہ کو اسیر کر کے قتل کر دیا اور جو عرب اسیر ہوئے' انھیں بھی تہ تیغ کر کے قوم فروشی کی سزا دی- عرب حلیفوں کا خاتمہ ہوا تو پھر ایرانی آگے آئے جو قلعۂ عین التمر کی حفاظت کے لیے متعین کیے گئے تھے' لیکن انھیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور قلعے پر حضرت خالد کا قبضہ ہو گیا- اس معرکے میں جو لوگ اسیر ہوئے ان میں فاتح ہسپانیہ موسیٰ کا باپ نصیر بھی تھا- یہاں آپ نے اہلِ شہر پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور معمولی جزیہ لینے پر اکتفا کیا-

جنگِ فراض

ایرانیوں کو نیچا دکھانے کے بعد حضرت خالد دریائے فرات کو عبور کر کے رومی حکومت کی سرحد پر' یعنی فراض پہنچ گئے- فراض کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی کہ یہاں شام' عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں- یہاں رومیوں نے حضرت خالد کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی' جس میں غیر مسلم عرب قبائل بھی شامل تھے- ایرانیوں کا لشکر بھی اس خیال سے کہ مسلمان' ایران و روم دونوں کے مشترکہ دشمن ہیں' رومیوں سے آملا- دونوں لشکر حضرت خالد کی فوج پر حملہ کرنے کے لیے فرات کی طرف بڑھے-

حضرت خالد کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا- یہاں انھوں نے اپنی

فوجوں کو از سر نو منظم کیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف غیر مسلم عربوں، رومیوں اور ایرانیوں کی فوج جمع تھی، درمیان میں دریائے فرات حائل تھا۔ ایرانیوں اور رومیوں کی متحدہ فوج اپنی طاقت پر بھروسا کرتے ہوئے دریا کو عبور کر آئی۔ دریا کے کنارے پر فریقین کی فوجیں صف آرا ہوئیں اگرچہ مقابلے میں تین طاقتوں کا جم غفیر تھا لیکن مسلمانوں نے جوش جہاد اور سرفروشی کے عالم میں بڑھ بڑھ کے حملے کیے جس سے مخالفین کی متحدہ فوجوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اب شکست خوردہ لشکر کے پیچھے دریائے فرات تھا اور سامنے غازیوں کے نیزے تھے اس لیے بھاگنے کا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ مشترکہ فوجیں بری طرح تباہ ہوئیں۔ حضرت خالد کو یہ فتح بھی ۱۲ھ (مطابق ۶۳۴ء) میں ہوئی۔

حضرت خالد کا ارادہ اب ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف بڑھنے کا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ شام کے شہر یرموک پہنچیں جہاں مسلمانوں کے لشکر کو مشکلات درپیش تھیں۔ خالد اس مہم کو ادھورا نہ چھوڑنا چاہتے تھے لیکن خلیفۃ المسلمین کا حکم تھا اس لیے وہ نصف لشکر لے کر یرموک کی طرف روانہ ہوئے اور مثنیٰ بن حارثہ نے ان کی بجائے باقی لشکر کی کمان سنبھالی۔

مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی مہمیں: (۱۳ تا ۱۴ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۳۵ء)

مثنیٰ کے پاس اس وقت نو ہزار فوج تھی جس سے انھیں ایرانیوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ مثنیٰ کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ حضرت خالد نے تمام عورتوں اور زخمیوں کو واپس بھیج دیا تھا اس لیے وہ تھوڑی فوج ہونے کے باوجود جوشِ جہاد میں ایرانیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھے۔ ایرانی لشکر کی آمد کی خبر ہوئی تو مثنیٰ، حیرہ سے نکل کر دریائے فرات پر آئے اور اسے عبور کر کے بابل کے قریب دشمن کے انتظار میں صف آرا ہو گئے۔ ایرانی لشکر آگے بڑھا۔ ان کے آگے آگے ایک ہاتھی تھا جسے دیکھ کر عربوں کے گھوڑے بدک بدک جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اس ہاتھی پر قابو پا کر اسے زمین پر گرا دیا۔ انھوں نے تعداد کی کمی کے باوجود بھرپور حملہ کیا جس سے ایرانی پسپا ہو گئے۔ مسلمان غازیوں نے پایۂ تخت کے دروازوں تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں ایرانیوں کو مار گرایا۔

اب مثنیٰ یہ محسوس کر رہے تھے کہ مزید کمک کے بغیر آئندہ مہم کو جاری رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے آپ مدینہ گئے تاکہ خلیفۃ المسلمین سے مزید فوج حاصل کریں۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا آخری وقت قریب آ چکا تھا۔ انھیں صورت حال کا علم ہوا تو بستر مرگ سے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ایرانی مہم کے لیے جلد از جلد کمک روانہ کر دی جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا جسے عوام نے قبول کیا۔ حضرت عمر نے مسند خلافت سنبھالتے ہی حکم دیا کہ مثنیٰ کی مدد کے لیے ایرانی مہم پر فوج روانہ کی جائے۔ سب سے پہلے حضرت ابوعبید ثقفی نے اس حکم پر لبیک کہا۔ چناں چہ ان ہی کی سرکردگی میں فوج بھیجنے کا اہتمام کیا گیا۔

یزدگرد سوم

(۶۳۴ء تا ۶۵۲ء)

فرخ زاد کے بعد اردشیر اور نوشیرواں ایسے عظیم بادشاہوں کا تخت خالی پڑا تھا۔ کوئی شہزادہ نظر نہ آتا تھا کہ اسے تخت نشیں کیا جاسکے۔ آخر ایک شہزادہ یزدگرد کی تلاش ہوئی جو شہریار بن خسرو پرویز کا بیٹا تھا اور استخر میں خفیہ طور پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ استخر سے اسے مدائن لا کر ۶۳۴ء میں تخت نشیں کر دیا گیا۔(۱)

مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں

یزدگرد نے تخت و تاج سنبھالا تو اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ مسلمانوں کا تھا جو دریائے فرات کے آس پاس کے بیش تر علاقے فتح کر چکے تھے۔ اس نے از سر نو فوج منظم کی اور ملکی وسائل، جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیے وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو حیرہ سے نکالے اور عرب پر حملہ کرے جو مسلمانوں کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لاکھ فوج فراہم کی اور رستم نے، جو اُس وقت ایران کا سپہ سالار کل تھا، فوج کی کمان اپنے دو سالاروں، جاپان اور نرسی کے سپرد کی۔ ایرانی فوج نے بابل کا رُخ کیا جو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔

ابوعبید اور مثنیٰ بھی تازہ دم لشکر لے کر پہنچ چکے تھے۔ جاپان نے ابوعبید کے ہاتھوں شکست کھائی اور اس کی ہزیمت خوردہ فوج نرسی کی فوج میں شامل ہو گئی۔ ابوعبید نے بڑھ کر اس فوج پر بھی حملہ کیا اور وہ بھی میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

معرکۂ جسر

رستم کو ان شکستوں کا علم ہوا تو اس نے بہمن کی سرکردگی میں اور فوج بھیجی۔ اب کی دفعہ 'درفش کاویانی' بھی ساتھ تھا جو ایرانیوں کا قومی جھنڈا تھا اور اہلِ ایران اسے فتح و نصرت کی علامت

(۱) کرسٹن سن: ایران بعہد ساسانیاں، ص ۴۷۳

سمجھتے تھے۔ ایرانی دریائے فرات کے کنارے اترے۔ فرات کے دوسرے کنارے اسلامی لشکر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ بہمن نے ابوعبید کو کہلا بھیجا کہ ہم تمھارے مقابلے کے لیے آئے ہیں' یا تو تم لشکر لے کر ہماری طرف آ جاؤ یا ہمیں اپنی طرف آنے دو۔ ابوعبید نے دشمن کی للکار پر یہی مناسب سمجھا کہ خود فرات کو عبور کر کے دشمن کی طرف آ ئیں۔ مثنیٰ اور دوسرے آزمودہ کار سرداروں نے ابوعبید کی رائے کو پسند نہ کیا لیکن ابوعبید اپنی بات پر اڑے رہے اور کشتیوں کا پل بندھوا کر دریا کو عبور کیا اور ایرانی فوج کے سامنے آ گئے۔ ایرانیوں کے لشکر میں حسب معمول ہاتھی بھی تھے جنھیں دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدک بدک جاتے تھے۔ آخر وہ گھوڑوں سے اُتر پڑے اور بڑھ کر ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل بانوں کو نیچے گرا دیا۔ خود ابوعبید نے ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن ہاتھی کی سونڈ کی لپیٹ میں آ گئے اور اس کے پاؤں تلے کچلے گئے۔ مسلمانوں کی ہزاروں جانیں تلف ہوئیں' جس سے اسلامی لشکر کے حوصلے پست ہو گئے۔ بنی ثقیف کے ایک شخص نے اس نیت سے کہ مسلمان واپسی کا خیال ذہن سے نکال دیں' دریا کے کنارے جا کر پل کی رسیاں کاٹ دیں۔ مسلمان پسپا ہوتے ہوئے دریا کے کنارے آئے تو پل موجود نہ تھا۔ دشمن تعاقب میں بڑھے آتے تھے متعدد مسلمان دریا میں کود کر غرق ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مثنیٰ ایک آہنی دیوار کی طرح ایرانیوں کے مقابلے میں جم کر کھڑے ہو گئے اور پل بندھوا کر باقی فوج کو دریا سے پار اُتارا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی بے تدبیری کی وجہ سے اسلامی فوج کا دو تہائی حصہ تلف ہو گیا۔

مسلمانوں کی شکست کے وجوہ ظاہر ہیں؛ اول یہ کہ حضرت ابوعبید نے جوش شہادت میں آزمودہ کار سرداروں کے مشورے کو نظر انداز کر دیا۔ دوسری غلطی اُس شخص نے کی جس نے پل کی رسیاں کاٹ کر واپسی کا وسیلہ ختم کر دیا۔ پل کو عربی میں جسر کہتے ہیں اس لیے یہ جنگ 'معرکہ جسر' کہلائی۔ مثنیٰ بچے کھچے لشکر کے ساتھ ریگستان کی طرف چلے گئے۔

جنگ بویب

حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کی جانیں ضائع ہونے کی خبر ملی تو انھیں سخت رنج ہوا اور اپنے پُر جوش خطبوں میں قومیت اور جہاد کا جوش ابھارا جس سے مسلمانوں کے دلوں میں جوش جہاد کی نئی لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ ملک کے عیسائی بھی جوش قومیت میں مرنے مارنے پر تل گئے۔ ہزاروں نوجوانوں نے لشکر میں شامل ہونے کے لیے بڑھ چڑھ کر اپنے نام پیش کیے اور مثنیٰ کی مدد کے لیے ایک لشکر جرار تیار ہو گیا اور اس کی کمان جریر بن عبداللہ کو سونپی گئی۔ ادھر مثنیٰ نے بھی عرب

قبائل کی ایک فوج منظم کر لی - یہ دونوں فوجیں بویب میں جمع ہو گئیں-

حکومت ایران کو خبر ہوئی کہ مسلمان اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے وسیع پیانے پر تیاریاں کر رہے ہیں اور اب بویب میں جمع ہوے ہیں تو اس نے ایک نامور جرنیل مہران کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا- اس نے سیدھا بویب کا رُخ کیا اور دریاے فرات کو عبور کر کے جنگ کے لیے صفیں آراستہ کیں-لڑائی میں ایرانیوں نے مردانگی کے جوہر دکھاے لیکن مسلمان جوشِ جہاد میں برق کی مانند ان پر ٹوٹ پڑے-ان طوفانی حملوں کے آگے زیادہ دیر ایرانیوں کے پاؤں نہ جم سکے اور بدحواس ہو کر پسپا ہونے لگے-ایرانی سپہ سالار مہران لڑتے لڑتے مارا گیا اور مثنیٰ کو بھی لڑائی میں مہلک زخم لگے-مثنیٰ نے ایرانیوں کو بھاگتے ہوے دیکھا تو زخمی حالت میں بھی پل پر جا کر کھڑے ہو گئے اور جو ایرانی پل کو عبور کرنے کی کوشش کرتا' اسے آپ نوکِ شمشیر سے نیچے گرا دیتے- اس معرکے میں بے شمار ایرانی کام آے اور مسلمانوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا- سب سے بڑھ کر یہ کہ مثنیٰ بھی زخموں سے جاں بر نہ ہو سکے-اس بہادر اور لائق سپہ سالار کے شہید ہونے کا مسلمانوں کو انتہائی صدمہ ہوا- بہر حال فتح نے ایک حد تک ان نقصانوں کی تلافی کر دی اور لاتعداد مالِ غنیمت جو میسر آیا' وہ بھی مسلمان غازیوں کے لیے اطمینان کا موجب بنا-

ایران کی جنگی تیاریاں

مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے اب ایران کے لیے ضروری تھا کہ قومیت کی روح بیدار کی جاے- چناں چہ موبد مملکت ایران کے کونے کونے میں پھیل کر آتش کدوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچانے کی تلقین کرنے لگے اور ایک مذہبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں-حکومت نے ملک کے پورے وسائل سامان جنگ فراہم کرنے کے لیے وقف کر دیے- قلعوں اور چھاؤنیوں کو سامان جنگ سے بھر دیا گیا اور مسلمانوں کے مقبوضات میں بغاوت پھیلانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا-

مدینے میں جنگ کی تیاریاں

حضرت عمرؓ فاروق کی بھی حالات پر نظر تھی- انھوں نے عرب کے تمام نام ور بہادروں اور خطیبوں کو مدینے آنے کی دعوت دی جس پر لوگ ملک کے کونے کونے سے کھنچے چلے آے- ... سلطنت کی جنگی تیاریوں کا حال سنایا تو سب کو شہادت حاصل کرنے کے

لیے آمادہ پایا- اس پر ''حضرت عمرؓ نے لشکر کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے کر میدان جنگ میں جانا چاہا لیکن سب نے یہ مشورہ دیا کہ خلیفۃ المسلمین دارالخلافہ کو نہ چھوڑیں- آخر یہ مشورہ قبول کر کے آپ نے آنحضرتؐ کے ایک عالی مرتبہ صحابی سعدؓ بن وقاص کو تیس ہزار فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ایران کی سرحد کو روانہ کیا- یہ لشکر اس لحاظ سے خاص طور سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کے چودہ سو صحابی شامل تھے- حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت سعدؓ بن وقاص کو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت کی تھی کہ اپنی مہموں کا نقشہ بھیجتے رہیں-''(۱)

مثنیٰ کی وصیت

مثنیٰ کا جب آخری وقت آیا تھا تو انھوں نے اپنے جانشین کے نام ایک پیغام چھوڑا تھا کہ ''اب مہم کا آغاز قادسیہ سے کیا جائے جس کے اِردگرد شاپور کی بنوائی ہوئی خندق ہے اور جس میں پانی بہتا ہے-''(۲) حضرت سعد جب اپنا منصب سنبھالنے کے لیے پہنچے تو انھیں مثنیٰ کی وصیت کا علم ہوا- چناں چہ وہ اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو گئے-

سعد بن وقاص نے قادسیہ کی مہم کا نقشہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا- آپ نے فوراً قادسیہ کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ تم اپنے مورچے اس ڈھنگ سے قائم کرو کہ سامنے تمھارے زمین فارس ہو اور پیچھے عرب کے پہاڑ- بس اللہ تعالیٰ فتح دے تو جس قدر چاہو بڑھتے جاؤ-''(۳)

مہم کا آغاز کرنے سے پہلے آپ نے یہ تلقین کی کہ دربار ایران میں سفیر بھیج کر دعوت اسلام دی جائے-

خلیفۃ المسلمین کے حکم پر عمل کرتے ہوئے یزدگرد کے پاس چودہ مسلمان بطور سفیر بھیجے گئے جو پہلے ایرانی فوجوں کے سپہ سالار کل کے پاس گئے' پھر انھیں یزدگرد کے دربار میں بھیجا گیا- بادشاہ سے ان کی گفتگو کو حوالۂ طبری پیش کیا جاتا ہے:

''تم یہاں کس لیے آئے ہو؟''

''ہم یہاں اس لیے آئے ہیں کہ آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں-''

---

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۹۳

(۲) ابن خلدون' کتاب ثانی' ترجمہ اردو' ص ۲۹

(۳) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۹۵

"تم سوسمار کھانے والی قوم ہو' لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہو- دنیا بھر کی تم میں برائیاں ہیں' تم کس قسم کے اسلام کی ہمیں دعوت دینے آئے ہو؟"

"بے شک ہم کافر تھے' گمراہی کا شکار تھے- خداوند تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا جو عربوں میں سے ہے اور ایسے شہر کا رہنے والا ہے جو سب شہروں سے افضل ہے-"

"اُس نے کیا بتایا ہے تم کو؟"

"انھوں نے کفر کی سیاہی کو دور کیا اور اسلام کی روشنی دی-"(۱)

"پیغمبر تمھارا کہاں ہے؟"

"ہمارے پیغمبرؐ اب دنیا میں موجود نہیں لیکن انھوں نے ہمیں وصیت کی ہے کہ ہم دنیا میں پھیل جائیں اور دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں- اگر کوئی دعوت قبول کرے تو بہتر ہے اور اگر دعوت قبول نہ کرے تو اس سے کہیں کہ جزیہ ادا کرے اور ہماری امان میں آجائے اور اگر وہ جزیہ بھی نہ دے تو پھر ہم اس سے جنگ کریں- اب آپ کے پاس آئے ہیں؛ اگر آپ ہمارا دین اختیار کر لیں تو آپ کا ملک آپ ہی کے پاس رہے گا اور اگر ہمارا دین قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ ادا کریں اور خلافت اسلامی کی پناہ میں آجائیں اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت بھی قبول نہ ہو تو جنگ کے لیے تیار رہیے-"

یزدگرد نے غصے میں کہا: "میں نے ترک' دیلمی' ہندی غرض جس قدر قومیں دیکھی ہیں' تم ان سب سے زیادہ بدبخت ہو- تمھاری کیا مجال ہے کہ تم سرزمین ایران پر قدم بھی رکھو- تم بھوکے ہو' اس لیے تمھیں یہاں کا خیال آیا- واپس چلے جاؤ اور میں حکم دوں گا کہ تمھیں پیٹ بھر کر کھانا ملے' میں تم ہی میں سے کسی کو امیر مقرر کر دوں گا-"

یزدگرد نے غضب ناک ہو کر کہا: "اگر سفیروں کا قتل ناروا نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا-"(۲) رستم کو اس نے سخت الفاظ میں تنبیہ کی کہ اس نے مسلمان سفیروں کو دربار شاہی میں کیوں آنے دیا-

یزدگرد عرب مسلمانوں کی جرأت پر سخت حیران تھا- اس نے یہ بھی سن لیا تھا کہ عربوں نے دمشق کو بھی فتح کر لیا ہے' جس پر رومیوں کا تسلط تھا- اب اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار فوج فراہم کی اور رستم کو ان کا سپہ سالار کل مقرر کیا-

(۱) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۲۹۵

رستم اس وقت نائب السلطنت بھی تھا- وہ تدبیر و سیاست اور فنون سپہ گری کا ماہر خیال کیا جاتا تھا- عربوں کے خطرے سے بخوبی آگاہ تھا- اس نے مسلمانوں کی یلغار کو روکنے کی سرگرم کوشش کی اور ایرانی لشکر کو پایۂ تخت کے گرد جمع کر لیا-

۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء میں قادسیہ کے میدان میں' جو حیرہ کے قریب تھا' دونوں لشکر صف آرا ہوئے- رستم ایک شامیانے کے نیچے بیٹھ کر ایرانی فوج کی کمان کرتا رہا- اس کے شامیانے کے آگے درفش کاویانی لہرا رہا تھا جو اہلِ ایران کے نزدیک فتح و ظفر کی علامت تھی-

ایرانیوں اور عربوں کی جنگ شروع ہوئی- حضرت سعدؓ بیمار تھے اور حرکت کرنے سے قاصر تھے- وہ ایک بلند مقام پر بیٹھے ہوئے پے بہ پے ہدایات بھیج رہے تھے- لڑائی چار دن تک جاری رہی- پہلے دن ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا کیوں کہ ان کے دیو ہیکل ہاتھیوں کو دیکھ کر عربوں کے گھوڑے بے قابو ہو جاتے تھے- اس لیے عربوں نے پیادہ ہو کر تیر اندازی شروع کی اور ہاتھیوں کی آنکھوں میں تیر مار کر انھیں اندھا کرتے رہے- اس تدبیر سے صورت کچھ سنبھل گئی- دوسرے دن حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی شامی فوج عرب مورچے پر پہنچ گئی- اس فوج کے ہم راہ آپ نے تحائف بھی بھیجے- سعد بن وقاص نے اعلان کیا کہ یہ تحائف امیر المومنین نے اُن جواں مردوں کے لیے بھیجے ہیں جو جنگ میں کارنمایاں کریں گے- اس اعلان کا سننا تھا کہ امتیازی نشانوں کو حاصل کرنے کے لیے نوجوانوں نے میدان جنگ میں آ کر جانیں لڑا دیں- دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی- شام کی تاریکی چھانے پر لڑائی دوسرے دن پر ملتوی ہو گئی- مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس دن دو ہزار مسلمان شہید ہوئے لیکن ایرانی ان سے پانچ گنا زیادہ مارے گئے-

تیسرے دن پھر جنگ کے نقارے بجے- صفیں آراستہ ہوئیں- ایرانیوں نے پھر ہاتھی آگے بڑھائے- ادھر شامی فوج کا سالار قعقاع آگے بڑھا اور سفید ہاتھی کی آنکھ میں نیزہ مارا- ہاتھی الٹے پاؤں ایرانی فوج میں گھس گیا- دوسرے ہاتھیوں نے بھی اس کا پیچھا کیا جس سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں- اب مسلمانوں کو کھل کر جوہر دکھانے کا موقع ملا- دن بھر نعروں کی گونج' تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دیتی رہی- مسلمان مجاہدین پر جوش حملہ کر کے ایرانیوں کے دائیں بازو کو دھکیلتے ہوئے دور تک لے گئے اب جو شام کی تاریکی چھائی تو مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند تھے اور انھیں فتح قریب نظر آ رہی تھی-

جنگ کا چوتھا دن فیصلہ کن دن تھا- ایرانیوں میں اب وہ پہلا سا جوش و خروش نہ تھا- ان کے حوصلے پست اور ہمت شکستہ نظر آتی تھی- آخر لڑائی کا آغاز ہوا تو مسلمان ایرانیوں کے

قلب لشکر کی طرف سیلاب کی طرح بڑھے اور انھیں پسپا کر دیا- رستم نے اگرچہ ایران میں بہادری کے لیے بڑا نام پایا تھا لیکن قادسیہ کے میدان میں ننگ و نام کا خیال چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی- جان بچانے کے لیے نہر عتیق کو عبور کرنا چاہا لیکن ایک عرب نوجوان نے تعاقب کر کے اسے پکڑ لیا اور تلوار کا وار کر کے دریا کے کنارے اسے ٹھنڈا کر دیا' پھر رستم کے تخت پر کھڑے ہو کر اس نے بآواز بلند کہا- ''رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا-'' یہ سن کر ایرانی لشکر پر خوف و ہراس طاری ہو گیا- عرب ایرانی لشکر کو دھکیلتے ہوئے دریا کے کنارے تک لے آئے جہاں ہزاروں کی تعداد میں ایرانی تہ تیغ ہوئے اور بقیہ لشکر ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑا ہوا-

قادسیہ کی جنگ کے بعد بھی ایرانیوں سے جنگیں تو ہوئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب و ایران کی یہ فیصلہ کن لڑائی تھی' جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اب ساسانی حکومت قائم نہ رہ سکے گی- قادسیہ کی فتح پر عربوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی- مال غنیمت جو انھیں ہاتھ لگا' اس کا کوئی شمار نہ تھا- عربوں کے لیے یہ اور بھی فخر کا موجب تھا کہ مال غنیمت میں ایرانی علم' یعنی 'درفش کاویانی' بھی شامل تھا- اس کے جواہرات کی قیمت تیس ہزار پاؤنڈ تھی-

درفش کاویانی

مسلمانوں کی فتح کا تقاضا یہ تھا کہ فوراً عرب کی طرف رجوع کیا جائے لیکن درفش کاویانی کی عظمت اور اس کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی کچھ سرگذشت بیان کر دی جائے-

درفش کاویانی کا ذکر دیو مالائی دور کے کیانی دور میں آ چکا ہے- ضحاک کی ظالمانہ حکومت کے خلاف آزادی کی تحریک چلی تھی' جس کا محرک کاوہ لوہار تھا- اس نے اپنی دھونکنی کے چمڑے کا علم بلند کیا- اس علم کے ساتھ بغاوت کا اعلان ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضحاک کو شکست ہوئی اور شہزادہ فریدوں تخت نشیں ہوا اور یہ جھنڈا کاوہ کی نسبت سے درفش کاویانی کے نام سے موسوم ہوا- اس مشہور و معروف جھنڈے کی تفصیل مسلم مؤرخین طبری' ثعالبی' مسعودی' خوارزمی اور مطہر بن طاہر المقدسی نے بیان کی ہے- مسعودی لکھتے ہیں کہ درفشِ کاویانی چیتوں کی کھال کا بنا ہوا تھا- یہ بارہ ہاتھ لمبا اور آٹھ ہاتھ چوڑا تھا-(1)

خلیفۃ المسلمین کا اضطراب

فتح کی جاں فزا خوش خبری کی اطلاع دینے کے لیے سعدؓ بن وقاص نے تیز رفتار ایلچی حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا- آپ کے انتظار کا عالم یہ تھا کہ جس دن سے جنگ قادسیہ کا آغاز ہوا تھا آپ صبح ہوتے ہی مدینے سے باہر نکل آتے اور دوپہر تک قاصد کا انتظار کرتے- معمول کے مطابق آپ مدینے سے باہر نکل کر قاصد کی راہ دیکھ رہے تھے کہ کچھ دور ایک شتر سوار نظر آیا- دوڑ کر اس کی طرف گئے- پوچھا: ''کہاں سے آرہے ہو؟'' قاصد آپ کو پہچانتا نہ تھا' بولا: ''قادسیہ سے آرہا ہوں- سعدؓ نے فتح کا مژدہ دے کر مجھے بھیجا ہے-'' حضرت عمرؓ شتر سوار کی رکاب پکڑے ساتھ ساتھ دوڑے جاتے تھے- جب مدینے پہنچے تو شتر سوار نے یہ دیکھ کر کہ جو لوگ ملتے ہیں' وہ انھیں امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہیں' سمجھا کہ امیر المومنین یہی ہیں؛ خوف سے کانپنے لگا اور کہا: ''آپ نے اپنا نام کیوں نہ بتا دیا- مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی-'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''بھائی معذرت کی کوئی بات نہیں- تم فتح کی تفصیل بتاتے جاؤ-''(۱)

فتح کا سب حال سنتے ہی مسلمانوں کو جمع کر کے آپ نے سعد بن وقاص کا خط سنایا' جس پر شہر بھر میں خوشیاں منائی گئیں لیکن جہاں اس عظیم الشان فتح پر شادیانے بجے' وہاں ان لوگوں کا افسوس بھی ہوا جو دیار غیر میں پیوند زمین ہوئے- مبارک سلامت کے ساتھ لوگ اتنے جانی نقصان پر سعدؓ بن وقاص کو ملامت بھی کرتے جاتے تھے- اس موقع پر جریر بن عبداللہ نے ذیل کے شعر کہے:

لقاتل حتی انزل اللہ نصرہ   و سعد بباب القادسیہ معصم

فابنا و قد امت نسا کثیرۃ   ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو جواب بھیج کر وہیں قیام کرنے کی ہدایت کی تاکہ لشکر کچھ عرصہ آرام کر لے- چناں چہ کچھ دیر آپ قادسیہ ہی میں ٹھہرے رہے- اسی اثنا میں آپ نے عبادت کے لیے مسجدیں تعمیر کرائیں اور مسلمانوں کے رہنے سہنے کے لیے سہولتیں مہیا کیں-

فتح بابل

ایرانی قادسیہ کے میدان سے فرار ہو کر بابل پہنچے' جو دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم تھا اور جہاں ایرانیوں کے متعدد سردار جمع تھے- یہاں بھی قادسیہ کی طرح یزدگرد نے سامان جنگ فراہم

(۱) ابن خلدون' ترجمہ اردو' کتاب ثانی' ج ۴' ص ۶۴

کرنے میں پورے پورے ملکی وسائل وقف کیے- تازہ دم فوج فراہم کی گئی- ایک نامور سپہ سالار کو اس کی کمان سونپی گئی-

سعدؓ بن وقاص نے قادسیہ میں دو ہی ماہ قیام کیا تھا کہ بابل کی تیاریوں کی اطلاع ملی- حضرت سعدؓ ایک لحہ ضائع کیے بغیر فوج لے کر حیرہ آئے اور یہاں سے دریائے فرات عبور کر کے بابل کا رُخ کیا- قادسیہ کی شکست نے ایرانیوں کے حوصلے پست کر دیے تھے- انھیں اب یہ امید نہ تھی کہ خدا پرستوں کی اس نئی قوم پر غالب آ سکیں گے- بہر حال فیرزاں نے بابل سے باہر نکل کر صفوں کو آراستہ کیا- لیکن حضرت سعدؓ کے پہلے ہی حملے سے ایرانیوں کے پاؤں ایسے اُکھڑے کہ پھر نہ جم سکے- لشکر نے راہ فرار اختیار کی اور اس قدیمی تہذیب وتمدن کے گہوارے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا-

بابل سے فرار ہونے کے بعد ایرانی تین گروہوں میں بٹ گئے: ایک گروہ ھرمزاں کے ساتھ اہواز پہنچا- فیرزاں خود دوسرے گروہ کے ساتھ نہاوند کی طرف چل دیا جہاں کسریٰ کا خزانہ تھا اور ایک گروہ نے مدائن کا رُخ کیا-

مدائن خلافت راشدہ کے تحت

مدائن' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا- مغربی کنارے کا شہر سکندر کے جانشینوں نے بسایا تھا اور مشرقی کنارے کا شہر ایرانی شہنشاہوں نے تعمیر کرایا تھا- ان شہروں کو مدائن کہتے تھے- عرب لشکر اور مدائن کے مابین اب دریائے دجلہ حائل تھا- ایرانی اپنے دارالسلطنت کو بچانے کے لیے ہر دفاعی تدبیر اختیار کرنا چاہتے تھے- چناں چہ عربوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے انھوں نے دجلہ کے پل کو توڑ دیا- لیکن یہ تدبیر مسلمانوں کے عزائم میں رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی تھی- سعدؓ بن وقاص نے دجلے کو عبور کرنے کے لیے ایک ایسے مقام پر گھوڑا ڈال دیا جہاں پانی نسبتاً کم گہرا تھا- گھوڑے کا دریا میں اترنا تھا کہ فرزندان توحید نے نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے اپنے امیر کی پیروی کی اور دریا کو عبور کر گئے- ایرانی انھیں حیرت سے دیکھ رہے تھے اور ''دیوان آمدند' دیوان آمدند'' کہتے ہوئے سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑے ہوئے- ایک ایرانی سپہ سالار نے معمولی مزاحمت کی لیکن مسلمانوں نے فوراً ہی اس کے فوجی دستوں پر قابو پالیا- یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر نکل بھاگا- مدائن کے دروازے عربوں کے لیے کھول دیے گئے- حضرت سعدؓ بن وقاص فتح مند لشکر کو لیے ہوئے مدائن میں داخل ہو گئے- جہاں انوشیروان عادل کے زمانے سے ایرانی شہنشاہوں کے دربار لگتے آئے تھے اور جہاں سے

ایرانی مملکت کے نظم و نسق کے لیے فرمان جاری ہوتے تھے' یہاں اب شاہی خاندان کا کوئی فرد نہ تھا- حضرت سعدؓ نے یہاں کے چھوٹے بڑے محل اور باغات دیکھے تو بہت خوش ہوئے اور یہ آیت پڑھی-

''کم ترکوا من جنات و عیون و زروع و مقام کریم و نعمته کانوا فیها فاکهین کذلک و اورثناها قوما''

حضرت سعدؓ نے ایوان کسریٰ میں قدم رکھتے ہی شکرانے کی آٹھ رکعتیں ادا کیں- یہ نماز سنت ہے جو پیغمبر اسلام نے فتح مکہ کے دن خانۂ کعبہ میں داخل ہو کر ادا کی تھی- اس نماز کو نماز صلوٰۃ کہتے ہیں-

نماز صلوٰۃ ادا کرنے کے بعد حضرت سعدؓ نے عمرو بن مقرن کو مال غنیمت فراہم کرنے کا حکم دیا اور منادی کرا دی کہ جس کے ہاتھ جو مال لگے' وہ عمرو بن مقرن کے سپرد کر دیا جائے- آپ دیوان کسریٰ کے شاہی محل میں آئے جس کے بے شمار کمرے تھے- ہر کمرہ جواہرات' زر و سیم' زربفت' اسلحہ اور قالینوں سے اٹا پڑا تھا- زر دسال اور جواہرات کے علاوہ یہاں کے خزانوں میں شاہنشاہان ایران کے نوادر اور نایاب چیزیں بھی جمع تھیں- عجائب گھر میں خاقان چین' قیصر روم' داہر والی ہند' بہرام گور' سیاوش' نعمان بن منذر کی زرہیں اور تلواریں- کسریٰ' ہرمز' قباد اور فیروز کی تلواریں اور مغفر تھے- یہ سب نوادر قعقاع نے فراہم کیے- سعدؓ بن وقاص نے قعقاع کو اجازت دے دی کہ ان تلواروں میں سے جو چاہیں لے لیں- انھوں نے ہرقل قیصر روم کی تلوار اٹھالی' پھر حضرت سعدؓ نے بہرام گور کی زرہ بھی انھی کو مرحمت کر دی-(۱)

ان نوادر میں نوشیرواں کا شاہی لباس بھی تھا جس پر مروارید ٹنکے ہوئے تھے- ایک زرہ تھی جس کی کلائیاں اور پنڈلیاں سونے کی تھیں- گھوڑے کا ایک طلائی مجسمہ تھا جس کے اوپر چاندی کی بنی ہوئی زین کسی تھی اور اس پر موتیوں کا جڑاؤ کام تھا- ایک اونٹ کا طلائی مجسمہ اور ایک استر کا چاندی کا مجسمہ تھا- ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا- آبگینے بھی تھے جن میں عطر کافور اور مشک بھرا تھا- یہ سب تاریخی نوادر حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیے گئے- مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر باقی رقوم لشکر کے ساٹھ ہزار غازیوں میں بانٹ دی گئیں جن میں سے ہر ایک کے حصے میں بارہ ہزار درم آئے جو تقریباً تین سو پاؤنڈ کے برابر تھے-

حضرت عمرؓ کی خدمت میں مال غنیمت پہنچا تو فرمایا'' اسے مسجد نبوی میں جمع کر دیا جائے

(۱) ابن خلدون' اردو ترجمہ' کتاب ثانی' ج ۴' ص ۴۷

تا کہ لوگ اسے دیکھ لیں"[1] چناں چہ مصر، یمن اور شام کے مسلمان جوق در جوق اسے دیکھنے کے لیے چلے آتے تھے اور نیرنگئ روزگار کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سب مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ فرش بہار کے متعلق عام رائے یہ تھی کہ اسے جوں کا توں رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے یہ تھی کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دیے جائیں۔ چناں چہ جس طرح حکومت ایران پر خزاں چھا رہی تھی اسی طرح اس فرش بہار پر خزاں آ گئی۔

فتح جلولا

ایران کا شہنشاہ مدائن سے فرار ہو کر مغربی ایران کے پہاڑوں میں آ گیا تھا اور اب حلوان میں مقیم تھا۔ اسے پایۂ تخت کے چھن جانے کا انتہائی قلق تھا۔ وہ اسے پھر سے حاصل کرنے کے لیے مضطرب تھا اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینا چاہتا تھا۔ اس لیے یہاں پھر اس نے ایک تازہ دم لشکر منظم کیا اور رستم کے بھائی خرزاد کو اس کی کمان سپرد کی۔ خرزاد نے مدائن سے چالیس میل کے فاصلے پر جلولا کے قلعے میں قیام کیا اور قلعے کے اِردگرد خندق کھدوا دی۔

اُدھر حضرت عمرؓ نے پیغام بھجوایا کہ پیش قدمی کرنے کے لیے سعد بن وقاصؓ کے بھتیجے ہاشم کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا جائے اور اس کا نائب قعقاع بن عمرو کو بنایا جائے۔ سعد خود مدائن ہی میں مقیم رہیں اور میدان جنگ میں کمک بھیجتے رہیں۔ حضرت سعدؓ نے ۱۶ھ مطابق ۶۳۷ء میں ہاشم اور قعقاع کو جلولا اور حلوان کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ انھوں نے پہلے جلولا کا محاصرہ کیا۔ یہ نہایت مستحکم قلعہ تھا اور رسد اور سامان جنگ سے اسے بھر دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ایرانیوں کو حلوان سے پے بہ پے کمک چلی آ رہی تھی۔ اس لیے جلولا کو سر کرنے میں کافی وقت صرف ہوا۔ اس عرصے میں متعدد بار چپقلشیں ہوئیں۔ آخر قعقاع نے قلعے سے نکل کر لڑنے والی فوج کا صفایا کر دیا اور قلعے کی فوج نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ یہاں سے بھی بے شمار مال غنیمت غازیوں کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ میں ایرانیوں کا جانی نقصان بھی بہت ہوا۔ ابنِ خلدون کے قول کے مطابق ایک لاکھ ایرانی اس مہم میں مارے گئے۔[2]

فتح حلوان

جلولا کی جنگ کے دوران ادھر مسلمان غازیوں کی تلواریں ایرانیوں کا خون بہا رہی

(۱) تاریخ طبری، تاریخ بلعمی، ترجمہ: ڈاکٹر محمد جواد مشکور، ص ۳۰۴

(۲) ابن خلدون، اردو ترجمہ، کتاب ثانی، ج ۴، ص ۷۵

تھیں' اُدھر یزدگرد حلوان میں خرزاد کے ایلچی کا انتظار کر رہا تھا- آخر شکست کی کمر شکن خبر آئی تو یزدگرد نے حلوان کو خیر باد کہہ کر رے کا رُخ کیا-

ہاشم اور قعقاع اب غازیوں کا لشکر لیے ہوئے حلوان آ پہنچے تو یہاں شہر کو بے بادشاہ پایا- ایک ایرانی سپہ سالار خسرو دشنوم مزاحمت کے لیے آگے بڑھا لیکن بہت جلد اس پر قابو پا لیا گیا- آخر فاتحین کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے گئے- ہاشم نے داخل ہوتے ہی منادی کرا دی کہ جو شخص اسلام قبول کرے گا یا جزیہ دینے کا عہد کرے گا' وہ مسلمانوں کی پناہ میں آ جائے گا- اس کا جان و مال محفوظ رہے گا- اس کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ ہو گا- پناہ کی خبر پا کر اکثر امراو اشراف نے اسلام قبول کر لیا- حلوان' عراق کا آخری سرحدی مقام تھا- اس کے فتح ہونے سے پورا عراق توحید پرستوں کے تسلط میں آ گیا- یہاں سے تین کروڑ کا مالِ غنیمت غازیوں کے ہاتھ لگا جس میں سے نو نو ہزار ہر سوار کے حصے میں آئے- مالِ غنیمت کے علاوہ ایک لاکھ گھوڑے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئے جن میں سے بیش تر آذربائیجان کی چراگاہوں سے منگوائے گئے تھے- حلوان اور جلولا کا مالِ غنیمت جب مدینے پہنچا تو کہا جاتا کہ اسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں- لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ غنیمت کے اس زر و مال سے عرب قوم کی آئندہ کمزوری کی علامت جھلکتی نظر آتی ہے-[1] ان کا خیال درست تھا کیوں کہ اُن عظیم فتوحات کی وجہ سے جز رسی' زہد اور ایثار کے خصائل' جو اولین مسلمانوں کا خاصہ تھے' رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے-

آبلہ کی تسخیر اور عراق میں اشاعت اسلام

۱۶ھ مطابق ۶۳۷ء میں حضرت سعدؓ نے اپنا ایلچی بھیج کر حضرت عمرؓ سے یزدگرد کا تعاقب کرنے کی اجازت[2] مانگی لیکن حضرت عمرؓ کا پورے ایران کو فتح کرنے کا ارادہ نہ تھا اس لیے سعد کو جواب لکھ بھیجا "میں چاہتا ہوں کہ عراق اور ایران کے مابین کوئی حد فاصل ہوتا کہ نہ ایرانی ہم پر حملہ کر سکیں' نہ ہمیں ان پر حملہ کرنے کا خیال آئے- عراق کے میدان ہمارے لیے کافی ہیں-" یہ حکم پا کر حضرت سعدؓ نے امور عراق ہی کی طرف توجہ دی- یہاں انھیں اشاعت اسلام میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ پورے خطے کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے- انھی ایام میں عتبہ کو

---

(۱) سید امیر علی' اے شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینس' ص ۳۶

(۲) سائیکس' اے ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۴۹۸

اُبلہ بھیجا گیا جس نے اُبلہ کی بندرگاہ کو فتح کر لیا اور اس طرح ہندوستان سے تجارت کرنے کی یہ نہایت اہم بندرگاہ مسلمانوں کو مل گئی۔

اہلِ ایران سے مسلمانوں کا معاہدۂ صلح

حلوان کی شکست پر یزدگرد کی رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی اور اپنا سفیر مصالحت کے لیے بھیجا۔ حضرت سعدؓ نے بھی مصالحت کے لیے رضامندی کا اظہار کیا اور معاہدۂ صلح سرانجام پایا جس کی رو سے ایران کا سلسلۂ کوہ مسلمانوں اور ایرانیوں کی باہمی سرحد تسلیم کر لیا گیا۔ اس معاہدے کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ آپ نے فرمان جاری کر دیا کہ مسلمان اس معاہدے کی پوری پوری پیروی کریں اور کسی صورت میں بھی ایران کے سلسلۂ کوہ کو عبور نہ کریں۔ یہ معاہدہ حضرت عمرؓ کے عادل اور دانش مند ہونے کا شاہد ہے۔[1]

زرعی اصلاحات

اس معاہدۂ صلح کے بعد مسلمان یکسو ہو کر مفتوحہ علاقے کو ترقی دینے میں مصروف ہو گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورے سے زرعی اصلاحات کے لیے صوبے بھر کی زمین کا جائزہ لیا گیا اور نئے قاعدے کے مطابق لگان کی تشخیص کر کے کاشت کاروں کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا۔ کاشت کاروں کو مالکانہ حقوق دے دیے گئے۔ بڑے بڑے زمین داروں سے جو لگان ایرانی حکمران لیا کرتے تھے' اس پر نظرِ ثانی کی گئی۔ آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ کاشت کاروں کو حسبِ ضرورت قرضے دینے کا فرمان جاری ہوا۔ ایرانی بادشاہوں کی شاہی زمینیں' بادشاہوں کے شکار کے جنگلات' شہزادوں اور زمین داروں کی چھوڑی ہوئی سکیتیں اور آتش کدوں سے ملحقہ زمینیں' جنھیں موبد چھوڑ کر بھاگ گئے تھے' اسلامی خلافت کی ملکیت میں آ گئیں۔ ان کے انتظام کی ذمے داری خلافت کے نامزد نمایندوں کو سونپی گئی۔ زمینوں کی فروخت ممنوع قرار پائی تاکہ مقامی زمینداروں کے حقوق محفوظ رہیں۔ لشکر کے سپاہیوں کا اصرار تھا کہ یہ زمینیں اور عراق کے میدان مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیے جائیں' لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس کے مشورے سے ان کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ اسلامی خلافت کی زمینوں کی آمدنی لگان وغیرہ ادا کرنے کے بعد عرب آبادکاروں میں بانٹ دی جاتی تھی۔

(۱) سید امیر علی' اے شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینس' ص ۳۰-۳۱

شہر بصرہ اور کوفہ کی تعمیر

اُبلہ جب فتح ہو چکا تو یہاں ۱۷ھ مطابق ۶۳۸ء میں ایک چھاؤنی بنوائی گئی۔ چھاؤنی کی وجہ سے آبادی تو خاصی ہو گئی لیکن یہاں کی آب و ہوا مرطوب تھی اور پسوؤں کی کثرت تھی۔ اس لیے جلد ہی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی نیا شہر بسایا جائے' جہاں مسلمان اطمینان سے رہ سکیں۔ چناں چہ اُبلہ کی شمال مغربی سمت میں دس میل کے فاصلے پر ایک نیا شہر بصرہ بسایا گیا جو شطہ العرب کی نہایت اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں شمالی عرب کے مسلمان آ کر آباد ہو گئے۔ اس کے علاوہ فرات کے مغربی کنارے پر حیرہ کے جنوب میں شہر کوفہ بسایا گیا جہاں یمنی نسل کے باشندے آباد کیے گئے۔ کوفے کے لیے حضرت عمرؓ کی ہدایت پر ایسی جگہ انتخاب کی گئی تھی کہ عربوں کا تعلق صحرا سے برقرار رہ سکے' جو ان کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ دونوں شہر خاص نقشوں کے مطابق تعمیر کرائے گئے۔ شہروں کے وسط میں مسجدیں اور مسجدوں سے ملحق حاکموں کی جائے اقامت تعمیر ہوئی۔ گلی کوچے سیدھے اور فراخ تھے۔ سیر و تفریح کے لیے باغ بھی تھے۔ ولیم میور لکھتے ہیں کہ بصرہ اور کوفہ دو بڑی چھاؤنیاں تھیں جہاں صرف عربی النسل لوگ آباد تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ بہت پر رونق شہر بن گئے۔ ان شہروں کی آبادی ایک لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ اسلامی تہذیب و تمدن اور فقہ اسلامی کی تعلیم و اشاعت میں ان شہروں کا بڑا حصہ تھا۔

کوفے کے متعلق طبری نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو تاریخ کے طالب علم کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں: "کوفے میں سعدؓ بن وقاص نے ایوان کسریٰ کی طرز پر ایک محل بنوایا۔ اس محل کی تعمیر کی اطلاع حضرت عمرؓ ہوئی تو انھیں رنج ہوا اور محمد بن مسلمہ کو کہا کہ کوفے جاؤ اور سعد کے محل میں بہت سا ایندھن جمع کرو اور اسے آگ لگا دو تا کہ محل بھی جل جائے اور میرا خط سعد کے حوالے کر کے خود واپس آ جاؤ۔" محمد بن مسلمہ کوفہ آئے اور حکم کے مطابق سعد کے محل میں بہت سا ایندھن جمع کر کے آگ لگا دی اور خط سعد کو دے دیا۔ اس میں لکھا تھا: "میں نے سنا ہے کہ تم نے کسریٰ کی مانند محل تعمیر کرا لیا ہے اور مدائن کی دیواروں کی اینٹیں منگوا کر محل کی دیواروں میں لگائی ہیں۔ یہاں تم دربان بٹھانا چاہتے ہو تا کہ حاجت مندوں کی تم تک رسائی نہ ہو سکے۔ تم پیغمبر اسلامؐ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹنا چاہتے ہو۔ میں ایک ایسے شخص کو بھیج رہا ہوں جو تم سے نہ ڈرے اور تمھارے بنائے ہوئے محل کو آگ لگا دے۔ یاد رکھو تمھارے لیے ایک گھر اور ایک بیت المال کافی ہے۔"

ایرانیوں کی طرف سے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی

اگر اہلِ ایران اُس معاہدۂ صلح پر قائم رہتے تو ممکن تھا کہ ساسانی عہد کا چراغ جلتا رہتا لیکن خدا کو اسے بجھانا منظور تھا- خلیفۃ المسلمین کی دادرسی اور رواداری کے باوجود اہلِ ایران معاہدے پر قائم نہ رہے- یزدگرد کو اپنے دارالسلطنت کے چھن جانے اور دو زرخیز صوبوں سے محروم ہو جانے کا سخت قلق تھا- وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی بن پڑے' کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لے- امرا و اشراف کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو رہا تھا- فوج کے حکام عربوں پر حملہ کرنے کا پرزور مطالبہ کرتے تھے- موبد آتش کدوں کی حرمت اور حفاظت کے نام پر قوم کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر رہے تھے- اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قومیت کی لہر ملک کے طول و عرض میں دوڑ گئی- اس جوش میں خوزستان کے حاکم ہرمزان نے عرب آبادکاروں پر حملے شروع کر دیے لیکن جب بھی وہ حملہ کرتا اسے پسپا ہی ہونا پڑتا-

خوزستان کی مہم

۱۹ھ مطابق ۶۴۰ء میں ہرمزان نے اہواز سے نکل کر پھر عربوں پر حملہ کیا- عتبہ اپنا لشکر لے کر مقابلے کو آیا اور ہرمزان کو دریائے قاروں سے پار دھکیل کر اہواز پر قبضہ کر لیا- ہرمزان ایک بار پھر فوج منظم کر کے رام ہرمز کے مقام پر عربوں سے مقابلے کے لیے آیا لیکن یہاں بھی اس نے منہ کی کھائی اور پسپا ہو کر شوستر میں پناہ گزیں ہو گیا' جو خوزستان کا صدر مقام تھا- عتبہ اس کے تعاقب میں شوستر آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا- محاصرہ ۱۸ ماہ تک جاری رہا- آخر رسد کی کمی کی وجہ سے اہلِ قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے اور شہر مسخر ہو گیا- یہاں ہرمزان اسیر ہو گیا اور اسے مدینے بھیج دیا گیا-

ایرانی شکست پر شکست کھاتے رہے لیکن امید کا چراغ ابھی روشن تھا- خیال تھا کہ شاید کسی میدان میں انھیں فتح حاصل ہو جائے اور پانسا شاید پلٹ جائے اور عربوں کے تسلط سے بچ جائیں' اس لیے مسلسل تیاریوں میں مصروف رہے-(۱)

حضرت عمرؓ کی خدمت میں وفد

مسلمان ایرانیوں کی جنگی تیاریوں سے آگاہ تھے- وہ آئے دن حملے بھی کرتے رہتے

(۱) ابن اثیر' غیر مسلم رعایا' ج ۲' ص ۴۲۹

تھے‘ اس لیے حضرت سعد نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا- وفد پہنچا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ ایرانیوں کی شورش پر آمادگی کی کیا وجہ ہے؟ ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایرانیوں سے نامناسب سلوک کرتے ہوں‘ جس کی وجہ سے ان کا اعتماد ہم پر سے اُٹھ گیا ہو- اراکین وفد بولے کہ ایسا نہیں بلکہ عرب ایرانیوں کے ساتھ بڑی رواداری کا سلوک کرتے ہیں- آپ نے ہمیں حدود سے تجاویز کرنے کی ممانعت کر دی ہے لیکن ایران کا بادشاہ شورشوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے- دو حکمران ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے- ایک‘ دوسرے کو نکال کر ہی چین سے بیٹھ سکتا ہے- جب تک باہمی سرحد ختم نہ ہو گی‘ امن و سکون قائم نہ رہ سکے گا- حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں ہرمزان سے استفسار کیا جواب اسلام قبول کر کے آزاد ہو چکا تھا- اس نے جواب دیا کہ ایرانیوں کو یہ کسی صورت گوارا نہیں کہ مسلمان ایران کے کسی حصے پر قابض رہیں- اس قسم کے معاہدے کو وہ دل سے گوارا نہیں کرتے- مذہبی عصبیت انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دے گی-

حضرت عمرؓ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ عربوں کی پیش قدمی پر جو قدغن لگائی گئی ہے‘ اسے اٹھانا ہی مناسب ہو گا- ولیم میور لکھتے ہیں: ’’ذاتی مدافعت کے لیے اب اور کوئی چارۂ کار نہ رہا تھا کہ ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر کے پوری مملکت پر قبضہ کیا جائے-‘‘

یزدگرد کی جنگی تیاریاں

اہلِ ایران عربوں کے تسلط کو ختم کرنے کے لیے بدستور ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں کرنے میں مصروف تھے- ملک کے کونے کونے میں ایرانی اپنے مذہب اور ملک کو بچانے کے لیے جانیں دینے کو تیار ہو گئے- دھڑادھڑ اسلحہ تیار ہوتا رہا- اس تیاری میں ملک کے تمام وسائل وقف کر دیے گئے- ایران کی جنگی تیاریوں کی خبر نے مدینے میں بے چینی پیدا کر دی- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے سرحد کی جانب کمک روانہ کی- نعمان کو اس لشکر کا سالار بنایا جو جنوبی اطراف میں ایرانی چھاپہ ماردستوں کے خلاف مہم میں مصروف تھا-

یزدگرد اب مرو میں مقیم تھا- یہاں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر عربوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور ہرمزان‘ جسے اجتماعی حملے کے لیے سپہ سالار نامزد کیا گیا تھا‘ عربوں کے ہاتھوں اسیر ہو چکا ہے‘ تو اسے انتہائی دکھ ہوا- اسے اب نظر آ رہا تھا کہ عربوں کا یہ سیلاب کہیں نہیں رکے گا- اس لیے اس نے ان کا راستہ روکنے کے لیے خراسان‘ بلخ‘ سیستان‘ اصفہان‘ فارس‘ گرگان اور آذربائیجان کے علاقوں سے ڈیڑھ لاکھ فوج تیار کی- اب ملک میں کوئی نامور سپہ سالا نظر نہ آتا تھا‘ جو کمان

سنبھالے' کیوں کہ تمام مشہور سپہ سالار ایک ایک کر کے عربوں کی مہموں میں مارے جا چکے تھے آخر اس فوج کی کمان فیروزان نامی سپہ سالار کے سپرد کی گئی۔

فیروزان کا یہ جم غفیر نہاوند کے میدان میں اُترا۔ کوفے کے حاکم عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے نعمان بن مقرن کو' جو اب خوزستان میں تھے' تیس ہزار فوج کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کا حکم بھیجا۔

نعمان فوج لے کر حلوان آئے تو معلوم ہوا کہ ایرانی لشکر نہاوند میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ آپ بھی نہاوند پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ سے فراغت پانے کے بعد عصر کا وقت آیا تو نعمان نے دشمن کے مقابلے کے لیے صف آرائی کی۔ میمنہ اور میسرہ تیار کر کے خود علم سنبھال کر قلب لشکر میں آئے۔ اُدھر ایرانیوں نے جنگ کا نقارہ بجایا۔ لڑائی شروع ہوئی کہا جاتا ہے کہ ایرانیوں اور عربوں کی جس قدر لڑائیاں ہوئیں' قادسیہ کو چھوڑ کر' یہ سب سے زیادہ ہول ناک تھی۔ اس لڑائی میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ سوائے چیخ و پکار اور تلواروں کی جھنکار کے کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کبھی کبھی تکبیر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں' جن سے ساری فضا گونج اٹھتی تھی۔ میدان جنگ میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ عرب سپہ سالار نعمان کو لڑائی میں کاری زخم آیا اور وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ مسلمان ان کے گرد جمع ہونے لگے لیکن آپ نے فرمایا: ''جب تک لڑائی جاری ہے' میری طرف کوئی مسلمان نہ آئے'' آخر ان کی بجائے نعمان کے بھائی نعیم نے علم سنبھالا۔ جنگ کی خوں ریزی میں کسی قسم کی کمی نہ ہوئی تھی۔ آخر شام کی تاریکی کے سائے میدان پر پڑنے لگے تو ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت ابتری کی حالت میں راہ فرار اختیار کی۔

نعمان ابھی زندہ تھے معقل آپ کے پاس آئے اور سر پر ہاتھ رکھا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا ''کیا انجام ہوا؟'' جواب ملا ''خدا نے فرزندان توحید کو فتح سے ہم کنار کیا۔'' آپ کے منہ سے نکلا ''الحمد اللہ'' پھر آنکھیں بند کر لیں اور ابدی نیند سو گئے۔

ہزیمت خوردہ فوج نے ہمدان کا رُخ کیا جو نہاوند سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ عرب سواروں نے ان کا تعاقب کیا اور جس قدر ایرانی سوار ان کے نیزوں اور تلواروں کی زد میں آئے' انھوں نے مار گرائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی لقمۂ اجل بنے۔ یہ آخری بڑی لڑائی تھی جس میں شکست پر ایرانی بادشاہ کے سنبھلنے کی تمام امیدیں خاک میں مل

گئیں- عرب مؤرخ اس فتح کو 'فتح الفتوح' کے نام سے موسوم کرتے ہیں- فتح الفتوح کی خوشی کے ساتھ ایک الم ناک واقعے کی یاد بھی وابستہ ہے کہ اس جنگ کے ہزار ہا اسیروں میں نہاوند کا رہنے والا ابولؤلؤ بھی تھا جس نے موقع پاکر حضرت عمرؓ کو شہید کیا-(۱)

نہاوند کی شکست کے باوجود یزدگرد اپنے تخت و تاج کو برقرار رکھنے کے لیے زندگی کے آخری لمحوں تک کوشش کرتا رہا- شکست کی خبر اسے رے میں ملی- رے سے نکل کر وہ اصفہان گیا- اصفہان سے کرمان کا رُخ کیا- آخر مرو پہنچ کر وہاں مقیم ہوگیا-

ہرمزان (۲) سے جب حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اب عربوں کے لشکر کو کس طرف بڑھنا چاہیے؟ تو اس نے جواب دیا: "ایرانی حکومت کے لیے اصفہان سر کی مانند ہے' فارس اور کرمان ہاتھوں کی مانند ہیں' آذربائیجان اور رے پاؤں کی مانند ہیں' اگر ہاتھ پاؤں جاتے بھی رہیں تو سر پھر بھی برقرار رہے گا' اس لیے اصفہان کی طرف رجوع کرنا چاہیے-

نہاوند کے بعد دیگر فتوحات

نہاوند کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے اسلامی لشکر کو اصفہان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا- چناں چہ عبداللہ سپہ سالار نے اصفہان پر فوج کشی کی- اصفہان میں ایرانی لشکر نے مختصر سی مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دیے- اس کے بعد طبس' کہستان اور سیستان کے علاقے فتح ہوے- آخری حد آب حضرت عمرؓ نے مکران مقرر کی تھی- چناں چہ مکران تک کا سارا علاقہ اسلامی خلافت کے تحت آ گیا-

مسلمانوں نے اب کوہ البرز کے پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوے گرگان کا رُخ کیا- یہاں کے حاکم نے جزیے کی شرط قبول کر کے صلح کر لی' پھر لشکر اسلام آذربائیجان کی طرف بڑھا- اب ایرانیوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ کسی میدان میں نکل کر لڑ سکیں اس لیے یہ تمام علاقہ جنگ کے بغیر مسلمانوں کے تسلط میں آ گیا- طبرستان دشوار گزار جنگلوں میں گھرا ہوا تھا- یہاں کے شہزادوں نے البتہ سپہبد کے لقب سے اپنی آزاد حکومت برقرار رکھی-

۳۱ھ مطابق ۶۵۲ء میں' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں مقیم تھا اور ایران کی ہر شکست کی آواز اس کے کانوں تک پہنچتی تھی اور وہ کفِ افسوس مل کر رہ جاتا تھا اسلامی لشکر کے کچھ دستوں نے اب مرو کا رُخ کیا- یزدگرد نے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سنی تو

(۱) ابن خلدون' ترجمہ اردو' کتاب ثانی" ج ۴' ص ۱۳۴

(۲) تاریخ طبری' تاریخ بلعمی' ترجمہ ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۳۲۶

مرو کو خیر باد کہہ کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر دور دراز کا سفر اختیار کر کے بلخ پہنچا۔ آخری سہارے کے لیے اس نے چین کے حکم ران سے مدد مانگی' پھر ترکوں سے استدعا کی لیکن ہر طرف سے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر مایوسی اور نامرادی کے عالم میں اس نے ترکستان کی سرحد پر ایک آسیابان کے ہاں پناہ لی لیکن اس نے جواہرات کے لالچ میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر ساسانی عہد کا چراغ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

ساسانی عہد کے اس تاج دار کا فرار ہمیں بدنصیب داریوش سوم کی یاد دلاتا ہے جو اسکندر اعظم کے خوف سے آگے آگے بھاگتا جا رہا تھا لیکن اسے کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ آخر وہ اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہوا اور ہخامنشی عہد کا خاتمہ ہو گیا۔

ساسانی تمدن پر ایک نظر

اگرچہ ساسانی بادشاہوں کا حال لکھتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ اُس زمانے کے تمدن کا بھی کچھ ذکر آ گیا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر مزید نظر ڈال لی جائے تاکہ ساسانی تمدن و معاشرت کی اجتماعی تصویر سامنے آ جائے۔

شاہ و دربار

ایرانیوں کا عام عقیدہ تھا کہ ہخامنشیوں کو خدا کی طرف سے فرایزدی یا فرکیانی عطا ہوئی ہے اس لیے وہ سرزمینِ ایران کے بادشاہ بنے۔ یہ فرکیانی ہخامنشی بادشاہوں کو ورثے میں ملتی گئی۔ گویا بادشاہت ایک مقدس حق تھا جو خدا کی طرف سے ملتا تھا اور نسل در نسل ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا جاتا تھا۔

ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو ہخامنشی بادشاہوں کی نسل سے ظاہر کرتے تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو فرایزدی کا وارث سمجھتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص جو بادشاہوں کی نسل سے نہ ہوتا' بادشاہ نہیں بن سکتا تھا۔ کیوں کہ بادشاہیت کے لیے فرایزدی لازمی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساسانی حکومت کا کوئی باغی' خواہ تدبیر اور طاقت میں اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہوتا' بادشاہ نہ بن سکتا۔

ساسانی بادشاہ مطلق العنان ہونے کے باوجود آئینِ زرتشتی کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مذہب کے سب سے بڑے پیشوا یعنی' موبدِ موبدان کو اگرچہ بادشاہ خود مقرر کرتا تھا لیکن تمام موبدوں کا تقرر موبد موبدان کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے دربار شاہی میں اسے بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوتا تھا۔

ساسانی بادشاہ جس عظمت و جلال سے زندگی بسر کرتے تھے، تاریخ اس کی مثال مشکل ہی سے پیش کر سکتی ہے۔ بادشاہ لوگوں کے سامنے عموماً نہیں آتے تھے۔ بادشاہ اور درباریوں کے مابین پردہ حائل ہوتا تھا۔ پردے کی نگرانی ندیم خاص کو سونپی جاتی تھی جس کا لقب خرم باش ہوتا تھا۔ اگر بادشاہ کسی کو شرف پذیرائی بخشتا تو خرم باش اسے اطلاع کر دیتا اور جب وہ قصر میں داخل ہوتا تو آداب شاہی یاد دلانے کے لیے ایک بلند آواز سنائی دیتی: ''ہوشیار! احتیاط ملحوظ رہے؛ اب آپ شاہنشاہ کے حضور میں ہیں۔''

رسمی مجالس میں یا بزم آرائی کے وقت بھی آدابِ خسروانہ ملحوظ رکھنے پڑتے تھے۔ درباری اپنے مقام و منصب کے مطابق صف باندھ کر بیٹھ جاتے۔ کسی کو بات کرنے کا یارانہ ہوتا تھا۔ خرم باش شعر پڑھ کر یا ساز بجا کر کہتا 'اب مجلس کا آغاز ہوتا ہے''۔ پردہ جب اٹھتا اور حاضرین دیکھتے کہ شہنشاہ لباس فاخرہ میں ملبوس ہے، جواہرات پہنے ہوئے طلائی تخت پر جلوہ افروز ہے اور مروارید اور جواہرات سے مزین تاج اس کے سر پر آویزاں ہے جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے تو اہلِ دربار دم بخود ہو جاتے تھے اور ان کا سر آپ ہی آپ جھک جاتا۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ دربار کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سپہ سالار اور شہزادے تخت شاہی سے تیس قدم کے فاصلے پر دائیں طرف بیٹھتے تھے۔ بائیں طرف اسی قدر فاصلے پر مختلف صوبوں کے حکم رانوں کی نشست ہوتی تھی۔ موسیقار اور نقال وغیرہ ساتھ ہوتے تھے۔

شاہی دربار میں انعام و اکرام اور خلعتیں بھی عطا کی جاتی تھیں۔ اردشیر اول کو موبد موبدان نے ایک خوش خبری سنائی تو اس کا منہ جواہرات سے بھر دیا گیا۔ غیر ملکی سفیروں کا خیر مقدم بڑے تپاک سے کیا جاتا تھا۔ جب کوئی سفیر سرحد ایران پر پہنچتا تو وہاں کے حکام فوراً شاہی دربار میں اطلاع دیتے، پھر اسے پورے تزک و احتشام کے ساتھ دربار میں لایا جاتا۔ بادشاہ رسمی مجمع میں اسے شرف پذیرائی بخشتا۔

حکم رانوں کے درجے

شہنشاہ ایران کے ماتحت تین طرح کے حکم ران تھے: ایک وہ جو حکومت ایران کی سرحدوں پر حکومت کرتے تھے۔ یہ حکم ران یوں تو خود مختار تھے لیکن خارجی معاملات میں انھیں شہنشاہ کی پناہ میں ہوتے تھے۔ اگر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ ان پر حملہ آور ہوتا تو شہنشاہ ان کی مدد کرتا۔ ان حکم رانوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب شاہ ایران کو غیر ملکی حملے یا داخلی شورش کو دور

بھی شہنشاہ کہلاتا تھا کہ اس کے زیر دست اور بادشاہ بھی ہوتے تھے۔

معاشرتی طبقات

ساسانی اوستا اور اسلامی مؤرخین کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ملت ایران چار طبقوں پر مشتمل تھی؛ ایک طبقہ مذہبی علما کا' دوسرا ملکی محافظوں کا' تیسرا کسانوں کا اور چوتھا صنعت کاروں کا تھا۔ ایک مذہبی عالم تنسر کے قول کے مطابق ایک پانچواں طبقہ دبیروں کا تھا۔

علمائے مذہب کی جو جماعتِ مقدمات اور معاملات میں فیصلے دیتی تھی' جماعت قضاۃ تھی؛ انھیں دادور کہتے تھے۔ علما کے ایک طبقے کے ذمے تبلیغ و اشاعت کا کام تھا۔ اس طبقے کے رئیس کو موبد موبدان کہتے تھے۔ یہ حقیقت میں زرتشتی دنیا کا پیشوائے اعظم ہوتا تھا۔ موبدِ موبدان کے ماتحت کئی مذہبی پیشوا ہوتے تھے جو موبد کہلاتے تھے۔ موبد کے ماتحت ہیربد ہوتے تھے جو آتش کدوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ہیربدوں کا رئیس ہیربدان کہلاتا تھا۔ علما کا سب سے نچلا طبقہ مغوں کا تھا جن کے رئیس کو مغ مغان کہتے تھے۔

مذہبی عہدے داروں کی زندگی زہد اور پاکیزگی کا نمونہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ دن میں چار مرتبہ آفتاب کی پرستش کرتے تھے اور مناجاتیں پڑھتے تھے۔ طبری[1] لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز نے جو آتش کدے تعمیر کرائے تھے' ان میں بارہ ہزار ہیربد' زمزمہ اور مناجات کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ کسی موت پر جو رسوم ادا ہوتی تھیں' ان میں علما کی شمولیت ضروری تھی۔

ان علما کے ذمے محض اخلاقی اور روحانی تعلیم ہی نہ تھی بلکہ دنیاوی تعلیم کا انتظام بھی ان ہی سے متعلق تھا۔

دوسرا طبقہ جس میں فوجی سپاہی اور افسران ہوتے تھے' اس کی بھی شاخیں تھیں؛ مثلاً سوار اور پیادہ فوج کے سپاہی اور سپہ سالار وغیرہ۔

کسانوں کے طبقے پر بادشاہ کی خاص توجہ ہوتی تھی کیوں کہ مالیہ انھی لوگوں سے حاصل ہوتا تھا۔ اہلِ حرفہ کی بھی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

دبیروں کا طبقہ بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ادیب' شاعر' محاسب' فرمان نویس' تذکرہ نویس' منجم' طبیب اور افسر مالیات وغیرہ شامل تھے۔ ساسانی دور میں باقاعدہ دیوان دبیری ہوتا تھا' جہاں ملکی معاملات کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ مالیے کا حساب کتاب رکھنے کی ذمے

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۱۲۶

داری دبیر پر ہوتی تھی- طبری[۱] لکھتے ہیں کہ نوشیرواں نے جب ملکی خراج پر نظر ڈالی تو محسوس کیا کہ ایک گوشوارہ بننا چاہیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ آمدنی کن مدوں سے آتی ہے اور کن مدوں پر خرچ ہوتی ہے اور جو رقم خزانے سے نکلتی ہے وہ باقاعدہ فوج پر خرچ ہوتی ہے یا نہیں- نوشیرواں نے ایک دبیر کو بلوایا جس کا نام بابک بن نیروان تھا- اس سے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوج پر جو رقم خرچ ہوتی ہے وہ اکثر بے جا طور پر خرچ ہوتی ہے اور جو حق دار ہوتے ہیں انھیں نہیں ملتی- میں اس طریق کار کو بہتر بنانا چاہتا ہوں اور یہ کام تمھارے سپرد کرتا ہوں تاکہ تم اس رقم کو اس طرح تقسیم کرو کہ حق دار کو اس کا حق ملتا رہے-

ان طبقات میں سے اگر کسی طبقے کا کوئی شخص کسی دوسرے طبقے میں شامل ہونا چاہتا تو یہ ممکن نہ تھا' لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے طبقے میں داخل ہونے کی خصوصی قابلیت رکھتا اور کوئی ایسا کام سرانجام دیتا' جو معیار پر پورا اترتا تو اسے اپنا طبقہ چھوڑ کر دوسرے طبقے میں شامل ہونے کا حکومت کی طرف سے اجازت نامہ مل جاتا لیکن مذہبی علما کے طبقے میں کسی دوسرے طبقے کا فرد شامل نہ ہو سکتا تھا-

مالیات

حکومت کے وسائل آمدنی کا اہم حصہ خراج' ٹیکس اور مالیہ ہوتا تھا- خراج مفتوحہ ممالک سے آتا تھا- ٹیکس عام طور پر مال دار لوگوں سے لیا جاتا تھا جس کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی- جنگ کے زمانے میں غیر معمولی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا- اس کا بار بیش تر اُن صوبوں پر ہوتا تھا جو زیادہ زرخیز ہوتے تھے- مالیہ حالات کے مطابق دسویں حصے سے لے کر پیداوار کے نصف حصے تک لیا جاتا تھا- مالیہ وصول کرتے ہوئے حکام زمیں داروں پر جبر و تعدی کیا کرتے تھے- یہ لوگ مالیے کی کچھ رقم خزانے میں جمع کراتے اور بقیہ رقم سے اپنی جیبیں بھرتے تھے-[۲]

مالیے کا بوجھ کاشت کاروں پر کم کرنے اور ادائیگی کو آسان بنانے کے لیے پہلی مرتبہ قباد نے اصلاحات کرنی چاہیں لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی- اس کے بعد اصلاحات کا یہ کام نوشیرواں نے اپنے ذمے لیا- چناں چہ وہ خود کہتا ہے: ''آہورامزدا نے ہمیں بادشاہت دی تو ہم نے ملک کی زمینوں کی پیمائش کرائی اور زمین اور اس کی پیداوار کے مطابق اس پر مالیہ لگایا اور

---

(۱) تاریخ بلعمی' ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۸۱' ۱۸۲

(۲) دیکھیے کتاب ہٰذا' باب قباد

پھل دار درختوں کے پھل کے مطابق اس پر لگان عائد کیا[۱] حکم دیا کہ یہ مالیہ سال میں تین قسطوں میں لیا جائے تاکہ لوگ آسانی سے ادا کر سکیں۔ فصل کی ہر سال پیمائش کی جائے اور زمین کے جس حصے میں کھیتی نہ ہو' اس پر مالیہ نہ لگے۔ مالیہ صرف اُس زمین پر لیا جائے جس میں پیداوار ہو۔"[۲]

"ٹیکس اور مالیے کے علاوہ بادشاہ کو نذرانے پیش کرنے کا دستور تھا جس کو 'آئین' کہتے تھے۔ اس آئین کے مطابق عید نوروز اور جشن مہرگاں کے موقع پر تحائف اور نذرانے وصول کیے جاتے تھے۔ خزانۂ شاہی کا سب سے اہم ذریعہ جاگیرہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لیے حقوقِ خسروی کے طور پر مخصوص تھے۔ آمدنی کا ایک ذریعہ مالِ غنیمت تھا لیکن مالیات کی یہ حد غیر یقینی تھی۔

اخراجات

ملکی خزانے کا روپیہ ملکی بہبود پر صرف کیا جاتا تھا۔ اس سے زمین داروں کو قرضے دیے جاتے تھے۔ بیجوں کی خرید کے لیے بھی کسانوں کو روپیا دیا جاتا تھا۔ ملازموں کی تنخواہیں بھی خزانے سے ادا ہوتی تھیں۔ تعمیرات ملکی خزانوں ہی سے ہوتی تھیں۔ رفاہِ عامہ کے بعض کاموں پر جو روپیہ خرچ ہوتا' اس کے لیے چندہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔ غربا اور مساکین کو خیرات دینے کے لیے بھی خاص رقم معین کی جاتی تھی۔ خوشی کے مواقع پر انعام و اکرام بھی خزانے سے دیا جاتا تھا۔ اُس سے امرا و اشراف بھی مستفید ہوتے تھے۔

آب پاشی کے وسائل

زراعت میں آب پاشی کے لیے قناتیں کھدوائی جاتی تھیں۔ قناتیں زیرِ زمین ہوتی تھیں تاکہ پانی گرمی اور سطحِ مرتفع کی وجہ سے خشک نہ ہو جائے۔ اس نظام کو ساسانی دور میں زیادہ بڑھایا اور بہتر کیا گیا۔ شاپور اول نے آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے ایک بہت بڑا بند بندھوایا جس میں رومی انجینئروں سے کام لیا گیا تھا۔ خود رومتہ الکبریٰ کے قیصر ویلیر بن نے ایک قیدی کی حیثیت میں یہاں کام کیا تھا' اس لیے یہ بند 'قیصر بند' کے نام سے مشہور ہوا۔ نوشیرواں نے بھی وسائل آب پاشی کو بہتر بنانے میں خاص توجہ دی۔

(۱) تاریخ بلعمی' ڈاکٹر محمد جواد مشکور' ص ۱۷۰

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۱۶۱

وسائل آمد و رفت

ساسانی دور میں وسائل آمد و رفت کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ تجارتی شاہ راہوں کو محفوظ کیا گیا۔ پلوں کی تعمیر اور مرمت کرائی گئی۔ اہم مقامات کو ملانے کے لیے سڑکیں بنوائی گئیں۔

صنعت و حرفت

سونے چاندی اور تانبے کے برتن' بلور کی بنی ہوئی چیزیں ساسانی دور کی خاص صنعتیں تھیں۔ ایران کے صناع ریشم کی دیبا' اونی کپڑے اور قالین بننے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یہ مصنوعات برآمد بھی کی جاتی تھیں۔ چین اور روم کے تاجر یہاں کے قالین بڑے شوق سے خریدتے تھے۔(۱)

ریشم عموماً چین سے درآمد کیا جاتا تھا' جس سے ایرانی صناع ریشمی کپڑے بنتے تھے۔ یہ کپڑے روم کو برآمد کیے جاتے تھے۔ اہلِ چین جو چیزیں ایران سے خریدتے تھے ان میں سے ایران کا ایک مشہور غازہ تھا جو چین کی عورتیں بھوؤں پر لگاتی تھیں۔ وہ اسے بہت مہنگی قیمت پر لیتے تھے۔ ملکۂ چین اپنے خاص استعمال کے لیے اسے منگواتی تھی۔

ڈاک کا انتظام

ڈاک کا جو انتظام ہخامنشی دور میں تھا وہی ساسانی دور میں بھی تھا۔ سڑکوں پر ڈاک چوکیاں ہوتی تھیں۔ ایک گھڑ سوار ایک خاص ڈاک چوکی تک ڈاک پہنچاتا' وہاں سے دوسرا گھڑ سوار ڈاک لے جاتا۔ اس طرح اسپ سوار دن رات حرکت میں رہتے تھے اور ڈاک مطلوبہ مقامات پر پہنچ جاتی تھی' لیکن یہ ڈاک صرف مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں کے مابین ہوتی تھی۔(۲)

فوجی تنظیم

اشکانی عہد اور ساسانی عہد کی مسلح افواج میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ اشکانی عہد میں فوج پیدل دستوں اور سوار دستوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سپاہیوں کا اسلحہ تیر کمان اور نیزے پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی اسلحہ نہیں ہوتا تھا۔ ساسانی عہد میں سوار فوج کو زیادہ

---

(۱) سفرنامۂ ہیونگ' ترجمہ بیل' ص ۲۷۸

(۲) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۱۶۷

منظم کیا گیا- ان کے پاس ہر طرح کا ہلکا اور بھاری اسلحہ ہوتا تھا- چٹانوں پر ساسانی سپاہیوں کی جو تصویریں دیکھنے میں آتی ہیں' ان میں ان کے سر پر خود ہے اور جسم زرہ بکتر سے ڈھکا ہوا ہے' جو اعضائے جسمانی کے مطابق حرکت کرتا ہے- سواروں کے گھوڑے بھی زرہ بکتر سے محفوظ نظر آتے ہیں- اشکانی عہد میں پیادہ فوج کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تھی' وہ صرف سوار فوج کی خدمت کے لیے ہوتی تھی' لیکن ساسانی عہد میں پیادہ فوج تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کی مدد کرتی تھی- ان کے پاس بھی تیر کمان اور نیزے ہوتے تھے اور ضرورت کے وقت وہ بھی دوش بدوش لڑتے تھے

ساسانی عہد میں پہلی مرتبہ ہاتھیوں سے کام لیا گیا- لازیکا کے میدان جنگ میں ایرانی لشکر میں باقاعدہ فیل سوار فوجی دستے بھی تھے- مسلمان عربوں کے خلاف جنگ میں ہاتھیوں سے کام لیا جاتا تھا-

اشکانی عہد کی فوج محاصرے کے فن سے ناآشنا تھی- دشمن کے جو قلعے مستحکم ہوتے تھے' اشکانی انھیں فتح کرنے میں اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے- ساسانیوں نے محاصرے کا باقاعدہ فن رومیوں سے سیکھا اور محاصروں میں قلعہ شکن منجنیقوں اور دوسرے آلات سے کام لیا- رومی جب ایرانی شہروں کا محاصرہ کرتے تو ایرانی ان کے آلات محاصرہ کو کمندیں ڈال کر پکڑ لیتے اور آتش گیر مادہ پھینک کر انھیں بے کار کر دیتے-

نوشیرواں سے پہلے فوجی سپاہیوں کو تنخواہیں دینے کا قاعدہ بہت ناقص تھا- کم تر درجے کے لوگ جو پیادہ فوج میں شامل ہوتے' بلا تنخواہ کام کرتے تھے بلکہ اسلحہ اُور لباس بھی انھیں خود اپنی گرہ سے مہیا کرنا پڑتا تھا- نوشیرواں نے 'عرض سپاہ' کا قاعدہ جاری کیا- یعنی پیادہ فوج اور سواروں کا معائنہ کیا جاتا تھا' جو لوگ نادار ہوتے انھیں گھوڑے اور اسلحہ مہیا کیا جاتا- تنخواہیں سب کے لیے حسب مرتبہ مقرر کر دی گئیں-

ساسانی عہد میں باقاعدہ ریزرو فوج ہوتی تھی جس سے فوری ضرورت کا کام لیا جاتا تھا- سپہ سالار کل کا عہدہ ساسانی عہد میں بادشاہ سے دوسرے درجے پر ہوتا تھا- تخت نشینی کے وقت بادشاہ کے سر پر تاج بھی سپہ سالار کل ہی رکھتا تھا- بعض صورتوں میں سپہ سالار کل وزیر اعظم بھی ہوتا تھا- اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بہت تھی کہ امرا و اشراف کی طرح وہ بھی شہنشاہ کے مشیروں کی مجلس کا رکن ہوتا تھا- عام حالات میں سپہ سالار با اختیار رہوتا تھا لیکن جب کوئی جنگ جو بادشاہ خود میدان جنگ میں آتا تو لشکر کشی یا دشمن سے مصالحت کرنے کا فیصلہ خود بادشاہ کرتا تھا-

بادشاہ[1] کی محافظ فوج کے افسر اعلیٰ کو 'پشتیگ بان سالار' کہتے تھے- پیادہ فوج 'پایگان' کہلاتی تھی اور اس کا رئیس 'پایگانِ سالار' ہوتا تھا- پیادہ سپاہی پولیس اور جلاد کی خدمات بھی بجا لاتے تھے- تیراندازوں کے افسر اعلیٰ کو 'تیربذ' کہتے تھے- داخلی امن قائم رکھنے کے لیے تیر اندازوں کے دستے دیہات میں مامور کیے جاتے تھے

ایک بڑا عہدے دار جس کا کام رسالہ' فوج کو تربیت دینا ہوتا تھا' شہروں اور دیہاتوں میں بطور فرض منصبی دورہ کیا کرتا تھا تا کہ سپاہیوں کو فنون سپہ گری کے جدید اصولوں سے باخبر رکھے

ہخامنشی عہد کی طرح ساسانی عہد میں بھی منتخب سواروں کا ایک دستہ ہوتا تھا جس کو 'سپاہ جاویدان' کہتے تھے- اس دستے کے سواروں کی تعداد بھی ہخامنشیوں کی طرح دس ہزار ہوتی تھی-

فوج کے مختلف جھنڈے

ساسانی فوج کے مختلف دستوں کے مختلف جھنڈے ہوتے تھے- فردوسی نے شاہ نامے میں ان جھنڈوں کی تفصیل بیان کی ہے- ایک شاہی جھنڈے کا ذکر ہے جس کا کپڑا بنفشی رنگ کا ہے' نیچے سورج کی تصویر بنی ہے' اوپر سنہری رنگ کا چاند ہے- ایک جھنڈے پر شیر ببر کی تصویر ہے جو اپنے پنجوں میں گرز اور تلوار پکڑے ہوئے ہے- ایک جھنڈا سیاہ رنگ کا ہے' اس پر بھیڑیئے کی شکل ہے- ایک اور جھنڈے پر شیر کی شکل ہے- ایک جھنڈے پر گورخر کی تصویر ہے- ایک جھنڈے پر ہفت سر اژدہوں کی تصویریں ہیں-

قومی جھنڈا

ساسانی عہد کے قومی نشان کا نام 'درفش کاویانی' تھا جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے- یہ جھنڈا کاوہ لوہار کی یادگار تھا جس نے ضحاک کے خلاف اپنی دھونکنی کے چمڑے کا پرچم بنا کر علم آزادی بلند کیا تھا- بعد میں اس جھنڈے میں ترمیمیں ہوتی رہیں- ہر بادشاہ نے اپنی یادگار کے طور پر گراں بہا موتی اس پر ٹانکے- کاوہ کو ضحاک کے مقابلے میں فتح ہوئی تھی اس لیے یہ جھنڈا فتح و نصرت کی علامت سمجھا جاتا تھا- ساسانی عہد میں اس کا ذکر جنگِ قادسیہ کے موقع پر آیا ہے- ایرانی فوج کا سپہ سالار کل جو قادسیہ کے میدان میں آیا تو درفشِ کاویانی رستم کے خیمے کے آگے لہرا رہا تھا-

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۲۷۲

دبیر کا منصب

ساسانی عہد میں دبیر کا منصب بہت اہم سمجھا جاتا تھا- دبیر کا منصب کم و بیش ویسا ہی ہوگا جیسا آج کل حکومت کے چیف سیکرٹری کا ہوتا ہے- حکومت کے مختلف شعبوں کا ریکارڈ رکھنے' مرکزی حکومت کے ماتحت حکمرانوں کو مراسلات بھیجنے اور غیر ملکی حکمرانوں سے خط و کتابت کرنے کی ذمہ داری دبیر کی ہوتی تھی- دبیر وہی لوگ ہو سکتے تھے جو علم و ادب میں پوری پوری دست گاہ رکھتے تھے- عبادت آرائی' فصاحت و بلاغت اور معمہ گوئی ان کا خاص طغراے امتیاز ہوتا تھا- سیاسی امور سے وہ پوری طرح باخبر ہوتے تھے- خط و کتابت کرتے ہوئے حفظ مراتب کا پاس کرتے تھے- یہ ضروری تھا کہ کسی پر عتاب ظاہر کرنا ہو تو وہ اظہار عتاب پر قادر ہوں- کسی پر شفقت ظاہر کرنی ہو تو تلطف اور ملائمت کا اندازہ اختیار کر سکیں- کسی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو تعریف و تحسین کے انداز سے باخبر ہوں- کسی مد مقابل کی تذلیل کرنے کا موقع ہو تو ضروری تھا کہ دبیر کے قلم سے نکلا ہوا ہر حرف تیر و نشتر کا کام دے- نظامی عروضی سمرقندی لکھتے ہیں:

''پیش ازین درمیان ملوک عصر و جبابرۂ روزگار پیش چون پیش دادیان و کیان و اکاسرہ و خلفا رسمی بودہ است کہ مفاخرت و مبارزت بعدل و فضل کردندی و ھر رسول کہ فرستادندی از حکم و رموز و لغز مسائل با او ہم راہ کردندی و درین حالت محتاج شدی- ارباب عقل و تمیز و اصحاب رای و تدبیر و چند مجلس در آن نشستندی و برخاستندی تا آن گاہ کہ جواب بر یک وجہ قرار گرفتی و آن لغز و رموز ظاہر و ہویدا شدی' پس ازین مقدمات نتیجہ آن ھمی آید کہ دبیر عاقل مہین جمالی است از تجمل بادشاہ و بہین رفعتی است ارترفع پادشاہی-''

دبیر کا خوش نویس ہونا بھی ضروری تھا- بادشاہ اس دبیر کو پسند کرتا جو تحریر میں ماہرانہ قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش نویس بھی ہوتا-

محض مکتوب نویسی ہی دبیر کا کام نہ تھا' آمد و خرچ کا حساب رکھنا' ٹیکس اور خراج ادا کرنے والوں کی فہرستیں مرتب کرنا اور مختلف شعبوں کا ریکارڈ رکھنا بھی دبیر کی ذمے داری ہوتی تھی-

جشن ھاے قدیم

ایران میں جو قومی جشن منائے جاتے ہیں' ان میں سے بیشتر ایرانی کیلنڈر کے مطابق بارہ مہینوں کے ناموں سے منسوب ہیں- جو درج ذیل ہیں:

فروردی کان (جشن نوروز) اردی بہشت گان' خردادگان' تیرگان' مردادگان' شہریورگان'

مہر گان‘ آبان گان‘ بہار جشن‘ آذر جشن‘ خرم روز‘ دیب گان‘ بہمن گان‘ جشن سدہ‘ جشن بادروز‘ آفریج گان یا جشن آبریزان‘ جشن اسفندیار-

اگرچہ یہ جشن ساسانیوں سے پہلے بھی منائے جاتے تھے لیکن ساسانیوں کے عہد میں جب دین زرتشت سرکاری مذہب قرار پایا تو ان جشنوں میں اور بھی زیادہ رونق آ گئی- ان جشنوں میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے‘ جو اب بھی بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں-

جشن نوروز

ساسانی عہد کے جشنوں میں یہ اہم ترین تھا جو ماہ فروردین کی پہلی تاریخ مطابق ۲۱ مارچ (جس سے ایرانی سال کا آغاز ہوتا ہے) شروع ہوتا اور لگاتار کئی دن تک جاری رہتا تھا- آقائی طاہری شہاب اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: ''یہ جشن جمشید بادشاہ کے نام سے منسوب ہے- جب اس نے معلوم کر لیا تھا کہ سورج سال بھر کی گردش کے بعد برج حوت سے برج حمل میں داخل ہوتا ہے- اس کے بعد وہ پھر از سر نو سالانہ گردش کا آغاز کرتا ہے- اس لیے اس نے اس کا نام ''نوروز'' رکھا-[۱]

بہار جشن

یہ جشن ماہ آذر کے پہلے دن ہوتا تھا- اس جشن پر بھی لوگ خوشیاں مناتے تھے- اس دن کسی 'کھودے' کو خچر پر سوار کراتے اور شہر میں پھراتے تھے- لوگ اس کے چہرے پر سرد پانی پھینکتے تھے اور اسی طرح سردیوں کے موسم کے اختتام کی خوشی مناتے تھے-[۲]

جشن مہر گان

۱۶ ماہ مہر کو شروع ہوتا تھا- یہ جشن سردیوں کے موسم میں آتا تھا-

جشن سدہ

ماہ بہمن کی دسویں تاریخ کو منایا جاتا تھا- اس جشن کے موقع پر لوگ آگ جلا کر اس دن کی یاد مناتے تھے جب کہ آگ دریافت ہوئی تھی-

(۱) سالنامہ کشور ایران‘ ص ۴۹‘ ۹۴۸

(۲) عبداللہ رازی‘ تاریخ مفصل ایران‘ ص ۱۴۴

جشن آبریزان

یہ جشن ماہ بہمن کی تیس تاریخ کو منایا جاتا تھا- اس جشن کے موقع پر لوگ ایک دوسرے پر پانی پھینکتے تھے-

جشن مژدہ گیران

یہ جشن اسفندار مہینے کی پانچویں تاریخ کو منایا جاتا تھا- اس موقع پر لوگ ایک دوسرے کو تحائف بھیجتے تھے-

دادگستری

بادشاہ دینی اور دنیوی امور میں صرف جشن نوروز اور جشن مہرگان کے موقع پر رعایا کی دادرسی کرتا تھا- عام حالات میں دادرسی کے لیے لوگ بادشاہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تھے- اس کے لیے ملک میں عدلیہ قائم تھا- عدلیہ کا کام منصفوں کے سپرد تھا- شہر کے منصف کو ''شہر دادور'' اور فوج کے منصف کو ''سپاہ دادور'' کہتے تھے- منصف اعلیٰ ''راد ایران'' کہلاتا تھا- سیاسی اور فوجی نوعیت کے معاملات کے لیے دادور عموماً غیر مذہبی طبقات سے لیے جاتے تھے- عام معاشرتی اور مذہبی نوعیت کے معاملات کے لیے دادور مذہبی پیشواؤں کے مخصوص طبقے سے لیے جاتے تھے- ہر مذہبی پیشوا عدلیہ کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا- مقدمات کا فیصلہ دینے کے لیے شہادتیں لی جاتی تھیں- مجرموں کو' جو اپنے آپ کو بے گناہ کہتے تھے' بعض خاص آزمائشوں میں ڈالا جاتا تھا- مثلاً کہا جاتا تھا کہ آگ پر چل کر دکھاؤ یا اُبلتے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈالو یا کثیر مقدار میں غذا کھاؤ' جو اس کے لیے تیار کرائی جاتی تھی- دادوروں کی عموماً یہ کوشش ہوتی تھی کہ سوگند تک نوبت نہ آئے اور دونوں فریق آپس میں مصالحت کر لیں- جرم کا ارتکاب کرنے کی سزا دو طرح کی ہوتی تھی؛ جسمانی اور روحانی- روحانی سزا کے لیے یہ تنبیہ کافی ہوتی تھی کہ مجرم توبہ کرتے ہوئے جرم پر پشیمان ہو اور آیندہ اس سے بچنے کا عہد کرے اور خاص خاص وقتوں پر مخصوص دعائیں پڑھے- اس تنبیہ سے روحانی سزا کا مقصد تو پورا ہو جاتا تھا لیکن جسمانی سزا بہر حال جھیلنی پڑتی تھی- چوری کرنے والوں اور میتوں کو جلانے والوں کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی تھی- بعض جرموں کی سزا کے طور پر قربانی یا صدقہ دینا پڑتا تھا یا کوئی مفید کام کرنے کی پیش کش کرنی ہوتی تھی- جسمانی سزائیں پھانسی' چابک زنی' قید و بند' شدید نوعیت کا کام' داغ' جرمانہ وغیرہ پر مشتمل تھیں-

ساسانی دور میں علم و حکمت

تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ مذہبی پیشوا' اُمرا و اشراف اور دبیر تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ تجارت پیشہ لوگ بھی لکھے پڑھے ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم کس درجے کی ہوتی تھی' اُس دور کے علمی آثار اگرچہ حادثاتِ زمانہ نے ضائع کر دیے ہیں لیکن جو بچ کر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم و ادب اور تعلیم و معارف کا درجہ خاصا بلند تھا۔

تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ساسانی دور کے دبیر بہت دانش منداور تجربہ کار ہوتے تھے۔ فنِ کتابت اور دفتری امور میں ماہر ہوتے تھے' انشا پردازی میں انھیں کمال حاصل تھا۔ مانی اسی دور کا ایک نام ور عالم ہوا ہے جس نے ایک نئے مذہب کا فلسفہ اور آئین کچھ اس طرح پیش کیا کہ اس کا چرچا ایران سے چین تک اور ہسپانیہ سے ایطالیہ تک ہوا۔ اس دور کے علما کی علمی ادبی کارنامے' ان کے حکمت آموز اقوال' خارجی کتابوں کے پہلوی تراجم' غیر ملکی حکومتوں سے خط و کتابت' زرتشتیوں کے آپس کے مذہبی مذاکرے اس بات کی بین دلیل ہیں کہ اہلِ ایران علم و معرفت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ جندی شاپور میں نوشیرواں نے جو مدرسہ قائم کیا تھا' اس نے بتدریج اہم یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کی۔ متعدد مسلمان علما نے بعد میں اسی مدرسے کے اساتذہ سے تعلیم پائی۔

ساسانی بادشاہ علم پرور اور معرفت دوست تھے۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ بہرام گور بے تکلف عربی بولتا تھا اور عربی میں شعر بھی کہتا تھا۔ نوشیرواں ان نو افلاطونی فلسفیوں سے بحث مباحثے کیا کرتا تھا جو یونان سے نکل کر دربارِ نوشیرواں میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اس کے عہد میں ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے پہلوی میں ترجمے ہوئے۔ اسی زمانے میں ہندوستان کی مشہور کتاب 'کلیلک و دمنک' پہلوی میں ترجمہ ہوئی۔

ساسانی عہد اور آتش کدے

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' ساسانی دور میں مذہب زرتشت کو سرکاری مذہب کا درجہ دے دیا گیا تھا اس لیے معبد اور آتش کدے سرکاری سرپرستی میں تعمیر ہوئے۔ معبد جو بنتے تھے' خاص خاص ناموں سے منسوب ہوتے تھے۔ تعمیر سب کی ایک ہی نقشے کے مطابق ہوتی تھی۔ ان میں چند ہشت پہلو کمرے ہوتے تھے۔ ان کے دروازے بھی عام طور پر آٹھ ہی ہوتے تھے۔ معبد کے مرکزی مقام پر آتش کدہ ہوتا تھا۔ ایک معبد یزد میں آج بھی موجود ہے۔ مسعودی ایک آتش

کدے کے متعلق لکھتے ہیں: ''میں نے اس آتش کدے کو دیکھا ہے۔ یہ اصطخر سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اس کی عمارت شان دار اور قابلِ تعریف ہے۔ اس کے سالم ستون پتھر کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ ستونوں کے اوپر کے سروں پر گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے عجیب و غریب مجسمے تراشے گئے ہیں۔ ان کی جسامت اور شکلوں کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ عمارت کے اردگرد ایک خندق اور فصیل ہے۔ فصیل پتھر کی بھاری سلوں سے بنائی گئی ہے۔ معبد کی اُبھرواں تصویریں عمدہ کاری گری کا نمونہ ہیں۔ آس پاس کے رہنے والوں کے نزدیک یہ تصویریں پیغمبروں کی ہیں۔''(۱)

زرتشت کے پیروؤں کا عقیدہ ہے کہ آتش کدے کی آگ پر باہر کی روشنی نہیں پڑنی چاہیے' اس لیے آتش کدہ معبد کے کسی تاریک کمرے میں بنایا جاتا تھا۔ تاریکی آتش کدے کی روشنی سے منور ہوتی' تو رعب' حیرت اور اُمید و مراد کے ملے جلے جذبات عقیدت مندوں کے دلوں میں موج زن ہو جاتے۔

تین بڑے آتش کدے

آتش کدے یوں تو اکثر جگہوں پر تھے لیکن تین آتش کدوں کی حرمت اور تعظیم ہمہ گیر تھی۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱- آذر فربگ
۲- آذر گشتسپ
۳- آذر برزین

یہ آتش کدے خاص خاص طبقات کے لیے مخصوص تھے۔

۱- آذر فربگ

مذہبی پیشواؤں کا آتش کدہ تھا۔ جو صوبۂ فارس کے شہر کاریان میں تھا۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب 'آثار الباقیہ' میں اس کا ذکر 'آذر خورہ' کے نام سے کیا ہے۔

۲- آذر گشتسپ یا آتش کدۂ شاہی

اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آذربائیجان کے شہر گنجک (شیز) میں واقع تھا۔ ولیم

(۱) مروج الذہب' ج ۴' ص ۷۶-۷۷

جیکسن نے اس کی جائے وقوع تخت سلیمان کے کھنڈرات میں معین کی ہے جو ارومیہ اور ہمدان کے مابین ہے۔ ساسانی بادشاہوں پر کوئی افتاد پڑتی تو اس آتش کدے میں آتے اور دعائیں مانگتے تھے اور طرح طرح کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ خسرو پرویز کے خلاف جب بہرام چوبین نے بغاوت کی تو وہ فرار کے دوران میں اسی آتش کدے میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ خسرو پرویز نے دعا مانگی تھی کہ اگر اسے بہرام چوبین پر فتح ہوئی تو سونے چاندی کے تحائف اس آتش کدے کی نظر کرے گا۔ چناں چہ جب فتح حاصل ہوئی تو اس نے یہ تحائف پیش کش کیے۔[۱]

مسعودی اس آتش کدے کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس شہر شیز میں عمارتوں اور اُبھرواں تصویروں کے عجیب وغریب آثار موجود ہیں۔ یہ تصویریں مختلف رنگوں کی ہیں۔ ان میں کرات سماوی، ستارے، کرۂ ارض اور اس کے بحر و بر، اس کے آباد حصے، اس کے درخت اور جانور اور عجائبات دکھائے گئے ہیں۔ وہاں ایک آتش کدہ تھا، جو شاہانِ ایران کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا نام آذر خوش (اس آتش کدے کا دوسرا نام) تھا۔ کوئی بادشاہ تخت نشیں ہوتا تو پیادہ یا بڑے احترام سے اس آتش کدے کی زیارت کو آتا اور چڑھاوے چڑھاتا۔''[۲]

۳۔ آذر برزین

زمینداروں اور کسانوں کا مشہور آتش کدہ تھا، جو نیشاپور کے شمال مغرب میں کوہستان الوند میں واقع تھا۔ جیکسن کا خیال ہے کہ یہ گل مہر گاؤں کے قریب تھا اور میان دشت اور سبزوار کے بیچوں بیچ اُس سڑک پر واقع تھا جو نیشاپور کو جاتی ہے۔[۳]

مذکورہ بالا آتش کدوں کی ملک بھر میں شہرت تھی۔ ان کے ساتھ زمینیں وقف تھیں تاکہ موبدوں، ہیربدوں اور آتش کدوں کی دیکھ بھال کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ ان آتش کدوں کے موبدوں اور ہیربدوں کے منصب دوسروں کی بہ نسبت بڑے تھے۔ امرا و اشراف جو تحفے تحائف لاتے، وہ ان ہی آتش کدوں میں رکھے جاتے تھے۔ ملک کے دوسرے آتش کدوں کی آگ کی تجدید کرنی ہوتی، تو اُن ہی آتش کدوں کی آگ ان میں پہنچائی جاتی تھی۔ اس تقریب پر بہت بڑا جشن بپا ہوتا تھا جس میں سب بڑے بڑے لوگ شریک ہوتے تھے۔ آتش کدے یوں تو سب مقدس تھے

---

(۱) کتاب التنبیہ، ص ۹۵

(۲) کرسٹن سن، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۲۱۹

(۳) ...

لیکن مذکورہ تین آتش کدوں کی تقریبات بڑی شان وشوکت سے منائی جاتی تھیں۔

آتش کدوں پر لوگ آ کر قربانیاں دیتے تھے۔ ہیربد' آتش کدوں میں دن میں پانچ مرتبہ 'اوستا' کی مناجاتیں پڑھتے اور لوگ اس عبادت میں شامل ہوتے تھے۔ عام عقیدہ تھا کہ جو لوگ آتش کدوں کی عبادت میں شریک ہوں گے' انھیں دنیاوی خوشیاں حاصل ہوں گی۔

آگ کے مختلف درجے

آتش کدوں میں جلنے والی آگ کے مختلف درجے تھے۔ آتش خانہ' آتش قبیلہ' آتش دیہہ اور آتش ضلع یا ولایت۔ آتش خانہ کی حفاظت گھر کے بڑے بوڑھوں کے ذمے ہوتی تھی۔ آتش قبیلہ یا آتش دیہہ کی حفاظت کے لیے ہیربد مقرر ہوتے تھے۔ آتش ضلع یا آتش ولایت کی حفاظت موبد کرتے تھے' جس کے ماتحت کئی ہیربد ہوتے تھے۔

آتش کدوں میں آگ ہمیشہ جلتی تھی۔ آتش پرستوں کے نزدیک آگ حقیقت مطلق کا مظہر تھی اس لیے اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا کہ آگ بجھنے نہ پائے۔ کسی آتش کدے کی آگ بجھ جاتی تو سمجھا جاتا کہ آہورامزدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ آتش کدوں کی آگ کی تجدید بھی وقتاً فوقتاً کی جاتی تھی۔ آتش کدوں میں لوبان اور خوشبودار لکڑیوں کو جلایا جاتا تھا جن کی خوشبو سے آس پاس کا علاقہ مہک اُٹھتا تھا اور فضا کی مشک باری سے لوگوں کو عبادت کی تلقین ہوتی تھی۔

اکثر مقامات پر آتش کدے کی اُبھرواں تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ ملکی سکے چوں کہ ہاتھوں ہاتھ جاتے تھے اس لیے ان کی ایک طرف بھی آتش کدے کی تصویریں ہوتی تھی۔ یہ گویا اس بات کی علامت تھی کہ ملکی دولت اور حکومت کا انحصار آتش کدے کے مقدس عقیدے پر ہے۔

ساسانی عہد کے سکے

ساسانی عہد کے سکوں سے اُس عہد کی تاریخ پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ان سکوں کی پشت پر آتش کدے کی تصویر ہے اور دوسری طرف اُس بادشاہ کی شبیہہ ہے جس کے عہد میں یہ سکہ رائج ہوا۔ سکے کے نیچے بادشاہ کا نام اور القاب درج ہیں۔ بعض سکوں پر سنہ جلوس بھی دیا گیا ہے۔ ساسانی عہد کے ہر بادشاہ کا تاج خصوصی شکل کا ہوتا تھا اس لیے تاج ہی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کس عہد کا اور کس بادشاہ کا سکہ ہے۔

سکے سونے' تانبے اور چاندی کے ہوتے تھے۔ سونے کے سکوں کا وزن یکساں ہوتا تھا

تاکہ تجارت کا مال درآمد اور برآمد کرنے میں آسانی ہو- سونے اور چاندی کے سکے کو 'درم' کہتے تھے- چاندی کے سکے مالیت کے اعتبار سے مختلف وزن کے ہوتے تھے- سب سے کم قیمت کا سکہ پشیز کہلاتا تھا جو تانبے کا ہوتا تھا-

ساسانی عہد کے کتبے

ساسانی عہد کے کتبوں سے اُس دور کے بعض سیاسی اور تمدنی حالات پر روشنی پڑتی ہے- میسرز ٹامس' رالنسن اور ہرٹسفلٹ ان کتبوں میں کندہ کیے ہوئے بادشاہوں کے نام اور ان کے حالات معلوم کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں- ان کتبوں کا حال بحوالہ کرسٹن سن[1] ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱- **کتبہ پائے کلی:** ساسانی کتبوں میں سب سے زیادہ طویل پائے کلی کا کتبہ ہے جو قصرِ شیریں کے شمال میں صوبۂ کردستان میں واقع ہے- یہ کتبہ اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی میں ایک مربع مینار کے پہلوؤں پر کندہ ہے- شاہ نرسی کی اُبھرواں تصویر مینار کے چار ضلعوں پر بنائی گئی ہے- مینار منہدم ہو چکا ہے' صرف اس کی کرسی باقی ہے- کتبہ بھی موجود ہے جس سے بعض مفید اطلاعات حاصل ہوتی ہیں-

۲- **کتبہ اردشیر اول:** یہ کتبہ نقش رستم میں ہے جو تین زبانوں یعنی یونانی' اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی میں ہے- اس کتبے میں بتایا گیا ہے کہ دو اُبھرواں تصویریں شاہ اردشیر اول اور خدائے بزرگ آہورا مزدا کی ہیں-

۳- **کتبہ شاپور اول:** یہ بھی نقش رستم میں تین زبانوں میں ہے- کتبے میں مذکور ہے کہ اُبھرواں تصویر شاپور پسر اردشیر کی ہے-

۴- **کتبہ شاپور اول:** یہ کتبہ حاجی آباد میں ہے اور دو زبانوں اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی میں ہے- اس میں بادشاہ کی کسی موقع پر تیر اندازی کا ذکر ہے-

۵- **کتبہ موبد کردیر ہرمز:** یہ کتبہ نقش رجب میں ساسانی پہلوی میں ہے- کتبے میں موبد مذکور نے اپنی تقوے کی زندگی کا حال کندہ کرایا ہے اور اُن خدمات کا بھی ذکر کیا ہے' جو اس نے شاپور اول' ہرمز' بہرام اول اور بہرام دوم کے زمانے میں سرانجام دیں-

۶- **کتبہ شاہ نرسی:** پائے کلی میں یہ کتبہ دو زبانوں میں کندہ ہے- اس میں شاہ نرسی

---

(۱) کرسٹن سن: ایران بعہد ساسانیاں' ص ۵۸ تا ۶۱

اور بہرام سوم کی لڑائی اور اُمرا کے اطاعت قبول کرنے کا بیان ہے۔

۷- کتبہ شاہ بہرام اول: شاپور (فارس) میں ساسانی پہلوی میں ایک کتبہ ہے' جو شاہ بہرام اول کی ابھرواں تصویر پر کندہ ہے۔ اس میں شاہ نرسی اور اس کے باپ دادا کے نام اور القاب درج ہیں۔

۸- کتبہ شاہ پور دوم: یہ کتبہ ساسانی پہلوی میں ہے اور تصویروں کی بائیں طرف ہے۔ اس میں شاپور سوم اور اس کے باپ دادا کے نام اور القاب درج ہیں۔

۹- کتبۂ شاپور سوم: یہ کتبہ ساسانی پہلوی میں ہے۔ جو مذکورہ طاق بوستان میں شاپور اول اور شاپور دوم کی اُبھرواں تصویروں کے داہنی طرف ایک چھوٹی سی محراب پر کندہ ہے۔ اس میں شاپور دوم' اس کے باپ اور دادا کے نام اور القاب درج ہیں۔

۱۰- تخت جمشید میں ایک ساسانی پہلوی میں کتبہ ہے جو شاپور دوم کے دوسرے سال جلوس میں کندہ کرایا گیا۔

۱۱- تخت جمشید میں ایک اور کتبہ ہے جسے دو معزز اُمرا نے شاپور دوم کے اعزاز میں کندہ کرایا تھا

۱۲- دربند میں متعدد چھوٹے چھوٹے کتبے ہیں جنھیں عہد ساسانی کے آخری سالوں میں وہاں کے ذی مرتبہ اُمرا نے کندہ کرایا تھا۔

ساسانی دور کی زبان

ساسانی عہد کی زبان پہلوی تھی۔ پہلوی زبان' جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' ایران کے صوبۂ پارتھیا یا پارت کی زبان تھی۔ اس صوبے کو آج کل خراسان کہتے ہیں۔ اشکانیوں کی حکومت خراسان' یعنی شمال مشرقی ایران میں قائم ہوئی تھی اس لیے اشکانی عہد کی زبان' شمال یا شمال مشرقی پہلوی کہلائی' یہ زبان خراسان اور آذربائیجان کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ اردشیر بابکان نے جنوبی ایران میں ساسانی عہد کی تاسیس کی تو وہاں کی زبان' پہلوی جنوبی' کہلائی۔ پہلوی جنوبی کا رسم الخط آرامی حروف ابجد سے لیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ شمال مشرقی پہلوی سے مختلف تھا۔ ساسانی عہد کے کتبے اور کتابیں سب ساسانی پہلوی ہی میں ہیں۔

پہلوی کو' فارسی' میانہ' بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہخامنشی عہد کی قدیم فارسی اور اسلامی عہد کی جدید فارسی (بقول پروفیسر براؤن) کی درمیانی کڑی تھی۔ ساسانی پہلوی ۶۱ ۵ ء تک ایران کی رسمی زبان رہی۔ لیکن اس زبان میں تصنیف و تالیف کا کام عہد اسلامی میں بھی ہوتا رہا۔

ساسانی عہد کا پہلوی ادب

'اوستا' اگرچہ ہخامنشی عہد کی تصنیف ہے۔ لیکن قدیمی 'اوستا' اسکندر اعظم کے حملے کی نذر ہو گئی تھی۔ پھر اسے از سرنو ترتیب دینے کا کام اشکانی عہد میں بلاش سوم نے شروع کرایا لیکن تکمیل اس کی ساسانی دور میں ہوئی۔ چناں چہ یہ ساسانی 'اوستا' کہلائی اس لیے 'اوستا' کا ذکر ساسانی دور میں بھی کرنا ہوگا۔

ساسانی عہد میں جو 'اوستا' مرتب ہوئی' وہ ذیل کے پانچ حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ **یسنا:** یہ حصہ گیتوں کا مجموعہ ہے جو فرشتوں اور مقدس روحوں کی خوشنودی کے لیے گائے جاتے تھے۔ اس میں زرتشت کے سترہ گیت ہیں جو اوستا کا قدیم ترین حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ **یشت:** اس حصے میں دین زرتشتی کی عبادت کے طریقے درج ہیں۔

۳۔ **وندیداد:** اس میں وہ گیت اور منتر درج ہیں جو اہرمن اور اس کی ذریات کے شر سے بچنے کے لیے پڑھے جاتے ہیں۔

۴۔ **وسپرد:** یہ آداب مذہب کا ایک ضابطہ ہے۔

۵۔ **خوردہ اوستا:** جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' یہ 'اوستا' ہی کا اختصار ہے اور اس میں اصول مذہب درج ہیں۔

'اوستا' کے متن میں کہیں کہیں وزن کی رعایت قائم ہے۔ ترتیب بھی نظم کی سی ہے قوافی بھی موجود ہیں۔ علم عروض کی رو سے' جو عہد اسلامی میں شعرا نے وضع کیے' ہم 'اوستا' کو نظم تو نہیں کہہ سکتے لیکن نظم نما نثر ضرور کہہ سکتے ہیں۔

'اوستا'(۱) کے بعض سرود مناجات کی صورت میں ہیں۔ بعض سرود گشتاسپ کی تعریف میں اور بعض دین زرتشتی کے مخالفوں کی مذمت میں ہیں۔ ایک سرود جاماسپ کے ساتھ زرتشت کی بیٹی کی شادی سے متعلق ہے۔ ایک سرود میں ظاہر کیا گیا ہے کہ آہورامزدا کا دربار لگا ہے۔ فرشتے اور زرتشت دربار میں موجود ہیں۔ روح کائنات ایک گائے کی شکل میں آہورامزدا کے سامنے آتی ہے اور شکایت کرتی ہے کہ انسان اس کی دیکھ بھال نہیں کرتے بلکہ اس کی تباہی اور بربادی کے درپے ہیں۔ آہورامزدا زمین کی دیکھ بھال کے لیے زرتشت کو نامزد کر دیتا ہے۔ زمین کو تعجب ہوتا ہے کہ ایک ضعیف انسان اس کی دیکھ بھال کیوں کر کر سکے گا۔ بہرحال وہ مطمئن ہو جاتی

---

(۱) ایران نامہ' عباس شوستری' ص ۵۷

ہے- یہ سرود بحوالۂ عباس شوستری درج ذیل کیا جاتا ہے[1]:

گشماے بیا گوش اروا گرزدا

(بشما روان گاوُ فریادی برد)

گہماے مانہواز ردم کہ ماتشت آما

(از چہ مرا آفریدید برای ما کہ مرا ساختید بر من)

آبشموہاز سچا (ریمو) آہمیشایا درسچا توس جا

(آہرمن آیشمو تعدی می کند بدرفتاری وظلم می کند)

نرات موای واستا

(نیست مرا چوپان)

کشمت آبنو ادھا

(جز تو دیگر لذا)

موای ستا و ہو... تریا

(مرا بیام... ید حوب دہقانی)

تیسویں سرود میں نور و ظلمت کا بیان ہے جس کا ترجمہ بحوالۂ عباس شوستری ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

''تم یہاں آہورامزدا کے احکام' اس کی تعریف' نیکی کا بیان اور مقدس آگ کی عظمت کا حال سننے آے ہو' تو سنو! تمھارے لیے ضروری ہے کہ روح کائنات کی آواز پر کان دھرو- اس کی شکایت کو سنو- کھیتی باڑی کرو' زمین کو آباد رکھو- آگ میں سے جو نور نکل کر چمکتا ہے' پاک دل سے اور نیک نیت سے اس پر غور کرو- زن و مرد! یہ تمھارے اختیار میں ہے' خواہ آہورامزدا کو اپنے لیے اختیار کرو' خواہ اہرمن کو- تمھارے آباواجداد نیکی میں شہرت رکھتے تھے' تم بھی آنکھیں کھولو- اس عقیدے کو اختیار کرو جو میں نے پیش کیا ہے آفرینش جڑواں صورت میں تھی' دونوں جو ہر مخصوص صفات کے حامل تھے- ایک کی صفت نیکی تھی اور دوسرے کی صفت بدی تھی- یہ دونوں صفات تمھارے پندار اور گفتار میں نمودار ہیں لیکن ان دونوں میں صرف پہلی صفت کو اختیار کرو- نیک بنو' بدی کو ترک کرو- یہ دونوں جوہر جب ملے تو عالم مادری کی سی کیفیت پیدا ہوئی- اس نے نور و ظلمت کو' یعنی نیکی اور بدی کو جنم دیا- دروغ گو (کافر) نور ہستی کو پسند نہیں کرتا لیکن وہ شخص جو

(۱) عباس شوستری' ایران نامہ' ص ۷۶

سچائی کا متلاشی ہے اور آہورا مزدا پر پورا یقین رکھتا ہے' وہ نور ہستی ہی کو پسند کرتا ہے۔ ان جوہروں میں سے تمھیں ایک کو انتخاب کرنا ہوگا۔ نور پاک کو' جو نیکی کی راہ دکھانے والا ہے یا ظلمت کو' جو برے افعال علت ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ تم بیک وقت دونوں کو اختیار کر سکو۔ شاید تم میں سے بعض چاہیں کہ بد بخت ہی رہیں اور خالق شر (اہرمن) اختیار کریں تو ان کو اختیار ہے۔''

آگے ذکر آتا ہے: ''جب اہرمن تمھارے درمیان آئے اور تم میں اختلاف اور عناد پیدا کرے تو تم نیک نیتی اور خلوص دل کے ذریعے اسے سزا دے سکتے ہو اور ان لوگوں کو بھی سزا دے سکتے ہو جو وعدہ تو کرتے ہیں لیکن اسے پورا نہیں کرتے۔ تمھاری زندگی ایسی ہونی چاہیے جو تمھاری آیندہ زندگی کے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکے۔ آدمی عقل و خرد کے مقام پر احتیاط ہی کی بدولت قائم رہ سکتا ہے' کیوں کہ عقل دروغ سے بچاتی ہے اور بدی کو نابود کرتی ہے۔ کامل اشیا اس کے فرشتوں سے متعلق ہیں' جو بہترین موجودات ہیں۔ لہٰذا یہ احکام جو آہورا مزدا نے دیے ہیں اور جو تمھارے لیے بھیجے گئے ہیں' ان پر عمل کرو۔ دروغ گوؤں (اہرمن پرستوں) کے لیے یہ احکام بڑے صدمے کا حکم رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے' جو درست عقیدے کی حقیقت جان گئے ہیں' آسودگی اور بہبودی کا سبب ہیں۔''

ژند' 'اوستا' کا ترجمہ اور تفسیر ہے جو پہلوی زبان میں ہے۔ یہ ساسانی 'اوستا' کے ساتھ شامل ہے' اسی وجہ سے اسے ''ژند اوستا'' بھی کہتے ہیں۔ یہ کہنا درست ثابت نہیں ہوتا کہ 'ژند' کوئی الگ زبان ہے بلکہ یہ تفسیر کا نام ہے جس کی زبان پہلوی ہی ہے۔

پاژند

جس طرح (۱) ژند' اوستا کی تفسیر ہے۔ اسی طرح پاژند' ژند کی تفسیر ہے۔ اس میں 'اوستا' اور 'ژند' کی بعض مبہم باتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ صاف اور رواں پہلوی میں ہے اور ہزوارش الفاظ کو فارسی الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ ہزوارش وہ الفاظ ہیں جو لکھنے میں اور طرح آتے ہیں اور پڑھے اور طرح جاتے ہیں۔ مثلاً لکھنے میں ملکان ملکا آتا ہے اور پڑھا شہنشاہ جاتا ہے۔ لکھنے میں ''ع ـہ'' آتا ہے اور پڑھا 'دہ' جاتا۔

خوتائی نامک

یہ کتاب یزدگرد کے زمانے میں لکھی گئی تھی۔ اس میں ایران قدیم کے واقعات اور سینہ

(۱) اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ج ۱' ص ۱۳۷ تا ۱۴۲

بہ سینہ آنے والی روایات درج ہیں- اس کتاب کا مآخذ عہد بعہد کے وہ واقعات اور قصص ہیں جو ساسانی دور کے دبیروں نے سرکاری نگرانی میں منضبط کیے 'خوتائی نامک' کا ترجمہ ایک مشہور عالم ابن المقفع نے عربی میں ''سیر الملوک العجم'' کے نام سے کیا تھا- خوتائی نامک کا ترجمہ اُن کتابوں میں سے ایک ہے جو شاہ نامہ لکھتے ہوئے فردوسی کے پیش نظر تھیں-

ابن المقفع پہلے دینِ زرتشتی کا پیرو تھا- بعد میں مسلمان ہو گیا اور عربی زبان میں دسترس حاصل کی- پہلوی اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اس نے پہلوی کی متعدد اہم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور آنے والے علما کے لیے قابل قدر مآخذ بہم پہنچائے لیکن مقام افسوس ہے کہ پہلوی متن بھی ان کتابوں کے ضائع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کے عربی تراجم بھی معدوم ہو گئے- تاہم یہ غنیمت ہے کہ ابن المقفع کے ترجموں کو پیش نظر رکھ کر جو ترجمے فارسی میں ہوئے' وہ موجود ہیں- اس طرح یہ قدیمی مآخذ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رہ گئے- شاہ نامہ لکھتے ہوئے جو قدیمی مآخذ فردوسی کے پیش نظر تھے' ان میں 'خوتائی نامک' کا ترجمہ بھی تھا-

کارنامک اور یادگار زریران

کارنامک ارتخشیر پاپکان اور ایاتکار زریوان کتاب اول کا فارسی نام کارنامۂ اردشیر پاپکان اور کتاب دوم فارسی نام یادگار زریر ہے یہ بھی پہلوی زبان میں لکھی گئی تھیں- ان میں اردشیر پاپکان کے حالات درج ہیں- یہ کتابیں بھی شاہ نامہ لکھتے ہوئے فردوسی کے پیش نظر تھیں- پروفیسر براؤن نے اردشیر بابکان کی زندگی کے بعض حالات کے سلسلے میں کارنامک اور خوتائی نامک (شاہ نامہ) کے متن کو ساتھ ساتھ رکھ کر موازنہ کیا ہے' جس سے پتا چلتا ہے کہ فردوسی نے ان ماخذ کی پوری پوری پیروی کی ہے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا- اگر شاہ نامے میں غیر معمولی واقعات بیان ہوئے ہیں تو ان کا مآخذ بھی یہی کتابیں ہیں-

آئین نامک

یہ (آئین نامہ) بھی پہلوی کی کتاب ہے جس کا ترجمہ ابن المقفع نے عربی میں کیا تھا- اس میں ایرانی معاشرت اور نظام حکومت کی تفصیل بتائی گئی ہے- اس کے علاوہ بعض کھیلوں اور ورزشوں کا بھی ذکر ہے-[1]

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۷۵

تاج نامک

اس (تاج نامہ) کتاب میں شاہانِ ایران کے خطبات' احکام و فرامین جمع کیے گئے ہیں جن کا ذکر کرسٹن سن [1] نے بحوالۂ ابن الندیم کیا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ابن المقفع نے کیا۔

نامۂ تنسر

یہ پہلوی کا ایک رسالہ ہے جسے اردشیرِ بابکان کے موبد' تنسر نے لکھا تھا۔ یہ نامہ (جو ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان میں بھی درج ہے) اصل میں خلاصہ ہے ابن المقفع کے عربی ترجمے کا' جو اس نے ایک پہلوی متن سے کیا تھا۔ عربی ترجمہ اور اصل پہلوی دونوں تلف ہو چکے ہیں۔ ابن المقفع کے عربی ترجمے کی ایک عبارت مسعودی [2] نے نقل کی ہے۔ دوسری البیرونی [3] کی 'کتاب الہند' میں ہے اور تیسری فارسی میں کتاب ''فارس نامہ'' میں ہے۔ نامۂ تنسر ایک تاریخی' سیاسی اور اخلاقی مقالہ ہے۔ یہ اصل میں تنسر اور شاہ طبرستان کے مابین خط و کتابت کا مجموعہ ہے۔ شاہ طبرستان ایران کے نئے سیاسی حالات سے واقف نہیں اس لیے اردشیر کی اطاعت اختیار کرنے میں اسے تامل ہے۔ یہ خطوط لکھ کر تنسر نے اسے اطاعت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے عام پڑھنے والے مستفید ہوں اور اردشیر کے عہد کے سیاسی حالات' اخلاقی تعلیم اور ملکی اصلاحات' اس کی رواداری اور اس کے عدل و انصاف سے باخبر رہیں۔ اس کا ترجمہ آقائی مجتبیٰ مینوی نے فارسی میں کیا ہے۔ [4]

پہلوی کی مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ ملک الشعرا بہار نے 'سبک شناسی' میں ۹۳ اور کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند 'اوستا' سے متعلق ہیں' بیشتر دینی موضوعات پر اور بعض غیر دینی موضوعات پر ہیں۔ [5]

---

(۱) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۷۵

(۲) کتاب التنبیہ والاشراف' ص ۹۷

(۳) کرسٹن سن' ایران بعہد ساسانیاں' ص ۷۷

(۴) ایضاً

(۵) ملک الشعرا بہار' سبک شناسی' ج ۱' ص ۴۴ تا ۴۹

ساسانی عہد کے بعض دانش مند

۱- **تنسر**: یہ اردشیر کے زمانے کے علما میں سے تھا اور ہیر بدوں کا رئیس بھی تھا- اردشیر کی مجلس مشاورت کا رکن ہونے کا بھی اسے شرف حاصل تھا- 'نامہ' تنسر' اس کا مشہور علمی کارنامہ ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے-

۲- **بہنک**: یہ بھی اولین ساسانی بادشاہوں کے زمانے کا موبد تھا- آذرباد مارسپندان اس کا جانشین ہوا-

۳- **آذرباد مارسپندان**: یہ زرتشت کے اخلاف میں سے تھا- علم و فضل میں اس کی بہت شہرت تھی- شاپور دوم کے زمانے میں اس نے 'خوردہ اوستا' مرتب کی- پند و موعظت پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی تھی-

۴-۶- **مہر وراز**: مہرا گاوید اور مہر شاپور' بہرام پنجم کے زمانے کے مشہور علما تھے-

۷- **آزاد شاہ**: نوشیرواں کے عہد کا نامور موبد تھا-

۸- **ارداویراف**: یہ شاپور اول کے زمانے کا مشہور عالم تھا- اس نے مزدیسنا کے اخلاقی احکام کی تکمیل کے لیے چند جام شراب نوش کیے اور بادشاہ اور رؤسا کی موجودگی میں محل شاہی میں سو گیا- چند روز بعد خواب سے بیدار رہا- خواب میں اس نے وہ پل دیکھا جسے پل چنوات کہتے ہیں- (زرتشتیوں کے عقیدے کے مطابق یہ پل دوزخ کے اوپر بنا ہوا ہے جو بہت تنگ ہے- گنہگار کا پاؤں ذرا سا پھسلتا ہے تو وہ دوزخ میں جا گرتا ہے)- پل پر سے گزر کر اس نے دوزخ اور مینو (جنت) کی سیر کی- یہ سرگذشت اس نے دبیروں کو لکھوائی جو ویراف نامہ کے نام سے موسوم ہوئی-[1]

۹- **بزرجمہر**: یہ اپنے زمانے کا ایک نامور عالم تھا' نیز نوشیرواں کے وزیروں اور مشیروں میں سے بھی تھا- اس کا اصل نام وزرگ مہر یا بزرگمہر' بزرجمہر تھا- اپنی ایک کتاب 'اندرز بزرجمہر' کے مقدمے میں اپنا نام اور القاب یوں لکھتا ہے: ''وزرک متر بوختگان و ینان پت شبستان شترو اوستیگان خسرو درین پت'' یعنی ''بزرجمہر پسر بوختک رئیس' یکی از رای زبان خاص دربار کشور ملقب بہ اوستیکان خسرو'' - یہ بزرجمہر ہی تھا جو سنسکرت کی کتاب 'پنج تنتر'' ہندوستان

---

(۱) ملک الشعرا بہار' سبک شناسی' ج ۱' ص ۵۲

سے لایا تھا اور 'کلیلک و دمنک' کے نام سے اس کا پہلوی میں ترجمہ کیا تھا- بزرجمہر کو بعض تذکرہ نویسوں نے برزویہ بھی لکھا ہے-

۱۰-**فرخ مرت**: یہ ایک مشہور عالم تھا جس نے ہزاروا کستان کتاب تصنیف کی تھی-

ساسانی عہد کی تعمیرات

ساسانی عہد کے محلات شاہی میں مدائن اور ہترا (الحضر) کے فن تعمیر کا رنگ جھلکتا ہے- سب محلات ایک ہی نقشے کے مطابق بنائے گئے تھے- یہ محلات نسبتاً سادہ اور مستطیل شکل کے تھے- ان کا رُخ شرقاً غرباً تھا- ان کی امتیازی خصوصیات یہ تھیں کہ ان کے عین وسط میں ایک ایوان ہوتا تھا- اس کے ساتھ ساتھ مربع شکل کے کمرے تھے جن کے اوپر گنبد نما چھتیں تھیں- کمرے ایک دوسرے میں کھلتے تھے- دیواروں پر پچکاری کے ذریعے تصویریں بنائی گئی تھیں- ان تصویروں میں شکار کے مناظر' حیوانات اور سبزہ زار دکھائے گئے تھے-

قصر فیروز آباد

شیراز کے جنوب مشرق میں بوشہر کو جانے والی ایک سڑک کے کنارے شہر ''گور'' آباد تھا- اس کے چاروں طرف گلاب اور میوہ دار درختوں کے باغات تھے- معلوم ہوتا ہے' بادشاہ یہاں کبھی کبھی قیام کرتے تھے- آج کل اس شہر کو فیروز آباد کہتے ہیں- یہاں اردشیر نے تیسری صدی عیسوی کے وسط میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جو ساسانی دور کا قدیم ترین محل تھا- اس کے کھنڈرات اب بھی دیکھنے میں آتے ہیں- محل کی کرسی ۳۲۰ فٹ لمبی اور ۱۷۰ فٹ چوڑی تھی- یہ اُن اولین عمارتوں میں سے ہے جن کی چھتیں محراب دار بنائی گئی تھیں- بیرونی دروازے کی محراب سے داخل ہو کر ایک وسیع و عریض ہال کمرے میں پہنچتے تھے جس کی چھت گنبد نما تھی- یہ ہال ۹۰ فٹ لمبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا- اس کے دائیں بائیں نسبتاً چھوٹے کمرے تھے- ان کے آگے تین مربع شکل کے کمرے تھے جن پر پکی اینٹوں کے بیضوی شکل کے گنبد تھے- دیواروں پر چونا گچ کا پلستر تھا اور پلستر کے اوپر تصویریں بنائی گئی تھیں- بیرونی دیوار پر کوئی کھڑکی نہ تھی' البتہ باہر کو نکلی ہوئی محرابیں اور ستون تھے- اس محل کے پاس ہی اردشیر نے ایک آتش کدہ بنوایا تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں-

سروستان

فیروز آباد کے قریب ہی محل سروستان ہے۔ یہ محل نسبتاً بعد کا ہے لیکن نقشہ اس کا بھی قصر فیروز آباد کا سا ہے۔

ایوانِ کسریٰ

یہ محل ساسانی دور کی ایک عظیم یادگار تھی جسے عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس کا مفصل ذکر نوشیرواں کے باب میں آ چکا ہے۔

قصرِ شیریں

مدائن سے ہمدان آنے والی شاہراہ پر کھنڈرات نظر آتے ہیں جو قصرِ شیریں کے نام سے موسوم ہیں۔ شاید یہی وہ محل تھا جس میں خسرو پرویز کی محبوبہ شیریں رہا کرتی تھی۔ یہ کھنڈرات خانقین اور حلوان کے درمیان ہیں۔ یہاں ایک مربع شکل کا قلعہ بھی ہے' جسے قلعۂ خسروی کہتے ہیں۔ اس پر برج بنے ہوئے ہیں اور گرداگرد ایک خندق ہے جس پر محراب دار پل ہے۔ یہاں ایک بڑا وسیع محل بھی تھا جو موسمِ گرما کے قیام کے لیے بنایا گیا تھا' جس کو آج کل حاجی قلعہ کہتے ہیں۔ یہاں ایک اور بڑی عمارت تھی جس کو اب 'چار قاپو' (چار دروازہ) کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اشخاص

پ

قومیں اور قبیلے وغیرہ

ب

مقامات و تعمیرات

پ

ن

کتابیں اور رسالے

آ

الف

پ

ت

متفرقات

اختتامیہ

اگر مختلف زمانوں میں کئی ایک تہذیبیں طاقت ور اور حملہ آور نہ ہوتیں تو غالباً ہماری یہ جدید دُنیا ابھی تک خاصی پسماندہ اور دانش نا آشنا ہی ہوتی۔ ہم تاریخ کا جائزہ اس لیے نہیں لیتے کہ ماضی میں مختلف ممالک اور اقوام کی صورتِ حالات کیا تھی، بل کہ اس لیے تاریخ شناسی سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں کہ یہ جان سکیں کہ ہم نے اِرتقا کے تسلسل میں کس تمدُّن سے کتنی تہذیب پائی یا کون سی کمزور اور جاہل قوم کو کس قدر علم کی تربیت اور قوت بخشنے کا غیر محسوس فریضہ انجام دیا۔ ایران پاکستان کا ہمسایہ مُلک ہی نہیں بل کہ مذہبی، تہذیبی، معاشرتی، ثقافتی اور اَدبی سطح پر ایک مربُوط رِشتے میں بندھا ہُوا ہے۔ اور یُوں اخوت و یگانگت اور خیر سگالی کے جذبات کو روز افزوں فروغ نصیب ہو رہا ہے۔ جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں، قدیم تاریخی، اَدبی و ثقافتی روابط کے زیرِ اثر ہی معاہدۂ استنبول اور آر۔سی۔ڈی کے تحت ایران، پاکستان اور تُرکی کا اِتّحاد معرضِ وُجُود میں آیا۔ زُبان واَدب کے حوالے سے پاکستان کی قومی زُبان اُردُو کے ڈانڈے بھی ایران سے جا ملتے ہیں جب فارسی اور سنسکرت کے باہمی اختلاط سے ایک نئی زُبان نمو پذیر ہُوئی جسے بعد میں ریختہ اور پھر اُردُو کا نام دِیا گیا۔ اُردُو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل کی جڑیں بھی فارسی غزل میں تلاش کی جاتی ہیں۔ اِسی تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان اور ایران کے تعلُّقات کی اہمیت پہلے سے کئی گُنا بڑھ جاتی ہے۔

مذہبی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور اَدَبی خدّوخال سے آگاہی ہوتی ہے وہاں مختلف ادوار میں ظہور پانے والی قوموں کا نفسیاتی سطح پر مُطالعہ بھی ممکن نظر آتا ہے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ فارسی تمدُّن کے برصغیر کی تہذیب پر اثرات کا دورانیہ لگ بھگ اڑھائی ہزار برس پر محیط ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس تمام تر مُدت میں زبان وثقافت، اَدب اور فنون کے میدانوں میں بھی دیگر شعبوں کے شانہ بشانہ نشوونمائی اور ارتقائی عمل جاری و ساری رہا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہماری معلومہ ومرقومہ تاریخ کے تناظر میں اوّل اوّل 545 تا 539 ق م میں کوروش بحیرۂ خزر اور ہند کے مابین بسنے والی اقوام سے مصروفِ جنگ رہا، اس عرصے میں اس نے بلخ، مرو، سغد اور دریائے جیحوں تک کا سب علاقہ مسخّر کرلیا۔ پھر سیستان اور قندھار کا رخ کیا اور اِن علاقوں کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ ہندوستان پر داریوش کی نظریں پڑیں تو اُس نے 512 ق م میں پنجاب اور سندھ فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیے۔ ایران باستان جلد اوّل کے مطابق یہاں داریوش کے حکم سے یونانی امیر البحر سکیلاس نے بحری جہاز بنوائے اور مکران سے ساحلِ عرب تک ایک نئی شاہراہ دریافت کی۔ پنجاب اور سندھ کی فتح سے نہ صرف ہندوستانی خزانے ایران منتقل کر دیے گئے، بل کہ یہاں ایک باقاعدہ ایرانی صوبہ قائم کر دیا گیا۔ 326 ق م کے آس پاس ایران کے مشرقی صوبے فتح کرنے اور نظم ونسق قائم کرنے کے بعد جب سکندر نے قدیم ایرانی بادشاہوں کی پوری مملکت حاصل کر لی تو اِس کی مہم جویانہ طبع قانع نہ ہوئی، لہٰذا اُس نے مکمل تیاری کر کے ہند کی جانب باگیں اٹھائیں۔ سکندر ایران کے کسی بھی بادشاہ سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا، اِس لیے قریباً سوا لاکھ کا لشکر لے کر کوہِ ہندوکش عبور کر کے سکندریہ (قندھار) سے گزر کر، درۂ خیبر اور سوات کے راستوں سے پشاور کا رُخ کیا۔ یوں اٹک میں دریائے سندھ پر پُل بنا کر سکندر جب ٹیکسلا آیا تو بڑے تزک واحتشام سے اُس کا خیر مقدم کیا گیا، پھر دریائے جہلم پار کر کے پورس سے لڑائی کی اور ہندوستانی لشکر کو پسپا کر دیا۔ سکندر نے چناب اور راوی کو عبور کیا، آخر کار دریائے بیاس کے کنارے پہنچ کر آرام کیا۔ بعد ازاں کوچ کا ارادہ کرلیا تو لاہور سے دریائے راوی کو پار کر کے وزیر آباد سے آگے چناب عبور کیا اور دریائے سندھ کی

خود سکندر بقیہ لشکر کے ساتھ بلوچستان پہنچا اور صحرائے لوت سے گزر کر پاسار گاد تک گیا۔

یہ امر بھی دل چسپی کا باعث ہے جو قدیم ماخذوں سے واضح ہوتا ہے کہ ایرانی آریاؤں اور ہندی آریاؤں کا مذہب شروع شروع میں ایک ہی تھا، پھر زرتشت کا مشرقی ایران میں ظہور ہوا تو اُس نے وہاں نیا مذہب پیش کیا۔ 302 ق م میں سلوکس کی حکومت دریائے جیحوں سے لے کر پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلوکس نے چندر گپت پر چڑھائی کرنے کے خطرات مول لینے کے بجائے مصالحت کر لی اور پانچ سو ہاتھیوں کے بدلے ہندوکش تک کے یونانی مقبوضات اِس کے حوالے کرنے کے علاوہ دوستانہ روابط استوار کرنے کے لیے اپنی لڑکی چندر گپت سے بیاہ دی تھی۔ پھر 194 ق م کے لگ بھگ انتیا گوس بلخ سے سکندرِ اعظم کے نقشِ قدم پر چلا اور ہندوکش کو عبور کر کے کابل کا رُخ کیا، پھر درۂ خیبر سے گزر کر پنجاب میں داخل ہُوا۔ راجا اشوک کے جانشین نے اِسی میں عافیت دیکھی کہ سیلوکی حکم ران سے مصالحت کر لے، چناں چہ زرِ کثیر اور ہاتھیوں کا تحفہ پیش کیا، جسے اُس نے قبول کر لیا۔ اس خیر مقدم کے بعد انتیا گوس نے ہند پر دست درازی تو نہ کی، البتہ سرحدوں کو پامال کرتا ہُوا ہلمند دریا کے کنارے کنارے سیستان جا پہنچا۔ پھر یوتی دیموس نے ہند پر چڑھائی کی اور مشرقی افغانستان کو فتح کر کے بلخ کی مملکت میں شامل کر لیا، اُس کے بیٹے ڈیمتریوس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور سندھ سے آ کر پنجاب پر قابض ہو گیا، غالباً اِسی لیے اُسے ہند کا بادشاہ بھی لکھا گیا۔ یاد رہے کہ 206 سے 185 ق م تک کا زمانہ حکومتِ بلخ کے عروج کا زمانہ تھا۔

224ء کے بعد اشکانی شہنشاہت کا خاتمہ کر کے اردشیر نے ساسانی شہنشاہت کی بنیاد رکھی تو اپنی فتوحات کے سلسلۂ آخر میں ہندوستان پر چڑھائی کر کے پنجاب کو فتح کر لیا۔ 374ء کے ادوار میں سندھ اور ہند کے حکمران شاہ پور کو اطاعت کے اظہار کے لیے خراج بھجواتے رہے۔ 421ء کے دورانیے میں بہرام نے ہند پر فوج کشی کی تو ہندوستان کے مہاراجا شنکلت نے ایرانی لشکر کا خیر مقدم کرتے ہوئے مکران اور ایران کی سرحد سے ملتے ہوئے کئی علاقے حکومتِ ایران کے سپرد کر دیے، بل کہ اپنی بیٹی بھی بہرام کے عقد میں دے دی۔ پچیس برس قبل 1985ء میں اظہر غوری نے ایک نظم بعنوان ''کلیلک دمنک کی

رمز" اِسی ضمن میں لکھی تھی کہ ہماری مقامی دانش نے قریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل کس طرح ایران اور پھر عرب پہنچ کر وہاں کے تمدّن پر ہندوستانی دانش کے تہذیبی اثرات مرتب کیے۔ عسکری، سیاسی، معاشی اور جغرافیائی تعلق کے علاوہ علمی و اَدبی روابط کے ضمن میں جہاں ہم ایرانی اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں، وہاں یہ اَمر بھی قابلِ ذکر ہے کہ 573ء کے زمانے میں انوشیرواں کے دربار کے ایک نامور طبیب برزویہ (بزرجمہر) نے دورانِ مطالعہ یہ جانا کہ ہندوستان کے پہاڑوں میں ایک ایسی بُوٹی پائی جاتی ہے جو مُردے زندہ کر دیتی ہے، تو اُسے یہ آرزو بے چین رکھتی کہ جیسے بھی بن پڑے وہ بُوٹی حاصل کرے۔ آخر اُس نے انوشیرواں سے ہندوستان جانے کی اجازت چاہی تا کہ اُسے تلاش کر سکے۔ بادشاہ نے اُس کے لیے سامانِ سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ برزویہ ہندوستاں کے پایۂ تخت پہنچا تو شاہی مراسلہ پیش کِیا، جس پر یہاں کے بادشاہ نے اُسے خوش آمدید کہا اور پہاڑوں پر سے بُوٹی دریافت کرنے کے لیے آسانیاں مہیا کر دیں۔ برزویہ نے بڑی جدّوجہد کی اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، لیکن بُوٹی ہاتھ نہ آسکی۔ وہ اِس سوچ میں پڑ گیا کہ ناکام لوٹ کر اپنے بادشاہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ آخر اُس نے ہندوستان کے لائق ترین طبیب کا پتا پوچھا، اُس کے پاس گیا اور اُس کتاب کا ذکر کِیا جس میں مُردے کو زندہ کرنے والی بُوٹی کا حال پڑھا تھا۔ بوڑھے طبیب نے جواباً بتایا کہ آپ اِس حکایت کے اصل مطلب تک نہیں پہنچ سکے، یہ قدما کی ایک رمز ہے، جس میں مُردوں سے جاہل مُراد ہیں اور مُردے کو زندہ کر دینے والی بُوٹی علما کے اقوال ہیں اور پہاڑوں سے مُراد علما ہیں۔ اُس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دانا لوگ اپنے پند و نصائح سے جاہلوں کی تربیت کرتے ہیں، گویا مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ پند و نصائح کی یہ تعلیم پنچ تنتر، جسے کتاب "کلیلک و دمنک" کا عنوان دیا گیا، سے حاصل ہوتی ہے، جو بادشاہ کے خزانے کے علاوہ اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ برزویہ سُن کر مطمئن ہو گیا اور استدعا کی کہ اُسے استفادہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ انوشیرواں کے پاسِ خاطر سے صِرف اِس شرط پر اجازت دی جا سکتی ہے کہ اِسے سرکاری نگرانی میں پڑھیں اور مطلب اخذ کر لیں۔ برزویہ اجازت پا کر خوش ہو گیا۔ وہ ہر روز دربار میں حاضر ہوتا، کتاب کا مطالعہ کرتا اور اِس کا مفہوم یاد کر لیتا، اور جب واپس اپنی قیام گاہ پر

آتا تو اُسے احاطۂ تحریر میں لے آتا، یہاں تک کہ کتاب مکمل ہوگئی۔ آخر وہ بادشاہِ ہندوستان سے رخصت حاصل کر کے ایران واپس آ گیا۔ ''کلیلک دمنک'' لانے پر انوشیرواں بہت خوش ہُوا، اور اُسے پہلوی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ یوں یہ کتاب سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ ہوئی اور عربی میں اِس کا نام ''کلیلہ ودمنہ'' رکھا گیا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں عبداللہ ابن المقفع نے اِس کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کِیا۔ نصر بن احمد سامانی کے عہد میں رودکی نے اِسے فارسی میں نظم کیا۔ پھر بارھویں صدی میں حمیدالدین ابوالمعالی نصر اللہ نے فارسی نثر میں ترجمہ کی اور سولھویں صدی میں حسین واعظ کاشفی نے اِسے اَز سرِ نو فارسی میں لکھا اور ابوالفضل نے اُسے ''عیارِ دانش'' کے عنوان سے اکبرِ اعظم کے لیے نظم کِیا۔

615ء میں خسرو نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر حملہ کِیا اور اِسے زیرِ نگیں کر لیا۔ 637ء یعنی 16ھ تک حضرت عمرؓ کے دور میں فتحِ عراق مکمل ہو چکی تھی اور ایرانی مسلمانوں سے معاہدۂ صلح کر چکے تھے اور ہندوستان سے تجارت کرنے کی نہایت اہم بندرگاہ ''اُبلہ'' مسلمانوں کو مل گئی تھی۔

مُتّحدہ ہندوستان پر ایک طویل عرصے تک حکُومت کرنے والے مُغلیہ خاندان کا پہلا چشم و چراغ ظہیر الدین بابر بھی ایران میں پیدا ہُوا۔ برصغیر میں مغلیہ حکُومت کی درباری زُبان بھی فارسی ہی تھی اور یُوں لگ بھگ ایک ہزار برس تک ہندوستان میں بھی ایرانی مزاج اور زُبان و تمدُّن کا راج رہا۔

اس کتاب کے مؤلف رقم طراز ہیں کہ کسی ملک کی تاریخ حقیقت میں وہاں کی قوم کی سوانح عمری ہوتی ہے۔ ایرانی قوم کی سوانح عمری لکھنا گویا کم و بیش تین ہزار سال کے عرصے کی قومی زندگی کا جائزہ لینا ہے اور اُن پردوں کو اٹھانا ہے جن کے پیچھے ایران کے اہم قومی افکار اور کارناموں کے نقوش پنہاں ہیں۔ قوم کی سوانح عمری تو ایک طرف، کسی فردِ واحد کے حالاتِ زندگی مرتب کرنے میں جس مواد کی ضرورت ہوتی ہے، اُس کا فراہم کرنا میرے جیسے کم استطاعت شخص کے لیے دُشوار ہے۔ بہرحال اِس مشکل کام کے لیے مَیں نے فارسی، عربی، انگریزی اور فرانسیسی ماخذوں کی طرف رجوع کِیا۔ انگریزی اور فارسی کے توسُّط سے یونانی تاریخوں تک رسائی پائی۔ ایران کے علمائے تاریخ سے براہِ راست استفادہ

کیا۔ سیاحتِ ایران کے دوران میں ایرانِ قدیم کی زبان سمجھنے کے لیے آثارِ قدیمہ کے علما سے راہنمائی حاصل کی اور جدید دور کی بعض نادر یادداشتوں سے بھی استفادہ کیا۔

تاریخِ ایران جناب مقبول بیگ بدخشانی کے قلم کا معجزہ ہے جو گورنمنٹ کالج میں فارسی اَدبیات کے اُستاد تھے اور جنھیں فارسی زُبان واَدب کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی پر بھی بھرپور دسترس حاصل تھی اور وہ ایرانی معاشرت اور تہذیب سے بہُت حد تک واقفیت رکھتے تھے۔ تاریخِ ایران پہلی مرتبہ اکتوبر 1967ء میں مجلس کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اور حالات کی ایک واضح تبدیلی کے ساتھ اِس کتاب کی اشاعت کی ضرُورت محسوس کی گئی۔ تاریخ کی ایک خُوبی یہ بھی ہے کہ اسے بار بار لکھا جاتا ہے تاکہ اس کے نُقطۂ نظر پر نظرِ ثانی ہوتی رہے۔ چناں چہ مجلس نے اِس کتاب کا نظرِ ثانی شُدہ ایڈیشن شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اِس کام کے لیے جناب ڈاکٹر آفتاب اصغر سے درخواست کی گئی کہ وہ اس کام کو مجلس کے لیے سہل بنائیں۔ اِس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ معاصر تاریخ کے حوالے سے تیسرا حصّہ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب تحریر فرمائیں گے جو بعد ازاں مجلس کے زیرِ اہتمام شائع کیا جائے گا۔ فی الوقت اِس کتاب کے حصّۂ اوّل کا نظرِ ثانی شُدہ ایڈیشن قندِ مکرر کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے اُمّید ہے کہ تاریخ کے طلبائے علم اِس سے استفادہ کریں گے اور یہ کتاب پاکستان اور ایران کے تعلّقات میں مزید استحکام کا سبب بنے گی۔

اِس کتاب کے دو حصّے ہیں، مزید برآں معاصر تاریخ کے حوالے سے تیسرا حصہ ڈاکٹر آفتاب اصغر صاحب تحریر فرمائیں گے جو بعد ازاں مجلس کے زیرِ اہتمام شائع کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ ''تاریخِ ایران'' کے حوالے سے مجلس کا یہ کام نہ صرف محققین بل کہ شائقینِ تاریخ کے لیے بھی گِراں قدر استفادے کا مُوجب ہوگا۔

(ادارہ)